برِ صغیر میں تشیع اور اجتہاد

جلد۔۲

(تذکرۂ علمائے اجتہاد)

ساحر لکھنوی

ایک علمی وادبی تحقیقی مقالہ

برِّصغیر میں تشیع اور اجتہاد

جلد۔۲

(تذکرہ علمائے اجتہاد)

برِّصغیر پاک وہند میں اتحاد بین المسلمین کے جذبہ کو عملاً فروغ دینے والے

بارھویں صدی ہجری کے مجدّدِ اعظم

استاذ الکل فی الکل اعلم العلماء وافقہ الفقہاء آیۃ اللہ العظمیٰ

حضرت مولانا سید دلدار علی نقوی معروف بہ غفرانمآب علیہ الرحمۃ

اوران کے عظیم المرتبت اخلاف واحفاد وتلامذہ

کا

تحقیقی تذکرہ

تحقیق وتصنیف

ساحر لکھنوی

بارھویں صدی ہجری کے مجدّدِ اعظم

حضرت غفرانمآبؒ

(مولانا سید دلدار علی نقوی طاب ثراہ)

فقیہ و مجتہد و عالم و مجدّدِ دیں
وہ رہروِ رہِ حق رہنمائے راہِ یقیں
وہ اِک فقیر کہ زیرِ قدم تھے تاج و نگیں
وہ ایک شخص کہ جس کا کوئی جواب نہیں
وہ ایک پھول کہ اس جیسا کوئی باغ نہ تھا
وہ ایک چاند کہ جس میں کہیں بھی داغ نہ تھا

(ساحر لکھنوی)

ہدیۂ انتساب

رسولِ رب العالمین رحمۃ للعالمین مدینۃ العلم

حضرت احمدِ مجتبیٰ محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اور

صاحب نہج البلاغہ خطیبِ منبرِ سلونی بابِ مدینۃ العلم

حضرت علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام

کی ذواتِ مقدسہ کے حضور صد ہزار عجزِ غلامانہ کے ساتھ

ع گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

ان ذواتِ مقدسہ کے بعد

دنیائے علم میں ان کے نائبین مسندِ علم واجتہاد کی زینت مجددِ ملت آیۃ اللہ العظمیٰ جناب غفرانمآبؒ مولانا سید دلدار علی نقوی علیہ الرحمۃ اور ان کے انتہائی عظیم المرتبت اور جلیل القدر اخلاف واحفاد و تلامذۂ کرام کے نام جنہوں نے جہل وجاہلیت کے اندھیروں میں علمِ دین کے ایسے چراغ روشن کیے جن کو کفر و باطل کی آندھیاں کبھی بجھا نہیں سکتیں۔

کوائفِ کتاب

نام کتاب	:	برِ صغیر میں تشیع اور اجتہاد (جلد۔۲) (تذکرہ علمائے اجتہاد)
مصنف	:	سید قائم مہدی ساحرؔ لکھنوی
کمپوزنگ	:	سید انوار الحسن نقوی
ناشر	:	آثار و افکار اکادمی (پاکستان)
طابع	:	مصباح آرکیڈ
قیمت	:	۶۰۰ روپے
سنِ اشاعت	:	۱۴۳۶ھ مطابق ۲۰۱۵ء
سرورق	:	امتیاز عباس

آثار و افکار اکادمی (پاکستان)

کی

دسویں فخریہ پیشکش

الحمدللہ کہ آثار و افکار اکادمی (پاکستان) قابلِ صد احترام بیگم وجناب سید حسن عسکری جعفری صاحب مدظلہ العالی کے مالی تعاون سے حضرت ساحر لکھنوی (صدرِ اکادمی) کی ایک اور نہایت اہم محققانہ اور ناقدانہ تصنیف "برِ صغیر میں تشیع اور اجتہاد" (ج۔۲) (تذکرہ علمائے اجتہاد) پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہی ہے۔

حضرت غفرانمآب "برِ صغیر پاک و ہند کی وہ عظیم ترین شخصیت تھے جنہوں نے اُس زمانہ میں جب اس خطۂ ارض پر شیعہ نہ تو صحیح طور پر اپنے دین سے باخبر تھے نہ بحیثیت ایک قوم اُن کی کوئی شناخت تھی، شیعوں کی دینی تعلیم اور ان کے افکار و اعمال کی اصلاح کے ذریعہ شیعہ سماج کی تشکیل کرنے اور شیعوں کو ایک آبرومندانہ قوم کی حیثیت سے شناخت عطا کرنے کے لئے اپنے آپ کو اور اپنی اولاد اور تلامذہ کو وقف کر دیا جس کے نتیجہ میں برِ صغیر میں شیعہ ہر اعتبار سے ایک منظم متحد اور سربلند قوم کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ اسی پس منظر میں حضرت ساحر لکھنوی نے اس مقالہ میں برِ صغیر میں شیعیت اور شیعوں کی دینی علمی اور سماجی تاریخ لکھی ہے۔

یہ حضرت ساحرؔ کا چوتھا تحقیقی اور تنقیدی مقالہ ہے۔ اس سے پہلے ان کے تین مقالے

(۱) فنِ تاریخ گوئی کا تنقیدی جائزہ (۲) خانوادۂ اجتہاد کے مرثیہ گو، اور (۳) مرثیہ پر اعتراضات کا تنقیدی جائزہ" شائع ہو چکے ہیں۔

امید ہے کہ حضرت ساحر لکھنوی کا یہ نہایت اہم مقالہ بھی صاحبانِ علم اور اہلِ نظر حضرات کے ساتھ ساتھ قارئین کے ہر طبقہ میں انشاءاللہ مقبولیت حاصل کرے گا۔

یہ اکادمی ملتِ جعفریہ کے اہلِ علم و اہلِ قلم حضرات کی پذیرائی اور قدر افزائی اور ملت میں فروغِ علم و ادب کے لئے سولہ سترہ سال سے پُر خلوص خدمات انجام دے رہی ہے۔ ان خدمات کو جاری رکھنے کے لئے اکادمی کو قوم کے بھرپور تعاون کی ضرورت ہے۔ سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ قوم کے زیادہ سے زیادہ حضرات و خواتین اس اکادمی کی رکنیت حاصل کر کے اس ادارہ کو مستحکم کریں اور دامے درمے قدمے سخنے جو جس طرح تعاون کر سکتا ہو، ہم اس کے شکر گزار ہوں گے۔ بارگاہِ مولائے علم سے بھی انشاءاللہ صلہ کا یقین رکھیں۔

آپ کے تعاون کے امیدوار

انتظامیہ

آثار و افکار اکادمی (پاکستان) کراچی

ترتیب کتاب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○

"یہ کتاب"

معروضات:

ہزار صد ہزار بار شکر اس پروردگارِ عالم کا جس نے اپنے بندگانِ خاص جمیع چہاردہ معصومین علیہم السلام کو علم جیسی نعمت بے حساب عطا فرمائی اور ان ذواتِ مقدسہ کے صدقہ میں مجھ ایسے حقیر فقیر بے علم و ہنر اور جہلِ مجسم کو یہ توفیق عطا فرمائی کہ ایک ایسے اہم اور تحقیق طلب موضوع پر قلم فرسائی کی جسارت کروں جو صرف علماء اور محققین کا منصب تھا اور ہزار ہزار شکر مدینۃ العلم جناب محمد مصطفیٰؐ اور بابِ مدینۃ العلم مولا علیؑ ابنِ ابی طالبؑ اور جمیع معصومینؑ کا جن کے لطف و کرم اور عنایاتِ بے پایاں سے میں نے ایک ایسی عظیم المرتبت اور جلیل القدر شخصیت کو برِصغیر کے عوام و خواص سے عموماً اور ملتِ جعفریہ کے ہر طبقہ کے افراد سے خصوصاً اپنی بساط بھر متعارف کرانے کی کوشش کی جس کو صرف عوام ہی نہیں، علماء تک فراموش کر چکے ہیں۔

اس حوالہ سے ایک طرف تو صورتِ حال یہ ہے کہ پاکستان میں ہر طرف یہ صدائیں بلند ہوتی ہیں کہ شمالی ہند کے شیعہ علماء نے بھلا کون سے ایسے کارنامے انجام دیئے کہ بار بار اُن کا ذکر زبانوں پر آتا رہتا ہے۔ عام مومنین کا کیا ذکر صاحبانِ علم تک کی لاعلمی کا یہ حال ہے کہ ہمارے ایک تحقیقی مقالہ "خانوادۂ اجتہاد کے مرثیہ گو" پر ملت کے ایک معروف صاحب قلم نے تبصرہ لکھتے ہوئے اس حیرت کا اظہار کیا کہ ایسا بھی کوئی خاندان تھا یا ہے۔ حالانکہ ایک تو پاکستان میں اس

خاندان کے علمائے کرام برابر تشریف لاتے رہے جن میں ذاکرِ شامِ غریباں حضرت عمدۃ العلماء مولانا سید کلبِ حسین صاحب قبلہ طاب ثراہ، سید العلماء حضرت علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ (مولوی نقن صاحب) طاب ثراہ اور صفوۃ العلماء حضرت مولانا سید کلبِ عابد صاحب قبلہ طاب ثراہ، جناب مولانا ڈاکٹر کلبِ صادق صاحب قبلہ مدظلہ العالی اور جناب مولانا کلبِ جواد صاحب قبلہ مدظلہ العالی شامل ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت علامہ حسن ظفر نقوی صاحب قبلہ مدظلہ العالی کا تو قیام ہی کراچی میں ہے اور ان کا زیادہ وقت پنجاب ہی میں گزرتا ہے۔

دوسری طرف ملت کے علمائے کرام کے بہت سے تذکرے اردو، فارسی اور عربی میں موجود ہیں جن میں ورثۃ الانبیاء، نجوم السماء، تکملۂ نجوم السماء، تذکرۂ بے بہا اور خود لاہور میں لکھی گئی کتاب "مطلع انوار" جو حضرت مولانا مرتضٰی حسین صاحب فاضل اعلی اللہ مقامہٗ کی تصنیفِ لطیف ہے۔ ان کا قیام مستقل طور پر لاہور ہی میں تھا۔ اس کے علاوہ پنجاب میں تو شیعیت کا فروغ اسی خاندان کے نامور شاگرد حضرت مولانا ابوالقاسم حائری اعلی اللہ مقامہ کی سعی پیہم کا حاصل تھا۔

ان حقائق کے باوجود اگر یہ سوال پوچھا جائے کہ شمالی ہند کے شیعہ علماء نے کون سے کارنامے انجام دیئے تو لازم ہے کہ آج کے مومنین، قارئین اور ذوقِ تجسس رکھنے والے افراد کے لئے اس کا مفصل اور شافی جواب پیش کیا جائے۔ غالباً ایسی ہی صورتِ حال کے پیشِ نظر ماضی قریب کے معروف عالمِ دین مجتہد و فقیہہ سرکار سید العلماء حضرت علامہ سید علی نقی النقوی

الاجتہادی (معروف بہ مولوی نقن صاحب) قبلہ طاب ثراہ (۱۹۰۵ء تا ۱۹۸۸ء) نے ایک مضمون میں یہ تحریر فرمایا:-

"اہلِ زمانہ کی علم سے بے توجہی اور اس کے پُر فضا باغ سے روگردانی کا کون احساس نہیں کر رہا ہے۔ دنیا نئی روشنی پر مائل ہوتے ہوئے پرانے خیالات کو اپنے دل سے نکال رہی ہے۔ یہاں تک کہ ایک وقت وہ نظر آ رہا ہے کہ شیعوں کی کسی فرد کے سامنے اگر کسی رہنمائے دین کا نام بھی لیا جائے تو شاید وہ اس کو اجنبی سمجھ کے سُنے اور پہچان نہ سکے۔ ایسے وقت میں میرے خیال میں ہر واقف کار کا فرض ہے کہ وہ رہنمایانِ دین کے علمی کارناموں کو جہاں تک علم ہو قوم کے سامنے پیش کرے تاکہ افرادِ قوم اپنے مجددانِ شریعت کو بھولنے نہ پائیں۔ پرانے تذکرے اگرچہ تقویم پارینہ کہنے کے قابل ہیں جن سے فطرتاً دلچسپی نہیں ہوتی مگر فائدے سے خالی نہیں ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پرانے قصۂ نوحؑ و سلیمانؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ کے واقعات قرآنِ مجید میں کیوں مندرج ہوتے۔ وہ فائدہ یہی کیوں نہ سہی کہ موجودین کو اپنے سابقین کے کارنامے دیکھ کر غیرت ہی آئے۔ یہی سہی کہ دنیا اپنے گزشتہ بزرگوں کو بھولنے نہ پائے۔ یہی کہ ان کے عادات و اخلاق کے تذکرے شاید باعثِ ہدایت ہوں۔" (۱)

سید العلماءؒ کی اس سوچ اور اس فکر کی صداقت آج زیادہ واضح ہو کر سامنے آ رہی ہے کہ پاکستان میں بیشتر مومنین اور اکثر علمائے کرام تک حضرت غفرانمآبؒ ایسے برِصغیر میں تشیع کے مجددِ اعظم سے واقف نہیں، جن کی کوششوں سے شیعیت کو ایک تشخص حاصل ہوا اور شیعہ آج بھی ایک

(۱) ماہنامہ "شعاعِ عمل" بابت دسمبر ۲۰۰۲ء ص۔۱۰

باوقار اور سربلند قوم کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔

اس صورتِ حال کے پیشِ نظر اور سید العلماء طاب ثراہ کے اس نہایت اہم اور مقصدی نقطۂ نظر سے متاثر ہو کر میں نے ارادہ کرلیا کہ برِّ صغیر پاک و ہند میں اجتہاد کے آغاز کی تاریخ لکھوں اور اس زمانے میں جب غیر منقسم ہندوستان پر کفر و ضلالت کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں اور شیعیت کے خلاف کئی کئی محاذ کھلے ہوئے تھے، شیعہ عموماً تقیہ میں زندگی بسر کر رہے تھے، ہمارے رہنمایانِ دین و ملت نے کیسی کیسی مشقتیں اُٹھا کے اور کن کن حالات سے مقابلہ کر کے ترویجِ دین و شریعت کی کوششیں کیں اور کیسے کیسے کارنامے انجام دیئے، اس تفصیل کو اجمال کے ساتھ قلم بند کر کے آج کے شیعہ اہلِ علم اور عوام کے سامنے پیش کروں تاکہ وہ مقصد حاصل ہو سکے جس کی طرف سرکارِ سید العلما علامہ سید علی نقی النقوی (مولوی نقن صاحب) قبلہ طاب ثراہ نے مندرجہ بالا تحریر میں متوجہ فرمایا تھا۔

اہلِ علم اور صاحبانِ نظر پہ یہ حقیقت واضح ہوگی کہ یہ موضوع بہت وسیع اور انتہائی تحقیق طلب ہے۔ میں اپنی علمی بے بضاعتی کے باعث خود کو اس کا اہل نہیں سمجھتا تھا مگر کام کی اہمیت کے پیشِ نظر اللہ کے فضل و کرم اور مولائے علم کی نظرِ التفات کی امید پر اس خارزارِ تحقیق میں قدم رکھ دیا اور بمصداق۔

در ایں دریائے بے پایاں، در ایں طوفانِ شور افزا
دل افگندیم بسم اللہِ مجریھا و مرسٰھا

میں نے اپنی کشتیِ جہل دریائے علم کی موجوں کے سپرد کر دی کہ انشاءاللہ

ع: پہنچ ہی جائے گی ساحل پہ یہ آہستہ آہستہ

اعتذار

ایک ضروری عرض:

ہمارے بعض انتہائی مخلص محبت کرنے والے اور کرم فرما اہلِ علم نے اس حقیقت کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی کہ اس کتاب کی تصنیف وتالیف خصوصاً حصّہ اول کے موضوعات: تصوف، اخباریت اور اجتہاد وتقلید وغیرہ پر اگر کوئی معروف عالمِ دین اظہارِ خیال کرتا اور لکھتا تو اس کی عالمانہ شخصیت اور علمی مراتب کی وجہ سے اس کی تحریر میں وزن ہوتا اور اس کی ایک اہمیت ہوتی جو ان مختلف نظریات کی علمی شخصیتوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی۔ ان لائقِ احترام اور گرامی مرتبت کرمفرماؤں کا یہ خیال سو فیصد درست تھا۔ ہم خود بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور ہمیں اس کا پورا احساس ہے کہ ہمارے جہل اور علمی دنیا میں ہماری کوئی حیثیت نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے اس کام کو کوئی اہمیت نہیں دی جائے گی۔ اس وجہ سے کچھ دیر کے لئے تو ہم نے یہ سوچا کہ اس قلم فرسائی کا کوئی فائدہ نہیں۔ مگر پھر خیال آیا کہ یہ تو ہمارا مقصد ہی نہیں ہے کہ مختلف خیالات ونظریات کے حضرات کی اس طرف توجہ مبذول کروائی جائے۔ نہ یہ کوئی مناظرانہ تصنیف ہے۔ ہمارا مقصد تو خود ہماری ملت سے اُن عظیم المرتبت مگر فراموش کردہ شخصیات کو روشناس کرانا، ان کی یاد تازہ کرنا اور عہدِ موجود کے بعض اُن نظریات کے بارے میں شیعی نقطۂ نظر سے گفتگو کر کے ضروری معلومات بہم پہونچانا ہے جن سے لاعلمی کی بناء پر یا تو ہمارے نوجوان اور بعض بزرگ بھی ٹھوکر کھا جاتے ہیں اور غلط راستہ اختیار کر لیتے ہیں یا مخمصہ میں پڑ جاتے ہیں اور

کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس نقطۂ نظر سے ہماری یہ قلم فرسائی لا طائل اور فضول نہیں اور اسی خیال سے ہم نے اس کتاب پر کام جاری رکھنے کا فیصلہ کیا جس کے لئے ہم ان محترم اہلِ علم کے مخلصانہ نکتۂ نظر کی جہہ دل سے قدر کرتے ہوئے صمیم قلب سے ان کے شکر گذار بھی ہیں اور معذرت خواہ بھی۔

اس کتاب کے مطالعے سے صاحبانِ علم اور اہلِ نظر سے یہ بات پوشیدہ نہیں رہے گی کہ ہم نے اس موضوع پر قلم فرسائی کرتے ہوئے حتی الامکان پوری تحقیق کے ساتھ حقائق اور کوائف کو پیش کیا ہے، اپنی بساط بھر اختلافی معاملات کا جائزہ لے کر ان پر بحث کر کے محاکمہ کیا ہے، قطعاتِ تاریخ ہائے وفات کی کتابت کی غلطیوں کو حتی الامکان درست کرنے کی کوشش کی مادہ تاریخ کے مصرعوں کی غلطیوں کو درست کر کے ان سے صحیح تاریخوں کے استخراج کو ممکن بنایا ہے۔ بعض مباحث کا تنقیدی نظر سے جائزہ لے کر اپنا نقطۂ نظر پیش کیا ہے۔ ان مباحث اور تنقیدی جائزوں سے نعوذ باللہ بزرگان و گذشتگان میں سے کسی کی تنقیص اور مخالفت ہرگز مدِ نظر نہیں تھی۔ علمی و ادبی مباحث اور تحقیقی چھان بین میں ایسے مقامات آتے ہی ہیں۔ ان کا مقصد صرف حقیقت جاننا اور قارئینِ محترم کے سامنے صحیح صورتِ حال پیش کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ پھر بھی ان مباحث کے حوالے سے کسی قسم کے منفی یا خلافِ ادب و احترام تاثر کے لئے جو یقیناً ہمارے جہل اور تحریر کا سلیقہ نہ ہونے کا لازمی نتیجہ ہو سکتا ہے، ہم صدقِ دل سے معذرت خواہ ہیں۔

مجلدات میں تقدیم وتاخیر:

ہم نے اس موضوع پر کام کرنے کا آغاز آج سے سات (۷) سال پہلے ۲۰۰۷ء میں کیا تھا۔ مگر ایک تو تحقیق کی مشکلات دوسرے دیگر علمی وادبی ذمہ داریوں میں مصروفیات کی وجہ سے کام میں خلل پڑتا رہا۔ اس باعث یہ کام اور یہ کتاب آج تک مکمل نہ ہو سکی۔ ہمارا یہ منصوبہ تھا کہ کتاب کی ضخامت کم رکھنے کے لئے اسے دو جلدوں میں تقسیم کر دیں گے۔ پہلی جلد اِن موضوعات پر مشتمل ہوگی:۔

۱۔ اسلام

۲۔ تشیع

۳۔ برصغیر پاک وہند میں شیعیت کا تعارف اور مختلف مقامات پر اس کا فروغ۔

۴۔ تصوف

۵۔ اخباریت

۶۔ اجتہاد و تقلید

دوسری جلد میں حضرت غفرانمآبؒ، ان کے اخلاف واحفاد کا قدرے تفصیلی تذکرہ اور ان سب کے خاص خاص تلامذہ کا مختصر تعارف۔

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا، دونوں جلدوں میں سے کسی کا کام بھی ابھی مکمل نہیں ہو سکا تھا۔

ایسے میں ۱۴۳۵ھ کا آغاز ہوگیا اس سال ۱۹؍رجب کو حضرت غفرانمآبؒ کی رحلت کو پورے دو سو (۲۰۰) برس ہوگئے۔ یہ ایک تاریخی موقع ہے۔ موقع کی اہمیت کی وجہ سے ہم نے فیصلہ کیا کہ پہلی جلد موخر کر کے دوسری جلد کو مکمل کرنے کی کوشش کریں اور اسی سال اس کو شائع کر دیا جائے۔ اصولاً تو پہلی جلد کو پہلے آنا چاہیے مگر صورتِ حال کے تقاضہ سے مجلدات کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر ہوگئی جس کے لئے ہم معزز قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔

اس دوسری جلد پر بھی کام بہت تاخیر سے شروع ہوا جس کی وجہ سے اس کام کی تکمیل کے لئے وقت بہت ہی کم ملا اور مشکلات بہت زیادہ بڑھ گئیں۔ اگر مولائے علم کے صدقہ میں پروردگارِ عالم فضل و کرم نہ فرماتا اور مدینۃ العلم اور بابِ مدینۃ العلم کی عنایاتِ بے پایاں نہ ہوتیں تو مجھ حقیر فقیر میں یہ طاقت اور صلاحیت کہاں تھی کہ اتنا بڑا کام اتنے کم وقت میں مکمل کر سکتا۔ ان حقائق کا اثر تحقیق و تحریر پر پڑنا لازمی ہے۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ کتاب میں قارئینِ محترم کو خامیاں نظر آئیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ حالات کے پیشِ نظر جن میں ہماری علمی بے بضاعتی اور تحریر کے سلیقہ سے ناواقفیت اور نااہلی کا حصہ زیادہ ہے، قارئینِ کرام ہمیں معاف فرمائیں گے اور خامیوں سے اس حقیر فقیر کو آگاہ فرمانے میں تکلف سے کام نہیں لیں گے۔ اس کے لئے ہم اُن کے شکرگزار رہوں گے۔

گدائے درِ مولائے علم

ساحر لکھنوی

سپاس بے پایاں:۔

اس موضوع پر کام کرنے کے لئے بے شمار مآخذ و منابع کو چھاننے کی ضرورت تھی۔ ہمارے پاس موضوع سے متعلق کتابیں اور جرائد و اخبارات وغیرہ بہت کم تھے۔ ہماری طویل علالت اور اس کے بعد کے اثرات کی وجہ سے یہ تقریباً ناممکن تھا کہ ہم مختلف کتب خانوں میں جا کر اپنی ضرورت کی کتابوں اور دیگر مطبوعات کا مطالعہ کرتے اور یادداشتیں مرتب کرتے۔ اس اہم مرحلہ میں جن جن لوگوں نے ہماری مدد کی ان کا ہم پر احسانِ عظیم ہے۔ ان میں سب سے پہلی شخصیت میرے ایک عالم فاضل کرم فرما محقق، ادیب اور ذاکر جناب ڈاکٹر مولانا عسکری حسین صاحب مرحوم و مغفور کی دختر نیک اختر محترمہ زرفشاں عسکری صاحبہ ہیں جنہوں نے ہمیں ایک بہت اہم مطلوبہ کتاب جو آسٹریلیا میں شائع ہوئی تھی، وہاں مقیم اپنے بھائی کے ذریعہ تلاش کروائی مگر دستیاب نہ ہوئی تو یہاں کراچی میں کسی کتب خانے سے حاصل کر کے اس کی دونوں جلدوں کی عکسی نقول مع سرِ ورق کے بالکل مطابق اصل بنوا کر اور ہو بہو اصل کتاب کی طرح جلد بندی کروا کے ہمیں عنایت فرمائیں۔ یہ بہت اہم کام تھا جس میں انہوں نے محنت اور سرمایہ سب کچھ لگایا اور ہم ان کی ایک چھوٹی سی فرمائش بھی پوری نہ کر سکے یعنی ان کے والد گرامی کی رحلت پر ہم نے قطعہ تاریخ وفات نظم کیا تھا اور کتابت کروا کے انہیں پیش کرنا چاہتے تھے۔ ان کا اصرار تھا کہ کتابت کے بجائے ہم اپنے ہاتھ سے لکھیں، کوشش بھی کی مگر اپنی بدخطی کی وجہ سے اس طرح بھی

نہ لکھ سکے کہ دیکھنے والے گوارا ہی کر لیتے۔ اپنی اس کوتاہی کے لئے ہمیں ان سے بے حد ندامت ہے۔ کتاب کی فراہمی کے لئے شکریہ کے موزوں الفاظ سے بھی ہم تہی دامن ہیں پھر بھی تہہ دل سے ان کے شکرگزار ہیں۔

دوسری اہم شخصیت خاندانِ اجتہاد کی ایک نامور فرد قائدِ ملت حضرت علامہ سید کلب جواد صاحب قبلہ اور ان کے ماہنامہ ''شعاعِ عمل'' لکھنؤ کے مدیر محترم جناب سید مصطفیٰ حسین نقوی اسیفؔ جائسی کی ہے جنہوں نے ''شعاعِ عمل'' کے عام شماروں کے ساتھ اس کے ''غفرانمآب نمبر'' اور خاندانِ اجتہاد نمبر وغیرہ کے درجنوں شمارے اور کچھ کتابیں لکھنؤ سے ہم کو بھجوائیں، ہم دونوں حضرات کے تہہِ دل سے ممنون و متشکر ہیں۔ ان کے علاوہ عم محترم جناب سید محمد تقی صاحب مدّ ظلہٗ خلف الرشید حضرت زبدۃ العلماء مولانا آغا مہدی صاحب طاب ثراہ اور ان کے برادر خرد سید احمد صاحب مدّ ظلہٗ کے بھی تہہ دل سے ممنون ہیں جن کی عنایت سے حضرت زبدۃ العلماء کی اہم مطبوعہ اور قلمی کتب سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔

میرے برادرِ خرد عزیزی سید ثابت حسین عرف حضور نواب سلمہٗ نے بھی کتابوں وغیرہ کے حصول میں بہت مدد کی۔ ان کا کیا شکریہ ادا کروں کہ چھوٹے بھائی ہیں۔ البتہ دعا ہے کہ پروردگارِ عالم اُن کو اور اُن کے متعلقین کو صحت و عافیت کے ساتھ عمرِ خضر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

فخر العلماء حضرت علامہ سید رضی جعفر نقوی صاحب قبلہ دامِ مجدہٗ مدظلہٗ العالی کی

خدمت میں کتاب کی جلد اول کے بعض ابواب ملاحظہ کے لئے پیش کئے اور انہوں نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود میری گزارشات کو قبول فرمایا اور بہترین ہدایات سے نوازا۔ مجھ حقیر فقیر کے ساتھ ان کے خلوص اور محبت کی نظیر نہیں۔ جس وقت ان کے خلوص و محبت کا خیال آجاتا ہے تو وفورِ مسرت سے محسوس ہوتا ہے کہ زندگی کچھ اور بڑھ گئی ہے۔ ان کا شکریہ کیسے ادا کیا جائے وہ جتنی عظیم المرتبت شخصیت ہیں، ہم اُتنے ہی حقیر فقیر اور بے علم و ہنر۔

اور اب اپنی بیٹی اور اپنے داماد عزیزی حسن عسکری جعفری سلمہٗ (مقیم امریکہ) کی اس سعادت اور محبت کا ذکر بھی ضروری ہے، جنہوں نے بہ اصرار اس کتاب کی اشاعت کی ذمہ داری از خود اپنے کندھوں پر لے لی اور اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ پروردگار عالم محمدؐ و آلِ محمدؑ کے صدقے میں ان دونوں اور ان کے بچوں کو صحت و عافیت کے ساتھ انتہائی خوشگوار اور پُر مسرّت زندگیاں اور طویل عمریں عطا فرمائے اور ہر قدم پر کامیابیاں اور شادمانیاں عطا فرماتا رہے۔ آمین بحقِ محمدؐ و آلہٖ الطاہرین۔

ان کے علاوہ ہمارے ایک کرمفرما جناب محترم سید تسنیم حسین زیدی صاحب جو امریکہ سے تشریف لائے اور شعر و ادب کا اعلیٰ ذوق رکھنے والے مرثیہ نگار نیز تحقیق و تنقید و تصنیف و تالیف سے عملی دلچسپی رکھنے والے نہایت باشعور اور صاحب نظر ہیں، انہوں نے پہلی ہی ملاقات میں اس کتاب کی پروف ریڈنگ میں مدد دینے کی پیشکش کی۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں کن لفظوں میں ان کا شکریہ ادا کروں۔ بہرحال صمیم قلب سے ان کا انتہائی شکرگزار ہوں۔ یہ ان کی شعر و

ادب سے دلچسپی کی ایک روشن مثال ہے۔ پروردگارِ عالم ان کو صحت و عافیت کے ساتھ عمرِ خضرؑ عطا فرمائے اور ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔ آمین

آخر میں جناب محترم سید انوار الحسن نقوی صاحب کا شکریہ جنھوں نے اس کتاب کی کتابت سے لے کر اشاعت تک کی ذمہ داریاں ایسے خلوص اور محبت کے ساتھ انجام دیں جیسے یہ ان کا ذاتی کام ہو۔ وہ ملت کے عظیم المرتبت شاعر حضرت نجم آفندی مرحوم کے نواسے ہیں۔ یہ نسبت ہی ان کے حسنِ اخلاق کو جلا دینے کے لئے کافی ہے۔

میرے بیٹے سید محمد مہدی عرف دانش سلمہٗ اور پوتے اور نواسے نواسیاں سب کسی نہ کسی طریقے سے میرا ہاتھ بٹاتے رہے۔ پروردگار سب کو صحت و کامرانیوں کے ساتھ سلامت رکھے اور زندگی کی بہترین مسرتیں عطا فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔

دعا گو اور ممنونِ کرم

گدائے درِ مولائے علیؑ

ساحر لکھنوی

حرفِ آغاز

اجتہاد ۔ لغوی اور اصطلاحی معانی و مفاہیم

یہ کتاب چونکہ خاندانِ اجتہاد اور اس کے بانی حضرت مولانا سید دلدار علی صاحب قبلہ غفراں مآب علیہ الرحمۃ اور ان کی اولاد و احفاد میں بعض دیگر فقہاء و مجتہدین کے تذکروں پر مشتمل ہے اس لئے ہم نے یہ ضروری سمجھا کہ مختصراً اجتہاد و مجتہد کے لغوی اور اصطلاحی معانی و مفاہیم اور اجتہاد کے تاریخی پس منظر کی وضاحت کردی جائے، اس لئے کہ ایک طرف تو ذوقِ تجسس رکھنے والے افراد اس بارے میں جاننا چاہتے ہیں اور دوسری طرف اخباریت کے اجتہاد مخالف دعووں سے تذبذب میں مبتلا ہو جانے والے حضرات صحیح صورتِ حال جاننے کے مشتاق رہتے ہیں تاکہ اس مسئلے کو اچھی طرح سمجھ کر کوئی حتمی رائے اختیار کرسکیں۔

ہم نے اس کتاب کی جلد اول میں اس موضوع پر ایک باب قائم کیا ہے جس میں ذرا تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔ یہاں ہم قارئینِ کرام کی خدمت میں مختصراً ضروری معلومات پیش کررہے ہیں تاکہ "خاندانِ اجتہاد" کے بارے میں مطالعہ کرتے ہوئے اس مسئلہ میں اُن کا ذہن صاف رہے۔ لہذا ۔

خدا کے نام سے کرتا ہوں آج بسم اللہ
چل اے مرے قلمِ حق مزاج، بسم اللہ (ساحرؔ)

اجتہاد:۔

اس باب میں ہم اجتہاد، مجتہد اور تقلید پر نظر ڈالیں گے اور انہیں سمجھنے کی کوشش کریں گے۔اجتہاد کیا ہے؟

اجتہاد کی حقیقت جاننے کے لئے پہلے ہم اس کے لغوی اور اصطلاحی معنی ومفہوم پر نظر ڈالتے ہیں:۔

اجتہاد کے لغوی معنی:۔

''اجتہاد:(ع۔بالکسر وکسر سوم۔کوشش کرنا۔دل سے سوچ کر ایک بات نکالنا،قرآن وحدیث واجماع پر قیاس کر کے شرعی مسائل کا استنباط کرنا)
مذکر۔اب فقہ وغیرہ علوم دینیہ کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ جس فن میں ماہرِ فن کسی مسئلہ پر حکم لگائے اور اپنے قیاس سے کوئی بات پیدا کرے،وہاں بھی اجتہاد کا اطلاق ہوتا ہے۔

ہم اپنے فن میں نہ کیوں مجتہد ہوں اے سرور
کہ اجتہاد ہے مانے ہوئے جہاں اپنا'' (۲)

اجتہاد کی اس لغوی تعریف میں صاحب نور اللغات نے جن کا تعلق اہلسنت سے تھا، اہلسنت ہی کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کی ہے اور قیاس کو شرعی مسائل کے حل کے لئے احکام شرع کے ماخذ کے طور پر درج کیا ہے۔شیعہ قیاس کو جائز نہیں سمجھتے۔

---

(۲) نور اللغات ج۔۱۔ص نمبر۔۲۷۲

اجتہاد کی اصطلاحی تعریف وتشریح شیعی نقطۂ نظر سے۔

مختصر طور پر اجتہاد کا مطلب ہے دینی امور میں بصیرت پیدا کرنا اور ان کے متعلق فیصلہ کرنے کی صلاحیت حاصل کرنا۔(۳) دورِ حاضر کے ایک معروف اور معتبر عالمِ دین حضرت علامہ عقیل الغروی صاحب قبلہ مدظلہٗ العالی نے فرمایا۔ "جہاں حکمِ الٰہی معلوم نہ ہو وہاں حکمِ الٰہی کے اخذ کرنے کو اجتہاد کہتے ہیں۔" (۴)

زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب طاب ثراہ فرماتے ہیں:۔

"شرع کے فروعی احکام کو تفصیلی دلیلوں سے جاننے کا نام اجتہاد ہے" (۵)

زبدۃ العلماءؒ اس مقام پر مزید تحریر فرماتے ہیں:۔

"اجتہاد کے معتبر ہونے کے لئے مندرجہ ذیل امور ضروری ہیں:۔

۱۔ علماء کے اقوال سے باخبر ہونا۔

۲۔ قوتِ قدسیہ کا حاصل ہونا جس سے استنباطِ مسائل کا سلیقہ اور ملکۂ عادلہ پیدا ہو جائے۔ کمالِ علم کے بعد یہ درجہ حاصل ہونا مجتہد کا منصب ہے" (۵)

چونکہ فقیہہ اور مجتہد کا کام استنباط و استخراج احکام ہے اس لئے لازم ہے کہ فروعِ فقہ کو اصول کی طرف راجع کرنے اور دلیل کو مدلول پر منطبق کرنے میں پوری مہارت رکھتا ہو۔(۶)

"نیز وہ فقیہہ (مجتہد) معقول کو منقول سے برآمد کرنے کی صلاحیت کا حامل ہو۔(۷)

لغت میں مجتہد کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے:۔

☆ مجتہد کوشش کرنے والا۔

---

(۳) استاد شہید مرتضیٰ مطہری "اجتہاد و تقلید"۔ (۴) ایک مجلس سے خطاب (۵) زبدۃ العلماء مولانا آغا مہدی قبلہ طاب ثراہ "تاریخ سید العلماءؒ (قلمی) باب نمبر ۵، (۶) آیۃ اللہ سید ابراہیم معروف مرزا آقائی شیرازی اجازۂ اجتہاد برائے سید العلماء علامہ سید علی نقی مدظلہ قبلہ طاب ثراہ مندرجہ "سید العلماءؒ حیات اور کارنامے" (۷) آیۃ اللہ شیخ محمد حسین طہرانی۔ (اجازۂ اجتہاد برائے سید العلماء)

☆ جد و جہد کرنے والا۔

☆ ٹھیک اور عمدہ راستہ نکالنے والا۔

☆ امامیہ مذہب کا فقیہ۔

☆ پیشوائے مذہب جو دلیل کے ساتھ ایک بات کا قائل ہو۔

☆ اجتہاد کرنے والا۔

☆ کتاب اور سنت سے مذہبی مسائل نکالنے والا۔" (۸)۔

کسی بھی طالب علوم دین کو درجہ اجتہاد و استنباطِ مسائل پر فائز ہونے کے لئے قرآن تفسیر، فقہ اور اصول فقہ، حدیث، رجال، سیر، تاریخ، فلسفہ، منطق اور علوم ادبیہ وغیرہ متعدد علوم میں کامل دسترس حاصل کرنا ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ دوسروں کی فقہ کے متعلق بھی ضروری معلومات حاصل کرنا ہوتی ہیں۔

" اجتہاد کے معنی ہی اہلیت اور تخصصِ فنی کے ہیں۔ جو شخص قرآن و حدیث سے استفادہ کرنا چاہتا ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ قرآن کی تفسیر، آیات کے معانی، ناسخ و منسوخ اور محکم و متشابہ آیات سے واقفیت رکھتا ہو۔ اسی طرح معتبر اور غیر معتبر احادیث میں فرق کرسکتا ہو۔ اس کے علاوہ صحیح اور معقول قواعد کے مطابق حتی الامکان احادیث کے تعارض کو رفع کرسکتا ہو۔ جو مسائل متفق علیہ اور اجماعی ہیں، ان سے واقف ہو۔ آیاتِ قرآنی اور احادیث کے قواعدِ کلیہ سے استفادہ اور مختلف مسائل پر ان کے اطلاق میں مہارت رکھتا ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ جو مواد اس کے سامنے موجود ہے اس میں سے ایک ماہر صناع کی طرح صحیح مواد کے انتخاب کی صلاحیت اور استعداد رکھتا ہو۔ خصوصاً احادیث میں جعلی اور موضوع یعنی گڑھی ہوئی حدیثیں، بہت ہیں اور صحیح و

(۸) نور اللغات۔ ج۔۴، ص۔۲۹۹

غلط ایک دوسرے میں مخلوط ہیں۔ قرآن وحدیث کے صحیح فہم کے لئے یہ معلومات بہت ضروری ہیں۔"(۹)
مجتہد و فقیہہ اس کو کہتے ہیں جو ان تمام علوم کا جامع ہو۔ فقیہہ و مجتہد کے علم کی وسعت کے مندرجہ بالا مختصر بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جن لوگوں کو کسی دینی مدرسہ میں کچھ عرصہ تعلیم حاصل کر کے عربی زبان میں کچھ شُد بُد آجاتی ہے اور عربی سے اردو یا مقامی زبان میں ترجمہ کر لینے کی صلاحیت حاصل ہو جاتی ہے وہ اپنے آپ کو مجتہد و فقیہہ یا اس سے بہتر اور برتر سمجھنے لگتے ہیں، وہ غلطی پر ہیں۔ صرف عربی ادب صرف و نحو، معانی و بیان اور منطق پڑھ لینے سے اور سطحیات کی چند کتابیں مثلاً فرائید، مکاسب اور کفایہ کا مطالعہ کرنے کے بعد کچھ عرصہ درس خارج میں شرکت کرنے سے کوئی اجتہاد کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ واقعی اور مضبوط مجتہد و فقیہہ بننے کے لئے طویل تعلیم اور مشق کی ضرورت ہے۔ مناسب ہوگا کہ یہاں پر فقیہہ کی تعریف اور اس کا قرآنی حوالہ بھی درج کر دیا جائے۔

سورۂ توبہ قرآن مجید کا نواں (۹) سورہ ہے جس کی آیت نمبر۔۱۲۲ میں صریحاً ہدایت کی گئی ہے "مسلمانوں کی ایک جماعت تفقہ پیدا کرے اور دوسروں کو تفقہ سے بہرہ مند کرے۔"

تفقہ کا مادہ فقہ ہے جس کے معنی کامل بصیرت حاصل کرنا اور کسی شئے کی حقیقت تک پہنچنا ہے۔

راغب اصفہانی "مفردات القرآن" میں لکھتے ہیں:۔

"فقہ کے معنی معلوم کے ذریعہ نامعلوم کی دریافت کے ہیں اور تفقہ کے معنی کسی چیز کو دریافت کرنا اور اس میں تخصص حاصل کرنا ہے"۔ (۱۰)

آقائی مطہری شہید کا ارشاد ہے کہ اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ دین کا سطحی علم حاصل نہ کریں بلکہ غور و فکر سے کام لیں اور احکام الٰہی کی روح تک رسائی حاصل کریں۔ یہی آیت تفقہ اور اجتہاد کے لئے سند اعتبار ہے۔

---

(۹) استاد شہید مرتضٰی مطہری "اجتہاد و تقلید"۔

(۱۰) مفردات القرآن۔ بحوالہ استاد شہید مرتضٰی مطہری۔ "اجتہاد و تقلید" ص نمبر۔۳۲

تشیع میں اجتہاد

اسلام میں اجتہاد کی لفظ یا اصطلاح سب سے پہلے اہلسنت کے ہاں رائج ہوئی۔ انہوں نے شرعی مسائل کے حل کے لئے چار ماخذ قرار دئے۔

(۱) کتاب (قرآن مجید) (۲) سنت (۳) اجماع اور (۴) اجتہاد جس کے بارے میں علمائے اہلسنت میں اختلاف ہے۔

(الف) اجتہاد کے بارے میں امام شافعیؒ کا کہنا ہے کہ جس اجتہاد کا ذکر احادیث میں آیا ہے، وہ صرف قیاس تک محدود ہے۔ قیاس کا مطلب یہ ہے کہ کسی صورتِ حال میں وہ حکم دیا جائے جو اس سے ملتی جلتی اور اسی سے مشابہ کسی اور صورتِ حال میں دیا گیا ہو۔

(ب) بعض دوسرے سنّی فقہاء کے نزدیک اجتہاد قیاس تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کے لئے استحصان بھی معتبر ہے۔ استحصان کا مطلب ہے کہ ملتی جلتی مثالوں کو پیشِ نظر رکھے بغیر وہ حکم دیا جائے جو حق وانصاف سے زیادہ قریب معلوم ہو اور ہماری عقل وذوق کے مطابق ہو۔

(ج) بعض علمائے اہلسنت کے مطابق ایک اور ماخذ ''استصلاح'' ہے جس کا مطلب ہے ایک مصلحت کو دوسری مصلحت پر ترجیح دینا۔

(د) کچھ دوسرے سنّی علماء اجتہاد کے لئے ''تاؤل'' کو بھی ایک ماخذ قرار دیتے ہیں۔ ''تاؤل'' کا مطلب یہ ہے کہ ''نص'' کی موجودگی کے باوجود کسی آیت یا معتبر حدیثِ نبویؐ کے ہوتے ہوئے بھی انہیں یہ حق حاصل ہے کہ بعض خاص صورتوں میں ''نص'' سے قطع نظر کر کے اپنے اجتہاد اور اپنی رائے کو ترجیح دیں۔

شیعی نقطۂ نظر سے اس طرح کا اجتہاد جائز نہیں ہے۔ یہ اجتہاد بالرائے ہے یعنی جو بات قرآن وسنت میں موجود نہیں ہے مجتہد خود اپنی رائے سے اسے وضع کردے۔ اسے تشریع یا قانون سازی بھی کہہ سکتے ہیں۔ تشیع میں ایسا اجتہاد ممنوع ہے۔ جو لوگ تشیع میں اجتہاد کی مخالفت کرتے ہیں ممکن ہے ان کی نظر میں اجتہاد کی یہی تعبیر ہو۔

اس طرح کے اجتہاد بالرائے اور اس کے مذکورہ چار ماخذ یعنی قیاس، استحصان، استصلاح اور تاؤل کے جواز کے بارے میں اہلسنت کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ بقول اُن کے کتاب و سنت میں احکام کی تعداد محدود ہے جبکہ ان واقعات اور ان صورتوں کی تعداد لامحدود ہے جن کے متعلق احکام کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا کتاب وسنت کے علاوہ بھی احکام کا کوئی ماخذ ہونا ضروری ہے۔

اہلسنت کے برخلاف ائمہ اہلبیت اطہارؑ اور علمائے شیعہ اس نکتۂ نظر کو غلط سمجھتے ہیں کہ کتاب وسنت کے احکام کافی نہیں ہیں اس لئے اجتہاد بالرائے کی ضرورت ہے۔ شیعہ علماء کے نزدیک ایسی بہت سی احادیث اور روایات موجود ہیں جن کے مطابق کلّی طور پر ہر چیز کا حکم کتاب وسنت میں موجود ہے۔ لیکن کتاب وسنت سے ان مسائل کے احکام کا استنباط واستخراج کرنا مجتہد جامع الشرائط ہی کا کام ہے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ اہلبیتِ اطہارؑ نے ہمیشہ قیاس کی ممانعت کی ہے۔ لہذا خواہ اس کو اصل احکام کے استنباط کا ذریعہ سمجھا جائے یا اس کا محض ایک طریقہ جانا جائے۔ تشیع میں یہ دونوں صورتیں باطل اور ممنوع ہیں۔

پانچویں صدی ہجری تک شیعہ علماء اپنی تصانیف میں "اجتہاد" کی لفظ اہلسنت کے

اجتہاد بالرّائے کی رد کرنے اور اسے باطل ثابت کرنے کے لئے ہی استعمال کرتے تھے۔ اُس وقت تک اُنہوں نے اجتہاد کے اس نظریہ کو قبول نہیں کیا تھا۔ اخباری حضرات جو یہ کہتے ہیں کہ چوتھی صدی ہجری تک تشیع میں اجتہاد نہیں تھا۔ بعد میں شیعہ علماء نے اہلسنت کی دیکھا دیکھی تشیع میں بھی اجتہاد کو داخل کر دیا۔ اس میں صرف اس قدر صحیح ہے کہ جب تک اجتہاد کا لفظ قیاس اور اجتہاد بالرّائے کے معنوں میں استعمال ہوتا رہا، شیعہ علماء اور فقہاء نے اسے ناجائز و ممنوع قرار دیا۔ لیکن پانچویں صدی ہجری میں اہلسنت کے بعض معروف علماء نے بھی اس قسم کے اجتہاد کو غیر معتبر سمجھ کر اپنی تصانیف میں ان معنوں میں اس کا استعمال ترک کر دیا اور اس لفظ ''اجتہاد'' کو استنباط حکمِ شرعی کے لئے مطلق جدو جہد اور کوشش ہی کے معنوں میں استعمال کرنا شروع کیا اور اس کی تعریف میں ''استفراغ الوسع فی طلب الحکم الشرعی'' کی لفظیں استعمال کیں جس کی مثال ابن حاجب کی ''مختصر الاصول'' اور غزالی کی ''المستصفیٰ'' ہے۔ جب اس طرح آہستہ آہستہ اجتہاد نے صحیح اور معقول معنیٰ اختیار کر لئے تو شیعہ علماء نے بھی ''اجتہاد'' کی لفظ کو قبول کر لیا۔ اس لئے کہ ادلۂ معتبرِ شرعیہ سے حکم شرعی کے استنباط کی انتہائی کوشش کرنے کے معنوں میں یہ اجتہاد جائز ہے۔(۱۱)

جس طرح اہلسنت میں اجتہاد کے لئے چار ادلۂ شرعیہ کتاب، سنت، اجماع، اور اجتہاد یا قیاس ہیں اسی طرح شیعیت میں بھی چار ادلۂ شرعیہ قرار دیئے گئے۔ یعنی

۱۔ کتاب

۲۔ سنت

۳۔ اجماع

۴۔ عقل بجائے قیاس

(۱۱) استاد شہید مرتضیٰ مطہری ''اجتہاد و تقلید'' ص نمبر ۹۔

مگر علمائے شیعہ کے نزدیک ادلۂ شرعیہ کو صحیح طور پر عالمانہ انداز میں سمجھنے اور ان سے احکام کے استنباط و استخراج کے لئے متعدد علوم کا جاننا اور ان میں مہارت حاصل کرنا ضروری ہے۔ان علوم کی تفصیل گذشتہ صفحات میں آچکی ہے۔

مندرجہ بالا بحث سے واضح ہوا کہ شیعی نقطۂ نظر سے ممنوع اجتہاد سے مراد قیاس ہے جس کو قدیم زمانے میں اہلسنت نے اجتہاد کا نام دیا تھا۔اس کے برعکس جائز اجتہاد سے مراد تخصص فنی کی بناء پر استنباطِ احکام کی پوری کوشش کرنا ہے۔

علمائے شیعہ کے مطابق چار ادلۂ شرعیہ یعنی (۱) کتاب (۲) سنت، (۳) اجماع اور (۴) عقل سے احکامِ شرع حاصل کرنے کے بارے میں یوں وضاحت کی گئی ہے:۔

(۱) کتاب (قرآن):۔اس میں جن آیات کے معانی ظاہر ہیں انہیں خود سمجھ کر عمل کرنا فرض ہے۔اور جن کے معانی مجمل یا مبہم ہیں اُن کی شرح کو احادیثِ معصومینؑ سے معلوم کرنا چاہئے۔اٹکل پچو (یعنی محض قیاس سے) ان آیات کے بارے میں رائے زنی کرنا درست نہیں۔

(۲) حدیث: یعنی رسولؐ اللہ اور اُن کے جانشین ائمہ اہلبیتِ اطہارؑ کے اقوال و افعال و سکوت۔

(۳) اجماع: اس کے معنی اجماعِ امت یا عام اشخاص کا کسی بات پر متفق ہونا نہیں ہے، جب تک کسی ذریعہ سے یہ یقین نہ ہوجائے کہ امامؑ بھی ان سے متفق ہیں۔اس کا موجودہ زمانے میں حاصل ہونا غیر ممکن ہے۔

(۴) عقل: یقینی طور پر جو عقل کے فیصلے ہوں جیسے امانتداری کا مستحسن ہونا، خیانت کا

فعلِ قبیح ہونا، یہ فیصلے عقل کے بھی مستند ہیں مگر قیاس یعنی ایک چیز کے شرعی حکم سے دوسری چیز کے شرعی حکم کا صرف گمان کی بناء پر اپنے دل سے نکالنا ہمارے نزدیک بے اصل ہے اور اس پر عمل کرنا جائز نہیں۔" (۱۲)

اس وضاحت کے بعد یہ علم ہوگیا کہ فی زمانہ شرع کے مآخذ صرف تین ہیں یعنی (۱) کتاب (قرآن)۔ (۲) سنتِ رسول و آئمہ اطہارؑ۔ (۳) عقل۔

اخباری حضرات کا دعویٰ ہے کہ چوتھی صدی ہجری تک تشیع میں اجتہاد تھا ہی نہیں جس کے بعد اہلسنت کی پیروی میں شیعیت میں بھی اجتہاد کو داخل کر دیا گیا۔ یہ دعویٰ سرتا سر غلط ہے۔ درحقیقت اجتہاد تو دورِ ائمہ معصومینؑ میں بھی موجود تھا۔ خاص طور پر امام محمد باقرؑ اور امام جعفرِ صادقؑ اور ان کے بعد کے ائمہ اطہارؑ کو جب علومِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی ترویج و اشاعت کے مواقع نصیب ہوئے تو یہ ذواتِ مقدسہ اپنے شاگردوں کو قرآن و حدیث و ارشاداتِ معصومینؑ کی تفسیر و توضیح کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان مآخذ سے اسلامی قوانین اور احکامِ خداوندی کے استنباط و استخراج اور اختلافی مسائل وغیرہ کے حل کے طریقے بھی تعلیم فرماتے تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ مرکز سے دور علاقوں میں مومنین کے مسائل حل کرنے کے لئے انہیں وہاں بھیجتے بھی تھے، جہاں وہ نصوص کی عدم موجودگی کی صورت میں اجتہاد کے ذریعے احکامِ الٰہی کا استنباط و استخراج کر کے مسائل کے حل بتاتے تھے۔ وہ سب اپنے وقت کے مجتہد تھے اور آئمہ اطہارؑ کی صحبتوں سے فیضیاب اور اُن کی تعلیمات سے آراستہ تھے۔ ان میں سے کئی ایک کے نام تاریخ میں محفوظ ہیں۔

---

(۱۲) سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب قبلہؒ "مذہب شیعہ ایک نظر میں"
(ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ اور وصیت نامہ حضرت غفرانمآبؒ۔ ص نمبر ۔۳۳۔)

برصغیر پاک وہند میں شیعیت

برصغیر پاک وہند میں بارھویں صدی ہجری کے ربع آخر کے وسط تک دنیائے شیعیت پر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اگرچہ دسویں صدی ہجری کے آغاز یعنی ۹۰۸ھ مطابق ۱۵۰۳ء میں بیجاپور (دکن) کے بادشاہ علی عادل شاہ نے اپنی ریاست کو برصغیر کی پہلی شیعہ ریاست قرار دے دیا تھا اور عراق اور ایران وغیرہ سے علماء وشعراء اور دانشور شخصیات اور فوجی سرداروں کو بلا کر انہیں بڑے بڑے عہدوں پر فائز کر دیا تھا لیکن مقامی آبادی کے تعصب اور فوج میں بلازم افریقہ کے متعصب حبشی سپاہیوں کے گٹھ جوڑ کی وجہ سے ان کو تقیہ اختیار کرنا پڑا اور اسی گٹھ جوڑ کی بناء پر ان عظیم المرتبت شخصیات میں سے بیشتر کو شہید کیا جاتا رہا۔ بعض موقعوں پر تو قتل عام ہوا۔

دوسری طرف مغل حکومت میں اگرچہ ایران کے شیعہ حکمرانوں نے مغل بادشاہ بابر اور ہمایوں کو فوجی مدد دے کر ان کی کھوئی ہوئی سلطنتیں ان کو واپس دلوائیں اور اس کے صلہ میں ان سے شیعیت کو رائج کرنے کے عہد لئے مگر مغل بادشاہوں کا شیعوں کے خلاف تعصب انتہائی افسوسناک ہی نہیں، ظالمانہ بھی تھا۔ ہم نے اس موضوع پر اس کتاب کی پہلی جلد میں گفتگو کی ہے۔ برصغیر میں ہمایوں کی حکومت کی بحالی کے بعد وقتاً فوقتاً ایران سے علماء و دانشور شخصیات کی آمد شروع ہو گئی تھی جو مسلک کے اعتبار سے شیعہ تھے۔ وہ اپنے ساتھ بعض اہم کتابیں بھی لائے تھے مگر ان کے لئے کھل کر شیعیت کی تعلیم وتبلیغ تقریباً ناممکن تھی۔ البتہ تقیہ کی وجہ سے ان کے اصل مذہب سے لاعلمی کی بناء پر دکن اور دہلی کے بادشاہوں میں سے بعض نے عظیم المرتبت شیعہ علماء کو اپنے بیٹوں کی تعلیم پر مامور کیا۔ انہوں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر ان شاگردوں کے دل ودماغ

میں شیعیت پیدا کردی۔ بعض علماء (اساتذہ) کا حال کھلنے کے بعد انہیں قتل کردیا گیا۔

برصغیر میں شیعوں کا وجود ضرور تھا۔ مولائے کائناتؑ کے دورِ حکومت میں شیعیت سندھ میں داخل ہو چکی تھی اور ''جٹ'' نام کی ایک سندھی قوم نصیریوں کی طرح مولا علیؑ کے غالی شیعوں میں شامل ہوگئی تھی۔ ان کے علاوہ پورے برصغیر میں جہاں جہاں شیعہ تھے وہ بیشتر تقیہ میں رہتے تھے۔ برصغیر میں کوئی عالمِ دین درجۂ اجتہاد پر فائز نہیں تھا جو شیعوں کی ہدایت کا فریضہ انجام دیتا، حقیقی شریعتِ محمدیؐ کی تعلیم دیتا، فقہی و شرعی مسائل سے اُن کو آگاہ کرتا اور ان کی اصلاح و تنظیم کر کے ایک قوم کی حیثیت سے ان کی شناخت قائم کرتا۔

اس صورتِ حال نے شیعوں کو جہالت کے اندھیروں میں ڈھکیل دیا تھا۔ وہ نہ اپنی شریعت سے آگاہ تھے نہ شرعی و فقہی مسائل سے۔ وہ صوفیت اور اخباریت کے پنجے میں پھنسے ہوئے تھے۔ اپنی فقہ کے مطابق نماز روزہ اور دفن و کفن تک کے مسائل سے نابلد تھے۔ اکثر شیعہ عوام کیفیتِ طہارت وصوم وصلوٰۃ اہلسنت کے طریقوں کے مطابق انجام دیتے تھے۔ اکثر لوگ بغیر تقیہ کے بھی ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے تھے۔ عقدِ نکاح بھی اہلسنت کی طرح منعقد ہوتا تھا اور کسی شخص کو یہ نہیں معلوم تھا کہ نکاح میں ''آمنتُ باللہ'' کہنا چاہیے یا صیغہ پڑھنا چاہیے۔ شیعہ علماء اجتہاد سے گریزاں اور اخباریت پر عامل تھے۔ شیعہ عوام کی ہدایت کون کرتا۔

اُس وقت برصغیر میں شیعیت کی اس صورتِ حال کے بارے میں سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ تحریر فرماتے ہیں۔

> ''اُس وقت ہندوستان میں فرقۂ شیعہ کے افراد بڑے دورِ جہالت سے گزر رہے تھے۔ اقلیت میں ہونے کے ساتھ کوئی علمی اور دینی سرچشمہ قریب نہ ہونے

کی وجہ سے دوسری جماعتوں کے رسوم اختیار کیے ہوئے تھے۔ احمد کبیر کی گائے، شیخ سدّو کا بکرا، میراں جی کے گلگلے اور بھوانی جی کی منّتیں، ایسے رسوم شیعوں میں رائج تھے۔ اُس وقت ایک محاذ شیعیت کے خلاف اہلسنت کا تھا اور دوسری طرف صحیح تعلیماتِ شریعت کے خلاف اخباریت کا تھا۔ تیسرا بے مغز صوفیت کا جس کے نتیجے میں پیری مریدی کا زور تھا اور احکامِ شرعیہ سے قطعی بے پروائی برتی جاتی تھی۔'' (۱۳)

اس صورتِ حال کی تصریح زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب اعلی اللہ مقامہ نے اپنی تصنیف ''سوانح حیات حضرت غفرانمآب'' میں یوں کی ہے:۔

''مسلمانوں کی یہ حالت ہوئی کہ مادیّت کا اگر ایک بادل ہٹا تو اس کی جگہ دوسرے بادل نے لے لی اور مہاجرین ''از دام جستہ سوئے دام می روز'' کا مصداق بن گئے۔ احمد کبیر کی گائے، شیخ سدّو کا بکرا، ہٹیلے کا مرغ، بی بی گرج کا روٹ، میاں جلال کے کونڈے، مدار صاحب کی انکھیاں اور بھنگ نوشی دعوتِ عام تھی۔ صوفیت کے پُر شکوہ ایوانوں میں گیروے لباس میں ملبوس رہنما صرف ''یا حق'' کی صدا کو واحد عبادت قرار دیتے ہوئے نماز روزہ سے غافل ہاتھ میں طوطی کا پنجرہ جو پناہ بخدا ان کے عقیدۂ حلول وتحلیل کی بولتی ہوئی تصویر یا کردار پر خاموش گواہ تھا۔'' (۱۴)

راقم الحروف نے ایک شخصی مرثیہ میں جو سید العلماء حضرت علامہ سید علی نقی النقوی الاجتہادی کی رحلت پر ''علم اور علماء'' کے موضوع پر تصنیف کیا تھا، برصغیر کے شیعوں کی اس زبوں حالی پر اس طرح اشارتاً کہا تھا ؎

نجف میں، مشہد وقُم کی فضا میں آٹھ پہر
اس آسماں پہ چمکتے تھے کتنے شمس و قمر
مگر نہ تھا کوئی ہندوستاں میں علم کا در
جہاں سے نور ہدایت کا پاتے اہلِ نظر

(۱۳) ''جناب غفرانمآب'' ص نمبر۔۵، از سید العلماء علامہ سید علی نقی طاب ثراہ۔

(۱۴) سوانح حیات حضرت غفرانمآب'' ص نمبر۔۱۳، از زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ۔

دیارِ ہند کو تاریکیوں نے گھیرا تھا
یہاں ہر ایک طرف جہل کا اندھیرا تھا
تھے اس دیار میں کہنے کو پیروانِ علیؑ تھے اجتہاد سے ناواقف اہلِ علم سبھی
کوئی فقیہہ تھا ایسا نہ مجتہد کوئی بتاتا ان کو جو احکام فقہی و شرعی
بس اتنا تھا کہ نبیؐ و علیؑ کو مانتے تھے
عوام دین کے بارے میں کچھ نہ جانتے تھے
تھے اپنی قوم میں رائج طرح طرح کے رسوم تھی شیخ سدّو و احمد کبیر کی اِک دھوم
نمازِ جمعہ سے بیگانہ، فقہہ سے محروم نہ رازدانِ شریعت نہ آشنائے علوم
تھے غرق کچھ تو اُدھر صوفیت کے ساغر میں
پھنسے تھے کچھ اِدھر اخباریت کے چکر میں

یہی صورتِ حال تھی کہ:۔

یکایک آگیا قدرت کو رحم ملت پر کرن امید کی تاریکیوں میں آئی نظر
اُس آفتاب کو لے کر ہوئی طلوع سحر ہے جس کی روشنی برصغیر میں گھر گھر
جسے سب اہلِ نظر آفتاب کہتے ہیں
اُس آفتاب کو غفرانمآبؒ کہتے ہیں (۱۵)

(۱۵) مرثیہ ''علم اور علماء'' از ساحر لکھنوی

تعلیمات اور علمی جہاد سے شیعیت کی مخالف قوتوں کو شکستِ فاش دی اور باطل کے قلعوں کو فتح کیا۔ کفر وضلالت کے اندھیروں میں صحیح اسلامی تعلیمات کے چراغ روشن کر کے ہر طرف حق کا اجالا پھیلا دیا۔ ملتِ شیعہ کو جہالت کے اندھیروں اور سماجی پستیوں کی ذلّت سے نکالا اور اپنی اصلاحی کوششوں سے عزت، آبرومندی اور وقار عطا کر کے معاشرہ میں سربلند کر دیا۔ وہ برِصغیر میں بارھویں صدی ہجری کے مجدّدِ اعظم تھے۔ علوم معقول ومنقول میں ایک بحرِ ناپیدا کنار، جذبۂ میثمؒ و ابوذرؓ سے سرشار اور ایک مثالی پیروِ حیدرِ کرّار تھے۔ بزمِ علم میں اُن کا بیان فصاحت و بلاغت کا آبشار، شیعیت کے دفاع میں اُن کی زبان شمشیرِ آبدار اور اُن کا قلم پرتوِ تیغِ حیدرِ کرّار تھا۔ وہ صحیح معنوں میں نائبِ ائمہ اطہارؑ تھے۔ وہ نہ ہوتے تو برِصغیر میں شیعیت کی تاریخ کے اوراق تصوف اور اخباریت وغیرہ کی تند ہواؤں سے منتشر ہو کر نابود ہو چکے ہوتے۔

مختصر کوائف:

۱۔ اسمِ مبارک: (جناب) سید دلدار علی

۲۔ والدِ گرامی: جناب سید محمد معین

۳۔ حسب ونسب: آپ تیئس (۲۳) واسطوں سے سلسلہ ائمہ اثناعشر کے دسویں (۱۰) امامِ برحق امام علی نقیؑ کی اولادِ ذرینہ میں تھے۔

۴۔ لقب بعدِ رحلت: (حضرت) غفرانمآبؒ

۵۔ ولادت: ۱۱۶۶ھ مطابق ۱۷۵۳ء کی ایک شب جمعہ

۶۔ مقامِ ولادت: نصیر آباد ضلع رائے بریلی۔ یو پی (اودھ) انڈیا

۷۔ رحلت: ۱۹؍رجب ۱۲۳۵ھ



بارھویں صدی ہجری کے مجدد اعظم فخر المجتہدین قدوۃ المتکلمین
سید الفقہاء الاعلامؒ استاذ الکل فی الکل آیۃ اللہ العظمیٰ حضرت غفرانمآب علیہ الرحمۃ
(مولانا سید دلدار علی نقوی طاب ثراہ) (۱۱۶۶ھ تا ۱۲۳۵ھ)



بارھویں صدی ہجری کے مجدّدِ اعظم فخر المجتہدین قدوۃ المتکلمین
سید الفقہاء الاعلام استاذ الکل فی الکل آیۃ اللہ العظمیٰ حضرت غفرانمآب علیہ الرحمۃ
(مولانا سید دلدار علی نقوی طاب ثراہ) (۱۱۶۶ھ تا ۱۲۳۵ھ)

گلزارِ ہستی میں مجددِ اعظم ملتِ شیعہ کا ورودِ مسعود:

برِ صغیر پاک و ہند میں ملتِ شیعہ اسی دورِ ابتلا سے گزر رہی تھی کہ قصبہ نصیر آباد، ضلع رائے بریلی، یو۔ پی۔ انڈیا میں ۱۱۶۶ھ کی ایک شبِ جمعہ ایک نقوی سید جناب محمد معین کے گھر ایک فرزند کی ولادت ہوئی جو ایک غریب کسان تھے۔ معروف مورخ ڈاکٹر سید اطہر عباس رضوی نے ان کو ایک ''دولتمند زمیندار'' لکھا ہے، جو درست نہیں ہے۔ (۱۶)

آغازِ کرامات:

تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ اس بچہ کی ولادت کے وقت ایک ایسا نور ساطع ہوا جس سے پورا گھر روشن ہوگیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ یہ کوئی معمولی بچہ نہیں، بلکہ ایک صاحبِ کرامت ہستی ہے جسے اللہ جلّ شانہٗ نے برِ صغیر پر طاری کفر و ضلالت کے اندھیروں میں نورِ ایمان کے چراغوں سے روشنی کرنے کے لئے خلق کیا ہے۔ اسے کہتے ہیں ''پوت کے پاؤں پالنے میں''

گھر میں نور ساطع ہونے کے بارے میں مولانا مرتضیٰ حسین صاحب فاضل نے ''ورثۃ الانبیاء'' کے حوالہ سے ایک شاہدِ عینی کا ذکر کیا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ نصیر آباد کے اکابر میں سے ایک صاحب جو اُس زمان و مکاں میں موجود تھے کہا کرتے تھے کہ جناب کی ولادت شبِ جمعہ کو ہوئی اور میں نے اُس مکان میں ایک نور چمکتے ہوئے دیکھا۔ (مطلع انوار ص۔ ۲۲۰۔ تذکرہ غفران مآب + ورثۃ الانبیاء) یہ گھر کے باہر سے مشاہدہ کرنے والے کا بیان ہے، جو گھر میں ہوں گے انہوں نے اس نور سے پورے گھر کو منور ہوتے یقیناً دیکھا ہوگا۔

یہ اس عظیم المرتبت اور جلیل القدر ہستی کی آمد تھی جس نے برِ صغیر پاک و ہند میں اپنی

---

(۱۶) ڈاکٹر اطہر عباس رضوی۔ ''اثنا عشری شیعانِ ہند کی معاشرتی اور علمی تاریخ (انگریزی) ج۔ ۲، ص ۱۲۹

تعلیمات اور علمی جہاد سے شیعیت کی مخالف قوتوں کو شکستِ فاش دی اور باطل کے قلعوں کو فتح کیا۔ کفر و ضلالت کے اندھیروں میں صحیح اسلامی تعلیمات کے چراغ روشن کر کے ہر طرف حق کا اجالا پھیلا دیا۔ ملتِ شیعہ کو جہالت کے اندھیروں اور سماجی پستیوں کی ذلّت سے نکالا اور اپنی اصلاحی کوششوں سے عزت، آبرومندی اور وقار عطا کر کے معاشرہ میں سربلند کر دیا۔ وہ برِ صغیر میں بارھویں صدی ہجری کے مجدّدِ اعظم تھے۔ علوم معقول و منقول میں ایک بحرِ ناپیدا کنار، جذبہ ٔ "میثم" و "ابوذرؓ" سے سرشار اور ایک مثالی پیرو حیدرِ کرّار تھے۔ بزمِ علم میں اُن کا بیان فصاحت و بلاغت کا آبشار، شیعیت کے دفاع میں اُن کی زبان شمشیرِ آبدار اور اُن کا قلم پرتوِ تیغ حیدرِ کرّار تھا۔ وہ صحیح معنوں میں نائبِ ائمہ اطہارؑ تھے۔ وہ نہ ہوتے تو برِ صغیر میں شیعیت کی تاریخ کے اوراق تصوف اور اخباریت وغیرہ کی تند ہواؤں سے منتشر ہو کر نابود ہو چکے ہوتے۔

مختصر کوائف:

١۔ اسمِ مبارک: (جناب) سید ولدار علی

٢۔ والدِ گرامی: جناب سید محمد معین

٣۔ حسب و نسب: آپ تیئس (٢٣) واسطوں سے سلسلہ ائمہ اثنا عشر کے دسویں (١٠) امامِ برحق امام علی نقیؑ کی اولادِ ذرینہ میں تھے۔

٤۔ لقب بعدِ رحلت: (حضرت) غفرانمآبؒ

٥۔ ولادت: ١١٦٦ھ مطابق ١٧٥٣ء کی ایک شب جمعہ

٦۔ مقامِ ولادت: نصیر آباد ضلع رائے بریلی۔ یو پی (اودھ) انڈیا

٧۔ رحلت: ١٩ ر رجب ١٢٣٥ھ

۸۔ تدفین: امام باڑہ غفرانمآب۔ لکھنؤ جو آپ ہی کا تعمیر کردہ تھا۔

اس بچّہ کا نام ''سید دلدار علی'' رکھا گیا۔ رحلت کے بعد شاہِ اودھ کی طرف سے ''غفرانمآبؒ ''لقب عطا ہوا اور یہی عوام و خواص میں مقبول ہو گیا۔

لسان الہند حضرت عزیز لکھنوی لکھتے ہیں:۔

''ولادت: جناب غفرانمآبؒ (مولوی سید دلدار علی کا خطاب بعدِ وفات) کا مسقط الراس نصیر آباد ہے۔ شب جمعہ ۱۱۶۶ھ میں یہ شرف اسی سرزمین کو حاصل ہوا۔(۱۷)

سبزوار اور نصیر آباد کی تاریخی حیثیت واہمیت:

مولانا سید دلدار علی صاحب غفرانمآبؒ کے مورثِ اعلیٰ سید نجم الدین سبزواری سبزوار کے امراء و سلاطینِ غزنویہ میں سے تھے۔ سیدِ سالار مسعود غازی کی حمایت کے سلسلے میں ہندوستان تشریف لائے اور قلعہ ''وِدیانگر'' کو فتح کر کے اس کا نام ''جائے عیش'' رکھا۔(۱۸)

ا۔ سبزوار:

سبزوار میں ساری آبادی شیعہ تھی۔ ایک زمانے میں اردو کے ایک معروف ادیب جناب نیاز فتحپوری کراچی کے ایک روزنامہ میں تاریخی واقعات پر مضامین لکھا کرتے تھے۔ ایک مضمون میں انہوں نے ایک شعر لکھا ۔

سبزوار است این جہانِ بے مدار
مثلِ بوبکریم در وے خوار و زار

یہ شعر لکھ کر نیاز صاحب نے لکھا کہ آپ سمجھتے ہوں گے کہ یہ شعر کسی بہت متعصب شیعہ نے لکھا

---

(۱۷) مضامین عزیز۔ ڈاکٹر مسعود حسن رضوی۔ ص نمبر۔ ۳۰۶

(۱۸) ڈاکٹر مسعود حسن رضوی ''مضامین عزیز'' ص۔ ۳۰۶۔

ہوگا جس میں حضور کے صحابی اور خلیفہ اول حضرت ابوبکر کی اتنی توہین کی گئی ہے۔ مگر آپ کو یہ معلوم کر کے بہت حیرت ہوگی کہ یہ شعر کسی شیعہ کا نہیں بلکہ مولانائے روم کا شعر ہے اور ان کی مثنوی میں موجود ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اس شعر کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھا جب خوارزم شاہ نے سبزوار پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا تو وہاں کے شیعوں کے قتل عام کا حکم دے دیا۔ بے شمار لوگ شہید کئے گئے۔ آخر ایک دن تین چار بزرگ خوارزم شاہ کے دربار میں پہنچ گئے اور اس سے کہا کہ تو ہم پر کیوں یہ ظلم کر رہا ہے۔ اس نے کہا تم لوگ شیعہ ہو اس لئے تمھیں قتل کیا جا رہا ہے۔ ان بزرگوں نے تقیہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم شیعہ نہیں ہیں۔ ہم تو سنّی ہیں۔ خوارزم شاہ نے کہا کہ اگر تم سنّی ہو تو میرے سامنے کسی ایسے شخص کو پیش کرو جس کا نام ابوبکر ہو۔ وہ لوگ وعدہ کر کے چلے گئے اور کوششیں کرنے لگے کہ کوئی شخص دربار میں اپنا نام ابوبکر بتادے مگر کوئی شیعہ آمادہ نہ ہوا۔ آخر اُن کو ایک بہت ہی غریب، ضعیف بیمار اور کمزور شخص ملا۔ انہوں نے اس کو کچھ پیسے دے کر اور سمجھا بجھا کر اس پر راضی کر لیا کہ وہ اپنا نام ابوبکر بتادے۔ جب وہ اسے لے کر دربار میں پہنچے تو خوارزم شاہ نے اس شخص کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون ہے جو نہ مُردوں میں ہے نہ زندوں میں۔ انہوں نے جواب دیا یہ ابوبکر ہے۔ خوارزم شاہ نے کہا تمھیں اس کے سوا اور کوئی ابوبکر نہ مل سکا۔ آخر ان لوگوں نے کہا کہ "تکلف برطرف۔ سبزوار کی فضا اس سے بہتر ابوبکر پیدا نہیں کر سکتی۔ اس پر خوارزم شاہ کو ہنسی آ گئی اور قتل و غارت گری ختم کر دی۔

مولانائے روم نے اپنے اس شعر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

یہ واقعہ اس لئے ہم نے لکھا کہ حضرت غفراں مآبؒ کے بزرگوں کا تعلق سبزوار سے تھا اور ان میں وہی جذبہ ایمانی تھا جس کی بدولت انہوں نے اپنی زندگی شیعیت کی علمی، ادبی، دینی

اور سماجی خدمات میں صرف کردی اور اس کے لئے بڑے بڑے مصائب وآلام برداشت کیئے۔ حصول علم کے لئے قریہ بہ قریہ اور دیار بہ دیار سفر کرنا جبکہ سفر کی سہولیات میسر نہ تھیں اور اس میں خطرات بھی بہت زیادہ تھے۔ پھر صرف برصغیر ہی کے مختلف مقامات کا سفر نہیں بلکہ عراق وایران کا سفر خطرناک بھی اور تھکا دینے والا بھی جس میں کمزور ارادے کے لوگوں کا ثابت قدم رہنا ممکن نہ تھا۔ شاید یہ بھی وجہ تھی کہ اس زمانہ میں برصغیر سے شیعہ علماء میں سے کسی نے بھی عراق وایران میں جاکر حصول علم اور درجہ اجتہاد پر فائز ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔

جائس اور نصیر آباد کی تاریخی حیثیت اور دینی اہمیت:

جیسا کہ لکھا جا چکا حضرت غفرانمآب کے مورثِ اعلیٰ جناب سید نجم الدین سبزوار سے سالار مسعود غازی کے ساتھ فوج کے ایک سالار کی حیثیت سے ہندوستان تشریف لائے تھے۔ انہوں نے یو۔پی، انڈیا کے ایک ضلع رائے بریلی میں قصبہ ودیا نگر کو فتح کرکے اس کا نام "جائے عیش" رکھا جو مقامی لہجہ کے زیرِ اثر اور کچھ کثرتِ استعمال سے "جائس" ہوگیا۔

جناب نجم الدین سبزواری کی اولاد میں سے جناب سید ذکریا نے قصبہ ٹپاک پور کو مسخر کرکے اس کا نام اپنے ایک بزرگ جناب نصیر الدین کے نام پر "نصیر آباد" رکھا۔

جائس اور نصیر آباد میں حضرت غفرانمآب کے آباؤ اجداد آباد ہوئے۔ اس زمانے میں شاہانِ اودھ نے جو ایرانی النسل شیعہ تھے، محرم میں مجالس کا آغاز کیا تھا جو رفتہ رفتہ عوام میں بھی رائج ہوتی گئیں۔ مگر یہ صرف دس دن کی عزاداری تھی۔ باقی دنوں میں شیعوں میں رائج صوفیوں وغیرہ کے رسوم جاری رہتے تھے۔ حضرت مولانا سید محمد باقر شمس اجتہادی اعلیٰ اللہ مقامہٗ کے

مطابق اودھ میں صرف جائس اور نصیر آباد ایسا خطہ تھا جہاں شیعہ سادات بہت دن سے آباد تھے۔ ان میں علماء و فضلاء بھی پیدا ہوتے رہے۔ یہ لوگ اپنے مذہب سے باخبر تھے۔ اورنگ زیب کے زمانے سے انہیں قضاو معلمی کے عہدے بھی ملتے رہے۔ غفرانمآبؒ کے بزرگوں میں جناب سید عبدالقادر اورنگ زیب کے بڑے بیٹے کے استاد تھے جن کی تعلیم سے وہ شیعہ ہو گئے تھے۔ آخر زمانے میں ملا عصمت اللہ، قاضی قربان علی اور قاضی عادل حسین یہاں کے مشہور عالم تھے۔ یہ لوگ اپنی سیادت محفوظ رکھنے کے لئے آپس ہی میں شادی بیاہ کرتے تھے۔ (۱۹)

صرف اس خطہ جائس اور نصیر آباد کے علاوہ پورے برصغیر میں شیعوں کی زبوں حالی کا بیان آچکا ہے۔

حضرت غفرانمآب کی تاریخ ولادت:

حضرت غفرانمآبؒ کی تاریخ ولادت نامعلوم ہے۔ صرف سالِ ولادت کا علم ہے۔ اس میں بھی تھوڑا سا اختلاف پایا گیا۔ بعض حسابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت ۱۱۶۱ھ میں ہوئی۔ مگر صاحب ''تذکرۃ العلماء'' لکھتے ہیں:۔

''میں نے خود جناب غفرانمآبؒ کے قلم سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ ''میرے (غفرانمآبؒ کے) والد ماجد جناب سید محمد معین نے تقریباً ۱۱۹۱ھ میں بعمر تہتر (۷۳) سال انتقال فرمایا اور میری ولادت کے وقت جناب مرحوم کا سنِ شریف اڑتالیس سال کا تھا۔'' (۲۰)

صاحب ''تذکرۃ العلماء'' نے اس بیان سے حساب لگا کر یہ نتیجہ اخذ کیا کہ غفرانمآبؒ کی ولادت ۱۱۶۶ھ میں ہوئی۔ یہ حساب بالکل درست ہے اور اکثر تذکروں میں آپ کا سالِ ولادت

---

(۱۹) مولانا باقر شمس ''ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ'' ص نمبر۔۳۔ (۲۰) سید العلماء سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ۔ ''شعاع عمل'' ۔ دسمبر ۲۰۰۲ء، تذکرۃ العلماء۔ مولانا سید مہدی ابن نجف علی عظیم آبادی۔

۱۱۶۶ھ ہی درج ہے۔

اس حوالہ سے دوسری اہم بات یہ ہے کہ تمام تذکرہ نویسوں نے صرف ولادت کا سال لکھنے پر اکتفا کی، تاریخ اور مہینہ کسی نے نہیں لکھا۔ حضرت نجم العلماء مولانا سید ہدایت حسین صاحب قبلہ طاب ثراہ سے لے کر سرکار سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ عرف مولوی نقن صاحب اعلیٰ اللہ مقامہٗ تک کسی نے بھی تاریخ اور مہینہ نہیں لکھا۔ البتہ سب نے "ایک شب جمعہ" لکھا ہے۔ نجم العلماء موصوف علیہ الرحمۃ نے تو ولادت کا سنہ بھی درج نہیں فرمایا۔ مگر جناب سید مصطفیٰ حسین نقوی اسیفؔ جائسی، مدیر مسؤل ماہنامہ "شعاعِ عمل" لکھنؤ نے ماہِ دسمبر ۲۰۰۲ء کی اشاعت "خاندان اجتہاد نمبر" کے اداریہ میں حضرت غفرانمآبؒ کی ولادت "جمعہ ۱۷ ربیع الثانی ۱۱۶۶ھ مطابق ۱۷۵۲ء درج فرمائی ہے (۴۱) لیکن کسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا جس کی وجہ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ تاریخ انہیں کہاں سے دستیاب ہوئی۔ بغیر کسی معتبر حوالے کے تاریخ کا اعتبار قائم نہیں ہو سکتا اگرچہ حضرت اسیفؔ جائسی خاندانِ اجتہاد کے بارے میں اتنی زیادہ معلومات رکھتے ہیں کہ انہیں اس خاندان کا انسائیکلو پیڈیا کہا جاتا ہے۔ اسی سبب سے ہمیں ان کی رائے سے اختلاف کرنے میں تردد ہے مگر تحقیق میں ہر بات پر نظر رکھنا اور حقائق کا تجزیہ کرنا لازم ہوتا ہے۔ اس لئے معذرت کے ساتھ ہم نے اپنی یہ ذمہ داری پوری کرنے کی کوشش کی۔

ہم نے حضرت اسیفؔ جائسی کی مذکورہ تاریخ پر تحقیق کی تو اس میں دو باتیں درست نہیں ثابت ہو سکیں۔

پہلی بات یہ کہ تقویم کے اعتبار سے ربیع الثانی ۱۱۶۶ھ کی پہلی تاریخ (یکم ربیع الثانی) کو "دوشنبہ" تھا۔ اس اعتبار سے ۱۷ ربیع الثانی ۱۱۶۶ھ کو چہارشنبہ تھا نہ کہ جمعہ۔

---

(۴۱) اداریہ۔ شعاعِ عمل خاندان اجتہاد نمبر۔ شمارہ نمبر۔ ۶ (اشاعت دسمبر ۲۰۰۲ء)

دوسرے یہ کہ یکم ربیع الثانی ۱۱۶۶ھ کو ۵ر فروری ۱۷۵۳ء تھی۔ ۱۷۵۲ء صحیح نہیں۔ اکثر شیخ محمد اکرام نے بھی "رودِ کوثر" میں ۱۷۵۳ء لکھی ہے جو صحیح ہے۔

اس بحث کے پیشِ نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت غفرانمآبؒ کی تاریخ ولادت (تاریخ اور مہینہ) اب تک پردۂ خفاء میں ہے اور بظاہر ایسے تحقیقی مصادر موجود نہیں ہیں جن سے یہ تفصیلات حاصل کی جاسکیں۔ اس کا سبب بہت واضح ہے۔ حضرت غفرانمآبؒ کے والدِ گرامی ایک غریب کسان تھے۔ ایسی شخصیت نہ تھے کہ جن کے فرزند کی ولادت کا اُس وقت کی دستاویزات میں ایسی تفصیل سے ذکر آتا۔ یقین ہے کہ اُس زمانہ میں ولادت اور وفات کا ریکارڈ رکھنے والا کوئی سرکاری محکمہ بھی نہیں تھا جہاں ہر بچّہ کی ولادت کا اندراج قانوناً لازمی ہوتا۔ ان کے والد گرامی کی رحلت ان کے سفرِ عراق سے دو سال پہلے ۱۱۹۱ھ میں واقع ہوگئی تھی۔ ان کی رحلت کے وقت غفرانمآبؒ شہر شہر اور قریہ قریہ حصولِ علم میں مشغول ہوں گے۔ تذکروں سے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ انہیں والدِ گرامی کی رحلت کی اطلاع بروقت ملی بھی ہوگی کہ نہیں۔ اگر ان کا آفتابِ علم واقبال طلوع ہونے کے وقت ان کے والدِ گرامی موجود ہوتے تو ممکن تھا کہ اس زمانے میں کسی کو ان کے فرزند کے ولادت کی تاریخ وغیرہ معلوم کرنے کی خواہش ہوتی۔ غفرانمآبؒ کی ولادت کے وقت گھر میں ایک نور ساطع ہونا اور اس سے پورا گھر منور ہو جانے کا واقعہ تو اتنا حیرت خیز تھا کہ بچہ بچہ کو خبر ہوگئی ہوگی اور مدتوں یہ واقعہ لوگوں کے وردِ زبان رہا ہوگا۔ اس لئے اس واقعہ کی روایت کسی طرح تعجب انگیز نہیں۔ مگر تاریخ اور دن، یہ کس کو یاد رہتے۔

حضرت غفراں مآبؒ کا سلسلۂ نسب:۔

حضرت غفراں مآبؒ کا نسب تیس (۲۳) واسطوں سے حضرت امام علی نقی علیہ السلام تک پہنچتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے:۔

(۱) غفراں مآبؒ جناب سید دلدار علی صاحب ابن (۲) جناب سید محمد معین ابن (۳) جناب سید عبد الہادی ابن (۴) جناب سید ابراہیم ابن (۵) جناب سید طالب ابن (۶) جناب سید مصطفیٰ ابن (۷) جناب سید محمود ابن (۸) جناب سید ابراہیم ثانی ابن (۹) جناب سید جلال الدین ابن (۱۰) جناب سید ذکریا ابن (۱۱) جناب سید خضر ابن (۱۲) جناب سید تاج الدین ابن (۱۳ جناب سید نصیر الدین ابن (۱۴) جناب سید علیم الدین ابن (۱۵) جناب سید شرف الدین ابن (۱۶) جناب سید نجم الدین ابن (۱۷) جناب سید علی ابن (۱۸) جناب سید ابو علی ابن (۱۹) جناب سید ابو یعلی محمد ابن (۲۰) جناب سید ابو طالب ابن (۲۱) جناب سید محمد حمزہ ابن (۲۲) جناب سید طاہر محمد ابن (۲۳) امام زادہ جناب سید جعفر الزکی ابن (۲۴) حضرت امام علی نقیؑ علیہ السلام جو سلسلۂ آئمہ اثنا عشر کے دسویں امام منصوص من اللہ تھے۔ آپؑ کی نسبت سے جناب غفراں مآب نقوی سادات میں سے تھے۔ (۲۲)

(۲۲) شجرۂ طیبہ۔ ص نمبر۔۹۔

حضرت غفرانمآبؒ کے چند خصوصی امتیازات ایک نظر میں:۔

حضرت غفرانمآبؒ ایک بلند مرتبہ روحانی شخصیت اور صاحبِ کرامات تھے جس کا ثبوت ان کی ولادت کے وقت ہی گھر میں ایک نور ساطع ہونے سے مل گیا تھا۔

۲۔ حضرت غفرانمآبؒ کی ایک اور نہایت اہم خصوصیت یہ تھی کہ برِصغیر پاک و ہند میں آپ سب سے پہلے مجتہد ہوئے۔

۳۔ شیعیانِ ہند میں نمازِ جماعت نہیں ہوتی تھی۔ آپ نے پہلی مرتبہ نمازِ جماعت پڑھا کر اس کا سلسلہ قائم کر دیا جو انشاء اللہ تا قیامِ قیامت جاری رہے گا۔

۴۔ شیعہ نمازِ جمعہ سے بھی واقف نہ تھے۔ آپ نے نمازِ جمعہ بھی قائم کی۔ اس کے وجوب پر ایک رسالہ بھی تحریر فرمایا۔ خدا کے فضل سے آپ کی قائم کردہ نمازِ جمعہ و جماعت اب بھی جاری ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ جاری رہے گی۔

۵۔ آپ کے وقت میں برِصغیر کے شیعہ من حیث القوم کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ تصوف کے مزخرفات پر عامل، احکامِ دین سے ناواقف، شادی بیاہ اور دفن و کفن وغیرہ جیسی ضروریاتِ دینی میں اہلسنت کے پیرو تھے۔

ان حوالوں سے:۔

الف) حضرت غفرانمآبؒ نے صوفیت اور اخباریت کے خلاف تحریر و تقریر سے دفاعی علمی جہاد کر کے شیعیانِ برِصغیر کو ان کے پنجوں سے چھڑایا۔ اہلسنت کی بے بنیاد شیعہ مخالف تحریروں کے خلاف بھی دفاعی علمی جہاد کیا اور ان کے اثرات کو زائل کیا۔

ب) بہت بڑی تعداد میں اپنے شاگردوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کر کے انہیں شیعوں کو

بنیادی دینی ضروریات اور روز مرّہ کے مسائل کے بارے میں تعلیم دینے کے لئے برِ صغیر کے نزدیک و دور ہر علاقہ میں بھیجا۔ اس طرح تعلیم و تربیت سے شیعیانِ برِ صغیر کی اصلاح کر کے ان کو قومی شناخت عطا کی اور ایک باعزّت اور آبرومند قوم بنا کے معاشرے میں سربلند کر دیا۔

۶۔ عزاداری کی اصلاح کی اور امام باڑے تعمیر کروائے۔

۷۔ روضہ خوانی اور مرثیہ خوانی کے بجائے ذاکری کا آغاز کیا۔

۸۔ ماتمی جلوسوں کی بھی اصلاح کی اور ان میں بانک پٹہ اور ڈھول تاشے وغیرہ کے بجائے سینہ زنی اور نوحہ خوانی کو رائج کیا اور گنبد و بزاق وغیرہ کی نقل کے بجائے تعزیے اور علم کو جلوسوں کا حصّہ بنایا۔ اس طرح حضرت غفرانمآبؒ نے برِ صغیر میں شیعہ تمدن کی تشکیل کی۔

۹۔ جناب غفرانمآبؒ نے جتنے کارنامے انجام دیئے ان میں یہ بھی بہت اہم تھا کہ آپ نے اپنے وقت کے حکمرانِ اودھ نواب آصف الدولہ بہادر کے دل کو نورِ ایمانی سے اس طرح جگمگا دیا کہ ایک طرح سے وہ آپ کے تابع ہو گئے اور آپ کی ہدایت پر دینی خدمات کے لئے حکومت کے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔

۱۰۔ جناب غفرانمآبؒ نے نجفِ اشرف اور کربلائے معلّٰی میں اپنی طالب علمی کے زمانہ میں پانی کی قلت کا خود مشاہدہ کیا تھا۔ چنانچہ آپ نے نواب آصف الدولہ بہادر کی مالی امداد سے کوفہ سے نجفِ اشرف تک ایک نہر تعمیر کروائی جس کا نام نہرِ آصفی رکھا۔

۱۱۔ اسی طرح آپ نے کربلائے معلّٰی، نجفِ اشرف اور مشہد مقدس میں مومنین وزائرین اور طلباء وغیرہ کے مسائل کے حل کے لئے اور بھی متعدد اقدامات کئے جن کو آپ کے فرزندانِ ارجمند نے اور آگے بڑھایا۔

۔　آپ کو پروردگارِ عالم نے پانچ فرزند عطا فرمائے۔ آپ نے ان پانچوں کو تعلیم دے کر عظیم المرتبت فقہاء اور مجتہدین بنا دیا۔ یہ بھی آپ کی امتیازی خصوصیت ہے کہ کوئی ڈھائی سو برس گزر جانے کے باوجود آپ کی نسل میں ماشاء اللہ اب بھی علماء و فقہاء و مجتہدین موجود ہیں اور آپ کی دعا کی قبولیت سے انشاء اللہ آپ کی نسل سے علمِ دین کبھی ختم نہیں ہوگا۔

ابتدائی تعلیم اور ذوقِ علم:

حضرت غفراں مآب کی نشو و نما اور ابتدائی تعلیم نصیر آباد میں ہی ہوئی۔ ذوقِ علم قدرت کی طرف سے بچپن ہی میں بے چین کئے ہوئے تھا۔ آپ ابتدائے عہد میں ہر روز نصیر آباد سے جائس پڑھنے کے لئے جاتے تھے۔(۲۳)

نجم العلماء جناب مولانا ہدایت حسین صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ "نجوم تواریخ" میں لکھتے ہیں:۔

"شجرۂ ثالثہ": ذکرِ حالات زمانہ تحصیلِ علم اور بعض محامد شریفہ میں:۔

پس مخفی نہ رہے کہ ہمت عالی درجت جناب غفرانمآبؒ بتائیدِ جناب احدیت و توفیقِ حضرت صمدیت طرف تحصیلِ علومِ درسیہ و اکتسابِ فنونِ عقلیہ و نقلیہ کے ہمہ تن مصروف اور عنانِ توجہ طبیعتِ فیض طویت طرف ہدایت بندگانِ الٰہی و دفع ضلالت و گمراہی کے معطوف ہوئی۔ ہر وقت سوائے کتب بینی اور حفظِ سبق کے اور کوئی کام نہ تھا۔ چونکہ یہ امر ہمسنوں کو سبب ترک لہو و لعب کے ناگوارِ خاطر ہوتا تھا، وہ سب حارج ہوتے تھے۔ پس وہ جناب (غفرانمآبؒ) بسبب طعن کرنے ہمنشینوں اور مزاح کرنے ہمسنوں کے بغرضِ کتب بینی صحرا و باغات میں تشریف لے

---

(۲۳) عزیز لکھنوی، مضامین عزیز ص نمبر ۔۳۰۶ مرتبہ ڈاکٹر مسعود حسن رضوی۔

جاتے تھے اور تمام روز مقامِ تنہائی میں مطالعہ کتب فرماتے تھے۔" (۲۴)

مندرجہ بالا بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت غفرانمآب کو بچپن ہی سے حصولِ علم کا بیحد ذوق و شوق تھا۔

سروشِ غیب:

جناب مولانا سید ہدایت حسین صاحب اعلی اللہ مقامہٗ "نجوم تواریخ" میں مزید تحریر فرماتے ہیں:۔

"ایک روز زیرِ درخت وہ (غفرانمآبؒ) مطالعہ میں مصروف تھے کہ ناگاہ یہ صدا تین مرتبہ آئی کہ "انتم اولیاء اللہ"۔ پس بار اول آپ نے کچھ اعتنا نہ فرمائی اور دوسری مرتبہ یہ خیال فرمایا کہ شاید یہ ندائے شیطانی ہے کیونکہ اگر منجانب خدا ہوتی تو مجھ تنہا کے واسطے بلفظِ جمع اطلاق نہ ہوتا مگر بار سوم بفیضانِ الٰہی یہ القا ہوا کہ اطلاقِ جمع بطریقِ فالِ نیک کے ہے یعنی مطلب منادی کا یہ ہے کہ تم اور تمھاری اولاد سب اولیاء اللہ ہوں گی۔ چنانچہ تصدیق اس تصور کی بعد اس کے ہوگئی کیونکہ جمیع اولادِ جناب ممدوح مجتہدینِ زماں اور علم و فضل و تقدس و ورع میں یکتائے جہاں ہوئے۔ (۲۵)

سروشِ غیب کے واقعہ کو اختلافِ الفاظ کے ساتھ زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ نے "سوانح حیات حضرت غفرانمآبؒ" میں سید العلماء علامہ سید علی نقی النقوی طاب ثراہ نے ایک مضمون میں (۲۶) شمس الادباء مولانا سید محمد باقر صاحب شمس لکھنوی نے "تاریخ لکھنؤ" اور "ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ" (۲۷) میں بھی درج کیا ہے۔ ان

---

(۲۴) نجم العلماء سید ہدایت حسین صاحب "شجرۂ طیبہ" ص نمبر۔۱۳، (۲۵) شجرۂ طیبہ۔ ص۔۱۳ (۲۶) م سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ۔ مضمون۔ شعاعِ عمل، (۲۷) مولانا باقر شمس۔ "ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ" ص۔۳

بزرگواروں نے سروشِ غیب کا پیغام الفاظ کے اختلافات کے ساتھ یہ تحریر فرمایا ہے کہ "دلدارِ علی اُٹھو اور علمِ دین حاصل کرنے کے لئے لکھنؤ جاؤ"۔ عین ممکن ہے کہ دونوں باتیں غیبی پیغام میں شامل ہوں ورنہ صرف "انتم اولیاء اللہ" کو پیغامِ ہدایت نہیں کہا جاسکتا البتہ بشارت کہہ سکتے ہیں۔

اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے جدوجہد:

مذکورۂ بالا سروشِ غیب سننے کے بعد اعلیٰ دینی تعلیم حاصل کرنے کے شوق کو مہمیز ہوئی۔ اس مقصد کے حصول اور اس تشنگی کو دور کرنے کے لئے وطن (نصیر آباد) کی سرزمین بے آب نظر آتی تھی۔ اس لئے مسافرت اختیار کی اور اس وقت کہ جب ذرائع آمد و رفت دشوار تھے ہندوستان کے مختلف شہروں کا سفر کیا۔

مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ سوانح حیات حضرت غفرانمآب" میں بھی لکھتے ہیں:۔

"اس ندا (سروشِ غیب) میں غضب کا اثر تھا اور بجلی کی ایک لہر تھی جو گھرانے بھر میں دوڑ گئی اور زراعت پیشہ ماں باپ نے خوشی سے اکلوتے فرزند کا فراق گوارا کیا اور لکھنؤ بھیجنے پر تیار ہوئے۔ یہ فضلِ ایزدی تھا کہ والدین اپنے فرزند کے ہمنوا ہوئے اور اولاد کو جو ضعیفی کا سہارا ہوا کرتی ہے نصرتِ دین میں جدا کرنے میں عذر نہ ہوا"۔ (۲۸)

مولانا سید ہدایت حسین صاحب قبلہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اسی شوقِ درس و تدریس میں مہاجرتِ وطن اور مفارقتِ اقارب واحباب و مسکن کو گوارا فرما کر مقاماتِ مختلفہ میں واسطے تحصیلِ علوم کے تشریف لے گئے اور جس مقام پر سنا کہ کوئی شخص صاحب استعداد ہے، وہاں رونق افروز ہوئے اور طرح طرح کے آلام و صعوبات اور

---

(۲۸) مولانا آغا مہدی صاحب۔ "سوانح حیات حضرت غفرانمآب" ص۔۱۶۔

تکالیف گوارا فرمائیں۔ مساجد میں قیام فرمایا۔نور چراغ خانۂ خدا اس ہادیِ راہِ خدا کو واسطے مطالعہ کتب کے کام آیا۔ کتاب اگر مستعار مل گئی تو فھوا لمراد الا ہر روز بقدرِ سبق تحریر فرمایا۔ آسائش و راحتِ وطن تو ترک فرمائی اب عالمِ غربت و مسافرت میں غذا کیسی۔ کبھی نخود جوشیدہ (اُبلے ہوئے چنے) میسر آئے کبھی بریان (بھنے ہوئے چنے) گاہ خام (کچے) تناول فرمائے۔ اسی کیفیت سے قربۃً الی اللہ المنان محض بغرضِ ہدایت اہلِ ہندوستان تحصیلِ علم فرماتے رہے"۔(۲۹)

حصولِ علم کے سفر کی مختصر روداد:

باوجود اس کے کہ اس زمانے میں ذرائع سفر انتہائی محدود اور تکلیف دہ تھے۔ حتیٰ کہ پورے ہندوستان میں کہیں ریل گاڑی تک نہ تھی اور سفر کرنا خاصا خطرناک بھی تھا، حضرت غفرانمآبؒ نے حصولِ علم کے شوق میں ہندوستان کے مختلف شہروں کا سفر کیا۔ سندیلہ میں شارح سُلّم مُلّا حمد اللہ کے صاحبزادے مُلّا حیدر علی سے، الہٰ آباد میں سید غلام حسین دکنی سے رائے بریلی میں مولوی باب اللہ شاگرد ملا حمد اللہ سے صرف و نحو و معانی و بیان وغیرہ علومِ عقلیہ منطق و فلسفہ و ریاضی کی تکمیل کی۔ پھر فیض آباد تشریف لے گئے اور وہاں بحر العلوم مولوی عبد العلی صاحب سہالوی سے بعض مسائل عقلیہ پر مباحثہ ہوا۔ شجرۂ طیبہ میں فیض آباد کے بجائے شاہجہاں پور لکھا ہے۔ "شاہجہاں آباد" جا کر مولوی حسن سے مباحثہ کیا اور ان پر کچھ اعتراضات فرمائے جن کا جواب وہ نہ دے سکے۔ صاحب "نجومِ تواریخ" لکھتے ہیں کہ "خلاصہ یہ کہ علومِ عقلیہ میں ایسا کمال اور یدِ طولیٰ اس جناب کو حاصل ہوا کہ جمیع معاصرین پر فائق ہو گئے۔" (ص۔۱۶) وہاں سے لکھنؤ تشریف لائے۔

---

(۲۹) مولانا ہدایت حسین صاحب۔ "شجرۂ طیبہ"۔ ص۔۱۳

مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ مرحوم نے لکھا ہے کہ جب حضرت غفرانمآب ؒ ملا حیدر علی کی مجلسِ درس میں داخل ہوئے اور فلسفہ و حکمت کا درس شروع ہوا، ممکن ہے یہی وہ سخت وقت تھا کہ آپ نے ایک ہندو بنیے سے وعدہ کیا تھا کہ خود رات بھر اس کی دکان کی حفاظت کریں اور وہ دکان کے ایک پٹرے پر سونے کی اجازت دے۔ زمانۂ طالبِ علمی کا سارا مطالعہ اور کتب بینی سڑک کی سرکاری روشنی اور بقال کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ سے ہوئی۔ (۳۰)

مولانا ہدایت حسین صاحب قبلہ صاحبِ ''نجوم تواریخ'' نے حصولِ علم کے شوق میں حضرت غفرانمآبؒ کا زحمتیں اٹھانے اور آلام و صعوبات برداشت کرنے کا جو حال لکھا ہے، اس کا ایک حصہ مندرجہ بالا سطور میں درج کیا جا چکا ہے۔ مزید یہ واقعہ لکھا ہے جو ان کی زحمتِ سفر کے حال کے ساتھ اس سفر میں انہیں جو تائیدِ الٰہی اور امدادِ ائمہ اطہار معصومینؑ حاصل تھی اس کا بھی محکم ثبوت ہے۔

مولا مشکلکشاؑ کی طرف سے مشکلکشائی:

واقعہ یہ ہے کہ جس زمانے میں آپ سندیلہ میں تحصیلِ علم میں مشغول تھے، آپ کے پائے مبارک شل (بے جان) ہو گئے۔ آپ کو اس کا بیحد صدمہ اور قلق ہوا اس لئے کہ حصولِ علم میں ہدایتِ خلق کے لئے آلام و تکالیف کا سہنا گوارا کیا تھا۔ اب اس مرض میں مبتلا ہونے سے مقصدِ اصلی کا حصول انتہائی دشوار ہو گیا تھا۔ ایک شب اسی فکر اور غم کا بوجھ دل پر لئے ہوئے جب سوئے تو خواب میں دیکھا کہ حضرت علیؑ ابنِ ابی طالبؑ تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تمھارا کیا حال ہے۔ اور کس چیز کا ملال ہے۔ عرض کی کہ یا حضرتؑ آپؑ میرے دلی مقصد اور قلبی تمنا سے خوب واقف ہیں کہ میں نے صرف ہدایت کے لئے یہ سفرِ غربت اور مصائب و آلام گوارا کئے

(۳۰) مولانا آغا مہدی صاحب۔ ''سوانح حیات حضرت غفرانمآبؒ''۔ ص۔ ۱۶

مگر اب اس عارضہ سے میں چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا ہوں۔ نہ کہیں آ سکتا ہوں نہ جا سکتا ہوں، نہ حصولِ علم ممکن ہے نہ ہدایت۔ مولا علیؑ نے یہ سن کر تبسم فرمایا اور لعابِ دہنِ اقدس شل اعضاء پر لگا کر ارشاد فرمایا کہ تم صحیح ہو۔ کچھ تردد نہ کرو، ضرور اپنی مراد کو پہنچو گے۔ خواب میں اس بشارت سے انتہائی مسرت کے عالم میں بیدار ہوئے تو محسوس کیا کہ جو پاؤں شل تھے اور سیدھے بھی نہ ہو سکتے تھے وہی پاؤں اب پھیلے ہوئے ہیں۔ اس صورتِ حال سے آپ کو یقین آ گیا کہ وہ خواب رویائے صادقہ سے تھا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ تائیدِ غیبی ضرور شاملِ حال ہے۔ اب مقصدِ ہدایت انشاء اللہ پورا ہو گا۔ (۳۱)

ہندوستان کے مختلف مقامات سے حصولِ علم کے بعد جب حضرت غفرانمآبؒ لکھنؤ پہنچے تو اُس وقت نواب آصف الدولہ سلطنتِ اودھ کے حکمران تھے اور نواب سرفراز الدولہ مرزا حسن رضا خاں وزیرِ اعظم تھے۔ سرفراز الدولہ مذہب پرست اور علومِ دین کے قدردان تھے۔ انہیں یہ احساس تھا کہ ہندوستان میں شیعوں کی دینی رہنمائی اور فقہی تعلیمات کی ضرورت کو پورا کرنے والی اور مسائلِ دینی میں اجتہاد کرنے والی کوئی شخصیت موجود نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے شیعہ من حیث القوم غیر منظم، احکامِ دین و شریعت سے ناواقف، اخباریت اور صوفیت وغیرہ کے پیرو ہیں۔ حضرت غفرانمآبؒ کی لکھنؤ میں آمد کے بعد مرزا حسن رضا خاں کو ان کی غیر معمولی علمی استعداد اور صلاحیتوں کا اندازہ ہوا تو انہوں نے نواب آصف الدولہ سے کہا کہ ہندوستان میں اب تک کوئی شیعہ عالم ایسا نہیں ہوا جو درجۂ اجتہاد پر فائز ہو اور گزارش کی کہ مولوی سید دلدار علی صاحب (غفرانمآبؒ) کو اعلیٰ دینی تعلیم کے حصول کے لئے عراق و ایران سرکاری خرچ پر بھیج دیا جائے تاکہ وہاں اجتہاد کی تعلیم حاصل کر کے وہ واپس آئیں تو قوم کی دینی رہنمائی اور معاشرتی

---

(۳۱) مولانا ہدایت حسین صاحب۔ "شجرۂ طیبہ"۔ ص۔ ۱۵

اصلاح کی ذمہ داری انجام دے سکیں۔نواب آصف الدولہ نے اپنے وزیر اعظم کی رائے پسند فرمائی اوراس طرح حضرت غفرانمآب کے لئے عراق وایران جا کر اعلیٰ دینی تعلیم حاصل کرنے کا وسیلہ قدرت نے پیدا کردیااوران کی یہ دلی خواہش پوری ہوگئی جس کا سہرا بے شک وشبہ سرفراز الدولہ مرزا حسن رضا خاں کے سر ہے۔

سفر عراق وایران:

وزیر الملک نواب حسن رضا خاں کی تجویز اور شاہِ اودھ نواب آصف الدولہ کی مالی اعانت سے حضرت غفرانمآب" اعلیٰ ترین دینی تعلیم کے حصول کے لئے عراق تشریف لے گئے۔اس سفر کے بارے میں چند سوالات تشنۂ جواب ہیں۔

۱۔ اس سفر پر لکھنؤ سے روانگی کب ہوئی؟ دن تاریخ،مہینہ اور سنہ (سال) کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔

۲۔ عراق کب پہنچے اور وہاں کتنے عرصے قیام رہا؟

۳۔ عراق سے ایران کب تشریف لے گئے اور وہاں کتنے عرصہ قیام رہا؟

۴۔ ایران سے کب مراجعت فرمائی اور لکھنؤ کب پہنچے؟

ان سب تفصیلات پر وقت کا دبیز پردہ پڑا ہوا ہے۔تذکرہ نگاروں کے درمیان اختلاف بھی ہے۔جو کچھ اطلاعات مختلف مصادر و مآخذ سے حاصل ہوتی ہیں وہ غیر مصدقہ،نامکمل اور ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔مثلاً:۔

۱۔ مبلغ اعظم حجۃ الاسلام مولانا سید سعید اختر رضوی صاحب قبلہ (گوپال پوری) طاب ثراہ تحریر

فرماتے ہیں:۔

"غفرانمآب ۱۱۹۳ھ؍۱۷۷۹ء میں عراق گئے اور ۱۱۹۴ھ؍۱۷۸۰ء میں واپس آئے"

بادی النظر میں یہ تاریخیں درست نہیں معلوم ہوتیں اس لئے کہ اگر یہ مدت یکم جنوری ۱۷۷۹ء سے ۳۱ر دسمبر ۱۷۸۰ء فرض کی جائے تو مدت دو سال ہوتی ہے۔ اس میں سفر کا کل دورانیہ (آمدورفت) نکال کے عراق وایران میں قیام کی مدت بہت کم رہ جاتی ہے۔ حضرت مبلغ اعظم موصوف نے بھی اس نکتہ کو ذہن میں رکھ کر اس کا جوازیہ بیان فرمایا ہے:۔

"اگر ہم اوائل ۱۱۹۳ھ میں روانگی اور اواخر ۱۱۹۴ھ میں واپسی فرض کرلیں تو لکھنؤ سے کراچی اور وہاں سے بصرہ ہوتے ہوئے عراق پہنچے اور وہاں سے مشہد پھر وہاں سے براہِ ہرات وکابل درۂ خیبر سے گزر کر دہلی ہوتے ہوئے لکھنؤ تک کی واپسی کا دورانیہ چھ مہینہ بھی فرض کریں تو تحصیل کی مدت ڈیڑھ سال رہ جاتی ہے۔ بادی النظر میں یہ مدت بہت کم معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ J.R. Icole نے اپنی کتاب میں اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ غفرانمآبؒ نے ہندوستان ہی میں معقولات اور منقولات پر کامل عبور بلکہ استادانہ مہارت حاصل کرلی تھی۔ (۳۲)

افسوس کہ جناب محترم مبلغِ اعظم نے یا ان کے مضمون "حضرت غفرانمآبؒ مولانا سید دلدار علی اور شیعہ سماج کی تشکیل" کو نقل کرنے والے جناب چودھری سبطِ محمد نقوی نے Icole کی کتاب کا نام نہیں درج کیا۔ ان کے مضمون کے ماخذ کا حوالہ بھی درج نہیں کیا گیا۔

حجۃ الاسلام جناب مولانا سعید اختر صاحب گوپالپوری کے مندرجہ ذیل بیان کی صحت پر اسی مضمون میں ان کا یہ جملہ دلالت کرتا ہے:۔

---

(۳۲) ماہنامہ "شعاعِ عمل" لکھنؤ۔ شمارہ فروری ۲۰۰۴ء۔ ص۔ ۱۳/۱۵۔

''غفرانمآبؒ کی ہندوستان واپسی کے تقریباً ساڑھے پانچ سال بعد ملا محمد علی بادشاہؒ معروف بہ (ملا بادشاہ) جیسے عالم عارف نے نواب سرفراز الدولہ کے لئے ایک مختصر رسالہ لکھا جس میں نماز جمعہ کی اہمیت ظاہر کی اور غفرانمآبؒ کی زبردست مدح وثناء کرتے ہوئے ان کی فرشتہ سیرتی کا اعلان کر کے مجتہدین کربلائے معلی اور مشہد مقدس سے اجازاتِ جلیلہ حاصل کرنے اور درجۂ اجتہاد پر فائز ہونے کا اقرار کیا اور آنجناب نیز ان کے دو شاگردوں سید مرتضی اور مرزا محمد خلیل زائر کو امامتِ جمعہ کا اہل قرار دیا۔ بابِ پنجم (۵) میں نواب آصف الدولہ سے التماس کیا کہ نماز جمعہ ان میں سے کسی ایک کی امامت میں ضرور قائم کریں''۔ (۳۳)

چونکہ لکھنؤ میں حضرت غفرانمآبؒ نے پہلی نماز جماعت ۱۳ رجب ۱۲۰۰ھ کو نواب سرفراز الدولہ حسن رضا خاں کے قصر میں اور پہلی نماز جمعہ ۲۷ رجب ۱۲۰۰ھ کو پڑھائی تھی اور یہ دونوں تاریخیں متفق علیہ ہیں، اس لئے اگر حضرت غفرانمآبؒ کی مراجعت وطن کے ساڑھے پانچ سال بعد یہ نمازیں ہوئیں تو یقیناً آپ کی واپسی تقریباً ۱۱۹۴ھ میں ہوئی ہوگی۔ اس اعتبار سے آپ کے سفر عراق وایران کا زمانہ ۱۱۹۳ھ صحیح سمجھا جاسکتا ہے۔

مگر ہمارے پیشِ نظر حضرت عماد العلماء علامہ سید محمد رضی صاحب قبلہ طاب ثراہ آل نجم العلماءؒ مجتہد اعظم پاکستان کا ایک بیان اس سے مختلف ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:-

''اودھ کے مشہور حکمران نواب آصف الدولہ کا زمانہ تھا، لکھنؤ پہنچے اور درس وتدریس میں مشغول ہوگئے۔ حکومتِ اودھ کی مدد سے آپ نے عراق کا سفر اختیار کیا۔ اس زمانے میں آجکل کی سی سہولتیں نہ تھیں۔ مہینوں میں اس صبر آزما سفر کی سختیاں جھیل کر

(۳۳) ماہنامہ ''شعاعِ عمل'' لکھنؤ شمارہ فروری ۲۰۰۴ء ص۔ ۱۳

غفرانمآب نجفِ اشرف پہنچے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔یہ غفرانمآبؒ نہ تھے بلکہ فاطمی نور کا ایک ٹکڑا تھا جو خطۂ ہند سے اپنے مرکز کی طرف پلٹ رہا تھا۔ نجف اشرف پہنچ کر آپ نے وہاں کے اساطینِ دین اور محققین مذہب سے تحصیلِ علم اور تکمیلِ درس کا سلسلہ شروع کیا۔ نجف میں پانچ سال رہ کر ہندوستان واپس ہوئے۔ (۳۳)

حضرت عماد العلماء علامہ سید محمد رضی صاحب قبلہ طاب ثراہ کا یہ بیان جناب مولانا سید سعید اختر رضوی صاحب قبلہ گوپالپوری کے بیان سے بہت مختلف ہے۔ حضرت غفرانمآبؒ نے عراق اور ایران میں ایک دو نہیں متعدد فقہاء و مجتہدین سے تلمذ اختیار کیا۔ ان کے دروسِ خارج میں شرکت، مباحث میں مشغولیت وغیرہ کے پیشِ نظر یہ بیان زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ اصولی اور اخباری مسالک کے بارے میں آپ کی تحقیق جس کے دوران آپ کو کربلائے معلیٰ میں اسی موضوع پر متعدد کتابیں دستیاب ہوئیں جن کے مطالعہ کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اصولی مسلک ہی برحق ہے۔ چنانچہ آپ نے اخباریت کو ترک کر دیا۔ ان سب کاموں کے لئے ڈیڑھ سال کا عرصہ قرینِ قیاس نہیں معلوم ہوتا۔ مگر حضرت مولانا سید محمد رضی صاحب قبلہ طاب ثراہ نے بھی اپنے نکتۂ نظر کے بارے میں کسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی تصدیق یا تردید نہیں کی جا سکتی۔ دوسرے یہ کہ سفر پر جانے اور واپس آنے کی کوئی تاریخیں درج نہیں فرمائیں نہ زمانہ کا تعین فرمایا۔ اس لئے تحقیقی نقطۂ نظر سے اس پر بحث نہیں کی جا سکتی۔ لیکن ہم حضرت عماد العلماء کے اس بیان کو سرسری طور پر رد بھی نہیں کر سکتے اس لئے کہ اُن کا خاندانِ اجتہاد سے بہت قریبی تعلق تھا۔ وہ اس خاندان کے ایک نہایت عظیم المرتبت مجتہد حضرت

---

(۳۳) "شعاعِ عمل" لکھنؤ۔ شمارہ فروری ۲۰۰۴ء ص۔ ۱۹۔

میر آغا صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ کے نواسے اور ذاکرِ شامِ غریباں حضرت عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ طاب ثراہ کے داماد تھے۔ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ خاندانِ اجتہاد کے بارے میں ان کے معلومات زیادہ موثق اور معتبر ہو سکتے ہیں۔ مگر اس حقیقت کے باوجود اس بارے میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔

حضرت سید العلماء علامہ سید علی نقی النقوی الاجتہادی (م ۱۹۸۸ء) نے اپنے ایک مضمون میں حضرت غفرانمآبؒ کے سفر اور واپسی کی تاریخیں درج نہیں فرمائیں مگر یہ تحریر فرمایا ہے:۔

"پہلے عراق پہنچے اور کربلا معلی میں صاحب ریاض آقا سید علی طباطبائی اور آقا سید مہدی موسوی شہرستانی نیز خود ان بزرگوں کے استاد، استاد اکبر آغا باقر بہبہانیؒ اور نجف اشرف میں بحر العلوم آقائی سید مہدی طباطبائی سے فقہ و اصول اور علمِ حدیث کی تکمیل کی۔ اس کے بعد ۱۱۹۴ھ میں مشہد مقدس (ایران) کا رُخ کیا اور جناب سید محمد مہدی ابن سید ہدایت اللہ اصفہانی سے اکتسابِ علوم کیا اور بعدِ تکمیل مراجعت فرمائے ہندوستان ہوئے۔" (۳۵)

اگر چہ سید العلماء طاب ثراہ کے اس بیان سے سفر اور واپسی کی تاریخیں نہیں معلوم ہوتیں لیکن یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آپ کی مراجعت زیادہ سے زیادہ ۱۱۹۵ھ میں ہوئی ہوگی۔ یہ نتیجہ حضرت علامہ گوپالپوری کے بیان سے قریب تر ہے۔ اس سے حضرت غفرانمآبؒ کی عراق و ایران سے واپسی کے زمانہ کا تعین ہو جاتا ہے جو ۹۵-۱۱۹۴ھ ہوگا۔

سید العلماء حضرت علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ نے ایک اور مضمون میں سفر کی تاریخ کا تعین بھی فرمادیا ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:۔

---

(۳۵) سید العلماء "شعاعِ عمل" ۔ شمارہ فروری ۲۰۰۴ء ص۔ ۶

"جب ہندوستان میں معقولات کی تحصیل سے فارغ ہوئے تو تکمیل کے لئے عراق کی جانب متوجہ ہوئے۔ ۱۱۹۳ھ میں سفرِ عتباتِ عالیات کیا۔" (۳۶)

الحمد للہ کہ تحقیق کی اس کوشش سے حضرت غفرانمآبؒ کے سفرِ عراق کی تاریخ ۱۱۹۳ھ اور واپسی کا زمانہ ۹۵-۱۱۹۴ھ محقق ہوگیا۔ یہ تاریخیں مبلغِ اعظم حجۃ الاسلام حضرت مولانا سید سعید اختر صاحب قبلہ گوپالپوری کے بیان سے مطابقت رکھتی ہیں اور قریبی حد تک اس کی تصدیق کرتی ہیں۔

مولانا محمد باقر صاحب شمسؔ مرحوم نے بھی عراق و ایران میں جناب غفرانمآبؒ کے قیام کی مدت پانچ سال لکھی ہے جو بہرحال درست نہیں۔

نجفِ اشرف کے بارے میں اُس زمانے کا ایک مقولہ:۔

غفرانمآبؒ جس زمانہ میں سفرِ عراق پر روانہ ہوئے اُس زمانہ میں نجفِ اشرف کے بارے میں یہ مقولہ مشہور تھا:۔

"خبز الشعیر ، لحم البعیر ، زیارت الامیرؑ (جو کی روٹی، اونٹ کا گوشت اور امیر المومنین مولا علیؑ کی زیارت)

شمس الادباء مولانا سید محمد باقر صاحب شمسؔ اعلیٰ اللہ مقامہ تحریر فرماتے ہیں کہ جناب غفرانمآبؒ کو اونٹ کا گوشت تو کبھی کبھی ملتا ہوگا۔ نمک اور رطب سے روٹی کھائی جاتی تھی۔ (۳۷)

---

(۳۶) سید العلماء۔ شعاعِ عمل"۔ شمارہ دسمبر ۲۰۰۳ء ص۔۱۲

(۳۷) مولانا شمسؔ ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ۔ ص۔۵

اخباریت سے مسلکِ اصول تک:

سفرِ عراق وایران سے پہلے جناب غفرانمآبؒ اس وقت کے عمومی ماحول اور مقامی علماء کے رجحانات کے مطابق خود بھی اخباریت پسند تھے۔ دوسرے اخباریوں کی طرح مذہب اصول میں "اجماع" کے نظریہ کے وہ بھی مخالف تھے اور اخباریوں کے اس نکتۂ نظر کی تائید کرتے تھے کہ مذہبی مسائل کو اجماع کی بنیاد پر طے کرنا ایک لایعنی بات ہے۔ ۱۱۹۳ھ میں جب وہ اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے عراق روانہ ہوئے تو اخباریوں کی معروف کتاب مُلّا محمد امین استر آبادی کی "فوائدِ مدنیہ" اپنے ساتھ لیتے گئے۔ بصرہ سے نجف کے درمیان کشتی میں سفر کے دوران طوفان آگیا جس میں کشتی کی تباہی کے ساتھ ان کا سارا سامان بھی ضائع ہوگیا۔ "فوائدِ مدنیہ" بھی اس میں شامل تھی جس کی وجہ سے زیادہ پریشانی تھی۔ کسی نہ کسی طرح وہ کتاب پانی سے نکال لی۔ اگرچہ پانی میں بھیگنے سے وہ بہت حد تک خراب ہوگئی تھی، پھر بھی پڑھی جاسکتی تھی۔

نجفِ اشرف میں حضرت غفرانمآبؒ اس وقت کے جلیل القدر عالم حضرت سید محسن بغدادیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے جن کی تصانیف میں "وسائل الشیعہ" نیز "وافی" "شرح وافیہ" اور "کتاب مسئول درعلمِ اصول" بہت اہم ہیں۔ جناب غفرانمآبؒ نے انہیں فوائدِ مدنیہ" دکھا کے کہا کہ اس کتاب نے ہندوستان کے شیعہ علماء کو اخباری بنادیا ہے حتیٰ کہ اس مسئلہ میں خود ان کا ذہن بھی صاف نہیں ہے۔ حضرت محسن بغدادیؒ نے فرمایا کہ اصولی نظریات سے لاعلمی اخباریت کی مقبولیت کا سبب بنی ہے۔ پھر انہوں نے حضرت غفرانمآب کو جناب نورالدین علی بن حسین (م ۱۰۶۸ھ/۱۶۵۷ء) کی تصنیف "فوائد المکیہ" عنایت کی اور کہا کہ اس میں اخباریت کے

خلاف جو دلائل دیے گئے ہیں وہ آپ کو مطمئن کر دیں گے۔ حضرت غفرانمآبؒ نے اس کے کچھ ابواب کا مطالعہ کیا مگر مطمئن نہ ہوئے۔

اس کے بعد انہوں نے شیخ جعفر نجفی صاحب ''کشف الغطاء'' سے ملاقات کی اور ان سے بھی مسئلہ ''اجماع'' پر گفتگو کی مگر اب بھی مطمئن نہ ہوئے لیکن اعلیٰ تعلیم کے حصول کے مقصد کو مدِنظر رکھتے ہوئے خاموشی اختیار کی اس لئے کہ عراقی علماء اس مسئلہ کے بارے میں بہت حساس تھے۔ اخباری وہاں اکثریت میں تھے اور ''اصولی'' علماء کو ''قاضی ابوحنیفہ'' کہہ کر ان کا مذاق اُڑاتے تھے۔ (۳۸)

وہاں سے غفرانمآبؒ کربلائے معلّٰی گئے اور آقائی باقر بہبہانی اور آقائی سید علی طباطبائی سے حصولِ علم میں مشغول ہوئے لیکن وہاں ''اجماع'' اور اخباریت کے بارے میں کسی سے گفتگو نہ کی۔ کربلائے معلّٰی کے کتب خانوں میں انہیں ''اصولی'' اور ''اخباری'' نظریات کی کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ ملا تو انہوں نے دونوں نظریات کا تفصیلی مطالعہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس مطالعہ کے نتیجے میں ان پر اخباریت کا بطلان ثابت ہو گیا اور یہ واضح ہو گیا کہ ''فوائد مدنیہ'' کے مصنف ملا محمد امین استرآبادی نے غیر منصفانہ طور پر مجتہدین کی مذمت کی تھی۔ (۳۹) اس مسئلہ میں ذہنی یکسوئی حاصل ہونے کے بعد وہ اخباریت کو ترک کر کے پرجوش اصولی بن گئے اور اعلیٰ تعلیم کے حصول پر پوری توجہ مرکوز کر دی۔

---

(۳۸) ڈاکٹر رضوی۔ ج ۲ ۔ ص۔ ۱۳۰۔

(۳۹) تذکرۃ العلماء۔ ص۔ ۱۷۱ تا ۱۷۸ + آئینہ حق نما۔ ص ۱۵۱ تا ۵۶

اساتذۂ حضرت غفرانمآبؒ:

حضرت غفرانمآبؒ نے ہندوستان سے عراق وایران تک جن صاحبان علم سے استفادہ کیا ان کے اسمائے گرامی مختصر تعارف کے ساتھ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

ہندوستان میں:

''آئینۂ حق نما'' اور ''تذکرۃ العلماء'' کے مطابق حضرت غفرانمآبؒ نے

(۱) الہٰ آباد جا کر جناب سید غلام حسین دکنی سے اکثر کتب درسیہ پڑھیں۔

(۲) سندیلہ (یو۔پی۔انڈیا) میں مولوی حیدر علی سندیلوی سے ''شرح سُلّم'' کا درس لیا۔

مولوی ہدایت حسین صاحب نے ''نجومِ تواریخ'' میں انہیں فاضل کامل لکھا ہے۔ ان کی تصانیف میں (۱) تکملۂ سُلّم العلوم'' (۲) حاشیۂ شرح سُلّم'' (۳) ''حاشیۂ میرزاہد اور (۴) حاشیۂ میرزاہد مُلّا جلال'' شامل ہیں۔ وہ خود حنفی المذہب تھے مگر ان کے والد ملا حمد اللہ اور جد حکیم شکر اللہ اثنا عشری شیعہ تھے۔ ملّا حمد اللہ نے ''شرح سُلّم، نیز ملّا محمود جونپوری کی ''شمسِ بازغہ'' اور شیخ بہاء الدین عاملی کی ''زبدۃ الاصول'' پر حواشی تحریر کئے تھے۔

۳) رائے بریلی میں (جس کے ضلع میں نصیر آباد اور جائس واقع ہیں) غفرانمآب نے ملّا حمد اللہ کے ایک شاگرد مولوی باب اللہ سے بھی تعلیم حاصل کی۔ (۴۰)،(۴۱)،(۴۲)،

سید العلماء، علامہ سید علی نقی النقوی طاب ثراہ کے مطابق حضرت غفرانمآبؒ نے مندرجہ بالا علماء سے صرف ونحو، معانی وبیان اور علوم عقلیہ منطق وفلسفہ وریاضی کی تکمیل کی۔ (۴۳)

---

(۴۰) تذکرۃ العلماء ص ۱۷۱ تا ۱۸۲ آئینۂ حق نما ص ۵۶ تا ۵۱۔ (۴۱) ڈاکٹر رضوی۔ ج۔۲۔ ص ۱۳۲۔ (۴۲) ڈاکٹر رضوی۔ ج۔۲۔ آئینہ حق نما ص ۱۰۳-۱۰۴-۹۰+ تذکرۃ العلماء ص ۱۸۸-۱۸۶۔ (۴۳) سید العلماءؒ جناب غفرانمآبؒ ص ۴۲۔

مولوی ہدایت حسین صاحب نے "نجوم تواریخ" میں اور ڈاکٹر اطہر عباس رضوی نے بھی لکھا ہے کہ جناب غفرانمآبؒ نے تحصیل علم میں بہت سیاحت فرمائی جس مقام پر سنا کہ کوئی شخص مشاہیر علمائے معقول سے ہے، تشریف لے جا کر مکالمہ اور مباحثہ فرمایا۔ چنانچہ بحر العلوم مولوی عبد العلی (متوفی ۱۲۲۵ھ/ ۱۸۰۱ء) ابن ملاّ نظام الدین فرنگی محلی سے شاہجہاں پور میں مباحثہ کیا اور ملاّ حمد اللہ پر ان کے اعتراضات کو غلط ثابت کیا۔ اسی طرح دہلی میں مُلاّ حسن سے ملاقات کی۔ ملاّ صدرا کی معروف تصنیف "ہدایت الحکمۃ" کو پوری طرح سمجھنے اور اس کی گہرائی تک پہنچنے کی جس صلاحیت کا اظہار حضرت غفرانمآبؒ نے کیا اس سے مُلاّ حسن بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ (۴۳)

عراق و ایران میں غفرانمآبؒ کے اساتذۂ کرام:

حضرت غفرانمآبؒ نے نجف اشرف، کربلائے معلّٰی اور مشہدِ مقدس میں اُس وقت کے جید ترین علمائے عظام کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا اور علم کے ان ذخار سمندروں سے چن چن کر درہائے شہوار سے اپنا دامن بھر لیا۔ ان علمائے عظام اور اساتذہ ذوی الاحترام کے اسمائے گرامی اور مختصر تعارف درج ذیل ہے:۔

کربلائے معلّٰی میں:۔

(۱) آقائی سید علی بن محمد علی طباطبائی سے کسب علم کیا۔ یہ بزرگوار استاد اکبر آقائی باقر بہبہانیؒ کے بھانجے، داماد اور شاگردِ رشید تھے۔ آپ کی نہایت وقیع اور معروف تصنیف

(۴۳) ڈاکٹر رضوی۔ ج۔۲۔ ص۔۱۲۹

''ریاض المسائل'' ہے جو ''شرح کبیر'' کے نام سے معروف ہے۔ اس میں آپ نے تمام ابواب فقہ کو ابتدائے کتاب طہارت سے آخر مباحث فقہ (فقیہ) تک استدلال و استنباط احکام کے ساتھ تحریر فرمایا۔ اسی طرح ''شرح صغیر'' بھی لکھی۔ آپ کی وفات ماہ محرم ۱۲۳۰ھ میں ہوئی۔ کسی شاعر نے تاریخِ رحلت یوں کہی۔

بگفت ہاتفِ غیبی زروئے جودت طبع

علی مقتنِ دین نبیؐ زدنیا رفت (۴۵)

۱۲۳۰ھ

اس مادۂ تاریخ میں شاعر نے صنعت تعمیہ تدخلہ سے کام لے کر پہلے مصرع میں لفظ ''جودت'' کے جیم کے تین عدد کا اضافہ کیا ہے۔ اصل مصرع کے اعداد ۱۲۲۸ ہوتے ہیں۔ تین کا اضافہ کر کے ۱۲۳۱ھ ہوں گے مگر ان کی تاریخ رحلت ۱۲۳۰ھ لکھی گئی ہے۔ بظاہر اعداد شمار کرنے میں غلطی ہوئی ہے۔

(۲) آقائی محمد مہدی بن ابی القاسم الموسوی الشہرستانی طاب ثراہ سے بھی کربلائے معلیٰ میں حصولِ علم کا شرف حاصل کیا۔ مولانا سید ہدایت حسین صاحب اعلی اللہ مقامہ نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ علاوہ شہرۂ علم و کمال و طنطنۂ فضل و جلال کے وہ جناب نہایت غریب پرور تھے اور حوائج مومنین اور مقاصد محتاجین کے حصول میں نہایت کوشش فرماتے تھے، خصوصاً اہلِ ہند پر کمالِ لطف و شفقت فرماتے تھے۔

(۳) آقائی محمد باقر بن محمد اکمل اصفہانی بہبہانی نور اللہ مرقدہٗ معروف بہ آقائی وحید بہبہانی جو مندرجہ بالا دونوں عظیم المرتبت علمائے عظام کے استاد اکبر تھے۔ ان کی مادرِ گرامی کی طرف سے

---

(۴۵) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۳۵

ان کا سلسلۂ نسب حضرت علامہ محمد تقی مجلسی رحمۃ اللہ علیہ تک منتہی ہوتا تھا۔ ان کی عمرِ مبارک ۹۰ سال تھی۔ ان کی تصانیف میں سے شرح مفاتیح، فوایدِ حائریہ اور حاشیہ مدارک موجود ہیں۔

آقائی وحید بہبہانیؒ کی عظمت کا خاص پہلو یہ تھا کہ آپ آقائی شیخ مرتضیٰ انصاری کی طرح اخباریت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے فولاد کی دیوار بن گئے اور اپنے مباحث اور مناظروں سے اخباریت کو ایسی زک پہنچائی جس سے وہ سر نہ اُٹھا سکی اور عظیم المرتبت فقہاء و مجتہدین کو ازراہِ تمسخر "قاضی ابوحنیفہ" کہنے والوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ اسی وجہ سے آپ کو اجتہاد کا محافظ کہا جاتا ہے۔ آقائی مرتضیٰ مطہری شہیدؒ نے لکھا ہے کہ اگر آقائی وحید بہبہانی اور آقائی شیخ مرتضیٰ انصاریؒ اخباریت کے آگے دیوار نہ بن گئے ہوتے تو معلوم نہیں کہ آج شیعیت کی کیا حالت ہوتی۔ یقین ہے کہ حضرت غفرانمآبؒ نے اخباریت کو ترک کرنے کے مرحلہ میں اپنے ان استادِ معظم آقائی بہبہانی سے ضرور استفادہ کیا ہوگا۔ آپ کا انتقال ۱۲۰۵ھ میں ہوا۔ کسی شاعر نے تاریخ کہی۔

گشت از روئے دِردتار بخش۔ "باقر علم رفتہ از دنیا"
۴ + ۱۲۰۱ = ۱۲۰۵ھ (۳۶)

اس تاریخ میں بھی شاعر نے صنعت تعمیۂ تدخلہ سے کام لے کر مصرع کے اعداد ۱۲۰۱ میں مصرعہ اولیٰ میں سے لفظ درد کے پہلے حرف دال کے چار عدد شامل کر کے تاریخ کا مادّہ حاصل کیا ہے۔

نجفِ اشرف میں:

(۳) بحرالعلوم آقائی سید محمد بن مرتضیٰ بن محمد الحسنی الحسینی معروف بہ مہدی طباطبائی بروجردی

---

(۳۶) شجرۂ طیبہ۔ ص: ۳۴

نور اللہ تربتہٗ سے اکتسابِ علوم کیا۔ مولانا ہدایت حسین صاحب نے "نجوم تواریخ" میں تحریر فرمایا ہے کہ اُس زمانے میں علماء و فقہاء کی کثرت کے باوجود آپ یکتائے زماں اور وحید دوراں تھے اور علم و کمال کے ساتھ حُسن و جمال بھی حق تعالےٰ نے عطا فرمایا تھا۔ (۴۷)

"آئینۂ حق نما" میں، جو خود حضرت غفرانمآبؒ کی تصنیف ہے یا ان کے کسی شاگرد کی، اس کے بارے میں ان کی تصانیف کے ذیل میں گفتگو کی جائے گی، دوسرے اساتذہ کی طرح آقائی مہدی طباطبائی کے حالات بھی قدرے تفصیل سے لکھے ہوئے ہیں۔

بحرالعلوم آقائی سید طباطبائی نے ۱۲۱۲ھ میں رحلت فرمائی۔ کسی شاعر نے یہ تاریخِ وفات کہی۔ قطعۂ تاریخ پانچ اشعار پر مشتمل ہے۔ چونکہ ان اشعار سے آپ کی عظمت اور جلالت علمی پر کچھ اشارے ملتے ہیں اس لئے ہم پورا قطعۂ تاریخ درج کر رہے ہیں۔

عجب غم است کہ دل زیں مصیبتِ جانکاہ — بہ سینہ خوں شدہ بیروں ز چشمِ پُر نم رفت
سپہر ملتِ دیں، ماہِ اوجِ فضل کجاست — کہ یک جہاں زغمش بر جہانیاں غم رفت
کلیم بازو و عیسیٰ دم و خلیل قدم — کہ در شرائط علم از جہانِ سلّم رفت
چو بود در دل او آرزوئے وصل حبیب — زجاں گذشت و بدیدار دوست خورم رفت
(خرم)

خرد چو سال وفات از تو جست ہاتِفی گو
"کہ مہدیؑ صاحب زماں ز عالم رفت" (۴۸)

۱۱۹۶+۱۶ = ۱۲۱۲ھ

اس مصرعہ تاریخ میں بھی شاعر نے تعمیہ باتدخلہ کیا۔ یعنی مصرعۂ ثانی کے کُل اعداد ۱۱۹۶

---

(۴۷) شجرۂ طیبہ۔ ص ۳۳۔

(۴۸) شجرۂ طیبہ۔ ص ۳۴۔

ہوتے تھے۔ سولہ عدد کم تھے اس لئے اس نے مصرع اولیٰ میں "یا وی" کہہ کے وی کے ۱۶ عدد مصرع ثانی میں شامل کئے اور یوں مادہ تاریخ ۱۲۱۲ھ حاصل کیا۔

مشہد مقدس میں:

(۵) آقائی محمد مہدی بن ہدایت اللہ المشہدی الاصفہانی طیب اللہ مشہدہٗ سے اکتسابِ علوم کیا۔ وہ جناب اس زمانے میں جب حضرت غفرانمآبؒ مشہد مقدس پہنچے، تصنیف "شرح کتاب دروس" میں مصروف تھے اور اسی کا درس دیتے تھے۔ جناب غفرانمآبؒ بھی اس درس میں شریک ہوئے۔ ان جناب کو ایک شقی نادر مرزائی ملعون نے جو احفاد نادر شاہ بادشاہ سے تھا شہید کر دیا۔ (۴۹)

اجازۂ اجتہاد:

نجف اشرف، کربلائے معلّی اور مشہدِ مقدس میں تکمیلِ علوم کے بعد بحرالعلوم آقائی سید مہدی طباطبائی اور آقائی سید محمد مہدی اصفہانی نے اجازاتِ اجتہاد عطا فرمائے۔

حصولِ علم کے بعد اجتہاد میں حضرت غفرانمآبؒ کا پایہ اتنا بلند ہو گیا تھا کہ ان کے ان دونوں بزرگوار اساتذۂ عظام نے نہایت شاندار الفاظ میں آپ کی تعریف لکھی اور مجتہدانہ صلاحیت کی داد دی۔ (۵۰)

ہندوستان واپس آنے کے بعد لکھنؤ میں قیام کیا اور چند ہی سال کے اندر چند کتابیں تصنیف فرما کر عراق بھیجیں جنہیں دیکھ کر وہاں سے آپ کے دوسرے اساتذہ نے بھی اجتہاد کے اجازے روانہ فرمائے۔ (۵۱)

---

(۴۹) نجوم تواریخ۔ ص ۳۶، (۵۰) آئینہ حق نما ص۔ ۹۰ تا ۱۰۳+ ڈاکٹر رضوی۔ ج۔۲۔ ص۔ ۱۳۰

(۵۱) تذکرۃ العلماء، ص۔ ۱۸۸۔۱۸۹

اجازات اجتہاد کے کچھ اقتباسات:

صاحب ''تذکرۃ العلماء مولانا سید مہدی بن نجف علی الحسینی الرضوی عظیم آبادی نے اپنے اس معروف ''تذکرہ'' میں حضرت غفرانمآبؒ کو ان کے اساتذہ جلیل کی طرف سے عطا کئے ہوئے اجازات اجتہاد کے فارسی تراجم شامل کئے ہیں جن کو اردو ترجمہ کے ساتھ جناب محمد صادق خان جونپوری نے جریدۂ فریدۂ ماہنامہ ''شعاع عمل'' لکھنؤ کے مختلف شماروں میں شائع کیا۔ ہم یہاں ان میں سے اختصار کے پیشِ نظر کچھ اقتباسات نقل کر رہے ہیں تا کہ قارئینِ محترم کو اندازہ ہو سکے کہ ان عظیم المرتبت اور جلیل القدر علماء فقہاء اور مجتہدینِ کرام کی نظروں میں حضرت غفرانمآبؒ کی کیا قدر و منزلت تھی اور کیسے کیسے توصیفی کلمات اور القاب و خطابات سے انہوں نے جناب غفرانمآبؒ کی تعریف و تحسین فرمائی۔ ملاحظہ ہو:۔

اجازہ عطا کردہ آقائی مرزا محمد مہدی شہرستانی طاب ثراہ شہید۔

صاحب ''تذکرۃ العلماء'' لکھتے ہیں: فقہائے عظام اور علمائے کرام کے ہاتھ کے لکھے ہوئے اور ان کے مہر سے مختوم تمام وہ اجازات جو جناب غفرانمآبؒ کو حاصل ہوئے موجود ہیں۔ ان میں سے جناب مستطاب علامہ المعی، فقیہ لوذعی مرزا محمد مہدی شہید مشہدی کا اجازہ ہے جو اولین اجازوں میں ہے اور جناب غفران مآبؒ کے مشہدِ مقدس رضویہ سے روانگی کے وقت اس عالمِ ربانی نے کتاب رجال کی پشت پر مختصر عبارت میں تحریر کر کے جناب کو عطا فرمایا تھا۔ اس کا ترجمہ حمد و نعت کے بعد یوں ہے۔

''اما بعد بے شک سید سند، ماجدِ امجد، عالم عامل، فاضلِ کامل، صاحب الفطنۃ و الوقادۃ،

القریحہ الانقادہ، منبع فضل وافادات، ارباب زیادت کے کعبہ علم میں داخل ہونے والے، صاحب نسب عالی، سیدنا و مولانا سید علی الہندی مشہور بہ دلدار علی نے مجھ سے طلب اجازہ کیا ہے۔ پس میں نے ان کو اجازت دی کہ مجھ سے تمام عام و خاص کتابوں کو جو اسلام میں تصنیف ہوئیں ہیں روایت کریں، اس اجازے کے ذریعے جو مجھے اپنے استاد محدث، فقیہ دانا شیخ محمد مہدی فتونیؒ سے اور ان کو دو معتبر عالم کے ذریعے علامہ مجلسیؒ سے حاصل تھی، نیز اس اجازے کے ذریعے جو مجھے عالم افضل و اکمل مولانا محمد باقر بن محمد اکمل سے اور علامہ مجلسی کے فرزند سے جن کو اپنے والد کے واسطے اپنے جد سے اجازت حاصل تھی، حاصل ہوئی۔ اور سید ممدوح کو وصیت کرتا ہوں کہ تقویٰ اور ایمانداری اختیار کریں۔ خلوت و جلوت میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جانیں اور باقی ماندہ عمر ائمہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین کی حدیثوں کی نشر و اشاعت میں صرف کردیں اور میں ان سے امید رکھتا ہوں کہ تنہائی میں اور اپنی نمازوں کے بعد اور اجابتِ دعا کے اوقات میں مجھ کو اور میرے اساتذہ کو دعائے خیر سے فراموش نہ فرمائیں گے۔ ان الفاظ کو اپنے ہاتھوں سے تحریر کیا ہے محمد مہدی بن ہدایت اللہ حسینی موسوی جن کی محل پیدائش اصفہان اور مسکن مشہد مقدس رضویہ ہے۔ ختم ہوا جناب شہادت مآب علیہ الرحمۃ والرضوان کا کلام۔ (۵۲)

اجازہ عطا کردہ بحر العلوم:۔

جناب مقدس القاب، بحر العلوم آقا سید مہدی طباطبائی نجفی نور اللہ مرقدہٗ کا اجازہ جس کی عبارت خطبے کے بعد یوں ہے۔

امابعد، چونکہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کے احسانوں میں سے ایک احسان یہ بھی ہے کہ اس

---

(۵۲) تذکرۃ العلماء، (۱۲۸۵ء) از مولانا سید مہدی بن نجف علی الحسینی الرضوی العظیم آبادی۔

نے ان کے لئے ہدایت کا راستہ اور سبیل سداد کو ظاہر و آسان فرمایا ہے اور اپنے دین و احکام کی حفاظت کے لئے علماء کو خلق کیا جو کہ اس کی شریعت اور احکام کے محافظ ہیں اور متاخر، متقدم سے ان علوم کو حاصل کرتا ہے جو علوم اہلبیتؑ سے ان تک پہنچے ہیں، تاکہ دینِ الٰہی اور احکامِ شریعت، منافقوں کے تحریف اور ضائع و برباد کرنے سے محفوظ رہے۔ کتنے لوگ ایسے ہیں جو دینی علوم میں بلند مقام کے حصول کی خاطر، غربت اختیار کرتے ہیں، اپنے وطن سے سفر کرتے ہیں اور بڑے مقاصد کے حصول کے لئے اپنے شہر و گھربار سے ہجرت کرتے ہیں، راستوں کو طے کرتے ہوئے، علمائے کرام اور اساتذۂ عظام کی زبان سے ایسے علوم کو حاصل کرتے ہیں جو قیامت کے لئے ذخیرہ ہوں۔ ان کی نیکیوں کا اجر اللہ کے ذمہ ہے، چونکہ علم کے مرتبہ کو جیسا کہ ہے جانتے ہیں اور اپنی ہمت کو جتنا کہ ہوسکتا ہے تحصیلِ علم میں صرف کیا ہے۔ منجملہ ان علماء کے جنہوں نے اس مقصد کے حصول میں کوششِ بلیغ فرمائی ہے اور علم و عمل کی سعادت سے سرفراز ہیں اور علم و عمل کا کافی ذخیرہ حاصل کیا ہے، سید حسیب و نسیب، عالم خبیر و ادیب، صاحب فطنت و قادہ و قریحہ نقادہ، فخر علماء و سادات سید دلدار علی بن سید محمد معین ہندی نصیر آبادی ہیں۔ اللہ کی توفیقات اور عنایات ہمیشہ ان کے ساتھ رہیں۔

بے شک سید موصوف ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے حصول علم و کمال کے لئے غربت و سفر کو اختیار کیا، سواریوں کی پشت پر سفر کا کجاوہ باندھا، سفر کے تعب و مشقت کو برداشت کیا، شرق و غرب عالم کا سفر کیا اور چند مدت میرے ساتھ مقیم رہے ہیں۔

کتاب ''وافی'' کا کچھ حصہ نہایت تحقیق و تدقیق و تدبر و تعمق اور اسرار مضامین میں دقت نظر کے ساتھ میرے سامنے قرائت کی (کیا) ہے اور حضر و سفر میں میرے مصاحب اور

ہمنشین تھے اور ان کا ورع وتقویٰ اور حسنِ نظر مجھ پر ظاہر ہوگیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام پر عمل کیا جو اپنی کتاب قرآن میں فرماتا ہے "ان میں سے ہر گروہ کی ایک جماعت (اپنے گھروں سے کیوں نہیں نکلتی تا کہ علم دین حاصل کرے اور جب اپنی قوم کی طرف پلٹ کے آوے تو ان کو (عذابِ آخرت سے) ڈرائے تا کہ یہ لوگ ڈریں " (سورۂ توبہ: آیت: ۱۲۲)۔

سید موصوف نے کچھ مدت گزر جانے کے بعد بُعدِ مسافت کے باوجود ائمہؑ کی حدیثوں اور علمائے اخیار کی تصنیفات کو روایت کرنے کے لئے اجازہ طلب کیا اور یہ طلب ہمارے سابقین اور سلف صالحین کی پیروی ہے۔ پس میں نے ان کو اجازت دے دی، اللہ تعالیٰ ان کو علماء کے سب سے بلند مرتبہ اور فضلاء کے اعلیٰ مقام پر فائز کرے، کہ مجھ سے روایت کریں حدیث کی کتب اربعہ کو، جو کہ تمام دنیا میں ہمارے علماء کا محور ہیں۔ ان کتابوں کے نام ہیں "کافی"، "من لا یحضرہ الفقیہ"، "تہذیب الاحکام" اور "استبصار" جو کہ علمائے متقدمین میں سے تین محمد یعنی ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی، شیخ صدوق محمد بن علی بن بابویہ قمی اور شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی رحمۃ اللہ علیہم کی تصنیفات ہیں۔ اور یہ تینوں حضرات عظیم الشان عالم تھے اور ان کی تصنیفات آفتاب عالمتاب کی طرح پھیلی ہوئی ہیں اور اجازت دے دی ان کو کہ مجھ سے روایت کریں تین کتابوں کی جن میں متفرق احادیث اکٹھا کی گئی ہیں اور وہ ہیں "وافی"، "وسائل الشیعہ" اور "بحار الانوار" جو علمائے متاخرین میں سے تین محمد یعنی ملا محمد فیض کاشانی، مولانا محمد باقر مجلسیؒ اور شیخ حر محمد بن حسن عاملیؒ کی تالیفات ہیں۔ اور یہ تینوں بزرگوں کو دیگر محدثین پر فوقیت حاصل تھی، ان کتب حدیث کی تالیف کی رو سے جو انجم طالع اور بحار ذخار کی طرح روشن وظاہر ہیں"۔ (۵۳)

---

(۵۳) ماخوذ از "شعاع عمل" لکھنؤ۔ شمارہ جون ۲۰۰۸ء

اجازہ عطا کردہ آقائی سید علی طباطبائی کربلائی قدس سرہٗ

جناب مستطاب، معلی القاب آقا سید علی طباطبائی کربلائی قدس سرہ کے اجازہ کا ترجمہ ،خطبے کے بعد یوں ہے:۔

چونکہ اس زمانے میں جو کہ جاہلوں اور علمائے دین کے طریقے کے منکروں کا زمانہ ہے، میں نے پایا کہ سید سند جلیل، مولائی اولیٰ نبیل، عالم عامل، فاضل کامل، صاحب فطنہ وقادہ و قریحہ نقادہ، منبع فضل وافادہ، حاوی انواع کمالات، میدان سعادت میں گوئے سبقت لے جانے والے، علوم معقول ومنقول کے دریا، اصول سے فروع کو استنباط کرنے والے، پسندیدہ خصال، پاکیزہ اطور سید دلدار علی بن سید محمد معین ہندی نصیر آبادی عاملہما اللہ بفضلہ الجلی و لطفہ الخفی، ان علماء میں سے ہیں جو کمال کی بلندی پر پہنچ چکے ہیں اور اپنے زمانے کے تمام علوم کو حاصل کر لیا ہے۔ اور میں نے یہ جان لیا کہ حصولِ علم کی خاطر دن میں محنت ومشقت اور رات میں شب بیداری کی وجہ سے سید موصوف بلندیوں کی چوٹی پر پہنچے ہیں۔ میں نے ان کو اس بات کا مستحق پایا کہ سلف صالحین کی پیروی کریں، نیز عروۃ الوثقیٰ اور حبل متین سے متمسک ہوں اور ائمہ معصومین صلوات اللہ علیہم کی حدیثوں کے راویوں کے زمرے میں شامل ہوں۔

پس مجھ پر واجب ولازم ہوگیا کہ ان کے حوالے کردوں جو کچھ میرے پاس ہے اس کتاب گرامی کا جس میں خداوند کریم کی حجتیں اور ہادیانِ صراطِ مستقیم کی حدیثوں کی روایت کرنے کے اجازات پر مشتمل ایک مجمل تذکرہ ہے اور اگرچہ میں خود کو اس امرِ عظیم کی اجازت دینے کے لائق نہیں سمجھتا ہوں، لیکن آج کے زمانے میں اس کو اپنے اوپر منجملہ واجبات جانتا ہوں۔ میں نے

اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا اور جناب کبریائی سے خیر کا خواہاں ہوا۔ اور سید موصوف کو حق تعالیٰ ان کے فضل وافضال کو زیادہ کرے اور ان کے جیسے لوگوں کو علماء میں زیادہ کرے۔ اجازہ دیتا ہوں کہ میرے ذریعے سے میرے اساتذہ سے روایت کریں دینی علوم سے متعلق مختلف علوم جیسے تفسیر، حدیث، اصول فقہ دعائے ماثورہ، علم کلام، فقہ ورجال وغیرہ پر مشتمل اہلِ اسلام کی تالیفات اور تصنیفات میں سے ہر اس چیز کو جس کی دلیل مجھ پر میرے اساتذہ کے ذریعے ثابت ہو چکی ہے، اس کی روایت جائز ہے، اس کا راستہ واضح ہے اور اس کا اجازہ دینا مجھ پر مباح ہے، اس اجازے کے ذریعے جو میرے اساتذہ کرام اور اسلاف عظام رضی اللہ عنہم سے مجھ تک پہنچا ہے۔ نیز ان کو اجازت دے دی کہ میری تمام کتب مفردات، مسموعات، مجازات اور مصنفات مجھ سے روایت کریں، اس صورت میں کہ شرائط روایت کو پوری کریں اور معارج درایت کے انتہا کے طالب ہوں اور ان چیزوں میں جو امور دین سے متعلق ہیں بھرپور احتیاط سے کام لیں، خصوصاً نقل اور مسلمانوں کے لئے فتویٰ دیتے وقت۔ بے شک مفتی جہنم کے کنارے پر ہے۔ یعنی فتویٰ میں غلطی کی وجہ سے جہنم میں گرنے کا خوف رہتا ہے۔

نیز سید موصوف اپنے ایام مہلت کو ان امور میں صرف کریں جن سے ان کو آخرت میں فائدہ پہنچے۔ نیز عروۃ الوثقیٰ سے متمسک اور حلیہ صلاح وتقویٰ سے متجلی ہونا چاہئے اور ائمہ ہدیٰ صلوات اللہ علیہم اجمعین کی حدیثوں کی ترویج نیز ان کے آثار کو مشہور کرنے اور ان کے اقوال و افعال سے استنباط کرنے کی کوشش کریں۔ ان کی مودت کی حبلِ متین کو پکڑ لیں، کیونکہ اہلبیت کرام کی محبت سے تمسک واعتصام اور ائمہ انام علیہم السلام کی حدیثوں کی پیروی واقتداء کے سوا ہلاکت سے نجات کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ ہم پر رحم فرمائے اور ہم کو ان حضرات کے ساتھ ان کے محبوں کے زمرے میں محشور فرمائے۔ اور سید موصوف ادام اللہ تائیدہ سے توقع کرتا ہوں کہ مجھے اور میرے اساتذہ کو میری حیات اور میری موت کے بعد اپنی دعاؤں سے فراموش نہ فرمائیں، خاص کر کے اپنی نمازوں کے بعد ان اوقات میں جو اجابت دعا کا وقت ہے۔ ان الفاظ کو لکھا ہے اللہ کی رحمت کا سب سے زیادہ محتاج بندہ، علی بن عبد العلی الحسنی الحسینی الطباطبائی نے ماہِ رجب کے درمیانی دنوں میں سنہ ۱۲۰۵ ہجری۔ انتہی"۔ اور آنجناب کے مہر پر یہ منقوش ہے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْمَلِکُ الْحَقُّ الْمُبِین، علی الطباطبائی۔

اجازہ عطا کردہ آقائی مرزا مہدی شہرستانی کربلائی قدس سرہ:

جناب سیادت مآب مرزا مہدی شہرستانی کربلائی علیہ الرحمہ کے اجازے کا خلاصہ صلوٰۃ کے بعد یوں ہے "چونکہ سیدِ جلیل و فرزندِ نبیل، صاحب اخلاقِ پسندیدہ، سعادت کے عالی درجوں پر فائز، عالم عامل، ادیب، صاحب فہم صائب و ذہن ثاقب، سید دلدار علی بن سید معین ہندی نصیر آبادی ادام اللہ علاہ وطال اللہ فی معارج غیر ارتقاہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے دینی علوم کے باغ میں سیر کی ہے اور اہلِ بیتِ رسالتؐ صلواۃ اللہ علیہم کی حدیثوں کے صاف وشفاف حوض سے سیراب ہوئے ہیں اور بے شک سیدِ موصوف جس زمانے میں ائمہ طاہرینؑ کے عتباتِ عالیہ کی زیارت سے شرفیاب ہو کر اس ارضِ مقدس اور مکانِ متبرک پر مقیم تھے، تو کچھ مدت میری صحبت اور ہمنشینی میں رہے اور سادات دین وامنائے رب العالمین کی کچھ حدیثوں کو مجھ سے سماعت کیا اور پھر تحصیلِ علوم دینیہ کے بعد لوگوں کی ہدایت کے لئے بلادِ ہند کی طرف واپس پلٹے۔

اور وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ان میں سے ہر گروہ کی ایک جماعت (اپنے گھروں سے) کیوں نہیں نکلتی تاکہ علمِ دین حاصل کرے اور جب اپنی قوم کی طرف پلٹ کے آوے تو ان کو (عذابِ آخرت سے) ڈرائے تاکہ یہ لوگ ڈریں''۔ سید موصوف باوجود اس کے کہ اس وقت اپنے شہر میں ہیں جو یہاں سے بہت دور ہے، مجھ سے اجازت کی درخواست کی ہے علوم معقول ومنقول اور فروع واصول کے بارے میں جن کی روایت کرنا میرے لئے صحیح ہے اور جس کی درایت میرے نزدیک ثابت ہے، جیسا کہ ہمارے گزشتہ علماء اور ہمارے بزرگوں کا طریقہ مرضیہ رہا ہے کہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کی حدیثوں کے راویوں کے گروہ میں شامل ہونے کا شرف حاصل کیا ہے۔ میں نے ان کی خواہش کو پوری کرنے میں جلدی کی اور ان کے مقصد کو پورا کرنے میں لگ گیا، کیونکہ سید موصوف علم وفضل، جودت فطنت اور اپنی لیاقت کی وجہ سے اس بات کے مستحق ہیں۔ پس میں ان کو اس بات کی اجازت دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کے مرتبہ کو بلند رکھے اور فرقہ ناجیہ میں ان جیسے علماء کی تعداد میں اضافہ فرمائے، کہ مجھ سے روایت کریں ان تمام چیزوں کی جن کی روایت میرے لئے قرائت وسماعت کے ذریعے صحت کی حد تک پہنچ چکی ہے اور جو کچھ علمائے کرام نے معقول ومشروع خصوصاً کتب حدیث، اور خاص کر کے ہر زمانے میں نصف النہار پر سورج کی طرح رہنے والی کتب فقہ یعنی ''تہذیب'' اور ''استبصار'' کے سلسلے میں اجازت دی ہے۔ اور مجھ سے روایت کریں ہمارے علمائے ابرار کی تمام کتابیں جو فقہ، کلام، اصولِ فقہ، تفسیر، لغت، منطق، معانی، بیان اور دیگر علوم میں تصنیف ہوئی ہیں اور معلوم ومعروف ہیں۔

اور میرے اجازے کی سندوں میں وہ سندیں جو ائمہ معصومین علیہم السلام سے متصل

ہوتی ہیں، بہت ہیں۔ لیکن وقت کی کمی، پراگندگی ذہن اور کثرت اشتغال کے باعث ان تمام سندوں کا ذکر نہیں کر سکتا ہوں۔

پس میری سندوں میں ایک سند وہ ہے جو قرائت، سماعت اور اجازے کے ذریعے میرے شیخ علامہ اور میرے استاد فہامہ، جامع معقول و منقول، اصول سے فروع کا استنباط کرنے والے، علم و عمل کے درجے پر فائز، اقصائے مراتب علم کے محیط، یگانہ روزگار شیخ یوسف بن مرحوم شیخ احمد بن ابراہیم نے اپنے استاد، علامہ زماں، اعجوبہ دوراں، شیخ حسین بن شیخ جعفر ماحوزی بحرانی سے اور انہوں نے اپنے استاد، عالم علامہ نادرۃ الاوان، مقدس مرحوم شیخ سلیمان یعنی سلیمان بن عبداللہ محمد بن نما سے اور انہوں نے شیخ محمد بن ادریس عجلی سے اور انہوں نے شیخ عربی ابن مسافر عبادی سے اور انہوں نے اپنے استاد شیخ الیاس بن ہشام حائری سے اور انہوں نے اپنے استاد شیخ حسن ابو علی سے اور انہوں نے اپنے والد شیخ الطائفۃ الحقہ، رئیس فرقہ حقہ، یعنی جناب شیخ ابو جعفر طوسی سے اور انہوں نے شیخ سعید مفید محمد بن محمد نعمان سے اور انہوں نے شیخ ابوالقاسم جعفر بن محمد بن قولویہ سے اور انہوں نے شیخ ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی کے ذریعے مجھے خبر دی ہے اور یہ سب ان کی کتاب جامع حدیث میں مذکور ہے۔

اور ایسے ہی شخص مفید علیہ الرحمۃ کی سندوں کے ذریعے شیخ صدوق محمد بن علی بن حسین بن بابویہ رحمت اللہ علیہ سے اور ان علماء متقدمین کی سندوں کے ذریعے جو صاحب کتاب تھے اور باقی اسناد جو حضرات آئمہ معصومین تک پہنچتی ہیں اور ان کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

اور سید موصوف کو ان باتوں کی وصیت کرتا ہوں جن کی میرے اساتذہ نے مجھے وصیت کی تھی کہ فتوے میں احتیاط کے دامن کو تھامے رہیں۔ بے شک احتیاط کا راستہ، ہلاکت سے نجات

کا ذریعہ ہے اور ان کو وصیت کرتا ہوں کہ اپنی ہمت کو ورع اور تقویٰ کے ملکہ کے حصول اور رضائے حق تعالیٰ کی تحصیل میں صرف کریں اور اجابتِ دعا کے موقعوں پر خاص کر کے نماز کے بعد مجھے دعا سے فراموش نہ کریں۔ اور یہ تحریر رحمت واسعۂ الٰہی کے سب سے محتاج بندہ محمد مہدی ابن ابی القاسم الموسوی موطناً شہرستانی اور مسکناً بلکہ مدفناً انشاء اللہ کربلائی کے ذریعے لکھی گئی ہے اور شب بیست و ہفتم ماہِ شعبان سنہ ۱۲۰۵ ہجری میں اس کے لکھنے سے فراغت ملی ہے۔ انتہیٰ مصلہ وصورۃ خاتمہ الشریف عبدہ محمد مہدی الموسوی''۔

صاحب تذکرۃ العلماء فرماتے ہیں:۔

''میری نظر قاصر سے وہ خط بھی گزرا جس کو جناب سید علی طباطبائی نے کتاب ''اساس الاصول'' اور ''مواعظ حسینیہ'' کو دیکھنے کے بعد، جناب غفرانمآبؒ کے خط کے جواب میں تحریر فرما کر کربلائے معلی سے یہاں بھیجا تھا۔ اس تحریر کے بعض فقرات یوں ہیں:۔

عنبر شمیم تحریر کے ساتھ اس شجرہ سیادت کے پھل کی تالیفات میں سے دو کتابوں کے بہجت شمول وصول انشراح وانبساط کا باعث ہوا۔ اس سرور کی تحقیقات انیقہ اور تدقیقات دقیقہ کے مطالعہ سے، تازگی اور بے اندازہ خوشی ہوئی کہ اس بلاد میں بھی الطاف ربانیہ اور عنایات الٰہیہ سے ایک شخص پیدا ہوا جو اہلِ دین اور محبان آئمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین کو مواعظ حسینیہ اور معالم دینیہ کی تعلیم کے ذریعے تادیب وتہذیب کرسکتا ہے اور طریق ارشاد کے طلب کرنے والے اور سالکان مسالک سداد کے صفحۂ ذہن سے ضلالت اور گمراہی کے رنگ ادلہ باہرہ اور براہین قاطعہ کے ذریعے مٹا سکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس دیار میں رہنے والے، اگر اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر

اور اس عطیہ کبریٰ کی منزلت کو جانتے ہیں تو ان کو چاہیئے کہ شکرِ الٰہی کے ورد سے خود کو ایک لمحہ کے لئے خالی نہ رکھیں اور اس جامع الفضائل کے فیضِ صحبت سے علوم دینیہ اور معارفِ یقینیہ میں حظ وافر و بہرہ کامل حاصل کریں۔ انتہیٰ بعض کلامہ الشریف بلفظ المنیف۔"

نیز جناب مستطاب بحر العلوم سید مہدی طباطبائی نجفی کے خط کے بعض فقرات:۔

انہوں نے جناب غفرانمآبؒ کے لئے اجازہ لکھنے کے بعد، ان کے بعض مراسلات کے جواب میں جو خط تحریر کر کے بھیجا تھا، یوں ہیں:۔

بھیجے گئے مراسلات سدیدہ، مسرت خاطر کے باعث ہوئے، خاص کر کے دو جلد کتاب کے ملاحظہ سے جو کہ اس سلالۃ اطیاب کے فکروں کا نتیجہ اور ان کے تالیفات میں سے ہے اور اجازہ تحریر کرنے کے سلسلے میں ایک شرح لکھی تھی۔ ان کی خواہش کے مطابق دونوں کتابوں کو دیکھا اور تحقیقاتِ انیقہ و تدقیقاتِ رائقہ سے محظوظ ہوا۔ مفصل اجازہ کتاب اصول کے پشت پر تحریر کر کے دونوں کتابوں کو حاجی محمد جعفر کی معرفت بھیج دیا ہے اور اس بلاد میں ان کے امر تدریس ومباحثہ وشعائرِ دین کی ترویج میں مشغول ہونے کے باعث بہت مسرور و مشغوف ہوا۔ تمام ہوئی حضرت بحر العلوم طباطبائی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے رقعہ کی عبارت۔ (۵۴)

(تراجم از جناب محمد صادق خاں صاحب جونپوری)

---

(۵۴) ماخوذ از "شعاع عمل" لکھنؤ۔ شمارہ جولائی ۲۰۰۶ء

تکمیل علوم کے بعد مراجعت اور دینی وملی خدمات

اس زمانے میں شیعوں کی جو مذہبی اور اخلاقی حالت تھی اس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔اس ذیل میں لسان الہند حضرت عزیز لکھنوی کا یہ مختصر بیان بھی قابلِ توجہ ہے:۔

''لکھنؤ کی ابتدائی حالت مذہبی حیثیت سے بہت ضعیف تھی۔آصف الدولہ کا شراب اور بھنگ کا دور،ضروریاتِ دینی سے بے خبری جاننے والے جانتے ہیں۔میں مرنے والوں کی روحوں کو شرمندہ کرنا نہیں چاہتا۔خدا ان کو جوارِ رحمت میں جگہ دے۔(۵۵)

اُس زمانے کی ایک مثنوی ''تحفۂ جعفری،صفحہ نمبر ۹۷،مطبوعہ دہلی سے چند اشعار بھی مذکورہ صورتِ حال کی وضاحت کے لئے کافی ہیں:۔

ہوتی ہے جس جگہ پہ مجلسِ حال — چھیڑ کر ساز گاتے ہیں قوال
اِک طرف وہ بجاتا ہے ڈھولک — اِک طرف ناچتا ہے یہ مردک
کبھی مارے ہے چیخ مثلِ حمار — کبھی چپ دم بخود ہے ناہنجار
کبھی کہتا ہے قان اور کبھی قین — واہ کیا معرفت ہے اور یقین
بہتوں کو یہ فریب دیتے ہیں — اور سیم و زر ان سے لیتے ہیں

حضرت غفرانمآبؒ کو ایک طرف تو شیعوں کی صحیح شریعتِ محمدیؐ اور فقہی احکام سے ناواقفیت کا مسئلہ درپیش تھا جو صوفیت کے طریقوں پر عامل تھے اور دینی فرائض اہلِ سنت کی طرح انجام دیتے تھے،بحیثیت ایک قوم وہ غیر منظم بھی تھے۔کوئی نہ تھا جو انہیں دینی اور فقہی مسائل سے آگاہ کرتا۔

دوسری طرف اخباریت کا مسئلہ تھا۔علمائے شیعہ بیشتر اخباری تھے۔اجتہاد اور تقلید کے مخالف۔

(۵۵) عزیز لکھنوی۔''مضامینِ عزیز''ص۔ ۳۰۷۔

تیسری طرف اہلسنت کا محاذ تھا اور اتنا قوی تھا کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اسی زمانے میں "تحفہ اثناء عشریہ" لکھی جو کوئی دو سو برس بعد بھی اہلسنت کے لئے اتنی اہم ہے کہ ان کی جانب سے مناظرہ کا سارا دارومدار اسی پر ہے۔

اور پھر صوفیت کا زور جس کے اصلی خدوخال لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ تھے اور انہیں بے نقاب کرنے والا کوئی نہ تھا۔

حضرت غفرانمآبؒ نے شیعوں کی دینی تعلیم اور فقہی مسائل سے ان کو آگاہ کرنے اور بحیثیت ایک قوم ان کو منظم کرنے کا کام بھی انجام دیا اور اخباریت، صوفیت اور اہلسنت کے محاذوں کے خلاف قلمی جہاد کر کے قوم کو ان کے پنجوں سے بھی آزاد کروایا۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:۔

ملتِ شیعہ کی اصلاحِ احوال:

اس صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے حضرت غفرانمآبؒ نے موعظہ و نصیحت کا سلسلہ شروع کیا۔ دوسری طرف آپ نے مختلف مقامات اور مختلف شہروں میں، مومنین کی ہدایت اور دینی تعلیم کے لئے مبلغین کا تقرر فرمانا بھی شروع کر دیا۔ مثلاً

۱۔ مولانا عبدالعلی صاحب اور ان کے صاحبزادے فیض آباد تشریف لے گئے۔

۲۔ مرزا اسمٰعیل حیدرآباد دکن بھیجے گئے۔

۳۔ مولوی سید محمد عبادت نے جو محلہ گزری امروہہ کے تھے، انہیں حضرت غفرانمآبؒ نے مسائلِ شریعہ کی تعلیم کے لئے شیخ حرِ عاملیؒ کی کتاب "ہدایۃ الہدایہ" عنایت فرمائی کہ اختلافی مسائل میں مومنین کو احتیاطی احکام کی تلقین فرمائیں۔ نیز امامتِ جماعت کا اجازہ بھی عطا فرمایا۔

۴۔ جناب سبحان علی خاں مرحوم کے خاندان کے ذریعہ الہ آباد میں خدمات دینیہ کا سلسلہ شروع کروایا۔ اسی طرح اور اطراف میں بھی متعدد مبلغین کو بھیج کر مومنین کی دینی تعلیم و تربیت کا انتظام فرمایا۔ اس کے علاوہ آپ کے شاگردان رشید نے جو مختلف مقامات سے تعلق رکھتے تھے، اپنی اپنی تعلیم مکمل کر کے اپنے علاقوں میں واپس جا کر زبردست دینی خدمات انجام دیں۔ اور پھر ان شاگردوں کے شاگردوں نے اس عظیم الشان کام کو آگے بڑھایا۔ اس طرح پورے برصغیر میں حضرت غفرانمآبؒ کی مساعی جمیلہ کی بدولت دین و ایمان کے نور سے روشنی پھیل گئی۔ اسی وجہ سے حضرت سید العلماء علامہ سید علی نقی النقوی طاب ثراہ نے تحریر فرمایا ہے کہ "ہندوستان میں جہاں کہیں بھی علم ہے اس کی انتہا غفرانمآبؒ طاب ثراہ تک ضرور ہوتی ہے۔ (۵٦)

اخباریت کے خلاف علمی جہاد:

غفرانمآبؒ کے زمانے میں اخباریت کا بہت زور تھا۔ خود ہندوستان کے شیعہ علماء کے علاوہ ایران سے آنے والے علماء میں بھی متعدد اخباری تھے جیسے معروف عالم دین و شاعر شیخ حزیں اور ابوالحسن بہبہانی وغیرہ۔ اخباریت کے سرگروہ آگرہ کے رہنے والے مرزا محمد بن عبدالصانع نیشاپوری تھے جو عراق جا کر وہیں مقیم ہو گئے تھے اور آخر میں مجتہدین کے خلاف ناقابل برداشت سخت کلامیوں کے نتیجہ میں کسی نے اشتعال میں آ کر انہیں قتل کر دیا۔ اس طرح وہ مرزا محمد مقتول مشہور ہوئے۔

اخباریوں کی مایۂ ناز کتاب مُلّا محمد امین استر آبادی کی "فوائد مدنیہ" تھی۔ جناب غفرانمآبؒ نے "اساس الاصول" کے نام سے اس کا جواب لکھا۔ اس کے بعض مباحث کا ذکر

(۵٦) سید العلماءؒ۔ "جناب غفرانمآبؒ"۔ ص۔۱۰

پ کی تصانیف کے ذیل میں کیا جائے گا۔ بہر حال ''اساس الاصول'' کے ذریعہ جناب غفرانمآبؒ نے اخباریت پر بڑی شدید ضرب لگائی تھی۔ مرزا محمد اکبرآبادی نے اخباریوں کی طرف سے اس کتاب کے جواب میں ''معاد العقول'' لکھی۔ ''معاد العقول'' کے نام ہی سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتاب شائستہ اور مناسب لب ولہجہ میں نہیں لکھی گئی ہوگی۔ مجتہدین کے خلاف اُن کی انتہائی اشتعال انگیز سخت کلامی کے پیشِ نظران کی تحریر میں بھی وہی انداز ہونا عین ممکن بلکہ بڑی حد تک یقینی تھا۔ اس لئے حضرت غفرانمآبؒ نے اپنی طرف سے اس کا جواب لکھنا نامناسب سمجھ کر اپنے ایک شاگرد کے نام سے لکھا جس کا نام ''مطارق'' رکھا۔

جناب غفرانمآبؒ کے ان مسلسل اقدامات سے اخباریت کا زور ٹوٹنا شروع ہوا اور پھر ہندوستان سے اخباریت ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی۔ مگر اس کے کوئی دو سو برس بعد عہد موجود میں غیر قومی اور غیر ملکی طاقتوں کی سازش سے دنیائے شیعیت کے مرکز کی حیثیت سے ''مرجعیت'' کو ختم کرنے اور پھر سے اخباریت کو فروغ دینے کی کوششیں کی جارہی ہیں جن کے اثرات واضح طور پر ظاہر ہورہے ہیں۔

صوفیت کے خلاف تقریری اور تحریری جہاد:

بزرگانِ دین نے صوفیت کی مذمت کی ہے اور اسے اسلام کے خلاف قرار دیا ہے۔ سید العلماء علامہ سید علی نقی نقوی طاب ثراہ نے صوفیت کو بے مغز اور اس کے اعمال ورسوم کو کفریات و مزخرفات سے تعبیر کیا ہے۔

حضرت غفرانمآبؒ نے اخباریت کی طرح صوفیت کے خلاف بھی زبان وقلم سے

مدافعانہ جہاد کیا اور اس مہم کو بھی نہایت کامیابی سے سر کیا۔ یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ جناب غفرانمآبؒ نے تصوف کے نظریہ "وحدت الوجود" کے خلاف علمی اور مدافعانہ جہاد کیا تھا۔ وحدت الوجود کے نظریہ کو ہمارے بڑے بڑے علماء نے کفر و زندیقیت سے تعبیر کیا ہے۔ دوسرے صوفیوں کے رسوم جو شیعوں میں رائج ہو گئے تھے جن کا تذکرہ آچکا ہے مثلاً شیخ سدو کا بکرا، احمد کبیر کی گائے۔ بالے میاں کا جھنڈا وغیرہ ایسے مزخرفات کے خلاف اور قبر پرستی اور رقص وغنا وغیرہ کے خلاف بھی جو اسلامی تعلیمات سے متصادم تھے، آپ نے علمی اور مدافعانہ جہاد کیا تھا۔ آپ نے صوفیت کی رد میں "شہابِ ثاقب" کے نام سے کتاب تحریر فرمائی جس میں بقول سید العلماء۔ "صوفیاء کے اصلی خط و خال کو بالکل بے نقاب کر کے پیش کر دیا۔ مواعظ اور تبلیغات کے ذریعہ اس میں جو حیرت انگیز کامیابی حاصل ہوئی ہے اس کا آنکھوں سے مشاہدہ ہو رہا ہے کہ سوا سندھ اور پنجاب کے دور دراز مقامات کے جہاں آواز پوری طرح پہنچ نہ سکی تھی، باقی تمام علاقوں میں شیعوں کے اندر پیری مریدی، خانقاہوں اور اولیاء کے مزارات کا نام و نشان تک نہیں ہے۔" (۵۷)

<u>اہلسنت کا محاذ:</u>

شاہ عبدالعزیز کی کتاب "تحفۂ اثنا عشریہ" نے شیعوں کے خلاف اہلسنت کو بہت مشتعل کر دیا تھا۔ آج بھی اہلسنت کو اس کتاب پر ناز ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام "رودِ کوثر" میں لکھتے ہیں:۔

"تاریخی حیثیت سے آپ (شاہ عبدالعزیز) کی سب سے اہم کتاب "تحفۂ اثنا عشریہ" ہے۔ اس کی صحیح اہمیت کا اندازہ ہمیں اس وقت ہوا جب شیعہ علماء کے حالات پڑھے

(۵۷) سید العلماء، "جناب غفرانمآبؒ" ص۔۸۔

اور دیکھا کہ کس کثرت سے انہوں نے اس کی تردید میں قوتِ بیان صرف کی ہے۔ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء سے پہلے اکابرِ شیعہ علماء کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ اس کتاب کے اثر کو زائل کرنا تھا اور اس میں بہتوں نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ علمائے لکھنؤ میں سب سے ممتاز نام مولوی دلدار علی مجتہدِ اول کا ہے۔ انہوں نے چھ کتابیں اور رسالے شاہ عبدالعزیز کی تحریروں کی تردید میں لکھے۔" (۵۸)

اس کے بعد انہوں نے "تحفۂ اثنا عشریہ" کے جواب میں دوسرے شیعی اہلِ علم کے جوابات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ اس کتاب "تحفۂ اثنا عشریہ" کے بیان میں شیخ محمد اکرام نے بڑے فخر و مباہات کئے ہیں اور اس کی بڑھ چڑھ کر تعریف کی ہے وہ باتیں بھی لکھی ہیں جو حقائق کے خلاف ہیں۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ "تحفۂ اثنا عشریہ" ایک مناظرانہ کتاب ہے لیکن مخالفین بھی اس کی متانت، تہذیب اور شائستگی کے مداح ہیں۔ (۵۹) یہ بیان حیرت انگیز بھی ہے اور افسوسناک بھی جو دیانتدارانہ تبصرہ نگاری کے بالکل خلاف ہے۔ حقیقتاً "تحفۂ اثنا عشریہ" میں نہ صرف یہ کہ شیعی روایات اور عقائد کو غلط رنگ میں پیش کیا گیا بلکہ جارحانہ زبان بھی استعمال کی گئی۔ خصوصاً بعض جید شیعہ علماء جیسے آقائی مطاہر حلّی اور ابن شہر آشوب مازندرانی علیہ الرحمۃ وغیرہ کے خلاف غیر مہذب اور ہتک آمیز زبان استعمال کی گئی تھی۔ اسی لئے حضرت غفرانمآب ؒ کے فرزند اکبر حضرت سلطان العلماء سید محمد صاحب قبلہ رضواں مآب نے "تحفۂ اثنا عشریہ" کے جواب میں "بارقۂ ضیغمیہ" لکھی جس میں ذرا سخت زبان استعمال کی اور شاہ عبدالعزیز کے شاگرد محمد رشید الدین (متوفی ۱۲۴۹ھ/ ۱۸۳۳ء) نے اس کے جواب میں "شوکتِ غضنفریہ و شوکتِ عمریہ" لکھی اور لکھا کہ وہ سلطان العلماء کی سخت زبان کا جواب نہیں دیں گے، تو حضرت سلطان العلماءؒ نے کہا کہ سخت زبان

---

(۵۸) ڈاکٹر شیخ محمد اکرام۔ "رودِ کوثر"۔ ص۔ ۵۹۱

(۵۹) ڈاکٹر شیخ محمد اکرام۔ "رودِ کوثر"۔ ص۔ ۵۹۱

تحفۂ اثنا عشریہ" میں بعض جید شیعہ علماء کے بارے میں توہین آمیز اور بیہودہ بیانات کے ردعمل کے طور پر استعمال کی گئی۔

جہاں تک شیخ محمد اکرام کی اس بات کا تعلق ہے کہ شیعہ علماء نے کثرت سے "تحفۂ اثنا عشریہ" کی تردید میں کس قدر زورِ بیان صرف کیا ہے وہ صحیح ہے۔ متعدد شیعہ علماء نے اس کے جوابات لکھے ہیں اس لئے کہ اس کتاب میں شیعیت کو انتہائی غلط رنگ میں پیش کیا گیا تھا۔ شیعوں کے عقائد و روایات کے متعلق غلط بیانیاں کی گئی تھیں۔ انہی تحریروں سے مشتعل ہو کر اہلسنت نے جگہ جگہ محرم کے جلوسوں پر حملے کرنا شروع کر دیئے اور انہیں رکوانے کی کوششیں کی تھیں۔ شیعہ علماء کے خلاف توہین آمیز زبان استعمال کی گئی تھی۔ دنیا کو ان غلط بیانیوں پر سے پردہ اُٹھا کر حقائق سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔ اگر جوابات نہ دیئے جاتے تو یہ دعویٰ بھی کیا جاتا کہ شیعہ علماء اس کا جواب نہ دے سکے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شیعہ اہلِ قلم کی طرف سے اتنے جوابات کے بعد بھی اس کتاب کا جواب نہ ہو سکا۔ یہ خود انتہائی غلط دعویٰ ہے۔ اس لئے کہ حضرت غفرانمآبؒ نے جب "تحفہ" کے بارھویں باب بابت تولاّ اور تبرا کا جواب "ذوالفقار" کے نام سے لکھا اور اپنی معرکہ آراء کتاب "عماد الاسلام" کے ایک باب کے ساتھ اسے بھی شاہ عبدالعزیز کو بھیجا تا کہ ان کو شیعیت کے بنیادی عقائد اور اصولوں سے آگاہ کیا جائے تو طویل انتظار کے بعد بھی شاہ صاحب یا ان کے کسی شاگرد کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا، جس کا مطلب یہ تھا کہ اُن کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔

دراصل شاہ عبدالعزیز "تحفۂ اثنا عشریہ" کو سنّی مذہب کی صداقت پر حرفِ آخر سمجھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس کتاب کا جواب یا اس کی رد ممکن ہی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے شیعہ علماء کو اس کا جواب لکھنے کے لئے خود للکارا تھا۔(٦٠)

---

(٦٠) ڈاکٹر رضوی۔ ج۔٢، ص۔١٣٦

حضرت غفراں مآب نے "تحفہ" کے پانچ ابواب کے جواب میں پانچ کتابیں لکھیں۔
(۱) صوارم الالٰہیات۔ باب الٰہیات کے جواب میں۔ (۲) حسام الاسلام۔ باب نبوت کے جواب میں۔ (۳) خاتمہ صوارم۔ اثباتِ امامت میں۔ (۴) احیاء السنہ۔ معاد و رجعت کی بحث میں اور (۵) ذوالفقار۔ بارھویں باب کے جواب میں۔ اس کے علاوہ (۶) رسالۂ غیبت بھی شاہ صاحب کی رد میں لکھا۔

"تحفہ" کے کچھ ابواب کا جواب آپ نے اپنے تلامذہ سے بھی لکھوایا جیسے جناب مفتی محمد قلی کنتوری جنہوں نے دو ابواب کے جواب میں "تقلیب المکائد" اور "تشئید المطاعن" لکھیں۔ نیز "برہان سعادت" اور "سیف ناصری" بھی "تحفہ کے جواب میں تحریر فرمائیں۔ (۶۱)

اس طرح حضرت غفراں مآبؒ نے اہلسنت کے محاذ پر مدافعانہ علمی اور قلمی جہاد کیا اور شیعیت کے خلاف بے بنیاد الزامات، اصول و عقائد و روایات کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے اور گمراہ کن باتوں پر سے پردہ اٹھا کر اصل حقائق دنیا کے سامنے پیش کیے۔ نیز اس وقت شیعہ حضرات جو اپنے اعمال اہلسنت کے مذہب کے مطابق انجام دیتے تھے، ان کو فقہی مسائل اور شریعت کی صحیح تعلیم دے کر ان کے اعمال کو درست کر کے ان کی عاقبت کو سنوارا۔

"تحفۂ اثنا عشریہ" کی حقیقت اور سبب اشاعت

یہاں یہ وضاحت بے محل نہیں ہوگی کہ "تحفۂ اثنا عشریہ" کی اشاعت کا سبب کیا تھا۔
درحقیقت اس زمانے میں برادرانِ اہلسنت میں تفضیلی عقیدہ یا نقطۂ نظر روز افزوں مقبولیت حاصل کر رہا تھا۔ اس کی وجہ سے فطرتاً شیعہ سنی اتحاد بھی بڑھ رہا تھا۔ یہ بات بعض شدت

(۶۱) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۳۱

پسند سنّی علماء کو ناپسند تھی۔ شاہ عبدالعزیز نے اس صورت حال کے پیش نظر خواجہ نصر اللہ کابلی کی کتاب ''صواقع'' (۶۲) کو اس کا شافی علاج سمجھ کر اسے فارسی میں ترجمہ کر کے ۱۲۰۴ھ میں ''تحفۂ اثنا عشریہ'' کے نام سے شائع کر دیا جو خود ان کی تصنیف کے طور پر مشہور ہوگئی۔ (۶۳) اس کتاب کی اشاعت کے بعد شاہ عبدالعزیز کی توقعات کے عین مطابق شیعہ سنّی مسئلہ میں اتحاد کی جگہ اختلاف میں اضافہ ہونا شروع ہوگیا۔ تفضیلی نظریہ کا فروغ رُک گیا اور اہلسنت میں شیعوں کے خلاف اشتعال پھیل گیا۔ شیعوں کے دینی اجتماعات خصوصاً عزاداری کے جلوس وغیرہ پر حملے کیے جانے لگے۔

شاہ عبدالعزیز دہلوی کی دستار فضیلت میں صرف ''تحفۂ اثنا عشریہ'' ہی کا طرہ نہیں لگا ہے۔ ان کے وہ فتوے بھی ہیں جو انہوں نے شیعوں کے معاشرتی اور معاشی مقاطعہ کے لئے جاری کئے تھے۔ انہوں نے ایک خط جو بخارا کے حاکم کو لکھا تھا، اس کا ایک اقتباس درج ذیل ہے۔

۱۔ ''فقہ کی رو سے شیعہ بدعتی ہیں۔ اہلسنت کو شیعوں کے خلاف وہی طریقے راصول برتنا چاہئے جو دوسرے ملحد اور مرتد لوگوں کے ساتھ برتے جاتے ہیں۔ جب تک وہ (سنّی) یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے لئے غیر مفید ہوگا، وہ کسی شیعہ کو سلام کرنے میں پہل نہ کریں۔ اگر شیعہ خود پہل کریں تو ان کا جواب محض رسمی طور پر دیں۔ اگر شیعہ شریعت میں مجوزہ ادب واحترام سے زیادہ کا اظہار کریں تو سنّی شریعت میں معینہ حدود کا لحاظ رکھیں۔ شیعوں سے ہر قسم کے تعلق میں ان اصولوں کی پابندی کی جائے چاہے وہ عیادت کے لئے ہو یا تعزیت کے لئے یا مبارکباد دینے کے لئے یا سماجی دعوت نامے قبول کرنے کے لئے۔'' (۶۴)۔

۲۔ شاہ عبدالعزیز نے اہلسنت کو مشورہ دیا تھا کہ کسی شیعہ لڑکی سے شادی نہ کریں قطع

---

(۶۲) ڈاکٹر رضوی۔ ج۔۲، ص۔۳۱۰، (۶۳) ڈاکٹر رضوی۔ ج۔۲۔ ص۔۶۸۔

(۶۴) فتاویٰ شاہ عبدالعزیز۔ دہلی ۱۳۱۱ھ، ۱۸۹۳ء ج۔۱۔ ص ۹۱۔۹۲/ ڈاکٹر رضوی ج۔۲۔ ص۔۷۱،

نظر اس کے کہ وہ ملعون، مرتد یا بدعتی ہیں۔ ان کے مطابق مخلوط شادیاں خاندان اور بچوں میں خالص (غیر مخلوط) عقائد کو تباہ کر دیتی ہیں اور خاندان میں اتحاد باقی نہیں رہتا۔ انہوں نے اہلسنت کو یہ ہدایت بھی دی کہ شیعوں کے گھروں میں کھانا نہ کھائیں اور اُن کے ذبح کیے جانور بھی نہ کھائیں۔ (۶۵)

ایک دن ایک مسلمان نے جو قحبہ خانہ چلاتا تھا، شاہ صاحب کے انکار کے باوجود بہ صد اصرار انہیں کچھ کھانا (طعام) بھیجا۔ شاہ صاحب پریشان تھے کہ اس کا کیا کریں اتنے میں ان کے بعض قریبی عزیز جو کٹر شیعہ تھے وہ آ گئے۔ شاہ صاحب نے وہ کھانا اُن کو پیش کر دیا جو انہوں نے ہنسی خوشی کھا لیا۔ ظاہر ہے کہ شاہ صاحب نے ان سے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کھانا کہاں سے آیا تھا۔ (۶۶)

حضرت غفرانمآبؒ کے دیگر کارنامے

اخباریت، صوفیت اور اہلسنت کے محاذوں پر مدافعانہ تحریری اور تقریری جہاد کے علاوہ غفرانمآبؒ نے شیعانِ ہند کی اصلاح و تنظیم کے لئے جو اقدامات کئے ان کا مختصر ذکر اوپر آچکا ہے۔ آپ کے مزید کارناموں میں ایک اہم کارنامہ نمازِ جمعہ اور جماعت کا قیام ہے۔

نمازِ جمعہ و جماعت کا قیام:

شیعانِ ہند میں نمازِ جمعہ اور نمازِ جماعت ہوتی ہی نہ تھی۔ غلام علی نے تاریخ "عمادالسادات" میں جناب غفرانمآبؒ کے تذکرہ میں یوں لکھا ہے:۔

(۶۵) فتاویٰ شاہ عبدالعزیز۔ دہلی ۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۳ء ص ۳؛ ڈاکٹر رضوی۔ ج ۱۔ ص نمبر ۲۔ ۱۹۱؛ ڈاکٹر رضوی ج ۲۔ ص ۱۷۔

(۶۶) ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۸۔ ۲۷، ۳۸؛ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز جلد ۱۔ ص ۱۲؛ ج ۲۔ ص ۹۶؛ ڈاکٹر رضوی ج ۲۔ ص ۱۷۔

"در ہیچ شہرے از شہر ہائے ہندوستان نماز جمعہ و جماعت در مذہب امامیہ رائج نبود بلکہ کسی را گمان این ہم نبود کہ در ایران و بلد عرب نماز جماعت در اثنا عشریان گزارہ می شود۔" (۶۷)

ترجمہ: "ہندوستان کے کسی شہر میں نماز جمعہ و جماعت مذہب امامیہ میں رائج نہیں تھی بلکہ کسی کو یہ گمان بھی نہ تھا کہ ان کے یہاں عرب وعجم میں نماز جماعت ہوتی ہے۔"

ہندوستان کے شیعوں میں نماز جمعہ نہ ہونے کا ایک سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ شہید ثالثؒ آقائی نوراللہ شوستری اعلیٰ اللہ مقامہ نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ غیبتِ امام زمانہؑ میں نماز جمعہ جائز نہیں ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو شہیدِ ثالثؒ کا یہ فتویٰ اُس زمانے کے حالات کے مطابق نہایت برمحل، درست بلکہ ضروری تھا۔ اس لئے کہ اس زمانے میں ہندوستان میں شیعہ عموماً تقیہ کی زندگی گزار رہے تھے۔ جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ نہ تھی۔ مجدد الف ثانی سید احمد سرہندی نے شیعوں کو واجب القتل قرار دیا تھا۔ شیخ محمد اکرام "رودِ کوثر" میں لکھتے ہیں:۔

"حضرت مجدد (الف ثانی) کا شیعیت کی نسبت ایک خاص نقطۂ نظر تھا اور ان کی ابتدائی تصانیف میں ایک رسالہ تھا "ردِ روافض"۔ اس نقطۂ نظر کے پیدا کرنے یا اسے تقویت دینے میں ان کے مرشد اور استاد شیخ یعقوب صرفی کا اثر بھی کارفرما تھا۔ (۶۸)

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:۔

"شیعہ سنی مسئلہ پر شیخ یعقوب اور حضرت مجدد کے اشتراکِ احساسات اور فیض سے دونوں کے قریبی تعلقات کی بناء پر بعض سوالات ان کے سوانح نگار کے ذہن میں پیدا

---

(۶۷) غلام علی۔ "عماد السادات" مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۶۳ء۔ ص۔ ۱۳۷

(۶۸) ڈاکٹر شیخ محمد اکرام۔ "رودِ کوثر"۔ ص ۲۲۶

ہوتے ہیں۔(۶۹)

اس سے پہلے وہ یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ:

''شیعہ سنی مسئلہ پر شیخ یعقوب کے جو شدید احساسات تھے، اس کا اندازہ ان اقدامات سے ہوسکتا ہے جو انہوں نے قاضی موسیٰ کی شہادت پر شروع کئے۔(۷۰)

مزید وضاحت اس جملہ سے ہوتی ہے جو شیخ سرہندی کی کتاب ردِ روافض کے بارے میں شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے یعنی:۔

''اس رسالے میں شیعوں کی نسبت وہی نقطۂ نظر ہے جس سے مکتوبات امام ربانی اور مکتوبات خواجہ محمد معصوم کے پڑھنے والے واقف ہیں یعنی یہ کہ وہ (شیعہ) کافر ہیں اور واجب القتل۔''(۷۱)

آگے چل کر شیخ محمد اکرام نے شیعہ سنی مسئلہ میں مجدد الف ثانی کے فرزند خواجہ محمد معصوم کے طرز عمل کا بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

''خواجہ محمد معصوم کا بھی اس مسئلہ میں وہی طرزِ عمل تھا جو ان کے والدِ بزرگوار (مجدد) کا تھا۔ اور ان کے مکتوبات میں ایک اہم خط ہے (دفتر اول شمارہ ۶۴) جو کہا جاتا ہے کہ انہوں نے شاہزادہ اورنگ زیب کو لکھا تھا اور جس میں تکفیرِ رافضی اور ان کو قتل کرنے کے حق میں کئی حدیثیں درج کی ہیں۔(۷۲)

یہ لکھنے کے بعد شیخ محمد اکرام نے ذیلی نگارش میں اپنا نقطۂ نظر یوں پیش کیا ہے:۔

''جتنی وضعی حدیثیں (تکفیرِ شیعہ اور ان کا واجب القتل ہونا) میں ہیں شاید ہی کسی اور مسئلے کے متعلق ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ بنی امیہ اور بنی عباس کی کشمکش کے دوران ہی

---

(۶۹) ڈاکٹر شیخ محمد اکرام۔ ''رودِ کوثر'' ص ۲۳۶۔ (۷۰) ڈاکٹر شیخ محمد اکرام۔ ''رودِ کوثر'' ۔ص۔ ۲۱۵

(۷۱) ڈاکٹر شیخ محمد اکرام۔ ''رودِ کوثر'' ص۔ ۲۲۳، (۷۲) ڈاکٹر شیخ محمد اکرام۔ ''رودِ کوثر'' ۔ص۔ ۳۳۹

مخالف فریق ایسی حدیثیں گڑھ کر اپنے مخالفوں کو ذلیل اور بدنام کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ حضرت مجدد اور دوسرے نقشبندیہ بزرگوں کا شیعہ سنّی مسئلہ پر علمائے ماوراء النہر کا نقطۂ نظر تھا۔ لیکن شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کے زمانے میں اس نقطۂ نظر میں ملائمت آئی۔ اور علی گڑھ تحریک میں شیعہ سنّی زعماء نے مل کر کام کیا۔ خود بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم اثنا عشری شیعہ تھے۔" (۷۳)

یہ تفصیل اس زمانے میں ہندوستان میں شیعیت اور شیعوں کے لئے انتہائی ناسازگار حالات کو واضح کرنے کی غرض سے لکھی گئی۔ ان حالات میں شیعہ تقیہ پر مجبور تھے، شیعیت کا کھلم کھلا اظہار جان و مال کے خطرے کا سبب ہوسکتا تھا۔ غالباً اسی وجہ سے شیعوں میں نمازِ جمعہ و جماعت نہیں ہوتی تھی۔ حضرت غفرانمآبؒ کا زمانہ ایرانی النسل شیعہ سلاطین اودھ کا زمانہ تھا۔ نواب آصف الدولہ کا دور تھا۔ پھر بھی صوفیوں، اخباریوں اور اہلسنت کی طرف سے خطرات لاحق تھے۔ چنانچہ غفرانمآبؒ کی عراق و ایران سے واپسی کے بعد اس وقت کے معروف عالمِ دین مُلّا محمد علی کشمیری المعروف بہ مُلّا بادشاہ نے نمازِ جمعہ کے بارے میں ایک رسالہ تصنیف کر کے نواب آصف الدولہ کے وزیرِ اعظم مرزا حسن رضا کو بھیجا اور اس میں جناب غفرانمآبؒ کے علم و عمل اور سیرت و کردار کی بہت تعریف لکھ کے یہ گزارش کی کہ ان کی امامت میں نمازِ جمعہ و جماعت شروع کی جائے۔ ان سے بہتر اس منصب کے لئے اور کوئی نہیں ہے۔ مُلّا بادشاہ نے ان کے علاوہ جمعہ و جماعت کی امامت کے لئے ان کے دو شاگردانِ رشید یعنی سید مرتضیٰ اور مرزا محمد خلیل زائر کو بھی اہل قرار دیا۔

اخباریت کے عروج کے زمانے میں نمازِ جمعہ کے قیام میں خطرات لاحق تھے۔ چنانچہ

---

(۷۳) ڈاکٹر شیخ محمد اکرام۔ "رودِ کوثر"۔ ص۔ ۳۳۹

جب ملّا بادشاہ کی تجویز مرزا حسن رضا خاں نے جناب غفرانمآبؒ کو دکھائی تو انہوں نے تامّل کیا۔ اس کی وجہ انہوں نے خود تحریر فرمائی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

''سلطنت کی جانب سے جب مجھ سے نمازِ جماعت کی خواہش کی گئی تو پہلے میں نے عذر کیا چند وجوہ سے، (۱) یہ کہ یہ منصب نہایت جلیل ہے اور میں اس مرتبہ کے قابل اپنی ذات کو نہیں سمجھتا۔ (۲) یہ کہ اس طرح جمعہ و جماعت کبھی زمانہ سابق میں سبب تسلطِ مخالفین کے نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا اس کے ہونے میں نکتہ چینی اور استعجاب کا خوف تھا۔ (۳) خیال تھا کہ شاید بعض مخالفین اس میں کچھ دراندازی کریں۔ لیکن جب میں نے دیکھا کہ نیت محرک کی خالص ہے اور ان کی ہمت اعلائے کلمۃ الایمان کی طرف منعطف ہے اور اس کے ساتھ ساتھ میں نے مخالفین کی کمزوری اور ان کے ارکان کے تزلزل کا احساس کیا تو مجھے جناب رب العزت سے خوف ہوا کہ بعد عذر تمام ہو جانے کے اس امرِ خیر میں تساہل کرنے سے مجھ سے مواخذہ نہ کرے۔ لہٰذا میں نے التماس کو منظور کیا اور ایک رسالہ بھی لکھا جس میں احادیث و آیات سے فضیلت نمازِ جمعہ و جماعت کو ثابت کیا تھا۔'' (۷۴)

اس طرح خدا کے فضل و کرم اور حضرت غفرانمآبؒ کے وجودِ مبارک کی برکت سے لکھنؤ میں جمعہ و جماعت کی بنیاد پڑ گئی۔ اور برصغیر میں پہلی بار نمازِ جماعت لکھنؤ میں حضرت غفرانمآبؒ طاب ثراہ کی اقتدا میں سرفراز الدولہ ناظم الملک، ظفر جنگ، وزیر الملک نواب حسن رضا خاں کے قصر میں میلادِ مبارک مولائے کائنات حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ ۱۳ ؍ رجب المرجب ۱۲۰۰ھ کے مبارک دن ہوئی۔ اس کے بعد حضرت غفرانمآبؒ نے ۲۷ ؍ رجب ۱۲۰۰ھ کو پہلی نمازِ جمعہ کھلے عام

(۷۴) سید العلماءؒ۔ ماہنامہ ''شعاعِ عمل'' اشاعت دسمبر ۲۰۰۲ء ص۔ ۱۳

پڑھائی۔اس کے بعد نماز جمعہ و جماعت کا سلسلہ قائم ہو گیا۔

نماز جمعہ و جماعت کے آغاز سے حضرت غفرانمآبؒ کو مواعظ کے ذریعہ قوم کی اصلاح کے لئے ایک پلیٹ فارم مل گیا جسے آپ نے ایک اہم ادارہ بنا دیا۔ان مواعظ نے ملتِ شیعہ کی اصلاح، تعلیم اور تنظیم میں زبردست کردار ادا کیا۔ان میں سے پچاس مواعظ کو آپ نے مواعظِ ''حسینیہ'' کے نام سے ایک کتاب میں جمع کر دیا۔

<u>نماز جمعہ و جماعت پر وعظ:</u>

آپ کے مواعظ نہایت مدلل اور موثر ہوتے تھے۔ان میں نماز جمعہ کے جواز پر بھی مواعظ کا ایک سلسلہ تھا۔ہم اس سلسلہ کے ایک وعظ کا ترجمہ یہاں نموتناً اور تبرکاً پیش کر رہے ہیں ترجمہ جناب محمد صادق خان صاحب جونپوری کا ہے۔

اس موضوع پر وعظ کے انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ جب ہمارا ایک تحقیقی مقالہ ''خانوادۂ اجتہاد کے مرثیہ گو'' شائع ہوا تو کچھ دنوں کے بعد ایک خاتونِ محترمہ کا فون آیا جن سے ہم واقف نہیں تھے۔انہوں نے ہمارے اس مقالہ میں جناب غفرانمآبؒ کے کارناموں میں سے نماز جمعہ کے قیام کے بارے میں اور اُس حوالے سے ان کا ایک رسالہ ''نماز جمعہ'' کے بارے میں پڑھا تھا۔انہوں نے ہم سے پوچھا کہ کیا جناب غفرانمآبؒ کا رسالہ ''نماز جمعہ'' میرے پاس ہے۔میں نے کہا کہ وہ صرف لکھنؤ میں خاندانِ اجتہاد کے کتب خانے میں ہوگا۔شائع نہیں ہوا تھا۔

منسلکہ موعظہ میں نماز جمعہ کے جواز کے بارے میں کچھ آیات و احادیث کے حوالے دیئے گئے ہیں جو نماز جمعہ کے بارے میں لوگوں کو کسی حد تک اس موضوع پر معلومات فراہم

کر سکتے ہیں اور ان کے اشتباہ کو دور کر سکتے ہیں۔ ملحوظ رہے کہ اس موضوع پر یہ صرف ایک موعظہ نہیں ہے بلکہ مواعظ کا ایک سلسلہ ہے جو طوالت کے باعث درج نہیں کیا جاسکتا۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے ایک خاص صحابی جناب حماد بن عیسیٰؒ کو نماز پڑھتے دیکھ کر ان کو بتایا کہ انہوں نے نماز صحیح طریقہ سے نہیں پڑھی۔ پھر امام علیہ السلام نے خود نماز پڑھ کے دکھائی۔ اس کا بیان بھی اس موعظہ میں ہے جس سے نماز کے صحیح طریقہ کا علم بھی حاصل ہوتا ہے اور یہ بہت اہم بات ہے۔ اس اعتبار سے بھی اس موعظہ کا انتخاب کیا گیا۔

یہ موعظہ حضرت غفرانمآبؒ کے چند مواعظ کے مجموعہ ''مواعظِ حسینیہ'' سے اقتباس ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:۔

''یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ بعض شک کرنے والوں نے شک کیا ہے کہ قرآن میں ایک ہی مضمون کو مختلف عبارتوں میں بار بار دہرایا گیا ہے اور یہ بلاغت کے خلاف ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ کلام بلیغ وہ ہے جس میں فصاحتِ الفاظ کے ساتھ ساتھ، زمانے اور حالات سے ہم آہنگی بھی ہو۔ اس میں شک نہیں کہ اگر کسی شخص کو کچھ بیان کرنا ہو اور اس کا اثبات اس کے لئے بہت اہم ہو، اور اس کے مخاطبین میں سے بعض اس بات کو ماننے کے قریب ہوں۔ لیکن مخاطبین کی اکثریت اس بات کی منکر اور مخالف ہو تو حالات کا تقاضا یہ ہے کہ وہ شخص اس بات کو متعدد صورتوں اور مختلف عناوین سے پیش کرے تاکہ آہستہ آہستہ وہ بات سامعین کے ذہن نشین ہو جائے۔

قرآن کا مسئلہ بھی اسی طرح ہے۔ جب جناب رسالت مآبؐ مبعوث بہ رسالت ہوئے تو آنحضرتؐ کی قوم، رسالت جیسی ضروریاتِ دین کی سخت مخالف اور منکر تھی۔

خواص اصحاب کو چھوڑ کر، شرف اسلام پر فائز ہونے والے دوسرے لوگ عقیدے میں متزلزل تھے اور اس بات کا خوف تھا کہ کہیں کفار کے بہکاوے میں آکر مرتد نہ ہو جائیں۔ لہذا حق سبحانہ تعالیٰ نے بعض باتوں کا ذکر متعدد عناوین سے اور مختلف مقامات پر فرمایا ہے، پس یہ تکرار اور دہرانا عین بلاغت ہے نہ کہ خلاف بلاغت۔

خلاصہ یہ کے تمام ادوار اور زمانے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ جیسا کہ اس سے قبل آپ کی خدمت میں عرض کیا جا چکا، ہندوستان میں اس سے پہلے بعض موانع کی وجہ سے نمازِ جمعہ جس کا وجوب از روئے قرآن واحادیث نبوی ثابت ہے اور نمازِ جماعت جو سنت موکدہ ہے بلکہ احتمالِ وجوب بھی پایا جاتا ہے، طریقہ امامیہ سے منعقد نہیں ہوتی تھی۔

لیکن اب نواب صاحب جناب سرفراز الدولہ دام اقبالہٗ کی ذات بابرکت کی حسین کوشش کے بدولت ظہور پذیر ہوئی۔ مگر شیعہ عوام کی اکثریت بلکہ بعض خواص بھی اس کے منکر اور مخالف ہیں اور دنیاوی مصروفیات اور مذہبی امور میں کاہلی کی وجہ سے اس حد تک خدا اور رسولؐ کے کلام سے غافل ہوگئے ہیں کہ اس امرِ خیر کو بدعت شمار کرتے ہیں۔ نعوذ باللّٰہِ من شرورِ انفسنا۔

ان باتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اگر یہ حقیر کبھی کبھی نماز جمعہ کے وجوب اور نمازِ جماعت کی تاکید میں گواہی کے طور پر اللہ ورسولؐ کے کلام اور اصحاب کی سیرت کا ذکر کرتا ہے تو وہ بے فائدہ اور تطویل بلا طایل کی طرح نہیں ہے۔ کیونکہ صرف اسی صورت میں آہستہ آہستہ حاضرین کے ذریعہ دوسروں تک کلمات حقہ پہنچیں گے اور

امید ہے کہ رفتہ رفتہ اس سلسلے میں ان کے دلوں میں موجود مخالفت اور استبعاد ختم ہوجائے گی۔ واللہ ولی التوفیق۔

اللہ تعالیٰ سورۂ جمعہ آیت نمبر ۹ میں ارشاد فرماتا ہے:۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ ؕ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○

ترجمہ: اے ایمان لانے والو! جب پکارا جائے جمعہ کے دن والی نماز کے لئے تو دوڑ پڑو ذکرِ خدا کی طرف اور خرید و فروخت چھوڑ دو، وہ تمھارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔

مولانا محمد باقر رحمۃ اللہ اور دیگر علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ نمازِ جمعہ کے سلسلے میں سورۂ جمعہ میں موجود تاکید، اس بات کی دلیل ہے کہ واجب عبادتوں میں نمازِ جمعہ سب سے زیادہ اہم عبادت ہے۔ کہا گیا ہے کہ تمام سورہ نمازِ جمعہ کے سلسلے میں نازل ہوا ہے اور کسی عبادت کے لئے مکمل سورہ نہیں آیا ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے نمازِ جمعہ کے برپا کرنے کے لئے دوسری نمازوں کے برخلاف، کوشش کرنے کا حکم دیا ہے یعنی جلدی کرو۔ اور اس کوشش کو 'فا' کے ذریعے بیان کیا ہے۔ جو عدم تاخیر پر دلالت کرتا ہے۔ اس طرح کی بہت سی باتیں بیان ہوگئیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ سورۂ منافقون، آیت نمبر۔ ۹ میں ارشاد فرماتا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ ۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ○

ترجمہ: اے ایمان والو! تمھارے مال اور تمھاری اولاد تم کو خدا کی یاد میں غافل نہ کرے اور جو ایسا کرے گا تو وہی لوگ گھاٹے میں رہیں گے۔

مولانا محمد باقر رحمۃ اللہ نے تحریر فرمایا ہے کہ بعض قرینے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس آیت میں ذکر سے مراد نماز جمعہ ہے۔ نماز جمعہ پر دلالت کرنے والی حدیثیں بہت ہیں۔ جب حقیقت یہ ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس شہر میں ایک لاکھ سے زائد شیعہ ہونے کے باوجود دیدہ و دانستہ حق تعالیٰ اور جناب سید المرسلینؐ و امیر المومنینؑ کی نافرمانی کی جاتی ہے۔ غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان ملعون ہر وقت بنی آدم کو فریب دینے کے درپے ہوتا ہے اور ہر شخص کو الگ الگ طریقے سے بہکا کر اس امرِ خیر سے روکتا ہے۔

شیطان نے بعض صاحبانِ ثروت و جاہ افراد کو حمیت جاہلیت اور غرور میں مبتلا کر دیا ہے۔ یعنی چونکہ نواب صاحب کی ذات بابرکت سے اس امرِ خیر کا ظہور ہوا ہے تو حمیت و تعصب کی وجہ سے نماز جمعہ و جماعت ادا نہیں کرتے ہیں اور اگرچہ ظاہراً اس بات کو نہیں کہتے لیکن اگر غور کریں تو اس بری خصلت کو اپنے اندر پائیں گے۔

اور بعض لوگوں کو اس خیال میں ڈال دیا ہے کہ چونکہ ماضی کے بزرگ اور سردار لوگوں نے عقلِ کامل رکھنے کے باوجود، اس نماز کو اس سرزمین پر ادا نہیں کیا ہے، تو یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اچھا فعل نہیں ہے۔

اور بعض لوگوں کو شیطان نے اسباب طرب و شادی کے ذریعے اس طرح مشغول کر دیا ہے کہ شب و روز نفسِ امارہ کی لذتوں میں پڑے رہتے ہیں۔ کبھی ریشمی

اور سنہرے لباس پہن کر فخر کرتے ہیں اور کبھی گھر کے درودیواروں کے نقش ونگار کو دیکھ کر خود کو خوش کرتے ہیں۔ بعض اوقات مغنیہ عورتوں کی آواز سننے میں مشغول ہیں اور بعض دفعہ شاہدان نامحرم کو اپنے پاس رکھتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس طرح کی جگہوں پر صرف کرتے ہیں اور خدا اور رسول کے کلام کو مچھر کی نیش سے کمتر سمجھتے ہیں۔

وہ لوگ جو اہلِ ثروت نہیں ہیں بلکہ اہلِ علم وفہم وعقل کے طبقے سے منسلک ہیں تو ان کے اس امرِ خیر کو ترک کرنے کی دو اہم وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ تعصب وعناد ہے۔ یعنی کسی کو پیش نمازی کے قابل نہیں جانتے ہیں اور شیطان نے ان کو شک وشبہ میں ڈال دیا ہے اور ان کی یہ عصبیت اس بات سے مانع ہے کہ تحقیق کی غرض سے کسی اور سے استفسار کریں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ انہوں نے سمجھا ہے وہی حقیقت ہے اور دوسرے لوگ غلطی پر ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اصحابِ تقلید ہیں لہذا یہ کہتے ہیں کہ جب کربلائے معلیٰ اور نجفِ اشرف میں نمازِ جمعہ نہیں ہوتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ نمازِ جمعہ جائز نہیں ہے۔

لیکن شیعہ عوام جانوروں کی طرح ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے لئے کسی چرواہے کی ضرورت ہے تاکہ طاقت کے ذریعے ان کو اس سعادت پر فائز کر سکے۔

یہ ہیں وہ اہم اسباب جن کی بناء پر شیعوں نے نمازِ جمعہ وجماعت کو ترک کر دیا ہے۔ اس لئے میرے ذہنِ قاصر میں یہ بات آئی کہ اختصار کے ساتھ ان اسباب کی

برائی کو تحریر کروں جو کہ فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

جاننا چاہیئے کہ تعصب اور جاہلی حمیت بہت ہی بری خصلت ہے اور اس کی مذمت میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔

کلینی میں امام جعفرِ صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ بے شک فرشتے یہ سمجھتے تھے کہ ابلیس ان میں سے ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ وہ ملائکہ میں سے نہیں ہے۔ یہاں تک کہ ابلیس نے اپنے دل میں موجود حمیت کو ظاہر کر دیا۔ شیطان نے کہا اے اللہ! تو نے مجھے آگ سے اور آدم کو خاک سے خلق کیا اور آگ خاک سے افضل ہے۔ لہذا یہ حمیت کے خلاف ہے کہ میں ان کو سجدہ کروں۔

غور کرنا چاہیئے کہ جب ابلیس، جس نے ایک روایت کے مطابق چھ ہزار سال خدا کی عبادت کی تھی، یہاں تک کہ فرشتوں کو یہ گمان ہوا کہ وہ بھی ان میں سے ہے لیکن اس کے باوجود جاہلی حمیت کی وجہ سے مردود درگاہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والوں، گناہوں میں ڈوبے رہنے والوں اور نیک عمل انجام نہ دینے والوں کا کیا حشر ہوگا۔

دوسری حدیث میں آنحضرت سے منقول ہے کہ جو شخص شرع کے خلاف تعصب کرے یا چاہے کہ لوگ اس کے لئے تعصب کریں تو اس کی گردن میں رسی باندھ کر کھینچا جائے گا۔

امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہر حمیت اپنے مالک کو جہنم میں ڈھکیل دیتی ہے سوائے جناب حمزہ بن عبدالمطلب کی حمیت کے جوان کے اسلام

لانے کا باعث ہوئی، جب کفار نے جناب سید المرسلینؐ کے اوپر اونٹ کی اوجھڑی ڈال دی تھی۔

اس بری خصلت کے مفاسد، احادیث سے قطع نظر، عقلی طور پر بھی ثابت ہیں۔ یہ خصلت اکثر اوقات علمِ دین کی تحصیل سے باز رکھتی ہے اور ترکِ واجبات اور ارتکابِ محرمات کا باعث ہوتی ہے۔ مثلاً اگر ہندوستان میں عورتوں کے نکاحِ ثانی سے حمیت مانع نہ ہوتی تو زنا اس حد تک نہ پھیلتی اور اگر یہ حمیت نہ ہوتی تو نمازِ جمعہ و جماعت کو اکثر لوگ ترک نہ کرتے۔

اور یہ بھی حمیت ہے کہ انسان تھوڑا سا علم حاصل کر لینے کے بعد، یہ گمان کرے کہ جو کچھ میں نے سمجھا ہے وہی حقیقت ہے اور اب کسی سے پوچھنے اور استفادہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ حمیت اکثر اوقات انسان کو جہلِ مرکب میں مبتلا کر دیتی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیئے کہ ان لوگوں سے سوال کرے جو اس سے زیادہ علم و فضل رکھتے ہیں۔

اسی لئے حماد بن عیسیٰ جو کہ امام جعفرِ صادق علیہ السلام کے خواص اصحاب میں سے تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ آدابِ نماز کو اچھی طرح جانتا ہے اور اسی وجہ سے حضرتؑ سے سوال نہیں کرتا ہے، ملامت کا مستحق ہو گیا۔

واقعہ کی تفصیل یوں ہے، حماد بن عیسیٰ نقل کرتے ہیں کہ جنابِ امامِ صادق علیہ السلام نے ایک روز مجھ سے فرمایا کہ نماز کو اچھی طرح پڑھتے ہو؟

میں نے کہا میں نے نماز کی کیفیت کے سلسلے میں ایک کتاب تصنیف کی ہے تو

کیسے نماز کو صحیح طریقے سے پڑھ نہیں سکتا ہوں۔امامؑ نے فرمایا کوئی بات نہیں۔اٹھو اور میرے سامنے نماز پڑھو۔

راوی کہتا ہے کہ میں اٹھا اور جس طرح ہمیشہ نماز پڑھتا تھا پڑھی۔حضرت نے فرمایا اے حماد! تم نے نماز کو صحیح نہیں پڑھا۔تمھارے سن وسال کے آدمی سے جس کی عمر ستر سے تجاوز کر چکی ہے کتنا برا ہے کہ ایک نماز کو اس کے شرائط کے ساتھ نہ پڑھ سکے۔

راوی کہتا ہے کہ امامؑ کے تعرض آمیز خطاب سے مجھے بہت حزن والم ہوا میں نے کہا میری جان آپ پر قربان! مجھے نماز کی تعلیم دیجئے۔جناب معصومؑ نماز کی تعلیم کے لئے اٹھے اور قبلہ کی طرف رخ کر کے سیدھے کھڑے ہو گئے۔دونوں ہاتھ کو رانوں پر رکھا اور انگلیوں کو ایک دوسرے سے ملا دیا۔پائے مبارک کو تین انگلیوں کے برابر پھیلایا اور انگلیوں کو قبلہ کی طرف کیا۔اب خضوع وخشوع کے ساتھ اللہ اکبر کہا۔اس کے بعد سورۂ فاتحہ اور سورۂ قل ہو اللہ احد کو ترتیل سے پڑھا۔اس کے بعد سانس لینے کے مقدار رکے۔پھر دونوں ہاتھ کو چہرے تک بلند کر کے اللہ اکبر کہا اور رکوع میں گئے۔پشت کو اس طرح سیدھا رکھا کہ اگر اس پر ایک قطرۂ آب ڈالتے تو کسی طرف حرکت نہ کرتا اور گردن کو کھینچا ہوا رکھا۔آنکھوں کو بند کیا اور تین بار ترتیل سے سبحان ربی العظیم وبحمدہ کہا۔پھر سیدھے کھڑے ہوئے اور سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ اور تکبیر کہی پھر ہاتھوں کو چہرے تک بلند کیا۔اس کے بعد سجدے میں گئے اور ہاتھوں کو خم کر کے چہرے کے سامنے رکھا اور تین بار سبحان ربی الاعلیٰ وبحمدہ کہا۔اور آٹھ عضو پر سجدہ کیا جس میں ناک زمین پر رکھنا سنت ہے۔پھر سر مبارک کو سجدے سے اٹھایا۔جب

سیدھے بیٹھ گئے تو اللہ اکبر کہا۔ اس کے بعد بائیں ران پر بیٹھ گئے اور داہنے پیر کو بائیں پیر کے تلوے پر رکھا اور فرمایا استغفر اللہ ربی واتوب الیہ۔ پھر بیٹھتے وقت اللہ اکبر کہا اور دوسرے سجدے میں گئے۔ بدن کے کسی عضو کو دوسرے عضو سے مس نہیں ہونے دیا۔ پھر تشہد کے لئے بیٹھے اور ہاتھ کی انگلیوں کو ملا کر ران پر رکھا۔ تشہد سے فارغ ہو کر سلام پھیرا۔

ترکِ نماز جمعہ و جماعت کے سلسلے میں گزرے ہوئے لوگوں کی تقلید بہت بری بات ہے۔ کیوں کہ ہر زمانے اور وقت کے تقاضے الگ الگ ہیں۔ بعض اوقات مصلحت اس بات کی متقاضی ہے کہ کوئی بات ترک کردی جائے لیکن دوسرے وقت میں مصلحت اسی بات کے انجام دینے میں ہے۔ ناسخ و منسوخ اور گزشتہ انبیاء کا جہاد و گوشہ نشینی اسی پر مبنی ہے۔ اسی طرح اگر گزشتہ لوگوں نے جمعہ و جماعت کو ترک کیا ہے تو شاید اس کی وجہ شدتِ تقیہ رہی ہو۔ کیونکہ ہندوستان کے سارے بادشاہ سنی مذہب اور امرائے شیعہ ان کے تابع تھے اور بالفرض انہوں نے بغیر کسی عذر شرعی کے اس امر کو ترک کیا ہے تو انسان جائز الخطا ہے، لہذا ان کے لئے توبہ و استغفار اور خود اس واجب عمل کو ترک کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ کیونکہ ضلالت و گمراہی میں آباء و اجداد کی تقلید قابلِ مذمت ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ بقرہ، آیت نمبر ۱۷۰ میں ایسے لوگوں کی مذمت میں ارشاد فرماتا ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَآ أَنزَلَ اللّٰهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُونَ ۝

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو اللہ نے اتارا ہے اس کی پیروی کرو تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ ہم اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ داداؤں کو پایا ہے چاہے ان کے باپ دادا ایسے ہوں جو کچھ سمجھتے نہ ہوں اور نہ راہِ راست پر ہوں۔

نیز سورۂ مائدہ آیت نمبر۔۱۰۴ میں ارشاد ہوتا ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ○

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے آؤ اس کی طرف جو اللہ نے اتارا ہے اور پیغمبر کی طرف تو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں کافی ہے وہ جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے چاہے ان کے باپ دادا نہ کچھ علم رکھتے ہوں اور نہ راہِ راست پر ہوں۔

مجمع البیان میں تحریر ہے کہ یہ آیت یہود کی مذمت میں نازل ہوئی ہے اور اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب سید المرسلینؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔

دنیاوی مشغولیت کی وجہ سے نمازِ جمعہ و جماعت کو ترک کرنے کی قباحت کسی بھی دیندار عاقل پر پوشیدہ نہیں ہے۔ اس چیز کی مذمت میں کیا کہوں جس سے اللہ تعالیٰ نے مختلف آیات میں نہی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ منافقون، آیت نمبر۔۹ میں ارشاد فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ○

ترجمہ: اے ایماندارو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تم کو خدا کی یاد سے غافل نہ

کرے اور جو ایسا کرے گا تو وہی لوگ گھاٹے میں رہیں گے۔

اسی طرح سورۂ بقرہ ، آیت نمبر۔ ۲۱۲ میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا.

ترجمہ: جنہوں نے کفر اختیار کیا ان کے لئے زندگی دنیا بڑی آراستہ بنی ہوئی ہے۔

نیز سورۂ جاثیہ آیت نمبر۔۳۴ میں ارشاد ہوتا ہے:

وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنسَاكُمْ كَمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن نَّاصِرِينَ۝

ترجمہ: ''اور کہا گیا کہ آج ہم تمھیں بھلاوے میں ڈالتے ہیں جس طرح تم نے بھلایا تھا اپنے اس دن کے سامنے آنے کو اور تمھارا ٹھکانہ دوزخ ہے اور تمھارا کوئی مددگار نہیں ہے''۔

ان آیتوں کے معنی و مفہوم کو سمجھنا چاہئیے ۔ واللہ اس آیت کا مضمون ہمارے حالاتِ حاضرہ سے کس قدر مشابہت رکھتا ہے۔ ایسا لگتا ہے گویا یہ آیتیں ہمارے لئے خاص طور سے نازل ہوئی ہیں۔ بے شک ہمیں وہ لوگ ہیں جن کو خواہشِ مال و اولاد نے ذکرِ خدا سے باز رکھا ہے۔ ہمیں وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو بازیچہ بنایا ہے۔ ہمیں وہ لوگ ہیں جن کو دنیاوی زندگی نے غرور و فریب میں مبتلا کر دیا ہے ۔ کیا باپ دادا، بھائی اور رشتہ داروں کا مرنا اور ہماری نظروں سے غائب ہونا ہماری عبرت کا سبب نہیں بن سکتا ہے۔ کیا حال ہی میں جناب وزیر الممالک نواب

شجاع الدولہ مرحوم کا قوت و جاہ و کثرت اعوان کے باوجود فوت ہونا عبرت کے لئے کافی نہیں ہے۔ پالنے والے بتصدقِ محمدؐ و آلِ محمدؐ ہماری چشمِ باطن کو روشن کردے اور ہم سب کو توفیق دے کہ جس طرح شب و روز فکرِ معاش میں رہتے ہیں اسی طرح معاد و قیامت کے سلسلے میں بھی سعی و کوشش کریں۔

وانما وہ لوگ جن کا ترکِ نمازِ جمعہ کے سلسلے میں مستمسک علمائے کربلائے معلّیٰ اور نجفِ اشرف کا عمل ہے، یقین کریں کہ وہ لوگ اس بات کو صرف اس لئے کہتے ہیں کہ کوئی ان کو موردِ الزام نہ ٹھہرائے اور کوئی ان کے فسق کا حکم نہ دے اور کوئی ان کے ظاہری تقویٰ کے بارے میں کچھ کہہ نہ سکے۔ ورنہ حقیقت میں نمازِ جمعہ و جماعت کو ترک کرنے کی وجہ یا تو تعصب ہے یا پھر امرِ دین میں تساہل و کاہلی۔ کیونکہ نمازِ جماعت کربلائے معلّیٰ اور نجف اشرف میں متعدد مقامات پر ہوتی ہے اور اس لحاظ سے ان کو نمازِ جماعت بجالانا چاہیئے تھا۔ یہ لوگ اتنا نہیں جانتے کہ کربلائے معلّیٰ اور نجفِ اشرف میں نمازِ جمعہ ادا نہ ہونے کی وجہ شدت تقیہ ہے۔ کیونکہ خطبہ پڑھنے اور لوگوں کے اکٹھا ہونے سے نقصان کا خوف ہے۔

آقا کے فتاویٰ جو ان کے موثق شاگردوں کے ذریعے مجھ تک پہنچے ہیں میرے سامنے ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ نمازِ جمعہ واجب تخییری ہے اور نمازِ جمعہ نمازِ ظہر سے افضل ہے اور جس جگہ مجتہد موجود نہ ہو یا ظن مجتہد کو حجت نہ جانتے ہوں وہاں نمازِ جمعہ اور ظہر دونوں ادا کرنی ہوگی تاکہ بری الذمہ ہو جائیں۔ تو جناب آقا کے فتویٰ کے مطابق شہر لکھنؤ اور شہر فیض آباد میں جو نمازِ ظہر پر اکتفا کرے اس کی نماز باطل ہے اور یہ معلوم ہے کہ وہاں کے اکثر خواص یا اخباری ہیں یا مقلد۔

ملحوظ رہے کہ یہاں مقلد کا مطلب کسی مجتہد کی تقلید کرنے والے سے نہیں ہے بلکہ متعصب اور جاہل افراد اور ایسے باپ دادا کی تقلید سے ہے جو یا تو راہِ حق پر نہیں تھے یا احکام سے نابلد تھے۔ حضرت غفرانمآبؒ سے پہلے تو کوئی مجتہد ہوا ہی نہ تھا جو یہاں مقلد سے مجتہدین کی تقلید کرنے والے مراد ہوتے۔

اظہارِ حق میں بے خوفی اور بیباکی:

حضرت غفرانمآبؒ کبھی رعبِ شاہی سے متاثر نہیں ہوئے۔ کسی جگہ بھی حق بات کہنے میں تذبذب نہیں کیا۔ اعلائے کلمۃ الایمان میں کبھی کمزوری نہیں دکھائی۔ ان کے ایمان کی پختگی، ورِ مولائے علم سے وابستگی، تبلیغ دین میں انتہائی خلوص اور دشمنوں سے بے خوفی نے ان کی زبان میں ایسا اثر بھر دیا تھا کہ وعظ و گفتگو سننے والے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ اس ضمن میں جناب مولانا سید محمد باقر صاحب شمس لکھنوی نے ''ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ'' میں ایک واقعہ لکھا ہے جس سے جناب غفرانمآبؒ کی سیرت کا یہ رُخ واضح ہو کے سامنے آتا ہے۔

ملاحظہ ہو:۔

حضرت غفرانمآب نے جب مواعظ کا سلسلہ شروع کیا تو اس میں عوام کے علاوہ امراء ورؤساء اور ارکینِ حکومت بھی شریک ہونے لگے۔ سرفراز الدولہ حسن رضا خاں ایک دن نواب آصف الدولہ کو بھی مجلسِ وعظ میں لے آئے۔ حسن رضا خاں نے حضرت غفرانمآبؒ سے سرگوشی کرتے ہوئے یہ گزارش کی کہ بادشاہ بھنگ پینے کے عادی ہیں۔ اس لئے آپ اس کے اور دیگر منشیات کے بارے میں اپنے وعظ میں کچھ نہ کہیئے گا۔ حضرت غفرانمآبؒ نے وعظ کا آغاز ہی

مسکرات و منشیات کے بیان سے کیا۔ حسن رضا خاں اس صورتِ حال سے پریشان ہو گئے۔ انہیں ڈر تھا کہ انہیں نواب آصف الدولہ کے غضب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مگر کچھ ہی دیر کے بعد جبکہ وعظ ابھی جاری تھا، آصف الدولہ نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر بلند آواز سے کہا کہ باوا جان کے سر کی قسم جو آج سے بھنگ کو ہاتھ لگایا ہو۔ (۷۵)

اس واقعہ سے حضرت غفرانمآبؒ کی بے خوفی، حق گوئی اور زبان میں بے پناہ اثر کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ اس واقعہ کے بارے میں سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ تحریر فرماتے ہیں:۔

''غفرانمآبؒ نے ایسی عبرت خیز تقریر فرمائی کہ نواب صاحب لرزہ بر اندام ہو کر کھڑے ہوئے اور تمام حضار سے مخاطب ہو کے فرمایا کہ تمام مومنین گواہ رہیں کہ جناب ہادیٔ دیں کی نصیحت سے متاثر ہو کر میں آج سے بھنگ نوشی سے توبہ کرتا ہوں، ہلاک بھی ہو جاؤں تو نہ پیوں گا۔ یہ بھی شانِ موعظہ اور اسی خلوص کا اثر تھا کہ دلوں میں نورِ ایمان پیدا کر دیا اور اسلام کے شجر کو دنیا میں ایسا قائم کر دیا کہ شبہات کی تیز و تند ہوائیں اس کو اُکھاڑ نہیں سکتیں (۷۶)

تبلیغِ شریعت میں غفرانمآبؒ کی کامیابیاں:

ہندوستان کی عمومی حالت اور ملتِ جعفریہ کے مخصوص حالات کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اُس زمانے میں کفر والحاد کا دور دورہ تھا۔ اخباریت اور صوفیت کا عروج، اہلسنت کا غلبہ، تبلیغِ دین میں واضح خطرات اور حضرت غفرانمآبؒ سے پہلے کسی مجتہد کا نہ ہونا، شیعانِ ہند کی اصلاح و

(۷۵) مولانا محمد باقر صاحب شمس اعلی اللہ مقامہ۔ ''ہندوستان میں شیعت کی تاریخ۔ ص۔۱۱

(۷۶) سید العلماءؒ۔ ''شعاعِ عمل''۔ غفرانمآبؒ نمبر۔ دسمبر ۲۰۰۲ء۔ ص۔۱۴

تنظیم نہ ہونے کے چند اسباب تھے۔ ہندوستان میں شیعہ علماء تو تھے مگر ان میں بیشتر اخباری تھے۔ مجتہد کوئی ہوا ہی نہ تھا۔ غفرانمآبؒ ہندوستان کے پہلے عالمِ دین تھے جو اجتہاد کے درجہ پر فائز ہوئے اور وہ بھی ایسے کہ علمِ دین و اجتہاد میں ان کی نہایت اعلیٰ صلاحیتوں کا ان کے اساتذۂ عظام اور دیگر علمائے عراق و ایران نے کھل کے اعتراف کیا اور دل سے داد دی۔ ہندوستان میں ان کے پہلے مجتہد ہونے کی مختلف شخصیات نے تصدیق کی ہے۔ چنانچہ سرفراز الدولہ مرزا حسن رضا خاں نے جب نواب آصف الدولہ سے حضرت غفرانمآبؒ کو اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے عراق و ایران بھیجنے کی سفارش کی تھی تو اسی حقیقت کو بنیاد بنایا تھا کہ "اب تک کوئی شیعہ عالم ایسا نہیں ہوا جو درجۂ اجتہاد پر فائز ہو (۷۷)۔ زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ نے لکھا ہے کہ علم پرستی اسے کہتے ہیں کہ انہیں (حسن رضا خاں کو) محسوس ہوا کہ ہندوستان میں اب تک فقہ جعفری کا ماہر ایسا نہیں ہوا جو مجتہد کہا جائے۔ (۷۸)۔ شاہ حسین صفوی نے ایک طویل نظم میں آپ کو ہندوستان کا پہلا مجتہد اور پہلا امام جمعہ و جماعت قرار دیا۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:۔

میر دلدار علی صفوۃ اطیاب کرام ... رکن ایماں بخدا بود عماد اسلام
عالمِ باعمل و مجتہدِ قدس نژاد ... ہادیِ مذہب حقِ نائب معصوم امامؑ
ہازمِ زمرہ اتباع صنم ہائے قریش ... چو پیمبرؐ بہ صوارم چو غضنفر بہ حسام
برق وش مجمع اربابِ تصوف را زد ... بشہابے کہ بود ثاقب و ناقد چو سہام
مجتہد پیش از اوکس نشدہ بود بہ ہند ... جمعہ و وعظ و جماعات بہ او یافت قوام

لکھنؤ مثل صفاہان ز فیوضش گردید
نہجِ اثنا عشری یافتہ زو رونقِ عام (۷۹)

عبدالحلیم شرر نے بھی اپنی کتاب "گذشتہ لکھنؤ" میں لکھا ہے کہ آپ (غفرانمآبؒ) ہی لکھنؤ کے پہلے مجتہد ہیں۔ (۸۰) شرر نے اپنی متعصبانہ ذہنیت کے تقاضے سے ہندوستان کے پہلے مجتہد کے

---

(۷۷) جناب غفرانمآبؒ۔ سید العلماء طالب ثراہ ص ۳۰ (۷۸) زبدۃ العلماء مولانا آغا مہدی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ۔ سوانح غفرانمآبؒ۔ ص ۵۹
(۷۹) "تذکرۃ المتقین" (فارسی) مطبوعہ میرٹھ ۱۹۳۶ء
(۸۰) عبدالحلیم شرر۔ "گذشتہ لکھنؤ"۔ ص ۱۰۳ء

بجائے لکھنؤ کا پہلا مجتہد لکھا گویا یہ غلط تاثر دینا چاہا کہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں حضرت غفرانمآبؒ سے پہلے مجتہد گزر چکے ہیں۔ ان کے علاوہ جناب سلامت رضوی نے اپنی تالیف ''سید العلماء مولانا سید علی نقی النقوی ۔حیات اور کارنامے'' میں لکھا ہے کہ جناب غفرانمآبؒ پہلے ہندوستانی تھے جنھوں نے سلسلۂ مجتہدین کی ہندوستان میں بناء ڈالی تھی۔(۸۱)

حضرت غفرانمآبؒ اپنے منصب اجتہاد اور قوت ایمان کے تقاضوں کے پیشِ نظر تبلیغ شریعت اور حفاظتِ شریعت و شیعیت کے لئے نامساعد حالات میں بھی بے خوف و خطر اپنا کردار ادا کرنے کے لئے مستعد ہو گئے اور اپنی جان کی پروا کئے بغیر اپنے فرائض کی انجام دہی میں دن رات ایک کر دیئے اور جس مملکت میں حقیقی اسلام بے نام و نشان تھا اور جہالت کی تاریکی ہر طرف چھائی ہوئی تھی وہاں اپنے انوار علم و عمل سے ہدایت کے چراغ روشن کر دیئے اور کفر و ضلالت کی تاریکیوں کو دور کر کے عالمِ شیعیت میں اجالا کر دیا۔ تبلیغ و ہدایت کی ان کوششوں کے بارے میں ایک جگہ وہ خود تحریر فرماتے ہیں:۔

''میں نے اپنی کوششیں اظہار مشاعر اسلام میں صرف کیں اور سرّ و علن میں عقائد حقہ کی طرف دعوت دی۔ کبھی میں نے ان کو دعوت دی اپنے پروردگار کے راستے کی طرف حکمت اور موعظۂ حسنہ سے نبیؐ و ائمہؑ کی تاسّی میں (ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ و الموعظۃ الحسنۃ) اور کبھی مجادلہ کیا امر اقدس الٰہی کے لئے (وجادلھم بالتی ھی احسن) تو خدا کا شکر جس نے میرے بوئے ہوئے درخت میں نمو عطا کیا اور اس کا ثمرہ اپنے حدِ کمال تک پہنچا اور میوہ اس کا تیار ہوا۔ اسلام اپنی مخصوص ادا میں ظاہر ہو گیا اور عقائدِ حقہ کا باغ اپنی شادابی پر آ گیا۔ وہ دین کے قصر جو کفر و الحاد کی آندھیوں

(۸۱) سید العلماء مولانا سید علی نقی النقوی۔ ''حیات اور کارنامے''۔ص۔۵

سے بیٹھ گئے تھے وہ گرنے کے بعد پھر از سر نو تعمیر ہو گئے۔

اکثر اہلِ ایمان ضروریاتِ مذہب و دین سے واقف ہو گئے بعد اس کے (کہ) وہ جاہل تھے، انہوں نے مذاہب فاسدہ کو ترک کر دیا بعد اس کے کہ وہ ان ہی مذاہب کے اہل میں مندرج تھے۔ لیکن بعد اس کے بھی ضلالت و گمراہی بعض کور باطنوں کے دلوں میں باقی رہ گئی اور وہ اپنے مذہب و اصلاح کے راستوں پر نہ آتا تھے نہ آئے۔ فھم مصداق الذین دعوتھم لیلاً و نھارا فلم یزدھم دعائی الافوادا۔" (۸۲)

عماد العلماء علامہ سید محمد رضی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ آلِ نجم العلماء تبلیغ و ہدایت کے کارناموں پر حضرت غفرانمآبؒ کو یوں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

"جناب غفرانمآبؒ نے مسلمانوں کی اخلاقی سطح کو بلند کرنے، غلط اور خلافِ اصول رسموں اور اعتقادات کو مٹانے اور ان کی اصلاح کرنے میں جو قیمتی خدمات انجام دیئے ان کی مثال صدیوں کی تاریخ میں بھی دستیاب نہیں ہو سکتی۔

وہ ایک فرد یا ایک تنہا معلم نہ تھے بلکہ ان کی گوناگوں شخصیت مختلف علمی، ثقافتی اور اصلاحی کمالات کا مرکز تھی۔ وہ ایک چلتا پھرتا مدرسہ اور ایک متحرک یونیورسٹی کی حیثیت رکھتے تھے جو تنہا اپنے شاگردوں کو تمام علوم کی تعلیم دے کر جید عالم بنا دیتے تھے۔

حضرت غفرانمآبؒ سید دلدار علی طاب ثراہ سرزمینِ ہند پر وہ پہلے مصلح تھے جنہوں نے اسلامی تبلیغ کے کام کو ایک تنظیمی روح عطا کی۔ عوام کے دلوں میں بادشاہوں، حاکموں اور رئیسوں کی خوشامد اور خوف کے بجائے دین کی عظمت اور خدا کا خوف اجاگر کیا اور ان کے کردار اور دین کو غیر اللہ کی پرستش اور ملحدانہ رسم و رواج کی گندگی

(۸۲) سید العلماء، (مضمون) شعاع عمل۔ دسمبر ۲۰۰۴ء ص۔ ۱۵۔

سے پاک کردیا۔وہ بارھویں صدی ہجری کے عظیم ترین مفکر و مصلح اور مجدد اعظم تھے"۔(۸۳)

حضرت غفرانمآبؒ نے اپنی تبلیغی اور اصلاحی کوششوں میں اپنے شاگردانِ رشید کو شامل کر کے ان میں ایسی روح پھونک دی تھی اور ایسا جذبہ پیدا کردیا تھا جس کی بناء پر وہ اپنے اپنے گھربار چھوڑ کر اطراف ہند میں پھیل گئے اور ان کا پیغام اور ان کی تعلیمات کو شیعانِ ہند میں عام کردیا۔اس کے نتیجے میں شیعانِ ہند میں اتنی دینی اور اخلاقی جراءت پیدا ہوگئی کہ انہوں نے ہر طرح کے خوف و ہراس کو بالائے طاق رکھ کر اپنے اعمال کو دوسرے فرقوں سے الگ کر کے اپنی فقہ کے مطابق انجام دینا شروع کردیا۔جمعہ و جماعت کی نمازیں قائم کیں۔اپنی مساجد اور امام باڑے تعمیر کئے اور عزاداری کو حضرت غفرانمآبؒ کے اصلاح شدہ طریقوں کے مطابق رواج دیا۔صوفیت کی بدعتوں سے دست بردار ہوئے۔اپنے تمام اعمال مثلاً نکاح، طلاق اور دفن و کفن شیعی تعلیمات کے مطابق انجام دینا شروع کردیئے۔انہوں نے حکومت کی مدد اور سرمائے کے بغیر اتنی کامیابی سے تبلیغ کر کے بقول حضرت مولانا تحسن پیغمبری کا کام انجام دیا۔چنانچہ صدیوں سے برصغیر کے شیعہ جو خوف اور تقیہ میں زندگی گزار رہے تھے، اب کھل کے شیعیت کا اظہار کرنے لگے۔سارے برصغیر میں شیعیت کی ایک لہر دوڑ گئی۔شیعوں کی قومی شناخت قائم ہوگئی۔ان کے ناموں سے شیعیت ظاہر ہونے لگی۔ان کے سماجی معاملات، اخلاقیات، رسم و رواج، فکر و نظر، دینی اعمال اور نصاب تعلیم وغیرہ دوسروں سے الگ ہوگیا۔اس طرح وہ ایک مستقل قوم بن گئے۔مذہبی معاملات میں ان کی فکری اور عملی سمت درست ہوگئی۔وہ رسولؐ اسلام کی تعلیمات کو صحیح طور پر سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کے لئے ان ذواتِ مقدسہ کے دامن سے وابستہ

---

(۸۳) عماد العلماء علامہ سید محمد رضی طاب ثراہ (مضمون) شعاع عمل شمارہ فروری ۲۰۰۲ء۔ص۔۳۰

ہو گئے جو حضورؐ کے حقیقی جانشین تھے اور جن کا تعارف اپنے جانشینوں کے طور پر حضورؐ خود کرواتے رہے۔ اس طرح ایک طرف تو وہ صوفیت کے طلسم سے آزاد ہوئے اور دوسری طرف غیر شیعی عقائد و اعمال کو ترک کر کے اپنی سیرت و کردار کو درست کیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ علمی، ادبی اور تمدنی اعتبار سے بھی ترقی کر کے دوسری قوموں کے مقابلے میں ایک امتیازی حیثیت حاصل کر لی۔

چنانچہ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام نے شیعانِ برصغیر کی اس ممتاز حیثیت کا اعتراف اس طرح کیا ہے:۔

> "علمی اور ادبی معاملات میں حضرات شیعہ کا مرتبہ اس سے بھی بلند تھا۔ (یعنی شیعہ امراء و حکام سے) خود اورنگ زیب نے اپنی بیٹی زیب النساء کی تعلیم ایک ممتاز شیعہ فاضل مُلّا محمد سعید اشرف مازندرانی کے سپرد کر رکھی تھی۔ وہ مشہور شیعہ عالم مولانا محمد تقی مجلسی اصفہانی کے نواسے تھے۔
>
> اورنگ زیب کے دربار کا سب سے کامیاب نثر نگار اور شاعر نعمت خان عالی شیعہ تھا اور اس زمانے کے متعدد ممتاز شعراء کا یہی مذہب تھا۔ فارسی شعر و ادب میں ایک ایسے فرقے کا امتیاز جس میں کثرت سے ایرانی الاصل اہلِ قلم شامل ہوں عجب نہیں۔ لیکن مغلیہ سلطنت کے آخری دور میں علم تاریخ کے میدان میں بھی یہ فرقہ پیش پیش تھا۔
>
> اردو ادب کی ابتداء اور ترقی میں بھی شیعہ اہلِ قلم کا بڑا ہاتھ تھا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ہماری علمی اور ادبی زندگی میں شیعہ حضرات کا حصہ ان کے تناسب تعداد سے کہیں زیادہ ہے۔" (۸۴)

ڈاکٹر شیخ محمد اکرام نے علم و ادب میں شیعوں کے ان امتیازات کا جو سبب لکھا وہ قابلِ توجہ ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

---

(۸۴) ڈاکٹر شیخ محمد اکرام۔ "رود کوثر" ص۔ ۱۱۸

''اس کی ایک وجہ تو اس فرقہ میں کثرت سے ایسے (سادات یا ایرانی النسل) اعلیٰ خاندانوں کی شمولیت ہے جنہوں نے ہر میدان میں ایک بلند معیار پیشِ نظر رکھا ہے۔ دوسرے چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے شیعہ حضرات کی عقیدت و محبت کی ایک اہم بنیاد ان کا ''بابِ مدینۃ العلم'' ہونا ہے، اس لئے اس فرقے میں علم کی محبت ایک مذہبی فریضے کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور اہلِ علم کا خاص احترام ہوتا ہے۔'' (۸۵)

عزائے حسینی کے فروغ میں غفرانمآبؒ کی مساعی جمیلہ:

عزائے حسینیؑ کی ترویج و اشاعت میں بھی حضرت غفرانمآبؒ نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ آپ نے ایک امام باڑہ لکھنؤ میں تعمیر کیا جو ''حسینیہ غفرانمآبؒ'' اور ''غفرانمآبؒ کا امام باڑہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ اسی میں ان کا مدفن ہے۔ اُن کے علاوہ ان کی اولاد اور خاندانِ اجتہاد کے دوسرے علماء و افراد نیز بہت بڑی تعداد میں دیگر جید علماء و فقہاء و مجتہدین وغیرہ دفن ہیں۔ اس سبب سے یہ امام بارگاہ بہت مقدس جگہ بن گئی ہے۔

حضرت غفرانمآبؒ ہی کے زمانہ میں غالباً انہی کی تحریک پر شاہِ اودھ نواب آصف الدولہ نے نہایت وسیع و عریض اور انتہائی شاندار امام بارگاہ تعمیر کروائی جو آصفی امام باڑہ اور ''بڑا امام باڑہ'' کے نام سے مشہور ہے۔

لکھنؤ کے علاوہ آپ نے اپنے وطن مالوف نصیر آباد میں بھی ایک امام بارگاہ تعمیر کروائی جو اشتدادِ زمانہ سے منہدم ہو چکی ہے اور اب اس کے صرف آثار باقی ہیں۔

امام بارگاہوں کی تعمیر کے علاوہ آپ نے عزائے حسینؑ کے متعلق دو کتابیں بھی تصنیف

---

(۸۵) ڈاکٹر شیخ محمد اکرام ''رودِ کوثر'' ص نمبر ۱۱۸۔

فرمائیں، ایک کتاب "اثارۃ الاحزان علیٰ قتیل العطشان" اور دوسری "مسکن القلوب عند فقد المحبوب" ہے۔

ذاکری کا آغاز:

اُس زمانہ میں مجالسِ عزا میں ذاکری کا رواج نہیں تھا۔ ایرانی طرز کے صرف بیانِ مصائب پر مشتمل تیس چالیس بند کے مرثیے موسیقی کے ماہر سوز خواں دردناک دھنوں یا طرزوں میں پڑھتے تھے۔ میر ضمیر نے جو اس وقت کے قصر رثاء کے چار ستونوں میں سے ایک تھے، منبر سے مرثیے تحت اللفظ پیش کرنے کا آغاز کیا۔

جب حضرت غفرانمآبؒ نے لکھنؤ میں امام باڑہ تعمیر کیا تو میر ضمیرؔ کو مجالس میں مرثیہ تحت اللفظ پیش کرنے کا حکم دیا۔ کچھ عرصہ تک میر ضمیرؔ ان تاریخی مجالس میں مرثیہ پیش کرنے کا شرف حاصل کرتے رہے۔ ایک دن انہوں نے مرثیہ میں کوئی بے سند روایت پڑھ دی۔ حضرت غفرانمآبؒ نے مرثیہ پڑھوانا موقوف کردیا اور اپنے فرزندانِ ارجمند حضرت سلطان العلماءؒ اور حضرت سید العلماءؒ کو حکم دیا کہ وہ منبر سے حدیث خوانی شروع کریں اور فضائل و مصائب اہلبیتؑ بیان کریں۔(۸۶) اس طرح برصغیر میں ذاکری کا آغاز ہوا۔

اس کے علاوہ عاشور کے دن عصر کے بعد خود مجلس پڑھنے کی ابتداء کی جو آج تک جاری ہے۔ اس طرح انہوں نے ایک نئی روایت کی بنیاد رکھی، وہ یہ کہ ایران و عراق میں علمائے کرام مجالس میں ذاکری نہیں کرتے تھے۔ علمی اعتبار سے کم درجہ کے حضرات ذاکری کرتے تھے۔ حضرت غفرانمآبؒ نے اپنے فقیہ و مجتہد فرزندانِ ارجمند سے ذاکری کی ابتداء کرواکے اور پھر

---

(۸۶) (۱) ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ۔ص۔۱۳۰، (۲) شجرہ طیبہ۔ حاشیہ ص۔۲۳۔

عاشور کی مجلس سے خود خطاب کر کے ذاکری کے مرتبہ کو بلند کر دیا۔

میر ضمیر نے مجلس میں مرثیہ خوانی موقوف ہونے کے بعد حضرت غفرانمآبؒ کی خدمت میں حاضر ہونا بھی موقوف کر دیا۔ حتیٰ کہ عہد جناب سید العلماء علیین مکان میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک رباعی پیش کی۔ بدقسمتی سے وہ رباعی دستیاب نہ ہو سکی مگر اس کا مفہوم یہ تھا کہ ''خدا کے یہاں سے تو روسفید و موسیاہ آئے تھے اور اب تیرگی اعمال کے سبب اس دار فانی سے پیشِ خدا موسفید و روسیاہ جاتے ہیں۔'' (۸۷)

عزائے حسین میں اصلاحات:

تعزیہ داری کا رواج برصغیر میں بہت پہلے سے تھا۔ دسویں صدی ہجری میں دکن میں قطب شاہی شیعہ حکومت قائم ہونے کے بعد امام بارگاہیں تعمیر کی گئیں جنہیں ''عاشور خانہ'' کہا جاتا تھا۔ اسی طرح سندھ میں بھی امام بارگاہ موجود تھی۔ بقول مولانا سید محمد باقر شمس مرحوم شمالی ہند میں پھونس اور کپڑے کے امام باڑے محرم میں بنائے جاتے تھے۔ اس لئے کہ تعزیہ داری صرف دس دن کی ہوتی تھی۔ اس کے لئے کسی پختہ عمارت کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔ مبکی (گریہ خیز) نظمیں کوئی شخص تنہا یا کچھ لوگ مل کر لحن سے راگ کی طرح پڑھتے تھے۔ جلوس بھی نکلتے تھے جن میں شہنائی، روشن چوکی، طبل، تاشہ اور جھانجھ بجائے جاتے۔ ماہی مراتب کے ساتھ براق کی شبیہ اور تعزیوں کی جگہ گنبد ہوتے تھے۔ جلوس کے شرکاء کچھ کچھ دور پر بانک پٹے کا مظاہرہ کرتے تھے جو اہلسنت کے تعزیہ کے جلوسوں میں تقریباً اب تک رائج تھا۔ بیچ بیچ میں یا حسینؑ کی آواز بلند کرتے۔

---

(۸۷) شجرۂ طیبہ رجوم تواریخ۔ حاشیہ ص۔ ۲۳

اصلاحات:

(۱) حضرت غفرانمآبؒ نے روشن چوکی اور شہنائی کو موسیقی کے آلات ہونے کی وجہ سے حرام قرار دیا اور طبل وتاشہ کو جنگی باجا ہونے کی وجہ سے جائز قرار دیا۔

(۲) جھنڈیوں اور ماہی مراتب کے بدلے علم، گنبد کی جگہ تعزیئے اور بانک پٹے کے مظاہرے کے بجائے سینہ زنی اور حسینؑ حسینؑ کی صداؤں کو رائج کیا۔

(۳) صوفیوں کے رواسم کے بجائے حاضری، مہندی اور نذر و نیاز کا سلسلہ قائم کیا۔

(۴) دس دن کی مجالس کے لئے ہر دن ایک شہید کے ذکر کے لئے مخصوص کر دیا۔

حضرت غفرانمآبؒ کی ان اصلاحات سے ماتمی جلوسوں کا وقار بڑھ گیا۔ مجالس کی افادیت بڑھ گئی اور ان میں تبلیغی پہلو پیدا ہو گیا۔ ان رواسم کو اتنا عام کر دیا کہ گھر گھر مجلسیں اور گلی گلی تعزیے اُٹھنے لگے۔ غیر شیعی رواسم کے ختم ہونے سے عزاداری کو ایک نئی اور قابلِ احترام شکل مل گئی۔ اس طرح مذہبی تبلیغ، قومی تنظیم اور شیعی تمدن کی تشکیل کی۔ (۸۸)

لکھنؤ میں پہلے کتب خانے کا قیام:

جناب غفرانمآبؒ کی دینی، علمی اور ادبی خدمات میں ایک بہت اہم اور یادگار کام یہ بھی ہے کہ آپ نے لکھنؤ کی سرزمین پر پہلا کتب خانہ قائم کیا جس کے بعد پھر دوسرے صاحبانِ علم نے بھی اس طرف توجہ کی اور رفتہ رفتہ مزید کتب خانے قائم کیے جانے لگے۔ اس سلسلے میں شمس الادباء جناب مولانا سید محمد باقر صاحب شمس لکھنوی نے مجھ سے یہ دلچسپ واقعہ بیان کیا تھا کہ حضرت غفرانمآبؒ نے ایک شخص کو دو روپیہ دیئے اور کہا کہ ان سے کچھ کتابیں خرید کے ایک کتب

---

(۸۸) ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ۔ ص ۱۲۔۱۳،

خانہ قائم کردیجئے۔ ان صاحب نے اُن دو روپیوں میں سے ایک روپیہ خیر و برکت کے لئے خود رکھ لیا اور ایک روپیہ سے چند کتابیں خرید کر کتب خانہ کا آغاز کردیا۔ شمس صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ نے مزید فرمایا کہ ان صاحب کو اس ایک روپیہ سے کیا خیر و برکت حاصل ہوئی یہ تو معلوم نہیں البتہ کتب خانے کا آغاز ہوگیا۔ غفرانمآبؒ کی کوششوں سے رفتہ رفتہ یہ ایک وسیع اور بہت اہم کتب خانہ بن گیا۔(۸۹)

ڈاکٹر سبطِ حسن رضوی نے لکھا ہے کہ جناب غفرانمآبؒ کے اس کتب خانہ میں قرآن مجید کا ایک پارہ وہ بھی تھا جو خطِ کوفی میں لکھا ہوا تھا اور امام علی ابن موسیٰ الرضاء سے منسوب تھا۔ اس کے علاوہ شہیدِ اولؒ کے دستِ مبارک سے لکھا ہوا "صحیفہ کاملہ" کا بھی ایک نسخہ تھا۔(۹۰)

<u>شاہ اودھ نواب آصف الدولہ اور ان کے جانشینوں کے دلوں کو نورِ ایمان سے منور کر کے انہیں شرعی اور ملی حقوق کی ادائیگی کا پابند کرنا:۔</u>

یہ لکھا جا چکا ہے کہ نواب آصف الدولہ حسبِ معمول بادشاہت اور اقتدار کی خرابیوں میں ملوث تھے جو ایک عام بات تھی۔ وہ بھنگ کا نشہ کرنے کے عادی تھے۔ حضرت غفرانمآبؒ کے ایک وعظ نے ان کی اس عادتِ بد کو چھڑا دیا اور بھری مجلس میں انہوں نے بہ آوازِ بلند اعلان کیا کہ اب اگر مر بھی جائیں گے تو بھنگ کو ہاتھ نہیں لگائیں گے۔ یہیں سے آصف الدولہ کے دل میں نورِ ایمان کا جلوہ پیدا ہوا جس کے نتیجے میں انہوں نے حضرت غفرانمآبؒ کی ہر تجویز اور ہر حکم کو بے چوں و چرا قبول کرنا شروع کردیا۔ آصف الدولہ کی اس ذہنی تبدیلی نے شیعیت کے مسائل کے حل، ضروریاتِ دین کی تکمیل، ملت کے حاجت مندوں کی حاجات برآری اور صرف لکھنؤ ہی

---

(۸۹) ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ۔ ص ۳۶

(۹۰) ڈاکٹر سبطِ حسن رضوی۔ جریدہ "وحدتِ اسلامی"۔ شمارہ نمبر۔ ۱۱۲۔ ستمبر / اکتوبر ۱۹۹۳ء۔

میں نہیں، کربلائے معلیٰ اور نجفِ اشرف تک میں خدمات کا دائرہ وسیع کر دیا جس کا ذکر حضرت غفرانمآبؒ اور اُن کے فرزندانِ ارجمند کی دینی اور ملی خدمات کے ذیل میں آئے گا۔

قانونِ شریعت کا نفاذ، عدل و انصاف کو علماء کے سپرد کرنا اور سارے مذہبی امور کو حضرت غفرانمآبؒ کی رائے کے مطابق انجام دینا جس سے صحیح اسلامی شریعت کی داغ بیل پڑ گئی۔ حتیٰ کہ شاہی خزانہ سے زکواۃ کی ادائیگی بھی حضرت غفرانمآب کے فرزندانِ ارجمند کے عظیم کارناموں میں شامل ہیں۔ اسی کے ساتھ اُن ذواتِ اقدس کا یہ شرف بھی تھا کہ ہر نئے بادشاہ کی تاجپوشی فرزندانِ حضرت غفرانمآبؒ کے دستِ مبارک سے ہونا لازمی قرار پائی جس کے بغیر بادشاہت کی توثیق نہیں ہوتی تھی۔

حضرت غفرانمآبؒ کا صلح کل مزاج اور دینی رواداری میں فراخدلی:۔

مذہبی امور کی انجام دہی میں حضرت غفرانمآبؒ نے اپنے صلح کل مزاج کے مطابق فراخدلی کے ساتھ دینی رواداری کا مظاہرہ کیا۔ ایک طرف دربارِ دہلی کے سنّی علماء کا حد سے بڑھا ہوا تعصب جس کی مثال قاضی نوراللہ شوستریؒ کا شیعہ ہونے کے جرم میں بہیمانہ قتل، سید احمد سرہندی کا شیعوں کے خلاف واجب القتل ہونے کا فتویٰ اور شاہ عبدالعزیز دہلوی کی ''تحفۂ اثناء عشریہ'' جیسی شیعہ مخالفت پر مبنی کتاب اور دوسری طرف حضرت غفرانمآبؒ کا صلح کل مزاج اور دینی رواداری میں فراخدلی، مذہبی اور انسانی رویّوں کی کیسی متضاد تصویریں ہیں۔ اہلسنت کے علماء کے ساتھ حسنِ سلوک کی ایک روشن دلیل یہ ہے کہ جب اودھ کے حکمران نواب آصف الدولہ

بہادر نے سلطنت کے دینی امور کا اختیار حضرت غفرانمآب کو دے دیا تھا تو اگر وہ چاہتے تو کم از کم تمام اہم سرکاری عہدوں پر فائز اہلسنّت کے علماء اور دوسرے افراد کو برطرف کر کے ان کی جگہ شیعہ علماء اور عمائدین کو مقرر کر دیتے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا حتیٰ کہ اہلسنت قاضیوں کو بھی ان کے عہدوں پر برقرار رکھا اور ان کے ساتھ اپنے رویّہ میں تعصب کا کوئی شائبہ بھی آنے نہیں دیا۔ ان کے بعد یہی رویّہ ان کے فرزندانِ عظیم یعنی جناب سلطان العلماء سید محمد صاحب قبلہ رضواں مآب فرزندِ اکبر حضرت غفرانمآبؒ اور دیگر جانشینوں نے بھی اختیار کیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ نواب آصف الدولہ بہادر اور اودھ کے دیگر شیعہ سلاطین خود بھی تعصب نہیں برتتے تھے۔ حضرت غفرانمآبؒ کی اس بے تعصبی نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ گھانسی رام نے بھی ''روحِ ادب'' میں لکھا ہے کہ ''نواب تعصبِ مذہبی سے پاک تھا اور دربار میں ہر مذہب و ملت کے لوگ ایک نظر سے دیکھے جاتے تھے۔'' ڈاکٹر سبطِ حسن رضوی مرحوم نے اپنے مضمون ''سید دلدار علی المعروف بہ غفرانمآبؒ اعلی اللہ مقامہ'' میں لکھا ہے کہ ''شیعہ سنّی اتحاد پر آپ (حضرت غفرانمآبؒ) نے بہت زور دیا اور علمائے اہلسنت کے بہت سے باہمی جھگڑوں کو ثالث بن کے طے کیا۔(۹۱)

خاندانِ اجتہاد کے علماء و فقہاء اور مجتہدین حضرت غفرانمآبؒ ہی کی سیرت پر قائم رہے۔ ایک طویل عرصہ تک اہلسنت کے سب سے بڑے خاندان علمائے فرنگی محل لکھنؤ سے ان کے دوستانہ اور برادرانہ تعلقات جاری رہے۔ علومِ دین کے طلباء میں شیعہ طلباء بعض مضامین علمائے فرنگی محل سے پڑھتے تھے ورسنی طلباء بعض مضامین علمائے خاندانِ اجتہاد سے پڑھتے تھے۔ کیا اچھی فضا تھی۔ اگر یہ روایت باقی رہتی تو شیعہ سنّی اختلافات نہ ہونے کے برابر ہوتے۔

---

(۹۱) ڈاکٹر سبطِ حسن رضوی۔ جریدہ ''وحدت اسلامی'' شمارہ نمبر ۱۲ ستمبر / اکتوبر ۱۹۹۳ء

حضرت غفرانمآبؒ اور ان کے فرزندان ارجمند کے فیوض و برکات اور نجفِ اشرف اور کربلائے معلیٰ میں خدمات:۔

حضرت غفرانمآبؒ اور ان کے فرزندانِ ارجمند کے خدمات اور فیوض و برکات صرف لکھنؤ یا صرف برِ صغیر پاک و ہند تک محدود نہ تھے۔

غفرانمآبؒ کے وعظ و پند نے شاہِ اودھ نواب آصف الدولہ کے دل و دماغ کو جب نورِ ایمان سے روشن کر دیا اور ان کے نامشروع عادات و اطوار کو ترک کروا کے خدمتِ دین و ایمان کی طرف راغب کر دیا تو آصف الدولہ اور ان کے جانشینوں نے ان عظیم المرتبت ہستیوں کی ہدایت اور خواہش پر دینی ضروریات کی تکمیل کے لئے اودھ کے شاہی خزانہ کے منہ کھول دیئے۔

آصف الدولہ کی سخاوت تو مشہور تھی ہی۔ان کے وقت میں دکاندار آصف الدولہ کا نام لے کے کاروبار شروع کرتے تھے اور یہ مقولہ زباں زد تھا کہ ''جس کو نہ دے مولا اس کو دیں آصف الدولہ'' ۔ان کی سخاوت کے اس فطری جذبہ کو حضرت غفرانمآبؒ نے دینی خدمات کی طرف بھی موڑ دیا۔حضرت عزیز لکھنوی لکھتے ہیں:

> ''آصف الدولہ کی روح میں جلوۂ معرفت پیدا کرنے والا یہی شخص (حضرت غفرانمآبؒ) ہے۔ ہمارا بھولا نواب جہاں سخاوت و عدالت میں یکتائے روزگار ہوا وہاں اور عقائد میں بھی اس بزرگ (حضرت غفرانمآبؒ) کی بدولت شہرۂ آفاق ہوا۔'' (۹۳)

---

(۹۳) مضامینِ عزیزؔ۔ ص۔۳۰۷

ا۔ نہرِ آصفی:

حضرت غفرانمآبؒ عراق و ایران میں تحصیل و تکمیلِ علوم دین کے لئے قیام کے دوران نجفِ اشرف اور کربلائے معلّٰی میں پانی کی کمی اور اس کی وجہ سے بالخصوص زائرینِ محترم کی تکالیف اور پریشانیوں کا خود مشاہدہ اور تجربہ کر چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے اس مسئلہ کا یہ حل نکالا کہ حِلّہ سے نجفِ اشرف تک پانی پہنچانے کے لئے ایک نہر تعمیر کی جائے۔ اپنے اس ارادہ اور منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جناب غفرانمآبؒ نے نواب آصف الدولہ بہادر کو مالی معاونت پر آمادہ کیا۔

آصف الدولہ نے غفرانمآبؒ کی تجویز اور خواہش پر حِلّہ سے نجفِ اشرف تک نہر بنوانے کے لئے سات لاکھ روپیہ کی خطیر رقم عطا کی۔

قارئینِ محترم، سات لاکھ کی رقم کو خطیر کہنا نہ طنزیہ خیال کریں نہ مضحکہ خیز، دو ڈھائی سو سال پہلے کے سات لاکھ آج کے سات لاکھ پر قیاس نہ کریں۔ اُس وقت کے سات لاکھ آج کے سات کروڑ سے بھی کہیں زیادہ ہوں گے۔

بہر حال نواب آصف الدولہ کی عطا کی ہوئی یہ رقم حضرت غفرانمآبؒ نے عراق میں اُس وقت کے عظیم المرتبت عالمِ دین جناب شیخ محمد حسن نجفی صاحب قبلہ طاب ثراہ صاحب جواہر الکلام کو بھجوائی تا کہ وہ نہر بنوانے کا انتظام فرمائیں۔ ان کی کوششوں سے نہر مکمل ہوئی اور اس کا نام نہرِ آصفی رکھا گیا۔

خادم علی سندیلوی ایک غیر شیعہ مورخ نے لکھا ہے کہ:۔

"ایک بڑا کارِ ثواب نواب آصف الدولہ سے یہ ہوا کہ زمینِ نجف میں دریائے فرات

سے ایک نہر کوسوں کے فاصلے سے کھدوا کر شہر کوفہ کے قریب پہنچائی گئی۔ سقّے صبح سے شام تک پکارا کرتے ہیں کہ:۔ "یا ابا ماء الھندیہ، ماء الھندیہ" یعنی ہندوستان کا ٹھنڈا پانی۔(۹۳)

معروف مرثیہ نگار مرزا محمد جعفر فصیح مرحوم (متوفی حدود ۱۲۳۰ھ) کا یہ شعر اسی نہر آصفی کے حوالہ سے مشہور ہے۔

ہم نے نہ سنا تھا یہ سلف سے کبھی اب تک
برسات تو ہو ہند میں سیل آئے عرب تک

یہ نہر جو، اب معدوم ہو چکی ہے اس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں ریت بھر گئی اور نہر ختم ہو گئی۔ زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب اجتہادی "نے تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"اس خادمِ دین کے کربلا کی مقدس سرزمین پر چار مرتبہ کے سفر میں کوئی ایک بھی بتانے والا نہ ملا جو نہر کی نشاندہی کرتا اور سمجھتا رہا کہ امتدادِ زمانہ نے نام مٹا دیا۔

۲۔ نہر حسینی:

نہر آصفی کی تعمیر کے بعد نجفِ اشرف سے کربلائے معلیٰ تک پانی پہنچانے کے لئے جناب غفرانمآبؒ کے فرزند اصغر جناب سید العلماء سید حسین صاحب قبلہ علیین مکاں نے شاہِ اودھ سے ڈیڑھ لاکھ روپیہ لے کر عراق کے ایک اور عالم آقائی سید ابراہیم موسوی کو بھجوایا اور کربلائے معلیٰ سے نہر کھدوانے کی ذمہ داری ان کے سپرد کی۔ اس نہر کا نام "نہر حسینی" رکھا گیا۔

---

(۹۳) زبدۃ العلماء مولانا آغا مہدی صاحبؒ شعاعِ عمل۔ اکتوبر ۲۰۰۹ء۔

۳۔ روضۂ جناب مسلمؑ وہانیؒ کی تعمیر۔

۴۔ وہاں کے موذن کی تنخواہ بھی اودھ کے شاہی خزانہ سے جاری کروائی۔

۵۔ نواب سعادت علی خاں شاہِ اودھ نے چاندی کی ایک ضریح بنوائی جس پر جابجا سونے کے پتر لگے تھے اور ضریح کے اندر چاندی کا تابوت تھا۔ یہ کربلائے معلٰی بھیجی گئی۔

۶۔ روضۂ مبارک میں ایوان طلاء پر سونے کا کام بھی شاہانِ اودھ کے پیسے سے کرایا۔

۷۔ ایک طلاءکار جدول روضۂ مبارک پر آویزاں کیا گیا جس میں ائمہ اطہارؑ کی ولادت اور شہادت کی تاریخیں بہترین خط میں تحریر کی گئی تھیں۔

۸۔ حضرت ابوالفضل العباسؑ کے حرم پر قبہ مبارک بھی شاہانِ اودھ کی مالی معاونت سے تعمیر کروایا۔

۹۔ روضۂ حضرت عباسؑ کے گنبد میں شکست و ریخت کے آثار نمایاں ہوئے تو اس کی مرمت کا انتظام کیا اور اس کے لئے بھی روپیہ شاہانِ اودھ سے لیا۔

۱۰۔ سامرہ میں امام علی نقیؑ اور امام حسن عسکریؑ کی مقدس ضریحوں اور سرداب امامِ زمانہؑ کی بقا اور تاسیس کے لئے بھی شاہِ اودھ سے روپیہ لے کر بھیجا گیا۔ اس کے لئے اودھ کی ملکۂ عالیہ نے ایک لاکھ روپیہ پیش کیا۔

۱۱۔ مسجدِ سہلہ اور مسجدِ کوفہ کے تحفظ کا انتظام بھی آقائی محمد حسن نجفیؒ کی تحریک پر اودھ کے شاہی خزانہ سے کیا گیا۔

۱۲۔ روضۂ جناب سلمان فارسی کی مرمت آقائی سید ابراہیم موسوی کی تحریک پر شاہِ اودھ کے پیسہ سے کروائی۔

۱۳۔ روضۂ حضرت حرؑ کی مرمت کے لئے دس ہزار روپیہ کی رقم شاہِ اودھ سے لے کر بھیجی گئی۔

۱۴۔ کچھ رقم ان زائرین کرام کے لئے بھجوائی گئی جو وہاں مالی مشکلات میں مبتلا ہو جاتے تھے۔

۱۵۔ عراق میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کے لئے وظائف کا انتظام کیا۔

نجف اور کربلائے معلیٰ میں حضرت غفرانمآبؒ اور ان کے فرزندانِ ارجمند کی خدمات کا یہ مختصر سا بیان تھا۔ ان کاموں اور ان خدمات کا اجر اودھ کے نیک دل اور فیاض حکمرانوں کو بھی انشاء اللہ بے حد و حساب ملے گا جنہوں نے حضرت غفرانمآبؒ اور ان کے فرزندانِ ارجمند کی تجاویز اور ارشادات کو ہمیشہ صدقِ دل سے قبول کیا اور بے چوں و چرا ان پر عمل کرتے رہے۔

حضرت غفرانمآبؒ

یہ آفتاب جو اِک شمع سا ہوا روشن
یہ ایک پھول جو مہکا مثالِ مشکِ ختن
حصولِ علم کی دل کو لگی ہوئی تھی لگن
گیا نجف کو جو یہ پھول، یہ چراغِ وطن
ہوائے باغِ "سلونی" ملی گلاب ہوا
نجف کی خاک سے چمکا تو آفتاب ہوا

(مرثیہ "علم اور علماء" از ساحر لکھنوی)

روحانی عظمت، کرامات اور خوارق عادات:۔

حضرت غفرانمآبؒ اور ان کی اولاد تک کو جو روحانی عظمت حاصل تھی وہ کم ہی کسی خاندان میں ملے گی۔عراق وایران میں بڑے بڑے جلیل قدر علمائے کرام اور مجتہدین عظام ہوئے جن سے کرامات وخوارق عادات ظاہر ہوتے رہتے تھے۔اسی طرح جناب غفرانمآبؒ اور ان کی اولادوں سے ظاہر ہوئے۔اس موضوع پر ہم سید العلماء علامہ سید علی نقی النقوی طاب ثراہ کی تحریر پیش کرنا زیادہ بہتر سمجھتے ہیں جس میں انہوں نے کرامت اور معجزہ وغیرہ پر بھی اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔وہ فرماتے ہیں:۔

''صفائے قلب اور ازدیاد روحانیت بڑھتے بڑھتے کبھی اس حد تک پہنچتی ہے کہ خداوندِ عالم اس شخص کو صاحب کرامات کردیتا ہے۔کرامت بھی خلاف عادت امر کا نام ہے جس (جو) کسی عالم یا مومن کامل کے لئے ظاہر ہو لیکن معجزہ اور کرامت میں

فرق یہ ہے کہ معجزہ کسی دعویٰ نبوت یا امامت کی تصدیق میں ہوتا ہےاور کرامت کسی دعوے کے اثبات میں نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ معجزے کے ساتھ ساتھ تحدی ہوتی ہے یعنی کوئی اس کا معارضہ نہیں کرسکتااور کرامت کے ساتھ ایسا نہیں۔ اس لحاظ سے معجزہ مخصوص ہے نبیؑ وامامؑ کے ساتھ اور کرامت نبیؑ وامامؑ سے مخصوص نہیں ہے۔ کتب رجال وسیٔر پر نظر کرنے والے واقف ہیں کہ ہمارے علمائے اعلام میں بہت سی فردیں ایسی گذری ہیں کہ جو مظہر کرامات وخوارق عادات ہیں۔ اگر اجمالاً بھی ان کا تذکرہ حوالۂ قلم کیا جائے تو طولِ کلام کا خوف ہے۔

مختصر یہ ہے کہ اس کی نظیریں علمائے سلف میں ملتی ہیں۔ علامہؒ کلینیؒ کے انتقال سے آسمان کے ستاروں میں تہلکہ پڑ جانا اور سید رضی کا جناب علم الہدیٰؒ کے مافی الضمیر پر واقف ہوجانا اور مقدس اردبیلیؒ کے لئے روضۂ امیر المومنینؑ میں لگے ہوئے قفلوں کا کھل جانا اور دروازوں کا وا ہو جانا وسیع النظر اصحاب پر مخفی نہیں ہے اور خود جناب غفرانمآبؒ کے استاد جناب بحر العلوم سید مہدی طباطبائیؒ کے کرامات تو اس حد پر تھے کہ مصنفین اُن کے لقب میں "صاحب الکرامات الظاہرۃ وخوارق العادات باہرۃ" لکھتے ہیں۔ پھر اگر جناب غفرانمآبؒ کو بارگاہ احدیت سے یہ مرتبہ عطا ہوا تو کون سا محلِ استعجاب ہے حالانکہ یہ وہ ذات تھی جس نے خدماتِ دینیہ میں اپنی راحتوں سے ہاتھ اُٹھایا، اہل وعیال سے جدائی اختیار کی، غریب الوطنی کے مصائب کو برداشت کیا، خدا کی راہ میں اپنے نفس کو نفس نہ سمجھے۔ پھر خداوندِ عالم کا اپنے مقربین میں داخل کر کے مظہرِ کرامات کر دینا کیا قابلِ انکار ہوسکتا ہے۔ بلکہ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ یہ وہ

ذات تھی جس کو جناب احدیت نے ابتدائے عمر ہی سے فیوض و برکات کے لئے منتخب کرلیا تھا۔ اور اول عمر ہی سے اس پر نظرِ رحمتِ الٰہی متوجہ تھی۔ وقتِ ولادت گھر کا روشن اور منور ہو جانا اور کم سنی ہی میں درخت کے نیچے صدائے ہاتفِ غیب کو سننا کیا کرامات میں مندرج ہونے کے قابل نہیں؟ اور بعدِ انتقال جو کرامات ظاہر ہوئے ہیں ان کو انشاء اللہ اگر حیات مستعار باقی ہے تو تلامذہ کے حالات لکھتے ہوئے جناب علامۃ العلماء مولانا سید احمد علی محمد آبادی کے تذکرے میں لکھیں گے۔ اس موقع پر صرف ایک واقعہ تحریر کرتے ہیں۔ جناب بحر العلوم مولانا علّن صاحب قبلہ نے اس واقعہ کو اپنے والد علام جناب ملک العلماء طاب ثراہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنے والد ماجد سلطان العلماء رضواں مآبؒ طاب ثراہ سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ جناب غفرانمآبؒ اپنے وطنِ مالوف نصیر آباد تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ میں تھا اور جناب کے شاگردِ رشید فاضل جلیل مرزا محمد خلیل تھے۔ وہیں قصبہ کا ذکر ہے کہ جناب غفرانمآبؒ ایک درخت کے نیچے کھڑے ہوئے تھے اور میں اور مرزا خلیل کہیں سے اس طرف گزرے کہ مرزا خلیل نے مجھ سے کہا کہ ذرا درخت کی جانب دیکھئے۔ میں نے بنظرِ غائر درخت کی طرف دیکھا تو یہ نظر آیا کہ جناب غفرانمآبؒ کی پیشانی سے ایک نور ساطع ہے اور اس کی چھوٹ درخت کے پتوں پر پڑتی ہے جس کی وجہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ برگ اس درخت کے زبرجد خضر کے ہیں۔

یہ تھا نورِ علم اور ضیائے خداداد و فضل جس کی چھوٹ پیشانی سے ظاہر ہو کے درخت پر پڑ رہی تھی۔ ناظرین متوجہ ہوں گے کہ امیر المومنینؑ کا لقب ہے قـائـد الـغـرّ

(۹۳) سید العلماءؒ۔ (مضمون) شعاعِ عمل۔ اشاعت دسمبر ۲۰۰۳ء ص۔ ۱۸

المحجلین ۔اس کی توضیح میں معصومؑ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اہلِ ایمان کے اعضاء ضو دیتے ہوں گے۔اس حدیث میں ذکر روزِ حشر کا ہے لیکن تقرب ایزدی اور عبادتِ الٰہی کا کمال ہے کہ دنیا ہی میں پیشانی چمک دینے لگے۔یقیناً یہ واقعہ جناب غفرانمآبؒ کے منتہائے جلالتِ قدر پر دلالت کرتا ہے۔" (۹۳)

حضرت سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ نے حضرت غفرانمآبؒ کے جن کراماتِ جلیلہ کو بیان فرمایا ان کے علاوہ ان کے اور ان کی اولاد و احفاد کے واقعات کو ہم یہاں سرسری طور پر ذکر کریں گے۔

۔ ہندوستان میں حصولِ علم کے سفر میں سندیلہ کے مقام پر آپ کے پائے مبارک کے مفلوج ہو جانے اور خواب میں مولا مشکلکشاؑ کا آپ کو صحت کی بشارت دینے اور شفایاب کرنے کا واقعہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے۔

۲۔ صاحبِ "نجوم تواریخ" نے حضرت غفرانمآبؒ کے ایسے چند واقعات تفصیل سے لکھے ہیں۔یہاں بغرضِ اختصار تفصیلات کو نظر انداز کرنا ضروری ہے اشارتاً ذکر کیا جائے گا۔

ان میں سے پہلے تو یہ ہے کہ جناب غفرانمآبؒ کے زمانے میں شاہ علی اکبر نام کے ایک بہت بڑے صوفی تھے لیکن سرفراز الدولہ اور نواب آصف الدولہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خود کو شیعہ ظاہر کرتے تھے مگر اپنے مریدوں کے خیال سے نمازِ جماعت میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ایک دن سرفراز الدولہ نے غفرانمآبؒ سے عرض کی کہ آپ شاہ علی اکبر مذکور سے ملاقات کے لئے ہمارے ساتھ چلئے۔حضرت غفرانمآبؒ نے فرمایا کہ میں سرِ منبر صوفیاء کی مذمت کرتا ہوں۔اگر وہاں جاؤں گا تو ملت کے لوگ کیا کہیں گے۔انہیں اگر اپنے مریدوں کی

پاسداری منظور ہے تو مجھے اپنے معصومینؑ اور اپنی قوم کا خیال عزیز ہے۔ اس کے بعد ایک دن سرفراز الدولہ شاہ صاحب موصوف کے ساتھ موجود تھے کہ حضرت غفرانمآب بھی وہاں پہنچ گئے۔ سرفراز الدولہ نے وہاں دونوں کا تعارف کرایا۔ غفرانمآبؒ نماز کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے۔ سرفراز الدولہ نے پیغام بھیجا کہ نماز کے بعد آپ شاہ صاحب سے معذرت کیجئے کہ بعض وجوہ سے آپ ان سے ملاقات کے لئے حاضر نہ ہوسکے۔ غفرانمآبؒ سرفراز الدولہ سے صاف انکار نہیں کرنا چاہتے تھے مگر انہیں شاہ صاحب سے معذرت کرنا شاق و ناگوار تھا۔ خداوندِ تعالیٰ غیورِ مطلق ہے ابھی اس امر کی نوبت نہیں آئی تھی کہ شاہ صاحب کے پیٹ میں دفعتاً ایسا درد اٹھا کہ بیقرار ہو کے فوراً وہاں سے چلے گئے۔ (۹۵)

۳۔ ایک دفعہ غفرانمآبؒ ایک شادی کے سلسلہ میں نصیرآباد تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ فیل واسپ و خیمہ و خرگاہ اور دیگر سامان و اسباب بکثرت تھا۔ ایک شخص جس کا نام وزیر علی خاں تھا اور نواب آصف الدولہ کا متبنّٰی بنا ہوا تھا اس نے اپنے بہت سے آدمیوں کے ہمراہ جن کی تعداد کم و بیش ایک ہزار لکھی ہے اس مکان پر جس میں جناب غفرانمآبؒ کا قیام تھا حملہ کر کے لوٹ مار شروع کر دی۔ آپ اس کے سامنے موجود تھے مگر وہ آپ سے مزاحم نہ ہوا۔ اتنے میں آپ کے ذہن میں الہامی طور پر خیال آیا کہ لوٹ مار کے بعد وہ آپ سے ضرور مزاحمت کرے گا۔ اس الہامِ غیبی کے بعد آپ مکان چھوڑ کر قلعہ میں چلے گئے۔ آخر وہی ہوا کہ لوٹ مار سے فارغ ہو کے وہ آپ کی تلاش میں قلعہ میں پہنچ گیا۔ ایک سید صاحب اس کی بندوق کی گولی سے زخمی ہو گئے جو چند روز بعد اس زخم کی بدولت انتقال فرما گئے۔ حضرت غفرانمآبؒ تک وہ پہنچ تو گیا مگر سامنے ہونے کے باوجود آپ کو نہ دیکھ سکا۔ قدرت نے اس کی آنکھوں کو کور کر دیا اور جب اس نے آپ کو

(۹۵) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۴۳،

(۹۶) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۴۵،

المحجلین۔ اس کی توضیح میں معصومؑ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اہلِ ایمان کے اعضاء ضوء دیتے ہوں گے۔ اس حدیث میں ذکر روزِ حشر کا ہے لیکن تقرب ایزدی اور عبادتِ الٰہی کا کمال ہے کہ دنیا ہی میں پیشانی چمک دینے لگے۔ یقیناً یہ واقعہ جناب غفرانمآبؒ کے منتہائے جلالتِ قدر پر دلالت کرتا ہے۔" (۹۴)

حضرت سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ نے حضرت غفرانمآبؒ کے جن کراماتِ جلیلہ کو بیان فرمایا ان کے علاوہ ان کے اور ان کی اولاد و احفاد کے واقعات کو ہم یہاں سرسری طور پر ذکر کریں گے۔

۱۔ ہندوستان میں حصولِ علم کے سفر میں سندیلہ کے مقام پر آپ کے پائے مبارک کے مفلوج ہو جانے اور خواب میں مولا مشکلکشاؑ کا آپ کو صحت کی بشارت دینے اور شفایاب کرنے کا واقعہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے۔

۲۔ صاحب "نجوم تواریخ" نے حضرت غفرانمآبؒ کے ایسے چند واقعات تفصیل سے لکھے ہیں۔ یہاں بغرض اختصار تفصیلات کو نظر انداز کرنا ضروری ہے اشارتاً ذکر کیا جائے گا۔

ان میں سے پہلے تو یہ ہے کہ جناب غفرانمآبؒ کے زمانے میں شاہ علی اکبر نام کے ایک بہت بڑے صوفی تھے لیکن سرفراز الدولہ اور نواب آصف الدولہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خود کو شیعہ ظاہر کرتے تھے مگر اپنے مریدوں کے خیال سے نمازِ جماعت میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ ایک دن سرفراز الدولہ نے غفرانمآبؒ سے عرض کی کہ آپ شاہ علی اکبر مذکور سے ملاقات کے لئے ہمارے ساتھ چلئے۔ حضرت غفرانمآبؒ نے فرمایا کہ میں سرِ منبر صوفیاء کی مذمت کرتا ہوں۔ اگر وہاں جاؤں گا تو ملت کے لوگ کیا کہیں گے۔ انہیں اگر اپنے مریدوں کی

پاسداری منظور ہے تو مجھے اپنے معصومینؑ اور اپنی قوم کا خیال عزیز ہے۔ اس کے بعد ایک دن سرفراز الدولہ شاہ صاحب موصوف کے ساتھ موجود تھے کہ حضرت غفرانمآب بھی وہاں پہنچ گئے۔ سرفراز الدولہ نے وہاں دونوں کا تعارف کرایا۔ غفرانمآبؒ نماز کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے۔ سرفراز الدولہ نے پیغام بھیجا کہ نماز کے بعد آپ شاہ صاحب سے معذرت کیجئے کہ بعض وجوہ سے آپ ان سے ملاقات کے لئے حاضر نہ ہو سکے۔ غفرانمآبؒ سرفراز الدولہ سے صاف انکار نہیں کرنا چاہتے تھے مگر انہیں شاہ صاحب سے معذرت کرنا شاق و ناگوار تھا۔ خداوندِ تعالیٰ غیورِ مطلق ہے ابھی اس امر کی نوبت نہیں آئی تھی کہ شاہ صاحب کے پیٹ میں دفعتاً ایسا درد اٹھا کہ بیقرار ہو کے فوراً وہاں سے چلے گئے۔ (۹۵)

۳۔ ایک دفعہ غفرانمآبؒ ایک شادی کے سلسلہ میں نصیر آباد تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ فیل و اسپ و خیمہ و خرگاہ اور دیگر سامان و اسباب بکثرت تھا۔ ایک شخص جس کا نام وزیر علی خاں تھا اور نواب آصف الدولہ کا متبنّیٰ بنا ہوا تھا اس نے اپنے بہت سے آدمیوں کے ہمراہ جن کی تعداد کم و بیش ایک ہزار لکھی ہے اس مکان پر جس میں جناب غفرانمآبؒ کا قیام تھا حملہ کر کے لوٹ مار شروع کر دی۔ آپ اس کے سامنے موجود تھے مگر وہ آپ سے مزاحم نہ ہوا۔ اتنے میں آپ کے ذہن میں الہامی طور پر خیال آیا کہ لوٹ مار کے بعد وہ آپ سے ضرور مزاحمت کرے گا۔ اس الہامِ غیبی کے بعد آپ مکان چھوڑ کر قلعہ میں چلے گئے۔ آخر وہی ہوا کہ لوٹ مار سے فارغ ہو کے وہ آپ کی تلاش میں قلعہ میں پہنچ گیا۔ ایک سید صاحب اس کی بندوق کی گولی سے زخمی ہو گئے جو چند روز بعد اس زخم کی بدولت انتقال فرما گئے۔ حضرت غفرانمآبؒ تک وہ پہنچ تو گیا مگر سامنے ہونے کے باوجود آپ کو نہ دیکھ سکا۔ قدرت نے اس کی آنکھوں کو کور کر دیا اور جب اس نے آپ کو

---

(۹۵) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۲۴۔

(۹۶) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۲۵۔

گرفتار کرنے کا ارادہ کیا تو آپ کو وہاں نہیں پایا۔(۹۶)

۴۔ مولوی سید احمد علی محمد آبادی طاب ثراہ نے جو حضرت غفرانمآب ؒ کے ایک عزیز ترین شاگرد رشید تھے آپ کی رحلت کے بعد ایک شب آپ کو خواب میں دیکھا کہ آپ ایک مسند پر جلوہ افروز ہیں اور وہ خود یعنی مولوی احمد علی صاحب ایک حوض کے پاس کھڑے ہیں جو غفرانمآب ؒ کے دیوان خانے کے صحن میں واقع ہے۔ ایسے میں غفرانمآب ؒ نے مولوی صاحب موصوف کو اپنے قریب بلایا اور فرمایا کہ میرے فرزند سید حسین سے کہہ دو کہ جو سو (۱۰۰) دینار تمھارے پاس رکھے ہیں اس پر حولِ کامل گزر گیا ہے۔ پس لازم ہے کہ تم اس کی زکواۃ ادا کرو۔ جب مولوی صاحب مذکور خواب سے بیدار ہوئے تو جناب سید العلماء سید حسین صاحب طاب ثراہ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ خواب بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ان دنانیر (دیناروں) سے سوائے میرے اور جناب والدہ معظمہ کے اور کوئی شخص واقف نہیں ہے اور کئی روز ہوئے کہ میرا قصد زکواۃ ادا کرنے کا ہوا تھا۔ مگر بعد اس کے بھول گیا۔ یہ خواب بھی حضرت غفرانمآب ؒ کے کرامات میں سے ہے۔(۹۷)

۵۔ جناب غفرانمآب ؒ کے پہلے فرزند جناب سلطان العلماء ؒ کی ولادت باسعادت پر امامِ زمانہ ؑ نے خواب میں اُن کو بشارت دی اور فرمایا تمھارا یہ فرزند میری کفالت میں رہے گا اور میں اسے تعلیم دوں گا۔(۹۸)

ردِ سحر کی مشہور دعا "دعائے سباسب" امامِ زمانہ ؑ نے جناب سلطان العلماء کو خود تعلیم فرمائی تھی۔

۶۔ حضرت غفرانمآب ؒ کے چوتھے فرزند جناب مولانا سید مہدی صاحب طاب ثراہ کا جوانی میں انتقال ہوا۔ آپ کی وفات پر خلافِ معمول سورج کو گہن لگ گیا۔

---

(۹۷) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۴۷، (۹۸) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۴۷،

(۹۹) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۹۱۔۹۲

۷۔ جناب غفرانمآبؒ کے سب سے چھوٹے فرزند سید العلماء جناب سید حسین صاحب طاب ثراہ کی ولادت باسعادت سے بہت پہلے یعنی جناب سید مہدی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کی ولادت کے چندروز بعد سید الشہداء امام حسینؑ نے غفرانمآبؒ کو خواب میں بشارت دی کہ تمھارے ہاں ایک فرزند اور ہوگا اور ارشاد فرمایا کہ اس کا نام میرے نام پر رکھنا۔(۹۹)

۸۔ غفرانمآبؒ کے صاحبزادے حضرت سلطان العلماء کے فرزند خلاصۃ العلماء سید مرتضیٰ طاب ثراہ کا انتقال پدر بزرگوار کی زندگی میں ہوگیا۔دفن کے بعد تین دن تک قبر سے تلاوتِ قرآن کی آواز بلند ہوتی رہی۔سلطان العلماء کو معلوم ہوا تو بیٹے کی قبر پر آ کے کچھ کلمات ارشاد فرمائے۔اس کے بعد آواز آنا بند ہوگئی۔

۹۔ جناب سلطان العلماء کے زمانے میں ایک شب آپ اپنی جگہ نظر نہ آئے۔لوگ پریشان ہوگئے۔تلاش شروع ہوئی تو ایک درخت کے نیچے ایک نور نظر آیا وہاں پہنچے تو دیکھا کہ سلطان العلماء نماز میں مشغول ہیں۔

۱۰۔ جناب سلطان العلماء نے جس رات انتقال فرمایا اس رات کربلائے معلی میں امام حسینؑ کی ضریحِ اقدس کے گرد ایک نور کو طواف کرتے ہوئے دیکھا گیا۔

۱۱۔ عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ طاب ثراہ کے انتقال کی شب ایک عزیز نے جو کربلائے معلی میں مقیم تھے،خواب میں دیکھا کہ روضۂ امام حسینؑ میں بڑی چہل پہل ہے اور آپؑ کی قبر کے پائین پا ایک نئی قبر تیار کی گئی ہے۔انہوں نے حیرت سے یہ سب دیکھتے ہوئے کسی سے پوچھا کہ آج یہ غیر معمولی رونق کیوں ہے اور قبر کس کے لئے بنائی گئی ہے۔تو جواب ملا تمھیں نہیں معلوم لکھنؤ سے مولوی کلب حسین آرہے ہیں۔بیدار ہونے کے بعد صبح سویرے لکھنؤ

ٹیلیفون کیا تو تصدیق ہوگئی کہ گزشتہ شب کو کلب حسین صاحب کا انتقال ہوگیا۔

۱۲۔ سید العلماء علامہ سید علی نقی النقوی صاحب قبلہ طاب ثراہ کے انتقال پر ایسی آندھی آئی جیسے آگ کی چنگاریوں کا ایک طوفان امڈا چلا آرہا ہو۔

۱۳۔ غفرانمآبؒ کی ولادت کے وقت ایک نور ساطع ہونے اور اس سے پورا گھر روشن اور منور ہوجانے کا واقعہ لکھا جاچکا ہے۔

۱۴۔ کم عمری میں درخت کے نیچے سروشِ غیب کو سن لینا بھی لکھا جاچکا ہے۔

یہ چند واقعات حضرت غفرانمآبؒ اور ان کی اولاد و احفاد کے کرامات اور روحانی مرتبہ کی بین دلیلیں ہیں۔ اور بھی واقعات ہیں، خصوصاً بعدِ رحلت کے واقعات ہیں جن کی طرف سید العلماءؒ نے اپنی مندرجہ بالا تحریر میں اشارہ کیا ہے۔

حضرت غفرانمآبؒ اور ذوقِ شعر و سخن:

میں نے اپنے تحقیقی مقالے "خانوادۂ اجتہاد کے مرثیہ گو" میں لکھا تھا کہ حضرت غفرانمآبؒ اور ان کے فرزندانِ ارجمند کا دین کی تبلیغ و ترویج نیز تصنیف و تالیف، درس و تدریس، مخالفین شیعیت کے خلاف قلمی جہاد اور مواعظ و عبادات میں انہماک وغیرہ کے باعث شاعری کی طرف متوجہ ہونا بظاہر ممکن نہ ہوا ہوگا۔ مگر جہاں تک ذوقِ سخن کا تعلق ہے وہ ان سب حضرات میں بدرجۂ اتم موجود تھا حتیٰ کہ غفرانمآبؒ تاریخ گوئی کے فن پر بھی عبور رکھتے تھے۔ چنانچہ لکھنؤ میں انہوں نے پہلی امام بارگاہ ۱۲۱۰ھ میں تعمیر کروائی، ۱۲۲۷ھ میں وہ ایک شاندار پختہ عمارت کی شکل میں مرکزِ نظر بنی۔ پھر ۱۲۳۳ھ میں اس میں طلاب کے لئے پختہ کمرے بنوائے گئے۔ یوں اس کی تکمیل

(۱۰۰) نجوم تواریخ۔ ص۔ ۲۲

(۱۰۰۔الف) ماہنامہ شعاع عمل۔ دسمبر ۲۰۰۲ء

ہوئی تو آپ نے اس کی ایک نہایت برجستہ اور برمحل سالم الاعداد تاریخ خود نظم فرمائی۔ مصرع تاریخ یہ ہے:-

"مزارو مدرسہ ہم جائے ماتم سبطین"

۱۲۳۴ھ

خوش قسمتی سے مولائے کائنات حضرت علی ابنِ طالبؑ کی مدح میں جناب غفراں مآبؒ کا ایک فارسی قصیدہ دستیاب ہو گیا ہے۔ (۱۰۰۔ الف)

یہ قصیدہ حضرت اسیف جائسی کی تلاش کا ثمرہ ہے جس کے لئے وہ قابلِ مبارکباد ہیں۔

اگرچہ یہ ایک نہایت پختہ کار فارسی شاعر کا کلام معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقتاً یہ اُن کا پہلا قصیدہ ہے جیسا کے قصیدے کے اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے۔

در مکتبِ مداحیِ تو تازہ نشستم

ایک پئے مدح تو گرفتیم قلم را

اس حقیقت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اہلِ نظر اس کے مطالعہ سے انشاءاللہ ان کے جمالِ سخن اور کمالِ سخنوری کی بے ساختہ داد دیں گے۔

قصیدے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے لفظ "سید" بطور تخلص اختیار کیا تھا۔ چنانچہ قصیدے کے آخری دو اشعار سے پہلے کے شعر میں فرماتے ہیں۔

سید تو مندیش وشو مضطرب الحال

داری بسرت سایہ فگن فخر امم را

اب قصیدہ ملاحظہ فرمائیے:۔

قصیدہ

مولانا و مقتدانا السید ولدار علی نقوی سید مرحوم و مبرور

عہدیست زمن خامۂ مشکینہ رقم را ‌ ‌ مداحی سلطانِ عرب شاہ عجم را
شد چاک گریباں زستائش گریٔ خلق ‌ ‌ از دستِ جفا کار سخن تیشہ قلم را
سیمرغ بود دانش من نے مگسِ خواں ‌ ‌ ماوائے خورش ساختہ کاں کوہِ ہمم را
ابکار مضامیں کہ بود زادۂ فکرم ‌ ‌ جائز نہ بود خطبہ اش ارباب نعم را
گر مسند قاقم بود و مجلس دو ناں ‌ ‌ عیب است بہ نزد خرد ارباب ہمم را
آں کس کہ بود بادہ کش از ساغر کوثر ‌ ‌ بر خاک مذلت زند او ساغر جم را
کلک قلمم گر نہ شود باد سیہ رو ‌ ‌ فرسودہ رو مدح شہنشاہ امم را
با دوستیت عشق بتاں کفر شمارم ‌ ‌ در کعبۂ دل جا نہ دہم سنگ صنم را
صوت حسن مدح تو کردند حلالم ‌ ‌ نے ایں کہ سرایم پئے اغیار نغم را
ایں تازہ سوادیکہ زرشح قلمم ہست ‌ ‌ مخصوصِ مدیح تو بود نے کئے و جم را
گیرائے مقیم کہ بجز مدح نباشد ‌ ‌ از باد معانی بہ بردو ہشت ارم را
زنہار دریں راہ ز افراط و ز تفریط ‌ ‌ جائے گزرت نیست مگر تیغ دو دم را
در مدح قصورے شود اے شاہ بہ بخشا ‌ ‌ گر عقل نداند چو من از مدح تو ذم را
در مکتب مداحی تو تازہ نشستم ‌ ‌ ایک پئے مدح تو گرفتیم قلم را
در مبداء و مشتق نبود ہیچ تفاوت ‌ ‌ ذات تو کریم آمدہ ہم عین کرم را
آزردہ و رنجیدہ شد از عالم امکاں ‌ ‌ چوں ذات شریفت نہ شرف داد قدم را

بر فرق حدوث ار نہ شدے ظل وجودت — پاداش نمی کرد بجز کتم عدم را
محسوب شود معجزہ کاں لاتناہی است — منطق کند از ناطقہ ات جذر اصم را
شد چوں توشدی مجمع اطلاق دو امکاں — من وجہ و اطلاق سہ تا خاص و اعم را
اے آمر و ناہی تو بہ معروف ز منکر — از ناطقہ ات زیب بود لا و نعم را
باشند ز ہم از نظر قہر تو اجسام — مخصوص بہ اعداد کند خوف تو کم را
دستم کہ سیہ می شود از سودن درہم — از حسرت دست تو بود روئے درم را
گر حامی بزغالہ شوی از سر انصاف — باشد کہ علف بار کند شیر اجم را
چوں بہر وجود تو بیار است مضیفے — تقدیر ز افلاک بپا کرد خیم را
خاک از رخ تو ختم رسل پاک نماید — وز لطف گزارد بسر دوش قدم را
سیرابی ابر از یم احسان تو باشد — پیش کف جود تو تنک حوصلہ یم را
نقد دل و جاں دادہ بہ سودائے شفاعت — بنیم جناب تو وما بیع سلم را
سرمایہ دل را بتو دادیم تو دانی — با ما نہ بود کار چہ بسیار چہ کم را
حب تو بود شہد، نفاق تو بود سم — گو خصم نداند نہ عسل را و نہ سم را
با گلبن روئے تو بود خار گلستاں — بے مہری تو خار کند باغ ارم را
واللہ بغیر از تو نہ دائم سروکارم — صد بار بریں میخورم اصناف قسم را
گردید دوتا پشت من از منت و مناں — گو لطف تو کاں راست کند قامت خم را
فریاد ازیں ساقی مے خانۂ دنیا — ہر صبح و مسا میدہدم ساغر غم را
این بیوہ دنیا نہ بود قابل دیدن — وزدیدہ کند غمزۂ او خار ستم را
در کوئے تو آسائم اگر قائد توفیق — از دوش دلم برفگند یاد الم را

یادم نہ ہوائے نجف و ساحت وادی | کو عطر نسیمش کہ رسد قوت شم را
فخرم بود از دودۂ خود در صف محشر | فردا کہ فراموش کند داد و دہم را
نوراست علی النـــــور حقیقی واضافی | نازیم بوصف خود و وصف اب و عم را
تا ذات شریف تو رسد گر بہ شمارم | زیں سلسلۂ جدیم ارباب کرم را
مدح تو مرا در سخن آورد بہ پیری | اعجاز تو از لال برد عیب بکم را
عمرم سپری گشت بشد فرصتم از دشت | ریزم ہمہ در دامن خود اشک ندم را
در چشم زدن باختہ ام نقد جوانی | در دست نہ دارم بجز افسوس ہرم را
شاہا ز شفاعت چو شود روز قیامت | محروم نہ سازی من مسکین وژم را
فردا چو سر نیزہ شود نیر اعظم | از فوق سرم کم نہ کنی ظل علم را
مارا ز دل خویش فراموش نہ سازی | روزے کہ فراموش نمایند اب و عم را
سیدؔ تو میندیش و مشو مضطرب الحال | داری بسرت سایہ فگن فخر امم را
یا رب بہ دلم بست تمنا ز سر لطف | مقبول بہ تعجیل کنی ملتمسم را
در بیت شرف آید و چوں صبح کشاید | خورشید امامت ز سر عزم امم را

(۱۰۱)

حضرت غفرانمآبؒ کو مختلف علمی وادبی شخصیات کا خراجِ تحسین:

حضرت غفرانمآبؒ کی عظیم شخصیت اور ان کی بے مثال علمی اور دینی خدمات کو متعدد اہم

---

(۱۰۱) منقول از "شعاعِ عمل" ۔ خاندانِ اجتہاد نمبر۔ شمارہ دسمبر ۲۰۰۴ء۔ صفحہ ۲۹ تا ۳۱

شخصیات نے زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔ ان کی شخصیت کے حوالے سے بھی اور ان کی تصانیف کے حوالے سے بھی۔ چند بیانات درج ذیل ہیں:۔

۱۔ شمس الادباء مولانا سید محمد باقر صاحب شمس لکھنوی نے لکھا ہے:۔

"قدرت نے ان کو حساس دل، دقیق نظر، انقلابی ذہن، آہنی عزم اور پُر تاثیر زبان عطا کی تھی۔ وہ بچپنے سے بردبار، سنجیدہ اور غور و فکر کے عادی تھے اور شیعیت کی زبوں حالی پر غور کرتے رہتے تھے۔

حقیقت میں خدا کو ان سے جو کام لینا تھا اس کا تقاضہ یہی تھا کہ ان کا علم، ان کا عزم، ان کی ہمت اور ان کی سیرت ائمہ اہلبیتؑ کا پرتو ہو۔ یہی اوصاف ان کے علمی کارناموں کی جان ہیں۔ اگر ان کا علم، ان کی بلند نظر، ان کی تعمق فکر فوق البشر نہ ہوتی تو ہندوستان کی شیعیت کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔ ان کی بلند نظر ہر خامی کو دیکھتی تھی خواہ وہ کہیں ہو۔ (۱۰۲)

۲۔ شیخ الفقہاء شیخ محمد حسن نجفی صاحب جواہر الکلام کے جو الفاظ علامہ مفتی محمد عباس شوستریؒ نے اپنی کتاب "ظل ممدود" میں درج کیے ہیں، ذیل میں ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو:۔

("حضرت غفرانمآبؒ) زندہ کرنے والے مذہبی رسوم کے، آباد کرنے والے اس کی منزلوں کے، وہ ماہتاب جس کا طلوع گمراہوں کی ہدایت، وہ شہسوار جن کے ہاتھ میں اسلام کا رایت، جن کی نگہداری میں اسلام کے ستون سربلند ہوئے۔" (۱۰۳)

---

(۱۰۲) ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ ص۔۱۶، (۱۰۳) مفتی میر محمد عباس۔ "ظل ممدود" رہندوستان میں شیعیت کی تاریخ۔ ص۔۱۶، (۱۰۴) ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ۔ ص۔۹۔

۳۔علامہ شیخ احمد یمنی شیروانی کا یہ ارشاد "حیات فردوس مکاں" میں درج ہے:۔

"آپ (حضرت غفرانمآبؒ) کی مہارت علم اصول میں جعفری، آپ کا احاطہ فروع میں یوسفی، آپ کی درایت فہم حدیث میں باقری، آپ کی تحریر و تقریر حقائق کی پردہ در اور دقیق نکتوں کو واضح کرنے والی ہے۔کون آپ کی ہمسری کرسکتا ہے۔اگر علامہ حلی ہوتے تو آپ کی اقتدا کرتے، اگر مجلسیؒ اور مفیدؒ آپ کے مفید مجالسِ درس میں حاضر ہوتے تو "بحارالانوار" کو آپ کے دریائے علم کے پہلو میں حقیر سمجھتے۔اللہ اکبر، کس قدر علوم و فنون میں آپ کا حصہ بلند اور مقام رفیع ہے۔" (۱۰۴)

۴۔مولانا اعجاز حسین صاحب برادر مولانا حامد حسین صاحب کنتوری "شذور العقیان فی تراجم الاعیان" میں اپنے والدِ گرامی کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"انہوں نے تلمذ حاصل کیا خدا کی اس نشانی سے جو تمام عالموں کا رب ہے۔وہ ایسے بزرگ ہیں جنہوں نے مملکتِ ہندوستان میں دین کو زندہ کیا اور بدعت و جاہلیت کے آثار کو محو (باطل) کیا، یعنی مولانا سید دلدار علی نصیر آبادیؒ"۔(۱۰۵)

۵۔علامہ مفتی محمد عباس شوستری اعلیٰ اللہ مقامہ "اوراق الذہب" میں تحریر فرماتے ہیں (ترجمہ):۔

"(غفرانمآبؒ) سریر ہدایت و امامت پر جلوہ افروز ہوئے۔جدارِ شریعت قریب تھا کہ گر جائے، اس کو قائم کردیا۔انہیں سے دین کی روشنی ان بلاد کے اطراف میں پھیلی اور شریعت ان اماکن میں شائع ہوئی اور وہ منتشر و مشہور ہوگئی، بعد اس کے کہ ضائع

---

(۱۰۵) حیات فردوس مکاں

ہوگئی تھی بلکہ سنائی بھی نہ دیتی تھی۔ اور آج ان جناب کی حمایت سے وہ مضبوط قلعوں کی مثل بلکہ ایک قوی بازو شخص کی طرح بلکہ اس زراعت کی سی ہوگئی ہے کہ جو اُگی اور اپنی اصل پر قائم ہوکے اتنی بہار کے اوپر ہے کہ زارعین کو تعجب میں ڈال دیتی ہے۔ اہلِ ہند نے ان کی عبادات کی اقتدا کی اور یہی عادت ہے خدا کی اول دہر سے، جیسا کہ خود فرمایا ہے کہ ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس کی قوم کی زبان میں۔ (اسی طرح اہلِ ہند کی طرف خدا نے انہی میں سے ایک رہبر بھیجا)۔ ان جناب کے دم سے ''عماد الاسلام'' قائم ہوا اور انہوں نے ''ذوالفقار'' ''صوارم'' ''حسام'' (جناب غفرانمآب کے مصنفات کے نام ہیں) سروں پر مخالفین کے کھینچی اور اگر یہ ذات نہ ہوتی تو شرائع کی شاخیں سرسبز و شاداب نہ ہوتیں۔''

٦۔ شیخ محمد حسن نجفی ''صاحب ''جواہر الکلام'' مزید تحریر فرماتے ہیں:۔

''مرآۃ العقول'' الملقب بہ ''عماد الاسلام'' جس کے مصنف ہیں اسلام کے رکن اعظم اور خلقِ خدا کی حجت، جنہوں نے عقل کو اپنی موشگافیوں سے حیران کردیا اور عقلی شبہوں کو اپنی فکر و نظر کے ستاروں سے روشن کردیا۔ جن کے انواع علوم کی حدیں معین کرنے سے اجناس و فصول قاصر ہیں اور جنہوں نے تحریر کی مشکل شکلوں کو اپنے بیان کے منطق کے ذریعے سے واضح کیا۔ تمام خلق خدا کے مرکز اور انواع عقولِ عشرہ کے مدِ مقابل گیارھویں عقل''۔ (ظلِ ممدود)

صاحبانِ علم جانتے ہیں کہ فلاسفۂ یونان کے مطابق اللہ کی مخلوق بلاواسطہ ''عقل اول'' ہے۔ عقلِ

---

(١٠٦) ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ۔ ص۔ ٩

اول نے "عقلِ ثانی" کو پیدا کیا اور عقلِ ثانی نے "عقلِ ثالث" کو۔ یونہی دس عقل (عقول) تک سلسلہ چلتا رہا اور نو (۹) فلک پیدا ہوئے۔ پھر انہی عقل وافلاک کی شرکت سے تمام کائنات وجود میں آئی۔

۷۔ شیخ محمد حسن نجفی علیہ الرحمۃ نے حضرت غفرانمآبؒ کو یوں بھی خراجِ تحسین پیش کیا:۔

"بلند مرتبہ علامہ خدا کی بولتی ہوئی کتاب جن کی ذات پر اجتہاد ختم ہوگیا۔ خدا کی سب سے بڑی آیت اولین وآخرین کے اندر۔" (۱۰۶)

۸۔ شیخ الفقہاء شیخ محمد حسن نجفی علیہ الرحمۃ ایک جگہ یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"(غفرانمآبؒ) ایسے علامہ جن کا نظیر نہیں۔ معقول ومنقول فروع واصول جن کی ذات میں جمع ہیں۔ فقہاء ومجتہدین کے فخر، اسلام کے مددگار، عراق وایران وہندوستان کے مومنین کے آقائے اعظم۔" (ظلِ ممدود)۔

۹۔ علامہ کنتوریؒ لکھتے ہیں:۔

"بلاتشبیہ ہمارے اس ہادیِ دیں (غفرانمآبؒ) نے ہندوستان میں وہی کام کیا جو مدینہ میں ان کے جدِ نامدار نے۔۔۔ اس خاندانِ ہدایت کے دشمن بدخواہ ہمیشہ روسیاہ رہیں گے۔۔۔۔۔ تمہارے گھروں میں جو چبوترے بھنگ نوشی کے تھے، ان پر سجادے بچھوادیئے۔ تمہاری نذر ونیاز میں جو شیخ سدّو کا بکرا، شیخ فرید کی شیرینی، بابا شکر گنج کا کونڈا، شاہ مدار کی کندوری سید سالار کی بیرق جاری تھی، اب عملِ گوسفند اور

(۱۰۷) ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ۔ ص۔ ۱۶۔

(۱۰۸) ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ۔ ص۔ ۱۷۔

جناب حضرت عباس علیہ السلام کی حاضری اور علم و تعزیہ بنام شہدائے کربلا جاری کردیئے۔"(۱۰۷)

۱۰ مولانا اعجاز حسین برادر مولانا حامد حسین کنتوریؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

"انہوں (غفرانمآبؒ) نے ہندوستان کے شہروں میں دین کو زندہ کیا اور بدعت و جاہلیت کے آثار کو باطل کردیا"۔(۱۰۸)

۱۱۔ حضرت غفرانمآبؒ نے صوفیت، اخباریت اور اہلسنت کے محاذوں کے خلاف جو علمی اور قلمی جہاد کیا، تصانیف میں جو اپنا خونِ جگر صرف کیا اور قوم کی اصلاح، دینی تربیت اور فقہی تعلیم نیز عزائے حسین کی ترویج اور ملک کے مختلف علاقوں سے آنے والے تشنہ کامانِ علم کو اپنے بحرِ علم سے شب و روز سیراب کرنے میں جو مساعیِ جمیلہ کیں ان کے حوالے سے سید العلماءؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ان تمام خدمات میں سے ہر ایک میں جتنا کام غفرانمآبؒ نے بذاتِ خود کیا ہے وہ کسی ایک شخص کی پوری زندگی کا کارنامہ بن سکتا تھا چہ جائیکہ ان تمام خدمات کو مجموعی حیثیت سے بوقت واحد انجام دیا۔ یہ بغیر مخصوص تائید و توفیقِ الٰہی کے خیال میں نہیں آسکتا۔ مستقل علمی خدمات اور مختلف فنون میں تصانیف، یہاں تک کہ فلسفہ میں شرح ہدایۃ الحکمۃ، ملا صدرا کا حاشیہ اور منطق میں حمد اللہ کا حاشیہ۔ یہ پوری زندگی کے کارنامے وہ ہیں جن کا مثل و نظیر غفرانمآبؒ کے بعد آپ کے اخلاف و تلامذہ اور بعد کے طبقات میں بھی نہیں ملتا۔

مذکورہ تمام امور کے علاوہ پھر طلاب کی تدریس و تربیت جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں جہاں کہیں بھی علم ہے اس کی انتہا غفرانمآبؒ طاب ثراہ تک ضرور ہوتی ہے۔(۱۰۹)

وہ درس اور وہ تصانیف ، وہ فروغ عزا رسومِ بد کی وہ اصلاح ، فقہ کا اجراء

---

(۱۰۹) "جناب غفرانمآبؒ۔ ص۔۹

(۱۱۰) ساحر لکھنوی۔ مرثیہ "علم اور علماء"۔

وہ صوفیت کا کہ اخباریت کا ہو فتنہ ہر اِک محاذ پہ باطل سے وہ جہاد ان کا
یہ اتنے کام اور اِک ذات، اس کو کیا کہیئے
بس ایک جذبہ و ہمت کا معجزا کہیئے

۱۲۔لسان الہند مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی نے ایک مضمون میں حضرت غفرانمآبؒ کو یوں خراج تحسین پیش کیا:۔

''(جناب غفرانمآبؒ) کرۂ اسلام پر جس کا مقدس نام آفتاب کی طرح اپنی روشنی ڈال رہا ہے، شیعی دنیا اس بات پر متفق ہے کہ بارھویں صدی (ہجری) میں ہندوستان کی سرزمین پر یہ پہلا شخص ہے جس نے دین کی بنیادوں کو مستحکم کیا۔ لکھنؤ کی ابتدائی حالت لوگوں کی نگاہ میں ہے۔ آصف الدولہ کا دور، شراب و بھنگ کا عروج اور ضروریاتِ دین کی بے خبری جاننے والے جانتے ہیں۔۔۔اس قلعۂ بدعت کو نیست و نابود کرنے کا سہرا غفرانمآبؒ کے سر ہے۔ آصف الدولہ کی روح میں الٰہیات کا جلوہ پیدا کرنے والا یہی شخص ہے۔'' برابر مواعظ میں نواہی کی مذمت اور اوامر پر زور دیا۔ معاملاتِ شرعی میں کبھی جلالتِ شاہی سے متاثر نہیں ہوئے۔ مجالسِ وعظ میں خود نواب صاحب ممدوح بھی شریک ہوتے تھے۔ ہمارا بھولا نواب جہاں سخاوت و عدالت میں یکتائے روزگار ہوا وہاں اور عقائد میں بھی اسی بزرگ کی بدولت شہرۂ آفاق ہوا۔''(۱۱۱)

۱۳۔مولانا محمد حسین صاحب اپنی موقر کتاب ''تاریخ العلماء'' میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''آپ (غفرانمآبؒ) کا فضل و کمال، علوئے مرتبت و اجلال بیان سے باہر ہے۔ فقط

(۱۱۱) مضامین عزیز۔ ڈاکٹر مسعود حسن رضوی ردولوی۔ ص۔ ۳۰۷

یہی کافی ہے کہ ہندوستان میں دینِ اسلام آپ ہی کے وجود سے پایا جاتا ہے۔۔۔اہلِ علم پر کیا، جہلاء پر بھی آپ کا احسان ہے۔ جیسے حضرت علیؑ کی تلوار آبدار نے سرکشانِ عرب کو زیر کر دیا اور (۱) لات، (۲) عزیٰ اور (۳) منات تینوں کو طاقہائے حرم سے منہ کے بھل گرا دیا ایسے ہی ہندوستان میں اگرچہ برائے نام تشیع تھا مگر کہیں نشہ، بھنگ نوشی، کہیں احمد کبیر کی گائے کہیں۔۔۔۔یہاں بھی دلدارِ علی کے سیفِ قلم نے ہندوستان کو جو کفرستان تھا، دارالایمان بنا دیا۔ یہ آپ کے خلوص کا اثر ہے جو جا بجا اس زمانہ پر آشوب میں پھر کر، دشمنوں میں رہ کر عرب و عجم کا سفر دور دراز کر کے علومِ دینیہ حاصل کر کے تحتِ قبہ ابی عبداللہ الحسینؑ جو دعا مانگی تھی کہ میری اولاد میں تا قیامت علمِ دین باقی رہے سو بحمداللہ اب تک ہے اور انشاءاللہ باقی رہے گا اور آپ کا خاندان، خاندانِ اجتہاد کے نام سے قائم ہو گیا۔" (۱۱۲)

۱۴۔ مولانا شیخ محمد مصطفیٰ صاحب طاب ثراہ ایک مضمون "غفرانمآبؒ ایک فلسفی کی نظر میں" تحریر فرماتے ہیں:۔

(غفرانمآبؒ) کے فضائل و کمالات تو وہ آفتاب نصف النہار سے بھی زیادہ روشن ہیں اور اس کے محتاج نہیں کہ قلم فرسائی سے عالم آشکار کئے جائیں۔ تاہم میں اس مقام پر اسبق الحکماء والفحول جناب سید مرتضیٰ الفلسفی النونہروی طاب ثراہ صاحب "معراج العقول" شرح دعائے مشلول کی نقل کر کے ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ جناب غفرانمآبؒ کی ثناء کس کس کے قلم سے نکلی ہے۔ فلسفی طاب ثراہ جن لفظوں سے جناب

---

(۱۱۲) مولانا محمد حسین "تاریخ العلماء"۔ ص۔ ۱۴۷

غفرانمآبؒ کو یاد فرماتے ہیں وہ آنجناب کے فضل و کمال، مرتبہ علیا اور درجہ قصوئی پر اکبر شاہد ہیں۔ اس کے بعد جناب مولانا طاب ثراہ جناب سید مرتضیٰ نونہروی طاب ثراہ کی عربی عبارات لکھ کر ان کا ترجمہ تحریر فرماتے ہیں۔ ہم صرف ترجمہ کے متعلقہ جملے درج ذیل کررہے ہیں، ملاحظہ ہوں:۔

''میں نے فاضل بارع و علام قدوۂ اکابر اعلام، صاحب ''عماد الاسلام'' کے (مذہب حکماء پر) اعتراضات کی رد کرنے اور مذہب حکماء کے مضبوط کرنے سے یہ ارادہ نہیں کیا ہے کہ ان میں ان کی شانِ جلیل کے نامناسب کوئی عیب نکالوں یا ان کی بلند و برتر شان کو گھٹاؤں، بلکہ ان کے علوم حکمیہ اور فنون فلسفہ میں یدِ طولیٰ اور مرتبۂ علیا کا معترف ہوں جیسا کہ موصوف کے حاشیہ بر کتاب ''صدرا'' سے بدر کامل کے مدارِ عروج پر آفتاب کے قلب فلک میں روشن ہونے سے بھی زیادہ درخشاں و آشکار ہے۔ بلکہ میں نے اپنے زمانہ تحصیل علم میں استاد علامہ (مولوی عبدالحیٔ فرنگی محلی) سے سنا تھا کہ وہ جب اس حاشیہ کو ملاحظہ فرماتے تو جناب غفرانمآبؒ کو ملاحسن ایسے فاضل زبردست اور ان کے ہم پلہ لوگوں پر فضیلت دیتے تھے۔''

آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

''حاصلِ کلام یہ ہے کہ میرے متعلق یہ گمان نہ کیا جائے کہ میں جناب مجتہد افضل و اکمل عالم و اعلم کے فضل کا منکر ہوں بلکہ ان باتوں میں سے جن میں شک کرنا حلال نہیں سمجھتا یہ بات بھی ہے کہ وہ جناب شاہِ مناظرین و سردار متکلمین تھے اور اس حیثیت سے کہ آنجناب اکثر علوم میں مثل منطق و فلسفہ اور فقہ، اصول کے جامع تھے اور ان تمام فنون میں صاحب تصانیف تھے اور نیز اپنے معاصرین کے ساتھ قوتِ مناظرہ میں جو آپ کا بلند مرتبہ تصانیف کلامیہ سے ظاہر ہے یہ بزرگ عالم بھر میں فرد واحد تھے

(۱۱۳) مولانا محمد مصطفیٰ صاحب طاب ثراہ۔ شعاع عمل۔ نومبر ۲۰۱۰ء

اور متاخرین میں ایسے افراد کم ہیں جو ان مجموعہ کمالات میں آنجناب کے سہیم وشریک ہوں۔" (۱۱۳)

۱۵۔ اپنی معروف کتاب "انتصار الاسلام" میں علامہ کنتوریؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہندوستان کے ایک ہزار عالم غفرانمآبؒ کے وجود کا اثر ہیں۔ ہائے جناب غفرانمآبؒ مولوی سید دلدار علی مرحوم لکھنوی۔ انصاف کا خون نہ کرو۔ سچی نظیر کو سنو۔ آج سے ڈیڑھ سو (۱۵۰) برس پہلے جو شیعوں کی مذہبی حالت تھی اُس ایک فرد واحد نے کیسا بدلا کہ جس کو کایا پلٹ کہنا بجا ہے۔ کیا ایک نواب حسن رضا خاں مرحوم جو نائب ریاست لکھنؤ تھے جن کی سچی ہمدردی سے جناب غفرانمآبؒ عراق کو تشریف لے گئے اور وہاں سے سچی تعلیم پا کر ہمارے دین کا چراغ تمام انڈیا کے گھر گھر میں روشن کر دیا ایسی روشنی جس کو آج ایک مہینہ کم سو (۱۰۰) برس گزرے روز وفات سے مرحوم غفرانمآبؒ کے مگر آج بھی ہمارے ملک میں ایک ہزار سے زیادہ علماء دین موجود ہیں (کثرہم اللہ)۔ یہ انہیں کی ذات کا فیض ہے۔" (۱۱۴)

۱۶۔ اسی کتاب میں علامہ غلام حسین کنتوریؒ اپنی اور اپنے خاندان کی دینی خدمات پر فخر ومباہات کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اشاعتِ دین اور تائید اسلام کنتور سے جس قدر ہوئے، اس کو کون نہیں جانتا۔۔۔ یہ سب کچھ ہے مگر ہم کو غفرانمآبؒ کے احسانات کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے جن کی بدولت ہم اس قابل ہوئے۔ "وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم۔ (۱۱۵)

اسی کتاب "انتصار الاسلام" میں علامہ کنتوری یہ بھی فرماتے ہیں:۔

"خدا کے فضل سے آج بھی اس خاندان (خاندانِ اجتہاد) میں جید علماء ایسے ہیں جو

---

(۱۱۳) علامہ کنتوریؒ "انتصار الاسلام" ۔ص۔۳۱۔

(۱۱۵) علامہ کنتوریؒ ۔ "انتصار الاسلام"۔ص۔۳۰، (۱۱۴) "انتصار الاسلام"۔ص۔ ۱۳۷سطر نمبر ۱۶ لغایۃ ۱۸۔

پوری ہدایت کر سکتے ہیں۔ رہی مرجعیت یہ فعل بہ اختیار مومنین ہے۔ خدا نے کسی کو مجبور نہیں کیا ہے کہ ضرور اسی خانوادہ سے فیضیاب ہو۔ ہاں محسن کشی ضرور ہے کہ باوجود ان کے قابلِ ہدایت ہونے کے اس گھر کو بے چراغ کر رکھا ہے۔(۱۱۶)

۱۷۔ مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل اعلی اللہ مقامہ تحریر فرماتے ہیں:۔

''برِ صغیر کے مجدّد زعیم اور حکومتِ اودھ میں دینی نظام کے داعی جناب غفرانمآبؒ سید دلدار علی ہمارے علماء میں سب سے بلند مرتبہ کے مالک ہیں'' (مطلع انوار۔ص۔۲۲۰)

۱۸۔ مشہور تاریخ داں ڈاکٹر اطہر عباس رضوی لکھتے ہیں:۔

''مولانا دلدار علی ایک نہایت متدین، متقی و پرہیزگار اور خدا ترس انسان تھے جنہوں نے اپنی ساری زندگی تعلیم دینے اور عالمانہ کتابیں لکھنے میں گزاری۔ ان کے فتوے شیعہ بے چوں و چرا تسلیم کرتے تھے۔ وہ بہت پیچیدہ معاملات واختلافات میں ایک نہایت کامیاب ثالث ثابت ہوئے تھے۔ شیعہ اور سنیوں کے مدتوں سے اختلافی معاملات ان کے فیصلوں سے طے پا گئے تھے۔ اگرچہ ان کا کوئی سرکاری منصب نہیں تھا مگر وہ ہر طبقہ میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کے مواعظ نے شیعی تقاریر کا معیار بلند کر دیا تھا اور انہوں نے مواعظ کا جو اعلیٰ اور مثالی نمونہ پیش کیا تھا اسے بیرونِ لکھنؤ شیعوں نے بھی اختیار کر لیا تھا۔ (ڈاکٹر رضوی۔ج۔۲۔ص۔۱۳۹)

منظوم خراج تحسین

اب ہم حضرت غفرانمآبؒ کو شعرائے کرام کے منظوم خراج ہائے تحسین کے کچھ اقتباسات پیش کرتے ہیں، ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ اپنے وقت میں قصر رثاء کے چار ستونوں میں سے ایک الحاج مرزا جعفر علی فصیح (صاحب مثنوی ''نان ونمک'') کا منظوم خراج تحسین:۔

اقتباس۔۔۔(۱۱۷)

---

(۱۱۷) شعاع عمل خاندان اجتہاد نمبر فروری ۲۰۰۲ء۔ص۔۴۔

ماضی قریب کے معروف مرثیہ گو شاعر حضرت نسیم امروہوی مرحوم "خاندانِ اجتہاد" کے عنوان سے ایک مسدس کے ایک بند میں حضرت غفرانمآبؒ کو یوں خراج تحسین پیش کرتے ہیں:۔

اسی قبیل سے غفرانمآبؒ خلد مقام　　اودھ کے چاند، مگر چاندنی تھی ہند میں عام
وہ ہو نمازِ جمعہ یا کہ فقہ کا ہو نظام　　انہیں کے دور سے جاری ہے تا ظہورِ امامؑ
کلام میں وہ کتاب "عمادؔ" لکھدی ہے
خود اپنی اک سندِ اجتہاد لکھدی ہے　اقتباس(۱۱۸)

اسی طرح "لکھنؤ سے خطاب" کے عنوان سے ایک مسدس میں لکھتے ہیں:۔

تو علم و اجتہاد کا ہے مہدِ اوّلیں　　ہندوستاں میں تیرا مقابل کوئی نہیں
دنیائے بے خبر کو دیا تو نے درسِ دیں　　ہم پایۂ عراق و عجم تیری سرزمیں
بخشا یہ اوج ہادیِ راہِ صواب نے
جنت بنا دیا تجھے غفرانمآبؒ نے　اقتباس(۱۱۹)

۳۔ علامہ شاہ حسین میرزا صفوی طوسیؒ فرماتے ہیں:

میر دلدار علی صفوۃِ اطیابِ کرام　　رکنِ ایماں بخدا بود "عمادُ الاسلام"
عالمِ با عمل و مجتہدِ قدس نژاد　　ہادیِ مذہبِ حق نائبِ معصومؑ و امامؑ
مجتہد پیش از و کس نشدہ بود بہ ہند　　جمعہ و وعظ و جماعات بہ او یافت قوام
لکھنؤ مثل صفاہاں ز فیوضش گردید
نہجِ اثناء عشری یافتہ زو رونقِ تام　اقتباس(۱۲۰)

(۱۱۸) شعاعِ عمل۔ خاندانِ اجتہاد نمبر فروری ۲۰۰۴ء ص۔ ۹۵، (۱۱۹) جناب نسیم امروہوی۔ "شعاعِ عمل"۔ اشاعت فروری ۲۰۰۴ء ص۔ ۹۷، (۱۲۰) "شعاعِ عمل"۔ اکتوبر ۲۰۰۹ء

۴۔ معروف قصیدہ نگار مرزا کاظم حسین محشر لکھنوی مرحوم کی ایک نظم کے چند شعر۔۔

مذہب شیعہ کے اوّل رہنما غفرانمآبؒ
جن کی ہستی لکھنؤ میں خضرِ دنیائے ثواب (صواب)

ملکِ ہندوستاں کو مہرِ علم سے روشن کیا
ذرّہ ذرّہ کو جوابِ وادیِ ایمن کیا

سینکڑوں لا مذہبوں کو لائے ایماں کی طرف
دشمنوں کو بھی بنایا پیروِ شاہِ نجف

ان کی تصنیفات کا ایسا ذخیرہ لاجواب
جن کا اِک اِک نکتہ ہے حامیِ دینِ بوترابؑ

دیکھئے تو ان کے شاگردوں کی فہرستِ طویل
منتہی ہوتی ہے جو انسان سے تا جبرئیل

اے تعالٰی اللہ بیاں کیونکر ہو شانِ اجتہاد
کلکِ قدرت نے کیا ہے جس پہ اِک فتوے پہ صاد

اقتباس (۱۲۱)

۵۔ مولوی علی یاور صاحب صدر اجتہادی مرحوم فرماتے ہیں:۔

حاکمِ ملکِ شریعت حضرت غفرانمآبؒ
جن کے بحرِ علم سے ہے آج دنیا فیض یاب

تاجدارِ کشورِ دیں، گوہرِ بحرِ علوم
جن کی خاکِ پا کے ذرّے ضوفشاں مثلِ نجوم

خسروِ ملکِ معانی، حاملِ شرعِ متیں
متقی و زاہد و صائب، رئیس العابدیں

آپ ہی تھے ہند میں روحِ روانِ اجتہاد
کر دیا روشن چراغِ خاندانِ اجتہاد

اقتباس (۱۲۲)

۶۔ مولانا سید محمد جعفر قدسی جائسی فرماتے ہیں:۔

بزم آرائے جہاں تو صرف انہتر سال تھا
پھر بھی محکم کر گیا دینِ پیمبرؐ کی بنا

تیرے علم عقلی و نقلی کا اندازہ ہو کیا
قریہ قریہ شہر شہر اس دھن میں سرگرداں رہا

کربلا و کاظمین و سامرہ، طوس و نجف
مدرسہ تیرا ہے ان میں سے ہر اک بیت شرف

---

(۱۲۱) شعاعِ عمل۔ خاندانِ اجتہاد نمبر۔ دسمبر ۲۰۰۹ء۔ ص۔ ۴۳

(۱۲۲) شعاعِ عمل۔ خاندانِ اجتہاد نمبر۔ فروری ۲۰۰۹ء۔ ص۔ ۳۵

وہ علی الاعلان دورا دور صہبائے حجاز شیعیانِ ہند کی پہلی جماعت کی نماز
جس سے عہدِ آصف الدولہ کو ہے خاص امتیاز کارنامہ تیری رندیت کا ہے اے پاکباز

بارہ سو ہجری، رجب کی تیرھویں، جمعہ کا دن
تیری وہ سرمستیاں، تیرا وہ جوش انگیز سن اقتباس(۱۴۳)

۷۔ یہ حقیر فقیر عرض کرتا ہے:

تھے اپنی قوم میں رائج طرح طرح کے رسوم تھی شیخ سدو و احمد کبیر کی اِک دھوم
نمازِ جمعہ سے بیگانہ، فقہ سے محروم نہ رازدانِ شریعت نہ آشنائے علوم

تھے غرق کچھ تو ادھر صوفیت کے ساغر میں
پھنسے تھے کچھ اُدھر اخباریت کے چکّر میں

یکایک آگیا قدرت کو رحم ملّت پہ کرن اُمید کی تاریکیوں میں آئی نظر
اس آفتاب کو لے کر ہوئی طلوعِ سحر ہے جس کی روشنی برصغیر میں گھر گھر

جسے سب اہلِ نظر آفتاب کہتے ہیں
اُس آفتاب کو غفرانمآبؒ کہتے ہیں

یہ آفتاب جو اِک شمع ساں ہوا روشن یہ ایک پھول جو مہکا مثالِ مشکِ ختن
حصولِ علم کی دل کو لگی ہوئی تھی لگن گیا نجف کو جو یہ پھول، یہ چراغِ وطن

ہوائے باغِ "سلونی" ملی، گلاب ہوا
نجف کی خاک سے چمکا تو آفتاب ہوا

---

(۱۴۳) "شعاعِ عمل"۔ اشاعت فروری ۲۰۰۳ء ص۔۳۶

فقیہ و مجتہد و عالم و مجدّدِ دیں — وہ رہروِ رہِ حق رہنمائے راہِ یقیں
وہ اِک فقیر کہ زیرِ قدم تھے تاج و نگیں — وہ ایک شخص کہ جس کا کوئی جواب نہیں
وہ ایک پھول کہ اس جیسا کوئی باغ نہ تھا
وہ ایک چاند کہ جس میں کہیں بھی داغ نہ تھا
دیارِ ہند میں وہ مجتہد ہُوا پہلا — کہ اس سے پہلے کوئی اور مجتہد نہ ہُوا
بڑا شرف ہے یہ اس کے لئے قسم بخدا — کسی کو جو نہ ملے گا کسی کو جو نہ ملا
زمین کا یہ شرف ہے نہ آسمان کا ہے
کہ "اجتہاد" تو جُزو اس کے خاندان کا ہے
نصیرآباد سے جب یہ نصیرِ دیں اُٹھا — حصولِ علم کو پہنچا دیارِ کرب و بلا
وہاں سے چل کے درِ شہرِ علم تک پہنچا — پھر اس کے بعد تھا یہ اور درِ امامِ رضاؑ
وہاں سے علم کا اِک سیلِ رنگ و بُو لایا
یہ آفتاب جو پلٹا تو لکھنؤ آیا
انہیں کے دم سے تو آئی وہ لکھنؤ میں بہار — ہے جس سے چہرۂ ملت پر آج تک یہ نکھار
ہوئی اس ابرِ کرم سے وہ علم کی بوچھار — کہ فیضیاب ہوا جس سے ہر جوار و دیار
یہاں یہ مُشک جو مہکا تو بُو ختن پہنچی
کِھلا یہ پھول تو خوشبو چمن چمن پہنچی
وہ ان کا سلسلۂ درسِ علمِ آلِ نبیؑ — علومِ دیں کی کوئی راہ جس میں بند نہ تھی
زبانِ حال سے شاگرد کہہ رہے تھے سبھی — کہ مدرسہ نہ تھی اِک جامعہ تھی ذات ان کی
علوم موجزن اتنے کچھ ان کے اندر تھے
وہ جیسے علم کا دریا نہ تھے سمندر تھے

تھے اُن کے سینکڑوں شاگرد جیسے یادعلی خلیل و کاظم و عبدالعلی دیو کھٹوی
علی شریف و علی نقی قزوینی جواد و زین و محمد قلی کنتوری
وہ سینکڑوں ہیں کہاں تک گناؤں نام اُن کے
ہیں ثبت مصحفِ علم و عمل میں کام ان کے
تھے ان کے جتنے بھی شاگرد باکمال ہوئے جو کچھ تھے ماہرِ علم کلام مثل ان کے
تو کچھ ریاضی و ہیئت میں منفرد نکلے کوئی مناظرہ کے فن میں بڑھ گیا سب سے
کسی نے مسندِ علمِ حدیث پائی تھی
کسی کی عالمِ تفسیر میں خدائی تھی
علاوہ تربیت و درس علمی و دینی بڑی عظیم کتب ہیں لکھی ہوئی اُن کی
عماد ہے کہ مرآۃ عقول کا کوئی عجب کتاب یہ علمِ کلام میں لکھدی
جہانِ علم میں بے مثل و لاجواب ہے یہ
بڑی عظیم بڑی بے بہا کتاب ہے یہ
تمام عالمِ اسلام میں کوئی بھی کتاب کلام میں ہو جو بے مثل و نادر و نایاب
نہیں ضخامت و عظمت میں کوئی اس کا جواب وہ مسجدیں تو یہ کعبہ، وہ صحن یہ محراب
جو ان کے علم پہ لازم دلیلِ شافی ہے
کلینیؒ آپ کہیں یہ کتاب ''کافی'' ہے
علاوہ اس کے لکھی ہیں کتب عظیم کئی انہیں میں ایک ''اساس الاصول'' بھی ٹھہری
بہ ردِّ صوفیہ ان کی ''شہاب ثاقب'' تھی پھر ایک ردِّ نصاریٰ میں بھی کتاب لکھی
وہ ''ذوالفقار'' جو ''تحفہ'' کے سر پہ آئی تھی
''حسام'' اور ''صوارم'' بھی ساتھ لائی تھی

بہت سی اور کتابیں ہیں نادر و نایاب — نہیں ہے علم کی دنیا میں جن کا کوئی جواب
علاوہ اس کے کئے ہیں وہ کارہائے صواب — کوئی ثواب کا جن کے نہیں ہے حد و حساب

انہیں میں دین کی تبلیغ عام شامل ہے
نمازِ جمعہ کا ان میں قیام شامل ہے

تھی ہند میں نہ جماعت نہ جمعہ ہی کی نماز — نہ کوئی صف تھی نہ محمود تھا نہ کوئی ایاز
اُٹھا جو اِن کی بنا ڈالنے یہ بندہ نواز — صفیں درست ہوئیں سُن کے آپ کی آواز

نمازِ جمعہ کا غل تا بہ شش جہات ہوا
بلند نعرۂ قد قامتِ الصلوٰۃ ہوا

یہ اِک جماعت و جمعہ کا بن گیا جو نظام — رہے گا تا بہ قیامت وہ کر گئے ہیں یہ کام
نمازیں جتنی بھی ہوں گی یہ تا ظہورِ امامؑ — جبیں پہ ان کی چمکتا رہے گا آپ کا نام

خدا سے اجر بھی یہ بے حساب پائیں گے
یہ ان کا تا بہ قیامت ثواب پائیں گے

اسی طرح سے یہ مظلوم کی عزاداری — انہیں کے دم سے جہاں ہر طرف ہوئی جاری
عزاء تھی قوم کے حق میں جو وجہِ بیداری — جلائی آتشِ غم کی دلوں میں چنگاری

قلم علم کیا پیغامِ کربلا کے لئے
امام باڑے بنائے صفِ عزا کے لئے

بہت اہم ہے یہ کام ان میں آپ نے جو کئے — نظامِ فقہ کی ترویج کو جناب اُٹھے
جنہیں تھا شوق انہیں تعلیم و تربیت دے کے — مبلغین کُل اطراف ہند میں بھیجے

کوئی شمال و جنوب اور کوئی دکن کو گیا
یہاں جو پھول کھلا دوسرے چمن کو گیا — اقتباس (۱۴۴)

---

(۱۴۴) اقتباس مرثیہ "علم اور علماء" از ساحر لکھنوی

حضرت غفرانمآبؒ کی اولاد معنوی (تصانیف)

حضرت غفرانمآبؒ نے متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں جو اپنے موضوعات کے اعتبار سے نہایت اہم ہیں۔ بقول حضرت سید العلماء علامہ سید علی نقی النقوی طاب ثراہ اگر جناب غفرانمآبؒ کے تصانیف پر نظر ڈالی جائے تو وہ اتنی مقدار میں ہیں جس سے خیال ہوسکتا ہے کہ ان کا مشغلہ سوا تصنیف کے اور کچھ تھا ہی نہیں۔

ان تصانیف کی تعداد کم از کم تیس ہے۔ بعض کتابیں ایسی بھی ہیں جن کی کئی کئی جلدیں ہیں۔ اس طرح تعداد اور بڑھ جاتی ہے۔ پھر یہ کہ یہ کتابیں دقیق علمی مباحث پر مشتمل ہیں۔ اتنی بڑی تعداد میں کتابیں تصنیف فرمانے کے بعد بھی ایک موقع پر آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"اس میں شبہ نہیں کہ میں بہ نسبت علمائے سابقین اور بزرگانِ دین کے قلیل التصانیف ہوں اور اس قصور کے بہت سے وجوہ اور اعذار ہیں کہ ہم اگر اس کے بیان کا قصد کریں تو کلام دائرہ اختصار سے نکل جائے اور طویل ہوجائے۔"

جناب غفرانمآبؒ کا یہ ارشاد ان کی بلند ہمتی کی دلیل ہے۔ قاعدہ ہے کہ صاحب ہمت افراد چاہے جتنا بڑا کام کریں اسے اپنی بلند ہمتی کے آگے کم ہی سمجھتے ہیں۔

سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ نے آپ کے تصانیف کی تعداد کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ تیس سے کم نہیں مگر عماد العلماء علامہ سید محمد رضی صاحب قبلہ طاب ثراہ کے مطابق آپ کی تصنیفات کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے اور ہر علم و فن میں آپ نے کچھ نہ کچھ لکھا ہے اور جو کچھ لکھا ہے وہ حرفِ آخر ہے۔ بظاہر حضرت سید العلماء کا قول زیادہ صحیح ہے اس لئے کہ جن تصانیف کے نام صفحہ تاریخ پر ثبت ہیں ان کی تعداد پچیس تیس سے زیادہ نہیں ہے۔

ہو سکتا ہے کہ چند اور کتابوں کے نام تاریخ میں درج ہونے سے رہ گئے ہوں۔ پھر یہ کہ خود حضرت غفران مآبؒ نے بھی مندرجہ بالا تحریر کے مطابق خود کو قلیل التصانیف کہا ہے۔

اب اُن کے تصانیف کی فہرست پر ایک نظر:۔

(الف)۔ مولانا سید ہدایت حسین صاحب اعلی اللہ مقامہٗ نے ''نجوم تواریخ'' میں مندرجہ ذیل کتابوں کے نام لکھے ہیں:۔

۱۔ اساس الاصول

۲۔ شہاب ثاقب

۳۔ عماد الاسلام (پانچ جلدیں)

۴۔ شرح حدیقۃ المتقین۔ فارسی (تین جلدیں)

۵۔ شرح حدیقۃ المتقین۔ عربی

۶۔ مواعظِ حسینیہ

۷۔ صوارم الالٰہیات

۸۔ حسام الاسلام و سہام الملام

۹۔ احیاء السنۃ بطعن الاسنۃ

۱۰۔ ذوالفقار

۱۱۔ رسالہ غیبت

۱۲۔ رسالہ جمعہ

۱۳۔ حاشیہ صدرا۔ (حاشیہ شرح ہدایۃ الحکمۃ ملا صدرا)

۱۴۔ اثارۃ الاحزان علی قتیل العطشان (عربی)

۱۵۔ اجازۂ سلطان العلماءؒ

۱۶۔ فوائد مبسوطہ (اصول فقہ میں)

۱۷۔ مسکن القلوب عند فقد المحبوب

مزید تحریر فرماتے ہیں کہ بعض کتب اپنے تلامذہ کے نام سے تحریر فرمائیں۔

نیز اکثر مباحث قوانین پر ابحاث شریعہ تحریر فرمائیں مگر اثنائے تحریر میں خفقانیت و حرارت مزاج بشدت لاحق ہوئی اس وجہ سے ان کی تکمیل نہ ہو سکی اور اسی باعث سے پھر کسی کتاب کی تصنیف کی نوبت نہ آئی۔ (۱۲۵)

(ب)۔ زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ نے مندرجہ بالا کتب کے علاوہ مندرجہ ذیل مزید کتب کے نام لکھے ہیں۔

۱۸۔ تتمۂ صوارم

۱۹۔ بحث مشاۃ بالتکریر

۲۰۔ منتہی الافکار

۲۱۔ مطارق

۲۲۔ حواشی حمد اللہ

۲۳۔ رسالہ در جواب سوالات محمد سمیع صوفی

۲۴۔ رسالۂ ارضین (رسالہ فی احکام الارضین)

۲۵۔ رسالۂ ذبیحہ

---

(۱۲۵) نجم العلماء مولانا سید ہدایت حسین صاحب طاب ثراہ "شجرۂ طیبہ در نجوم تواریخ" ص۔ ۳۳

۲۶۔ رسالہ دررِدِّ نصاریٰ

۲۷۔ رسالہ ادعیۂ کفن

۲۸۔ اسولہ واجوبہ (فارسی) صوفی حضرات کے سوالات پر غفرانمآبؒ کے بسیط جوابات (۱۲۶)

(ج)۔ سید العلماء علامہ سید علی نقی النقوی طاب ثراہ کی فہرست میں مندرجہ ذیل مزید کتابوں کے نام شامل ہیں۔

شرح حدیقۃ المتقین (فارسی)۔ یہ دو الگ الگ کتابیں ہیں۔ ایک شرح بابِ صوم ہے اور دوسری شرح بابِ زکوٰۃ ہے۔ اس کا ذکر نجوم تواریخ کی فہرست میں آچکا ہے۔

۲۹۔ نجات السائلین

۳۰۔ اربعۃ عشر احادیث

مندرجہ بالا فہرست ۳۰ کتابوں پر مشتمل ہے۔ صاحب ''نجومِ تواریخ'' کے مطابق ان کے علاوہ کچھ کتابیں نامکمل رہ گئیں اور کچھ شاگردوں کے نام سے لکھیں۔ چنانچہ کتاب ''آئینہ حق نما'' ردِ کتاب ''جہاں نما'' بھی آپ ہی کے مصنفات سے ہے۔ (۱۲۷)

اب ان تصنیفات پر ایک ذرا تفصیلی نظر ڈالتے ہیں تاکہ ان کے موضوعات وغیرہ پر روشنی پڑ سکے۔

۱۔ <u>عماد الاسلام:</u>

اس کتاب کا اصلی نام ''مرآۃ العقول'' ہے۔ علمِ کلام میں یہ کتاب پانچ جلدوں اور تقریباً سوا دو ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ علمِ کلام میں اتنی ضخیم و بسیط کوئی کتاب اسلام کے کسی

---

(۱۲۶) زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب طاب ثراہ ''سوانح حیات حضرت غفرانمآبؒ۔ ص۔ ۳۹ تا ۵۱

(۱۲۷) نجم العلماء، ''شجرۂ طیبہ''۔ حاشیہ ص۔ ۳۳

فرقے میں نہیں لکھی گئی۔ حضرت غفرانمآب کی یہ اہم ترین اور انتہائی قابلِ فخر تصنیف ہے۔ اس کے نام "مراۃ العقول" کی وجہ تسمیہ آپ نے خود لکھی ہے کہ درحقیقت یہ کتاب آئینۂ جلوہ نما ہے اختلاف مذاہب کا اور جس طرح انسان آئینہ کو اپنے سامنے رکھ کے اپنے خط وخال اور حسن وخوبی یا بدصورتی کو مشاہدہ کرسکتا ہے اور اپنے عیب وسقم پر نظر کرسکتا ہے اور اپنی صورت کو آراستہ کرسکتا ہے، اگر سر کے بال پریشان ہیں تو ان کو درست کرتا ہے، زینت کرتا ہے اسی طرح اس کتاب کو دیکھ کے ایک شخص اپنے مذہب کے تمام عیوب ونقائص کو دور کرسکتا ہے۔ اور اپنے دین کو ہر طرح مکمل اور آراستہ کرسکتا ہے، اپنے بکھرے ہوئے شیرازۂ مذہب کو جمع کرسکتا ہے۔ لہذا "مراۃ العقول" نام رکھا اور چونکہ اس نے اسلام کی ہلتی ہوئی بنیادوں کو مضبوط کردیا اس وجہ سے "عماد الاسلام" لقب ہوا۔

یہ ایسی عظیم تصنیف ہے جس کو مشاہیر علماء نے زبردست خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ چنانچہ علامہ عبدالحسین صاحب قبلہ، استاذ فلسفہ (جامعہ سلطانیہ) لکھنؤ اس کتاب کو اس طرح خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں:۔

"یہ ایک ایسی جامع اور حاوی کتاب ہے جس کی نظیر مذہب امامیہ کے کتب خانہ بلکہ اسلامی کتب خانہ میں ناپید ہے۔ اس کی تعریف کے لئے میدانِ قلم کوتاہ اور جولانی دماغ ناکافی ہے۔ اس میں ایسے مطالب عالیہ بیان کئے گئے ہیں جن کا سمجھنا خالی از اشکال نہیں چہ جائیکہ ان کی توضیح وتقریر کرنا۔ مرحوم اعلی اللہ درجتہ نے یہ کتاب نہیں لکھی بلکہ درس گاہ تخلیق اور بزم مقدس منعقد کی ہے جس میں تمام علماء، حکماء اور متکلمینِ اسلام کو مدعو کرلیا ہے، اس میں اگر ایک طرف افلاطون مع اپنی تحقیقات کے، ارسطو مع اپنی

آراء کے جلوہ افروز ہیں تو دوسری طرف ابونصر فارابی، شیخ الرئیس بوعلی سینا مع شفاء و اشارات کے زیب دہ انجمن ہیں۔ ایک طرف اگر بہمن یار مع تجدید کے، میر باقر داماد مع اپنی تصنیفات کے زینت افزائے بزم ہیں تو دوسری طرف علامہ حلیؒ مع "نہایت المرام" کے، قوشجی مع "شرح تجرید" کے، شیخ مفیدؒ معہ مقالات کے، سید مرتضیٰ علیہ الرحمۃ مع شافی کے، سید علی ابنِ طاؤس مع "طرائف" کے رونق افزاء محفل ہیں۔ وسط میں شاعرہ (اشاعرہ) اور معتزلہ کا گروہ مع اپنے تلامذہ اور اتباع کے جس میں حافظ نظام ابوالہذیل علاف بلخی وغیرہ وغیرہ موجود ہیں۔ ایک گوشہ میں ملاّ صدرالدین شیرازی معہ اسفار" اور شارح مواقف مع اپنی تصنیفات کے تشریف فرما ہیں۔ دوسرے گوشہ میں شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستریؒ اور علامہ فضل بن روز بہان مع "احقاق الحق" اور "ابطال الباطل" کے حاضر ہیں۔

صدر نشین بزم قدس جناب غفرانمآب علیہ الرحمۃ ہیں۔ آپ کے ہاتھوں میں عنانِ کمیت قلم ہے اور وہ اس کو میدانِ تحقیق میں جولاں کر رہے ہیں۔ آپ کی تحقیق اتنی کامل، آپکی نظر اتنی وسیع ہے کہ آپ کے فیصلے کو تمام علماء مانے ہوئے ہیں۔ آپ پر مجال نہیں کہ کوئی اعتراض کر سکے اور آپ کی تحقیق کو رد کر سکے" (۱۲۸)

اس عظیم المرتبت کتاب کے بارے میں سید العلماء علامہ سید علی نقی النقوی طاب ثراہ نے تفصیل سے اظہار خیال فرمایا ہے اور اس کی نوعیت واہمیت واضح کی ہے۔ ان کی تحریر سے ایک اقتباس درج ذیل ہے۔

"یہ کتاب سرتاج تصانیف کہے جانے کے قابل ہے۔ اہلِ علم و فضل کا اتفاق ہے کہ

---

(۱۲۸) رسالہ "مبلغ" غفرانمآب نمبر۔

اس مطلب پر دسویں صدی ہجری کے بعد سے بلکہ اس کے قبل سے ایسی کتاب علم کلام میں تصنیف نہیں ہوئی۔ شبہات مخالفین کا قلع قمع کر دیا اور فلاسفہ اور ان کے مضبوط ادلہ کو توڑ کر تارِ عنکبوت سے زیادہ موہوم ثابت کر دیا۔ "نہایت العقول" امامِ اشاعرہ فخر الدین رازی کی رد میں تصنیف فرمائی لیکن صرف فخر رازی کی رد نہیں کی ہے بلکہ جتنے ہم خیال ان کے ہوں، سب کے اقوال کی کافی رد فرمائی ہے۔ فخر الدین رازی نے "نہایت العقول" میں اپنی کتاب پر ناز کیا ہے اور کہا ہے کہ "میری کتاب" "نہایت العقول" تمام ان کتابوں سے جو علم کلام میں لکھی گئی ہیں کئی وجہ سے ممتاز ہے۔ پہلے یہ کہ میں نے سوال و جواب میں جو حق تنقیح تھا اس کو ادا کر دیا ہے اور دیگر مذاہب کی جانب سے شبہات اس طرح وارد کیے ہیں کہ ہر مذہب والے کو میری کتاب ان کتابوں سے زیادہ فائدہ رساں ثابت ہوگی کہ جو خود اس کے اہلِ مذہب نے لکھی ہیں، اس لئے کہ ہر مذہب کے استدلال کو میں نے قوت کے ساتھ وارد کیا ہے حتیٰ کہ اگر میں نے کسی مذہب کے ادلہ کو اتنا کمزور پایا کہ جو قابلِ التفات بھی نہیں تو اپنی فکر سے ادلہ کا استنباط کر کے اس کو تحریر کیا ہے کہ اس سے زیادہ اس مذہب کی نصرت میں کہا نہیں جا سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ ہم نے تمام مذاہب کی رد کر دی اور ہر ایک کی دلیل کو ضعیف ثابت کر دیا سوائے اس مذہب کے جس کو اہلسنت والجماعت نے اختیار کیا ہے اور ہم ادلہ و براہین سے یہ ثابت کر دیتے ہیں کہ یہی مذہب قابلِ اتباع ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ ادلہ میں نے اس کتاب میں لکھے ہیں کہ جو دل میں بیٹھ جاتے

ہیں اور جن سے علم ویقین حاصل ہو جاتا ہے، نہ صرف الزامات کہ جس کا نتیجہ سوائے دشمن کے ساکت کردینے کے کچھ نہیں ہوتا۔ تیسرے یہ کہ اس کتاب کی ترتیب اتنی متقن اور عمدہ ہے کہ کسی جگہ حشو واطناب اور بے فائدہ کلام نہیں آنے دیا ہے۔ اس کتاب کی قدر اس وقت ہوسکتی ہے جب کوئی شخص تمام علمائے موافق ومخالف کا کلام دیکھے ہوئے ہو۔ اس وقت اس کے مطالب اس کے ذہن میں آئیں گے۔"

یہ ملخصِ کلامِ فخر رازی تھا۔ جناب غفرانمآبؒ نے اس کلام کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ "فخر رازی نے جو کچھ کہا ہے اس لئے کہ ہم کو تمام کتب کلام میں خواہ وہ عامہ کے ہوں یا خاصہ کے، اس کتاب کا مثل نہیں ملا۔ اسی وجہ سے ہم نے تمام کتب کلام میں سے اسی کو رد کیلئے منتخب کیا اور میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ اسی طرح میری کتاب "عماد الاسلام" بھی بے نظیر ہے بلکہ اس میں ان خوبیوں کے علاوہ جن کا ذکر فخر رازی نے کیا ہے کچھ اور خوبیاں بھی ہیں کیونکہ جن مقامات پر فخر رازی نے خلاف مسلکِ اہلبیتؑ راستہ اختیار کیا ہے، میں نے پوری عبارت اس کی من وعن نقل کردی ہے اور پھر ہر فقرے کا جواب دیا ہے۔ واضح کردیا ہے کہ جو کچھ اس نے کہا ہے سب تعصب وعناد پر مبنی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں نے اس عقلیہ کے بعد شاہد میں ادلہ نقلیہ بھی پیش کئے ہیں اور نہایۃ العقول اکثر مقامات پر اس سے خالی ہے۔ تیسرے یہ کہ جن جن مقامات پر منتہی الکلام میں بعض مسائل عدالت وامامت میں فروگزاشت تھی اور مذکور نہ تھے وہاں میں نے اور کتب اہلسنت سے ادلہ نقل کر کے اس کی کافی رد کی ہے اور اس کی قدر اس کو ہوسکتی ہے جو علم کلام میں پوری مہارت رکھتا ہو"

حضرت سید العلماء فرماتے ہیں:۔

''گرچہ اصلی مطمحِ نظر جناب غفرانمآبؒ طاب ثراہ کا اس کتاب میں ''نہایت العقول'' علامہ فخر الدین رازی کی رد ہے مگر درحقیقت یہ کتاب وہ شمشیر صاعقہ بار ہے کہ جو تمام مخالفین کیلئے یکساں شکست دینے والی ہے۔ اکثر مقامات پر فلاسفہ نے جو مسائل اصولِ دین میں لغزشیں کی ہیں ان کا کافی جواب دیا ہے اور متکلمین کے مسلک کو بدلائل قاطعہ ثابت کیا ہے۔ اسی سے متاثر ہو کے عمدۃ الحکماء سید مرتضیٰ نونہروی فلسفی نے فلاسفہ کی حمایت میں کچھ عرصہ ہوا ایک کتاب ''معراج العقول'' کے نام سے لکھی جس میں اکثر مقامات پر علامۃ المتکلمین صاحب ''عماد الاسلام'' کے کلام کی جانب ناظر ہیں اور جن جن مقامات پر اُن جناب نے فلاسفہ کے قول کا بطلان ثابت کیا ہے اس کو بزعم خود رد کیا ہے لیکن اہلِ عقل سمجھ سکتے ہیں۔ ابن الثریا من الثریٰ وابن الذہب من الرغام۔ جناب والدِ علام ممتاز العلماءؒ نے اس کتاب پر قلم کو حرکت دی تھی اور ایک معتدبہ مقدار اس کی ہو گئی تھی۔ جس کے دیکھنے کے بعد انصاف پسند ناظر کی نگاہ میں وہ شبہات تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ بے وقعت ثابت ہوتے۔ مگر افسوس ہے کہ زمانہ کسی مقصد کو پورا ہونے نہیں دیتا۔

یہ کتاب اتنی مشہور و معروف اور معزز تھی کہ مشاہیر علمائے عراق اور اساطین کملائے عتبات عالیات تک اس کا آوازۂ افادات پہنچا ہوا تھا اور وہ اس کتاب کے علاوہ دیگر تصانیف جناب غفراں مآبؒ طاب ثراہ کے کمال مشتاق اور آرزومند مطالعہ تھے۔'' (۱۲۹)

---

(۱۲۹) سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ۔ شعاعِ عمل۔ دسمبر ۲۰۰۴ء ص۔ ۱۹ تا ۲۲

یہ کتاب (عماد الاسلام) پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد توحید پر، دوسری عدل، تیسری نبوت، چوتھی امامت اور پانچویں معاد پر ہے۔ پہلی جلد ۱۳۱۹ھ اور دوسری اور تیسری جلد ۱۳۲۰ھ میں قدوۃ العلماء مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ طاب ثراہ کی کوششوں سے شائع ہوئی تھی مگر چوتھی اور پانچویں جلدیں ابھی تک شائع نہیں ہوسکیں۔

یہ کتاب گزشتہ زمانے میں فقہی طلباء کے نصاب میں داخل تھی۔ جناب ممتاز العلماء جنت مآب اس کے پڑھانے میں شہرت رکھتے تھے۔ اب اس کی جلد اول (توحید) لکھنؤ یونیورسٹی کے درجۂ فاضل معقولات کے نصاب میں شامل ہے اور جلد نمبر۔۲ اور نمبر۔۳ (عدل و نبوت) مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کے نصاب تعلیم میں داخل ہے۔

۲۔ شہاب ثاقب

جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے حضرت غفرانمآبؒ کے زمانے میں صوفیت کا بہت زور تھا۔ خود شیعہ بھی صوفیت کے مزخرفات میں مبتلا تھے۔ آپ نے صوفیت کا زور توڑنے اور صحیح اسلامی تعلیمات سے شیعہ عوام کو روشناس کرنے کے لئے یہ کتاب تحریر فرمائی۔ خصوصیت کے ساتھ اس میں ان صوفیہ کی رد کی جو وحدت الوجود کے قائل تھے اور ان کی تکفیر کی جیسے محدث اکبر علامہ مُلّا محمد باقر مجلسیؒ نے بھی صوفیاء کی تکفیر کی ہے۔ اور ان کا اصلی چہرہ پوری طرح بے نقاب کردیا جس کے نتیجہ میں صوفیت کا نہ صرف زور ٹوٹا بلکہ ہندوستان کے بیشتر علاقوں سے اسے بالکل خارج کردیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ شیعوں میں پیری مریدی اور صوفیت کے سارے رسوم ختم ہوگئے۔

صوفیت کے مختصر سے تعارف میں ایک یہ واقعہ ملاحظہ کے قابل ہے جو "میبذی فواتح" میں سید شریف سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک متکلم اور ایک صوفی میں مناظرہ ہوا۔ متکلم نے کہا کہ میں

اس خدا سے بیزار ہوں جو سگ وخوک کے اندر ظاہر ہو۔ یہ سن کے صوفی نے کہا کہ میں اس خدا سے بیزار ہوں جو سگ وخوک میں ظاہر نہ ہو۔ یقیناً اہلِ عقل سمجھ سکتے ہیں کہ یہ اقوال توحید شکن اور کافر ساز ہیں اور کوئی تاویل ان کی ایسی جو نظرِ عقل میں باوقار ہو سکے، نہیں ہے۔ اسی طرح وہ مرنے کے بعد دوبارہ پیدا ہونے پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ اس طرح کے ان کے اور عقائد بھی مثنوی مولانا روم اور فرید الدین عطار وغیرہ کے کلام میں ملتے ہیں۔

صوفیہ کی رد میں حضرت غفرانمآبؒ کی "شہاب ثاقب" بھی ایک بے مثل ونظیر کتاب ہے۔

۳۔ منتہی الافکار:

علم اصول میں یہ ایک زبردست اور اعلیٰ ترین کتاب ہے۔ تحقیق وتدقیق کا شاہکار ہے۔ حضرت غفرانمآبؒ نے جناب محقق ابوالقاسم قمیؒ کی کتاب قوانین پر جو اصول فقہ کے اعلیٰ ذخیرۂ معلومات پر مشتمل ہے، جب تنقیدی نظر ڈالی تو بہت سے مقامات پر اس سے اختلاف نظر آیا۔ اس لئے آپ نے یہ کتاب "منتہی الافکار" لکھنے کا فیصلہ کیا۔ مگر تصنیف کے دوران آپ علیل ہو گئے جس کی وجہ سے کتاب مکمل نہ ہو سکی۔ ایک حصہ تحقیقِ حکم اور اقسامِ احکام میں اور ایک حصہ مبادی لغویہ میں تمام وکمال ہو سکا۔ یہ کتاب ۱۳۲۰ھ میں انجمنِ یادگار علماء کی طرف سے شائع ہو چکی ہے۔

۴۔ مسکن القلوب عند فقد المحبوب:

حضرت غفرانمآبؒ کے چوتھے فرزند جناب سید مہدی صاحب طاب ثراہ نے ۱۲۳۱ھ

میں انتقال کیا۔ آپ کم عمری ہی میں درجۂ اجتہاد پر فائز ہو گئے تھے۔ جوانی میں پدر بزرگوار کی زندگی میں رحلت فرمائی۔ غفراں مآبؒ کو اس سانحہ کا اتنا شدید غم ہوا کہ راتوں کی نیند اور دن کا چین اُڑ گیا اور زندگی مکروہ معلوم ہونے لگی۔ اسی زمانے میں آپ نے شہیدِ ثانی کے رسالے "مسکن الفواد عند فقد الاحبۃ والاولاد" کا مطالعہ کیا تو اس میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ بعض مقامات پر شہیدِ ثانیؒ نے مسالکِ مذہب صواب کے نامناسب اور بعض علمائے مخالفین کے موافق مطالب تحریر کیے ہیں۔ لہٰذا اپنے دل کی تسکین کے لئے اور ہر مصیبت زدہ کی تسلی کے لئے یہ کتاب تحریر فرمائی اور ان مقامات پر بھی تنبیہ فرمائی جہاں شہیدِ ثانیؒ نے دلیل کے تقاضوں کے خلاف کچھ تحریر فرمادیا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ اس کتاب کی اشاعت اب تک نہ ہو سکی۔

۵۔ رسالہ فی احکام الارضین:

اس مسئلہ میں جو شبہات متقدمین اور متاخرین میں ہوئے ہیں انہیں دلائل و براہین کے ساتھ حل فرمایا ہے اور فاضل خراسانی نیز محدث شیخ یوسف بحرینی کی تحریروں سے بہت زیادہ اختلاف کیا ہے۔

۶۔ رسالہ فی ردِّ نصاریٰ:

جناب غفراں مآبؒ کے عہد میں نصرانیوں کا زور بڑھ گیا تھا۔ انجیل اور توریت کے مختلف تراجم اور نصاریٰ کے حق میں دیگر کتب شائع ہونے لگی تھیں۔ اس لئے پہلے تو آپ نے "عماد الاسلام" باب نبوت میں موجودہ حالات کے پیشِ نظر کچھ اضافہ فرمایا۔ اس کے بعد یہ مستقل رسالہ لکھنا شروع کیا مگر مکمل نہ ہو سکا۔

۷۔ شرح باب صوم "حدیقۃ المتقین":

حضرت علامہ محمد تقی مجلسیؒ کی مشہور و معروف کتاب "حدیقۃ المتقین" کی یہ فارسی شرح ہے جس میں مسائل فقہ کو اجتہادی انداز میں لکھا ہے اور اختلافی مسائل کو اقوالِ علماء اور بیانِ حق کے ساتھ بہ ادلّہ و براہین تفصیل سے تحریر فرمایا ہے۔ یہ کتاب بھی غیر مطبوعہ ہے۔

۸۔ شرح باب زکواۃ "حدیقۃ المتقین:

جس طرح "حدیقۃ المتقین" کے باب صوم کی شرح لکھی تھی اسی طرح اسی کتاب کے باب زکواۃ کی شرح بھی تحریر فرمائی۔ یہ بھی مثل کتاب سابق کے ایک مستقل کتاب ہے۔ یہ کتاب بھی اب تک شائع نہ ہو سکی۔ اس کتاب کے متعلق حضرت غفرانمآبؒ نے خود تحریر فرمایا ہے:۔

"یہ میری پہلی تصنیف ہے جو مشہور ہوئی ورنہ اس کے قبل جو کچھ رسالہ یا حواشی لکھے وہ گمنامی کی حالت میں اور گوشۂ خفاء کے اندر رہے۔"

۹۔ شرح باب طہارت "حدیقۃ المتقین

آپ نے مذکورہ بالا دونوں کتابوں کی طرح "حدیقۃ المتقین" کے باب طہارت کی شرح بھی لکھی۔ یہ تینوں کتابیں فارسی میں لکھیں مگر "شرح باب طہارت" عربی میں بھی لکھنا شروع کی تھی اس انداز سے کہ متن کا ترجمہ عربی میں کر کے اس کی شرح کی تھی مگر یہ بھی مکمل نہ ہو سکی۔

شاہ عبدالعزیز دہلوی کی "تحفۂ اثنا عشریہ" کے جواب میں جو کتابیں آپ نے تحریر فرمائیں تھیں ان میں سے ایک ہے:۔

۱۰۔ ذوالفقار

سید العلماء طاب ثراہ فرماتے ہیں کہ یہ کتاب واقعی نصرت اسلام میں ذوالفقار کہنے کے قابل ہے اور اس نے دینِ مصطفوی وملت جعفری کے مخالف کو وہ سخت شکست دی ہے جس کے بعد انہیں کبھی مقابلہ کی ہوس نہیں ہو سکتی۔

یہ کتاب ''تحفۂ اثنا عشریہ کے بارھویں باب کی رد میں لکھی گئی جس میں شاہ عبدالعزیز نے تولّا اور تبرّا پر اپنے نقطۂ نظر کا اظہار کیا تھا اور ان کی ملت کے لوگ اس کتاب ''تحفۂ اثنا عشریہ'' کو مایۂ ناز سمجھتے تھے اور لاجواب خیال کرتے تھے۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے سب سے پہلے جناب غفرانمآبؒ نے اس کے ابواب کی رد لکھنی شروع کی اور اولاً اس بارھویں باب کی رد اس طرح لکھی کہ مخالفوں کو جائے کلام باقی نہ رہ سکے۔ اس زمانے میں کسی کتاب کی اشاعت کے لئے طباعت کا طریقہ رائج نہ تھا لہذا بعض اہلِ ایمان نے اس کتاب کے چند نسخے کتابت کر کے مختلف اطراف ہندوستان میں پہنچادے تاکہ ''تحفۂ اثنا عشریہ'' کی پھیلائی ہوئی غلط فہمی کو دور کیا جا سکے اور جو شبہات دلوں میں بیٹھ گئے ہوں وہ بھی زائل کئے جاسکیں۔ یہ ذکر آچکا ہے کہ خود حضرت غفرانمآبؒ نے ایک نسخہ اس کا لکھوا کر ''عماد الاسلام'' کی کتاب ''عدالت'' کے ساتھ شاہ عبدالعزیز کو بھیج دیا۔ چونکہ یہ کتاب یعنی ''ذوالفقار'' اتنی محکم تھی کہ مخالفین کے لئے اس کا جواب ممکن نہ تھا لہذا مخالفین میں سے ایک شخص نے جس کا نام سید العلماء طاب ثراہ نے قصبۂ ہنسوہ کا جاگیردار شیخ فتح الدین لکھا ہے، اس کتاب کا ایک نسخہ مکروفریب سے حاصل کیا اور جب اس کی رد کی کوئی گنجائش نظر نہ آئی تو جعلسازی کر کے جابجا اس کی عبارت میں تحریف کی کہیں پر کچھ بے محل الفاظ بڑھادے اور کہیں ضروری عبارت کو حذف کر دیا۔ اس طرح اس کو درہم برہم کر کے اس

تحریف شدہ کتاب کے چند نسخے لکھوائے اور اطراف و جوانب میں پھیلا دیے تا کہ دیکھنے والا اس کے دلائل کو کمزور اور عبارتوں کو غیر مربوط سمجھے اور اس طرح جواب لکھنے کی گنجائش بھی نکل آئے۔ مگر حق مٹانے سے مٹ نہیں سکتا اور فریب اور جعل سازی کا بھید کھل کے رہتا ہے۔ چنانچہ کتاب میں اس تحریف اور ردّو بدل کی خبر بجلی کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی اور یوں فتح الدین کے ارادوں کو شکستِ فاش ہوئی۔

۱۲۱۸ھ میں یہ کتاب عالم جلیل سید شریف حسین خان طاب ثراہ کی کوشش سے مطبع مجمع البحرین، لدھیانہ میں طبع ہوئی تھی۔

اس کتاب کے آغاز میں حضرت غفرانمآبؒ نے قابلِ صد احترام اور مقدس شیعہ علماء آقائی مطہر حلیؒ اور شہر آشوب مازندرانی وغیرہ کے بارے میں شاہ عبدالعزیز کے توہین آمیز اور شرمناک بیان نقل کر کے اپنی کتاب کی نسبتاً سخت زبان استعمال کرنے کا جواز قائم کیا ہے۔

اس میں آپ نے شیخ عبدالقادر جیلانی اور غزالی کی امام حسینؑ سے مخاصمت اور دشمنی کی مذمت بھی کی ہے(۱۳۰)

۱۱۔ صوارم الٰہیات:

یہ کتاب بھی ''تحفۂ اثنا عشریہ'' کے جواب میں ہے اور الٰہیات کی بحث میں شاہ عبدالعزیز کے نقطۂ نظر کی رد میں لکھی گئی ہے۔ جن جن مسائل میں شیعہ اور سنی فرقوں میں اختلاف ہے ان کے متعلق تحفہ کے مصنف نے اپنے مذہبی خیال کی شدومد سے وکالت کی تھی اور اپنے زعم میں دوسرے فرقوں کے خیالات کو باطل ثابت کر دیا تھا۔ حضرت غفرانمآبؒ نے ان کے نقطۂ نظر کا بھرپور جواب دیا ہے۔ یہ کتاب بھی بے مثل و نظیر ہے۔ اس کے بارے میں آپ نے خود اس

(۱۳۰) ڈاکٹر اطہر عباس رضوی۔ ج۔۲۔ ص۔۱۳۶

کتاب کا تذکرہ بڑے گرانقدر الفاظ میں لکھا ہے۔

ترجمہ "یہ کتاب ایسے مباحثِ لطیفہ پر مشتمل ہے اور عمدہ مناظروں کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے اور بلند ترین تحقیقات کو لطائف و ظرائف کے ساتھ ساتھ جگہ دیئے ہوئے ہے کہ جس سے فرقۂ اہلِ ایمان کے سینوں میں کشادگی اور انبساط پیدا ہوتا ہے اور وہ منکرین جو امامتِ ائمہ طاہرینؑ پر ایمان نہیں لائے ہیں ان کا دم گھٹتا ہے۔"

۱۲ حسام الاسلام:

یہ کتاب "تحفہ اثنا عشریہ کے "باب نبوت" کے جواب میں لکھی۔ نبوت کے بارے میں شیعی عقائد و خیالات کو مصنف نے اپنے خیال کے مطابق رد کیا تھا، حضرت غفرانمآبؒ نے ان کے خیالات اور دلائل کو لاجواب کر دینے والے دلائل سے رد فرمایا۔ چونکہ مخالفین میں سے ایک کی طرف سے کتاب "ذوالفقار" میں تحریف کر کے اس کے کئی نسخے مختلف اطراف و جوانب میں بھیجے جانے کا قابلِ مذمت واقعہ پیش آ چکا تھا اس لئے مومنین نے ضروری سمجھا کہ اس کتاب کو طبع کروایا جائے۔ اس زمانہ میں طباعت کی سہولیات میسر نہ تھیں۔ صرف کلکتہ میں ایک چھاپہ خانہ تھا اس لئے بہزار دشواری کلکتہ (کولکتہ) میں دو کتابیں "صوارم" اور "حسام الاسلام" پانچ سو کی تعداد میں شائع کر دی گئیں تاکہ اب تحریف کی گنجائش نہ رہے۔

پُر لطف بات یہ ہے کہ جس مطبع میں "تحفہ اثنا عشریہ" تین سو کی تعداد میں چھپی تھی، اسی مطبع میں بغیر کسی قصد و ارادہ کے یہ کتاب حسنِ اتفاق سے پانچ سو کی تعداد میں چھپی۔

۱۳۔ خاتمۂ صوارم:

یہ بھی ایک مستقل کتاب ہے۔اس میں "امامت" کے بارے میں بحث ہے اس میں "صوارم" کی بحث میں کچھ اضافہ بھی فرمایا تھا جس کے حوالے اس میں موجود ہیں۔ سرمائے کی کمی کی وجہ سے یہ کتاب "صوارم" کے ساتھ شائع نہ ہو سکی اور نہ اب تک اس کی اشاعت کی نوبت آئی۔

۱۴۔ احیاء السنۃ

اس کتاب میں حضرت غفرانمآبؒ نے "تحفۂ اثنا عشریہ کے باب "معاد" کی رد کی ہے اور مذہب اہلبیت کو بہ دلائل ثابت کیا ہے اور مخالفین کے دلائل کو بحسن وخوبی رد فرمایا ہے۔ یہ کتاب بھی غیر مطبوعہ ہے۔

۱۵۔ رسالۂ غیبت:

یہ رسالہ "تحفۂ اثنا عشریہ" کے ساتویں باب کا جواب ہے اور امامت کے مسئلہ پر اس میں مصنفِ "تحفہ" کے نظریات اور اعتراضات کا بھرپور جواب دیا گیا ہے مگر جناب غفرانمآبؒ زمانہ کی ناسازگاری کی وجہ سے اسے مکمل نہ کر سکے۔ البتہ بعض تلامذہ نے آپ کے اس باب کی مبسوط تکمیل کی اور اپنی کتاب "برہان الامۃ" میں اس ضرورت کو پورا کیا۔ یہ رسالہ ۱۲۶۶ھ میں جناب زبدۃ العلماء مولانا سید علی نقی صاحب طاب ثراہ کی توجہ سے شائع ہوا۔

۱۶۔ حاشیہ شرح "ہدایت الحکمت" ملا صدرا

یہ حکمت کی مشہور کتاب کا بے نظیر حاشیہ ہے اور عجیب وغریب تحقیقات و تدقیقات کو

اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت غفرانمآبؒ جس طرح فقہ واصول، علم کلام میں اعلیٰ درجۂ کمال پر فائز تھے جس کے اوپر "اساس الاصول" "منتہی الافکار" اور "عماد الاسلام" شاہد ہیں اسی طرح حکمت وفلسفہ میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا جس کے اوپر یہ حاشیہ شاہد ہے اور اس کا اعتراف مشہور فلسفی سید مرتضیٰ تونبروی غازی پوری نے اپنی مایہ ناز کتاب "معراج المعقول" میں کیا ہے اور اس رسالہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب مشہور صاحب تصنیف منطقی وفلسفی ملّا عبدالحیٔ فرنگی محلی لکھنوی اس حاشیہ کا مطالعہ کرتے تھے تو کہتے تھے کہ حضرت غفرانمآبؒ اپنے زمانہ کے تمام معاصرین کملا، مثل ملا حسن وغیرہ کے ان سب سے بہتر تھے اور علوم عقلیہ میں زیادہ کمال رکھتے تھے۔ "الفضل ما نطقت به الاعداء"

افسوس ہے کہ یہ حاشیہ طبع نہیں ہوا۔

۱۷۔ حاشیہ حمد اللہ

یہ بھی شرح پہلے کے حواشی کی طرح علمی ذخیرہ کا جز ہے اور شرح ملا حمد اللہ سندیلوی کے اوپر بہترین تحقیقات ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ [illegible] کتاب سے [illegible] بالائے طاق تھا کیونکہ آپ نے اس کتاب کو خود ملا حمد اللہ کے [illegible] حاشیہ [illegible] سے پڑھا تھا اور [illegible] علوم عقلیہ کی تحصیل [illegible] اللہ شاہ [illegible] شرح ملا حمد اللہ [illegible] نکات جو شارحین [illegible] سب کچھ [illegible] کرتے تھے [illegible] کتاب [illegible] تک پہنچے تھے۔

یہ حاشیہ [illegible] حواشی [illegible] تحقیقات [illegible] حمد اللہ کے حاشیہ پر جو [illegible]
[illegible]

ہے اس میں لکھا ہے "حاشیہ دلدار علی المجتہد غفرانمآب"۔ اس کے بعد بھی بعض مطابع میں جو حمد اللہ شائع ہوئی ہیں، ان میں بھی یہ حواشی موجود ہیں۔

۱۸۔ اجازہ:

یہ وہ اجازۂ اجتہاد ہے جو جناب غفرانمآبؒ طاب ثراہ نے اپنے فرزند رشید سلطان العلماء رضواں مآبؒ طاب ثراہ کیلئے تحریر فرمایا تھا اور اپنے بیش بہا فوائد اور لاجواب مطالب کی وجہ سے مستقل تصنیف شمار کیے جانے کا مستحق ہے۔ چھیالیس صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں حضرت غفرانمآبؒ نے اپنے ابتداء تحصیل، عراق کے زمانہ طالب علمی اور اس کے بعد سے ہندوستان آ کر علمی کارناموں کو اجمال و ایجاز کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔

۱۹۔ نجات السائلین:

جو مسائل روز مرہ وقتاً فوقتاً دستخط ہونے کے لئے آتے تھے اور ان کا جواب جناب غفرانمآبؒ تحریر فرماتے تھے ان میں سے کچھ مسائل بعض مجتہدین نے ایک مقام پر جمع کر لئے ہیں۔ یہ رسالہ طبع نہیں ہوا۔

۲۰۔ رسالۂ جمعہ:

حضرت غفرانمآبؒ نے اس رسالہ میں نماز جمعہ کے وجوب تخییری کو غیبتِ امامؑ میں ثابت کیا ہے۔ مولانا مرتضیٰ حسین صاحب فاضل لکھنوی اعلی اللہ مقامہ نے لکھا ہے کہ نماز جمعہ پر یہ بڑی مدلل کتاب ہے۔ نماز جمعہ کے بارے میں سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ ظالموں کی حکمرانی

نے شیعوں کے لئے نمازِ جمعہ ادا کرنے کا راستہ بند کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ شیعہ عوام بھی یہ سمجھتے تھے کہ غیبتِ امام عجل اللہ فرجہٗ میں نمازِ جمعہ ممنوع تھی حالانکہ حضورؐ اور ائمہؑ اطہار کی اسناد کے مطابق یہ لازمی تھی۔ غفرانمآبؒ نے اس کے جواز میں ائمہؑ اطہار کی احادیث نقل کیں جو اس نماز پر محکم دلیلیں ہیں۔ آپ نے آقائی محمد تقی مجلسیؒ اور محمد باقر مجلسیؒ کا قول بھی نقل کیا ہے جن کے نزدیک نمازِ جمعہ واجب عینی ہے۔ امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ نمازِ جمعہ میں شریک نہیں ہوتے وہ ہمارے شیعہ اور دوست نہیں ہیں۔ (۱۳۰۔الف)

۲۱۔ رسالہ در جوابات سوالات مولانا محمد سمیع صوفی:

یہ رسالہ مولانا محمد سمیع صوفی کی طرف سے سوالات کے مسکت جوابات پر مشتمل ہے۔

۲۲۔ رسالہ ذہبیہ:

اس رسالہ میں تحقیق فرمائی ہے کہ وضو ظروف طلاء و نقرہ (سونے چاندی) سے در صورتِ انحصار یا عدم انحصار صحیح ہے یا نہیں۔

۲۳۔ اثارۃ الاحزان فی قتیل العطشان:

یہ کتاب عزائے حسینؑ کے حوالے سے لکھی جس میں معتبر مصائب سید الشہداء علیہ الصلوٰۃ والثناء درج فرمائے ہیں۔

(۱۳۰۔الف) آئینۂ حق نما۔ص نمبر۔۱۴۹/۵۰۔ ورثۃ الانبیاء ص نمبر ۲۲۵ تا ۲۲۶ فوائد آصفیہ۔ ص۔۳۔۴

۲۴۔ اربعہ عشر احادیث:

علماء کے فضائل اور اہلِ علم کے علوِ درجہ کے اثبات میں چودہ (۱۴) حدیثیں شرح کے ساتھ ایک مختصر رسالہ میں تحریر فرمائیں۔

یہ رسالہ میر عابد علی صاحب مرحوم کے "مطبع اثنا عشری" میں شائع ہوا تھا مگر غلطی سے اس میں "شرح اربعین" تحریر کیا گیا ہے۔

حضرت سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ (مولوی نقن صاحب) طاب ثراہ جن کے ایک مضمون سے ہم نے حضرت غفرانمآبؒ کی تصانیف کی یہ تفصیلات اخذ کیں وہ فرماتے ہیں:۔

> "یہ وہ تصانیف ہیں جن تک ہماری قاصر نظر پہنچ سکی ہے۔ اس کے علاوہ نہ معلوم کتنی کتابیں ہیں جن کے طولِ عہد کی وجہ سے نام ہم تک نہ پہنچ سکے اور انکے استقصاد احاطہ سے ہم عاجز ہیں"۔ (۱۳۱)

حضرت غفرانمآبؒ کی وسعتِ علم

وہ اِن کا سلسلۂ درسِ علمِ آلِ نبیؐ
علومِ دیں کی کوئی راہ جس میں بند نہ تھی
زبانِ حال سے شاگرد کہہ رہے تھے سبھی
کہ مدرسہ نہ تھی اِک جامعہ تھی ذات ان کی
علوم موجزن اتنے کچھ ان کے اندر تھے
وہ جیسے عِلم کا دریا نہ تھے، سمندر تھے

(مرثیہ "علم اور علماء" از ساحرلکھنوی)

---

(۱۳۱) سید العلماءؒ۔ شعاعِ عمل۔ دسمبر ۲۰۰۲ء۔ ص۔ ۱۸تا۲۸

رحلتِ مجدد ملت و مجتہد اعظم برِصغیر:۔

ہر ذی روح جو اس دنیا میں آتا ہے ایک نہ ایک دن اسے اس دارِ فانی سے کوچ کر کے واپس عالمِ جاودانی کی طرف جانا ہوتا ہے۔ بقولِ شاعر:

؎ "جب احمدِ مُرسل نہ رہے کون رہے گا۔"

یہی قانونِ قدرت ہے جس سے دامن بچانا اور اس میں خلل ڈالنا کسی کے بس میں نہیں۔ اسی قانونِ قدرت کے تحت ۱۱۶۶ھ میں کشتِ زارِ نصیر آباد کے مطلع یمن و سعادت پر طلوع ہونے والا یہ آفتابِ عالم تابِ دنیائے شیعیت اور یہ مہرِ مبینِ علم و اجتہاد و مروجِ شریعت ؒ انہتر سال تک برِصغیر میں اپنی تابانیوں سے حق و صداقت کی دنیا کو منور کرتا ہوا اور شیعیانِ برِصغیر کو ایک منظم قوم کی حیثیت سے شناخت اور وقار و آبرومندی عطا کر کے ۱۹ رجب ۱۲۳۵ھ کو اپنی تعمیر کردہ امام بارگاہ "امام باڑہ غفرانمآبؒ" "لکھنؤ" کو اپنی آخری آرام گاہ بنا کر اس میں ابدی نیند سو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

حضرت غفرانمآبؒ کی رحلت دنیائے شیعیت، خصوصاً برِصغیر کے شیعوں کے لئے ایک عظیم سانحہ تھی۔ پورے ملک بلکہ صرف پاک و ہند ہی میں نہیں، عراق و ایران تک ان کی رحلت کی خبر سے غم و اندوہ کی گھٹائیں چھا گئیں۔ دنیائے علم تاریک ہوگئی۔ عالمِ شیعیت ماتم سرا ہوگیا۔ عراق و ایران کے علماء اور فقہاء و مجتہدین عظام نے آپ کے فرزندانِ ارجمند یعنی حضرت سلطان العلماءؒ اور حضرت سید العلماءؒ سے اظہارِ تعزیت کیا اور بعض نے آپ کی رحلت پر مرثیے لکھ کر بھیجے۔ برِصغیر کے شعرائے ملتِ جعفریہ کی ایک کثیر تعداد نے قطعاتِ تاریخِ وفات اور تعزیتی نظمیں لکھیں جو آپؒ کے حالات میں متعدد کتابوں میں درج ہیں۔ ان کتابوں میں ایک

"شجرۂ طیبہ" (نجومِ تواریخ) ہے۔ نیز مولوی سید آلِ محمد مہر جائسی کی کتاب "خاندانِ اجتہاد کے علمی و ادبی خدمات"، زبدۃ العلماء مولانا السید آغا مہدی صاحب طاب ثراہ کی "سوانح حیات حضرت غفرانمآبؒ" حضرت سید العلماء علامہ سید علی نقی النقوی طاب ثراہ کی "جناب غفرانمآبؒ کلیاتِ منیر شکوہ آبادی وغیرہ شامل ہیں۔ چونکہ اس دور کے نامور شعراء اور علماء نے اپنی تعزیتی نظموں اور قطعاتِ تاریخ میں جناب غفران مآبؒ کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا ہے جس سے ان کے علمی کمالات اور دینی خدمات نیز سیرت و کردار وغیرہ کے متعدد رُخ ابھر کے سامنے آتے ہیں اور ان سے ان کی عظمت و جلالت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس لئے ہم چند مکمل قطعاتِ تاریخ یہاں درج کرنا ضروری سمجھتے تھے مگر اختصار بہر طور مدِ نظر ہے۔ اس لئے ہم صرف چند قطعاتِ تاریخ یا ان کے اقتباسات یہاں درج کر رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ **قطعۂ تاریخ وفات حضرت غفرانمآبؒ**

میر دلدارِ علی سلطانِ ملکِ اجتہاد
نیک سیرت پاک طینت کو و تمکیں دیں پناہ

شد نہاں در مغربِ مرقد چو آں خورشیدِ دیں
روزِ روشن چوں شبِ یلدا بچشم شد سیاہ

شارعِ شرعِ متین و حامیِ دینِ مبیں
نورِ چشمِ مصطفیٰؐ، لختِ دلِ شیرِ الٰہؑ

داشت از انوارِ فیضش دہر را روشن مدام
در جوانی بود چوں خورشید و در پیری چو ماہ

اعتمادی نیست بر قولِ اجتہا پیشِ خلق
بر صلاح و زہد او ہستند اعدا ہم گواہ

بود با ہر کس مساوی خلقِ او بے بیش و کم
پیشِ او بودند یکساں اہلِ فقر و اہلِ جاہ

مثلِ او کس دافعِ شرِ عدو اللہ نشد
دینِ احمدؐ را نباشد مثلِ او کس خیر خواہ

بیگماں عیسیٰ نفس بود وی پے احیاءِ دیں
می رساند بر صراطِ مستقیم آں خضرِ راہ

از برائے صیدِ مرغانِ معانی بلند دام گستر وی بروئے صفحہ از تارِ نگاہ
کافراں از خود اگر آرند ایماں، دور نیست جہدِ او بگذاشتہ در حق و باطل اشتباہ

سالِ تاریخِ وفاتِ آنجناب مستطاب
گفت دل، "اے مقتدائے شیعیانِ حیدرؑ آہ"
۱۲۳۵ھ

دوسرا قطعۂ تاریخ وفات حضرت غفرانمآبؒ

از مولانا سید احمد علی محمد آبادی اعلیٰ اللہ مقامہ

فقیہ و مجتہد و عالم و مروّجِ دیں شریفِ ملّۂ علم و کمال و فضل و بقا
ضیاء دیدۂ دروازۂ مدینۂ علم عزیزِ مصرِ سیادت، سپہر مجد و علا
ندید چشمِ فلک مثلِ آں مجدّدِ دیں کہ شاہد اند بفضل و بزرگیش اعدا
جمال در خورِ علم و کمال داشت از آں کہ شد ز روزِ ازل مہبطِ فیوضِ خدا
بہ آبیاری ارشاد آں سحابِ فیوض دمید در چمنِ ناچیزِ ہندیش گلہا
رسید چوں شب تاریخ عشر زماہِ رجب سفر بہ روضۂ رضواں نمود از دنیا
در ایں مصیبتِ جانکاہ شیعیاں یکسر بسوز سینہ نمودند ماتمے برپا
چو ایں مصیبتِ عظمیٰ در اہلِ دیں روداد بدل گزشت کہ تاریخ آں کنم انشاء

سروشِ غیب ہماں وقت ناگہاں فرمود
ستونِ دیں بزمیں اوفتاد واویلا
۱۲۳۵ھ

۳۔ مولانا میر منشی غلام حسین شائق جائسی جن کے نام سے "پُل غلام حسین لکھنؤ" منسوب ہے، ایک قطعہ تاریخ میں لکھتے ہیں۔

بہ غمِ سیدِ دلدار علی ہادیِ دیں — کہ بخد مثلش و ہمتاش ز دنیا شدہ حیف
جگرِ فرقۂ اثناء عشری چاک بچاک — دل ہر مومن دیندار شدہ غم کدہ حیف
ملکے گفت نمودند بخاکش چو نہاں — "مہِ تابانِ ہدایت بکسوف آمدہ حیف"

۱۲۳۵ھ

۴۔ مشہور قصیدہ نگار شاعر حضرت منیر شکوہ آبادی (م ۱۲۹۰ھ) کے قطعات سے اقتباسات:

قبلۂ اہلِ حدیث و کعبۂ اہلِ کلام — اوج قدسی پیشوائے جن وانساں ہائے ہائے
نائبِ پاکِ ائمہ، بحرِ زہد و علم و فضل — میر دلدار علی ہادیِ دوراں ہائے ہائے

نظم کردم مصرعِ تاریخِ رحلت اے منیر
"وارثِ علمِ پیمبر، اوجِ ایماں ہائے ہائے"

۱۲۳۵ھ

دوسری تاریخ میں نے اور موزوں کی منیر
"ہائے بدرِ پاک دین مہر سپہرِ اجتہاد"

۱۲۳۵ھ

فرزندان حضرت غفرانمآبؒ

۱۔ سلطان العلماء آیۃ اللہ جناب سید محمد رضواں مآبؒ

۲۔ سید المفسرین آیۃ اللہ جناب مولانا سید علی صاحب قبلہ طاب ثراہ

۳۔ فقیہ اہلبیتؑ آیۃ اللہ جناب سید حسن صاحب طاب ثراہ

۴۔ آیۃ اللہ جناب سید مہدی صاحب طاب ثراہ

۵۔ سید العلماء آیۃ اللہ جناب سید حسین علیین مکاں

حضرت غفرانمآبؒ کے فرزندانِ ارجمند

حضرت غفرانمآبؒ کے فرزندانِ ارجمند کے مختصر تعارف میں ہمارے ایک مرثیے بعنوان ''علم اور علماء'' سے یہ چند بند ملاحظہ فرمایئے۔ تفصیلی تعارف اور تذکرہ آپؒ کے شاگردانِ رشید کے تذکرے کے بعد آئے گا۔

انہیں کے علم کی عظمت، انہیں کا جوشِ عمل — تھا ان کی آل کو راہِ حیات میں مشعل
تھے جیسے علم و عمل میں وہ کامل و اکمل — ہوئے پسر بھی اسی طرح اِک سے اِک افضل
کرم تھا حق کا حسینؑ و حسنؑ کے صدقے میں
کہ پانچ بیٹے ملے پنجتنؑ کے صدقے میں

بڑے تھے سب سے جو سید محمدؒ حق بیں — انہیں کو کہتے ہیں رضواں مآبؒ اہلِ یقیں
تھا سر پہ تاج، نہ کچھ بر میں خلعتِ زرّیں — مگر جلالتِ علمی سے ہل رہی تھی زمیں
جہانِ علم میں ان کے شرف مسلّم تھے
دیارِ ہند میں عالم نہ تھے وہ، اعلم تھے

عجب یہ مرتبہ رضواں مآبؒ نے پایا — یہ خواب حضرتِ غفرانمآبؒ نے دیکھا
امامِ عصرؑ نے ارشاد ان سے فرمایا — رہے گا میری کفالت میں یہ ترا بچہ
نہ کیوں پھر ان کے مراتب جلیل ہوجائیں
امامِ عصرؑ جو ان کے کفیل ہوجائیں

پسر تھے دوسرے سید علی علم شعار — تھا جن سے گلشنِ علم و عمل میں جوشِ بہار
بڑھایا آپ نے اردو کا اس جہاں میں وقار — اسی زبان میں تفسیر لکھ کے پہلی بار
یہ معجزہ تھا انہیں کا جہانِ اردو میں
زبانِ وحی کو ڈھالا زبانِ اردو میں

پھر ان کے بعد وہ سید حسنؒ بہشت مآب گُلِ ریاضِ شریعت، خلیلِ باغِ صواب
لکھی ہے آپ نے علمِ کلام میں وہ کتاب کہ جس سے پہلے تھا اردو میں یہ سخن نایاب
ہے ایک ساغرِ قند و نبات اردو میں
کہ صالحات کے ہیں باقیات اردو میں

جنابِ سیدِ مہدی، وہ گوہرِ نایاب سدھارے خلدِ بریں جو بہ عنفوانِ شباب
تھی ان کی موت پہ فطرت بھی اس طرح بیتاب گہن میں آ گیا تھا آفتابِ عالم تاب
وہ خود جوان نہ تھے، علم کا شباب تھے وہ
شباب میں بھی فقیہوں میں لاجواب تھے وہ

پسر تھے پانچویں، سید حسین فخر زماں لقب جہاں میں ہوا جن کا "علّیین مکاں"
وہ سید العلماء، عالمانِ دہر کی جاں علومِ دین و شریعت کا بحرِ بے پایاں
دیا یہ اوجِ شۂ مشرقین نے ان کو
خود اپنا نام دیا ہے حسینؑ نے ان کو

عظیم خود بھی، مراتب بھی تھے عظیم ان کے تھے سترہ ہی برس کے کہ مجتہد وہ ہوئے
کوئی ہزار تو شاگرد ہند میں ہوں گے کہ جن میں مجتہد و مفتی و فقیہ بھی تھے
چمن میں گل تھے، گلوں میں گلاب تھے گویا
وہ اپنے وقت کے غفرانمآبؒ تھے گویا

یہ پانچوں صاحبزادے حضرت غفرانمآبؒ کی زوجۂ اولیٰ کے فرزندانِ ارجمند تھے۔ پدرِ بزرگوار حضرت غفرانمآبؒ کی طرح وہ ماں بھی کتنی عظیم المرتبت ہوگی جس کے پانچ بیٹے ہوں اور پانچوں جلیل القدر فقہاء و مجتہدین ہوں۔

اس مختصر تعارف کے بعد ان عظیم ترین دینی ہستیوں کا تذکرہ انشاء اللہ حضرت غفرانمآبؒ کے شاگردانِ رشید کے تذکروں کے بعد سپردِ قلم کیا جائے گا۔

حضرت غفرانمآبؒ کے شاگردانِ رشید

صاحب ''شجرۂ طیبہ المعروف بہ ''نجوم تواریخ'' لکھتے ہیں:۔

''تلامذہ اس جناب (غفرانمآبؒ) کے زیادہ حدِ حصر واحصاء سے ہیں بلکہ فضل وکمال ان بلاد میں منحصر ذاتِ بابرکات سرکار شریعتمدار اور اولادِ والا تبار اور تلامذۂ عالی مقدار میں ہے۔'' (۱۳۲)

زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ طاب ثراہ نے ''سوانح حیاتِ حضرت غفرانمآبؒ'' میں لکھا ہے کہ ان کے شاگردوں میں سے چالیس شاگردوں کے نام واقعہ نگاروں نے تحریر کیے ہیں جو کسی ایک شہر کے باشندے نہ تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ نگاروں نے صرف اہم ترین تلامذہ کے نام تاریخ میں محفوظ کیے ورنہ حقیقتاً ان کی تعداد سینکڑوں سے تجاوز کرتی ہے۔ خود زبدۃ العلماء موصوف نے صرف مندرجہ ذیل تلامذہ کے نام لکھے ہیں:۔

۱۔ مولانا سید عبدالعلی دیوکھٹویؒ

۲۔ جناب سبحان علی خانؒ

۳۔ مولانا سید محمد عبادتؒ

۴۔ مولانا سید حمایت حسین عرف میر علی بخش کنتوریؒ

۵۔ مولانا مرزا اسمٰعیل

۶۔ مفتی سید محمد قلی کنتوریؒ

۷۔ مولانا اشرف علیؒ، اور

۸۔ مولانا مرزا محمد علیؒ

---

(۱۳۲) نجم العلماء مولانا ہدایت حسین صاحب ''شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۳۶

سید العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ اپنے رسالے "جناب غفرانمآبؒ" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"جناب غفرانمآبؒ کے شاگردوں کی فہرست اور ان شاگردوں کے مقاماتِ عالیہ اور علمی جلالت پر نظر پڑتی ہے تو پھر سوا حیرت کے کوئی چارہ کار نہیں رہتا۔ یہ شاگرد بھی ایسے ہیں کہ ان میں کی بس صرف کوئی ایک فرد ہوتی تو وہ اپنے استاد کا کارنامہ قرار پاسکتی تھی چہ جائیکہ اتنی باکمال فردیں بوقتِ واحد کسی استاد کے شاہکاروں میں داخل ہوں۔" (۱۳۳)

حضرت سید العلماءؒ نے مندرجہ بالا تحریر میں چند تلامذہ کے نام مع مختصر تعارف کے لکھے ہیں۔ ہم یہاں صرف وہ نام درج کر رہے ہیں جو زبدۃ العلماء مولانا آغا مہدی صاحب قبلہؒ کی مندرجہ بالا فہرست کے علاوہ ہیں۔

۱۔ خود حضرت غفرانمآبؒ کے فرزندِ اکبر جناب سلطان العلماء آیۃ اللہ مولانا سید محمد صاحب قبلہ رضواں مآب طاب ثراہ۔

۲۔ جناب غفرانمآبؒ کے دوسرے فرزند آیۃ اللہ سید المفسرین مولانا سید علی صاحب قبلہ طاب ثراہ۔

۳۔ تیسرے فرزند فقیہ اہلبیتؑ آیۃ اللہ مولانا سید حسن صاحب قبلہ طاب ثراہ

۴۔ چوتھے فرزند فقیہ اہلبیتؑ آیۃ اللہ مولانا سید مہدی صاحب قبلہ طاب ثراہ

۵۔ پانچویں فرزند سید العلماء آیۃ اللہ جناب مولانا سید حسین صاحب قبلہ علیین مکاں۔

۶۔ محقق کامل مرزا کاظم علی خان صاحبؒ

---

(۱۳۳) سید العلماء۔ "جناب غفرانمآبؒ۔ ص۔ ۱۸

۷۔ جناب مرزا محمد خلیلؒ

۸۔ علامۃ العلماء الحاج سید احمد علی محمد آبادیؒ

۹۔ جناب مرزا فخر الدین احمد خاں معروف بہ میرزا جعفر

۱۰۔ مولوی سید یاد علی صاحب نقوی نصیر آبادیؒ۔ مفسر قرآن

۱۱۔ میر مرتضٰی صاحب ''مصنف رسالۃ'' اسرار الصلواۃ''

۱۲۔ جناب سید غلام حسینؒ

۱۳۔ جناب سید محمد باقر واعظؒ

۱۴۔ جناب سید شاکر علیؒ

۱۵۔ جناب سید علیؒ

۱۶۔ حاجی سید نظام الدین حسین صاحبؒ

۱۷۔ جناب مرزا جواد علی

۱۸۔ حکیم مرزا علی شریف محشی کتب کلامیہ وطبیہ، مصنف رسالہ طبیہ۔

۱۹۔ جناب سید مرتضٰیؒ

۲۰۔ جناب مرزا محمد رفیع عرف میرزا مغل عاقلؒ (حضرت عزیز لکھنوی نے ان کا تخلص عاقل لکھا ہے۔ دونوں میں سے ایک جگہ کتابت کی غلطی ہو سکتی ہے۔ حضرت سید العلماء کا قول زیادہ مستند سمجھا جانا چاہیے)

۲۱۔ مولوی سید بہاء الدینؒ

۲۲۔ مولوی سید علی اصغر ابن سید بہاء الدینؒ

۲۳۔ حکیم مرزا اعلیٰ صاحب

۲۴۔ جناب سید سجاد علی جائسیؒ۔ آپ نے ''عماد الاسلام'' کے مقدمات کا اردو میں ترجمہ کیا۔

۲۵۔ جناب مرزا زین الدین احمد خان عرف مرزا محسنؒ آپ ادب اور عروض و قوافی کے فن میں کامل تھے۔

۲۶۔ مولوی سید اعظم علیؒ

۲۷۔ ملا علی نقی قزوینیؒ

۲۸۔ مولوی سید علی نقی ابن بہاء الدین

۲۹۔ مولوی سید بنیاد علی

۳۰۔ میر خدا بخش مختار آفرین علی خاں۔

۳۱۔ مولوی متو خاں جو سنی سے شیعہ ہوئے تھے۔

۳۲۔ جناب سید امان علیؒ

۳۳۔ مولانا سید محمد ابنِ سید عبدالعلی صاحبؒ دیوکھٹوی

۳۴۔ مولوی سید کلب علی ابنِ سید عبدالعلی صاحبؒ

۳۵ تا ۳۸۔ وہ نام جو مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ کی فہرست میں اوپر درج ہیں۔

ان دو فہرستوں کے علاوہ لسان الہند حضرت عزیزؔ لکھنوی نے ایک مضمون میں حضرت غفرانمآبؒ کے انتیس شاگردانِ رشید کے نام لکھے ہیں۔ ان کا تجزیہ حسب ذیل ہے۔

(۱) رئیس المتکلمین مفتی سید محمد علی خاں۔

(۲) میر تقی مصنف ''اسرار الصلوٰۃ''

اور (۳) مرزا احمد علی

یہ تین نام زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب طاب ثراہ اور سید العلماء حضرت علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ کی فہرستوں میں شامل نہیں ہیں۔

عزیؔز کی فہرست میں ''حکیم مرزا علی'' کا نام نمبر شمار ۷ اور نمبر ۲۱ دو جگہوں پر آیا ہے۔ جس کو ''غلطی'' کہا جاسکتا ہے، خواہ وہ کتابت کی غلطی ہو یا فہرست تیار کرنے والے کی۔

اس کے علاوہ اس فہرست میں ایک نام ''سید نیاز علی'' کا ہے۔ اس میں بھی اشتباہ ہے کہ شاید ''سید بنیاد علی'' کی جگہ کاتب نے ''سید نیاز علی'' لکھ دیا ہو اس لئے کہ حضرت عزیؔز کی اس فہرست میں ''سید بنیاد علی'' کا نام نہیں ہے۔ جبکہ زبدۃ العلماء اور سید العلماءؒ کی فہرستوں میں ''سید نیاز علی'' نام کا کوئی شاگرد نہیں ہے۔

اب تینوں مندرجہ بالا فہارس میں حضرت غفرانمآبؒ کے تلامذہ کی مجموعی تعداد دیکھتے ہیں۔

۱۔ حضرت زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ طاب ثراہ
کی فہرست میں　　= ۸ نام ہیں

۲۔ حضرت سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ
کی فہرست میں　　=۳۴ نام ہیں

۳۔ حضرت عزیؔز لکھنوی کی فہرست میں حسب ذیل تین نام اضافی ہیں　　=۳

میزان کُل　=۴۵

۱۔ رئیس المتکلمین مفتی سید محمد علی خان

۲۔ میر تقی مصنف ''اسرار الصلوٰۃ''

۳۔ مرزا احمد علی

اس طرح حضرت غفرانمآبؒ کے پینتالیس تلامذہ کے نام معلوم ہوئے۔ان کے علاوہ بے شمار شاگردانِ رشید ہیں۔تذکرہ نگاروں نے صرف اتنے ہی نام لکھے ہیں۔مزید ناموں کی تحقیق اور دریافت کے لئے کوئی ذریعہ دستیاب نہیں ہے۔

نجم العلماء حضرت مولانا سید ہدایت حسین صاحب قبلہ طاب ثراہ نے ''شجرۂ طیبہ'' میں حضرت غفرانمآبؒ کے بعض شاگردانِ رشید کے نام بڑے محترم القاب کے ساتھ لکھے ہیں جن سے ان کی عظمتِ علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ہم وہ نام اسی طرح ذیل میں درج کررہے ہیں اگرچہ وہ مندرجہ بالا فہرستوں میں بھی شامل ہوں۔اس لئے کہ صاحبِ ''شجرۂ طیبہ'' نے ان کے قدرے تفصیلی تعارف اور ان القاب کے حوالے سے جو خراجِ عقیدت ان صاحبانِ علم وکمال کو پیش کیا ہے وہ تاریخ میں محفوظ رہ جائے اور اس تصنیف کے ذریعے سے آج کے قارئین بھی اس سے آگاہ ہو جائیں۔جہاں جہاں ضرورت ہوگی وہاں زبان کو آسان اور عام فہم بنانے کے لئے لفظوں میں ردوبدل کردیا جائے گا مگر مفہوم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

صاحبِ ''شجرۂ طیبہ'' تحریر فرماتے ہیں۔

بالاجمال احوال بعض مشاہیر تلامذہ کا تحریر کیا جاتا ہے۔پس ازآنجملہ:۔ (☆)

(۱) فاضل کامل وعالم عامل جناب سید مرتضیٰؒ تھے کہ مردِ مقدس بحلیہ صلاح وسداد پیراستہ اور بہ زیورِ علم وکمال آراستہ تھے لیکن میل طرف اخبار کے رکھتے تھے (یعنی اخباریت کے مسلک کے پیرو تھے۔ساحرؔ) اور رسائل عدیدہ تصنیف فرمائے۔آخر العمر بعزم حج ہندوستان سے روانہ ہوئے۔اثنائے راہ میں انتقال فرمایا۔

(۲) جناب فضائل مآب مرزا فخر الدین احمد خاں صاحب بہادر المعروف بہ مرزا جعفر دقائق

(☆) شجرۂ طیبہ ص۔۳۶

عقلیہ ونقلیہ لاسیما ہندسیہ وہیئت ومسائل حسابیہ میں بلند درجہ پر فائز تھے اور علمِ نجوم واستخراجِ تقویم میں بھی پوری مہارت رکھتے تھے۔ ہندوستان کے بڑے امراء ورؤساء میں سے تھے۔ فقہ واصول وانشائے عربی وفارسی اور حسنِ خط اور جودتِ طبع میں بھی ممتاز تھے۔

(۳) حاوی کمالاتِ ظاہریہ وباطنیہ جامع محامدِ اوصافِ صوریہ ومعنویہ المولیٰ الجلیل جناب مرزا محمد خلیل طیب اللہ رحمہ وقدس نفسہ حضرت غفرانمآبؒ سے نہایت خصوصیت وعقیدت رکھتے تھے اور زیارتِ عتباتِ عالیات سے بھی مشرف ہوئے تھے۔ جناب علیین آشیاں آقائی سید علی طباطبائی طاب ثراہ کی خدمت میں بھی اختصاصِ تام حاصل تھا۔ ''جناب مرزا صاحب ممدوح فرماتے تھے کہ ایک روز میں نے خدمت میں آقا صاحب (آقائی طباطبائی) کی عرض کیا کہ اگر آپ ہندوستان میں رونق افروز ہوں تو خاکِ تیرۂ ہند خس وخاشاکِ کفر وجہل سے پاک ہوجائے۔ ان جناب کو یہ حرف (بات) بہت ناگوار ہوا اور فرمایا کہ خدا نہ کرے کہ میں مشاہدِ مشرفہ سے جدا ہوں۔ بلکہ اہلِ ہند کو لازم ہے کہ وہ لوگ استفادہ کے واسطے مہاجرتِ وطن اختیار کرکے یہاں حاضر ہوں۔''

سبحان اللہ! مقاماتِ مقدسہ میں مقیم صاحبانِ کمال وعلمائے اعلام کا حال یہ ہے کہ عتباتِ عالیات سے مفارقت گوارا نہیں فرماتے۔ مختصر یہ کہ جناب مرزائے مغفور (مرزا محمد خلیلؒ) نے سفرِ زیارات سے واپسی کے بعد حضرت غفرانمآبؒ کو ترغیب دی کہ وہ مشاہدِ مشرفہ (عراق و ایران) تشریف لیجائیں اور وہاں کے علمائے عظام سے استفادہ کے بعد واپس تشریف لاکر یہاں علومِ دین کی ترویج فرمائیں۔ چنانچہ حق تعالےٰ نے ان کی سعی مشکور اور ان کی دعا قبول فرمائی۔

اس سلسلے میں جناب نجم العلماء مولانا سید ہدایت حسین صاحب قبلہ طاب ثراہ ''شجرۂ طیبہ'' میں یہ واقعہ تحریر فرماتے ہیں:۔

''جب جناب غفرانمآبؒ سفر زیارت سے واپسی کے بعد مرزا خلیل موصوف کی گزارش پر استدلال و اجتہاد کے ساتھ شرح حدیقہ لکھنے میں مصروف ہوئے تو چونکہ مرزا صاحب موصوف باب طہارت و باب صلوٰۃ کو آقائی سید علی طباطبائی کی خدمت میں پیش کر کے ان کے فتاویٰ کے مطابق درست کروا چکے تھے، لہذا جناب غفرانمآبؒ سے باب الزکوٰۃ و باب الصوم کی شرح کی گزارش کی۔ چنانچہ ایک روز مرزائے موصوف نے خواب میں دیکھا کہ گویا دو نہریں شیر و شکر سے لذیذ تر زبان سے جاری ہوئی ہیں۔ اس خواب کو انہوں نے جناب غفرانمآبؒ سے بیان کیا اور خود ہی یہ تعبیر عرض کی کہ دو نہروں سے اشارہ اسی ''شرح حدیقہ'' سے ہے کہ میرے اصرار سے آپ اس کی تصنیف میں مصروف ہوئے ہیں اور عرض کیا کہ کتاب الصوم اور کتاب الزکواۃ ایک ہی جلد میں جمع کی جائیں تا کہ دوسری جلد کی تصنیف کی بھی امید رہے۔ کیونکہ یہی دونوں باب علیحدہ علیحدہ دو جلدوں میں لکھے جائیں گے تو دو نہروں سے یہی دو باب مقصودِ تعبیر ہوں گے اور مجھے خوف ہے کہ پھر کسی باب کی نوبت نہ آئے۔ آخر کار حسبِ تعبیرِ خواب سوائے صوم و زکواۃ کے اور کسی باب کے اتمام کی نوبت نہ آئی اور مرزا صاحب کا انتقال ہو گیا۔ جناب غفرانمآبؒ کو بہت صدمہ ہوا۔ اسی زمانے میں ''عمادالاسلام'' کی تصنیف میں مصروف ہوئے۔ چنانچہ اس کے دیباچہ میں اس کا اشارہ فرمایا ہے۔

(۴) جناب تقدس مآب مرجع اصحابِ تحقیق و تدقیق صاحب تحریر انیق و تقریر رشیق سید غلام

حسین صاحب طاب ثراہ نہایت صلاح و تقدس و ذہن و ذکا رکھتے تھے۔ مگر نامساعدت حالات اور زندگی ناپائیدار کی بے وفائی کی وجہ سے چنداں تالیف و تصنیف کی نوبت نہیں آئی۔ سید صاحب موزوں طبع بھی تھے چنانچہ حدیقہ ہندی منظوم ان کی یادگار ہے۔ عین عالم جوانی میں عالم جاودانی کی طرف انتقال فرمایا۔

(۵) جناب معلی القاب السید السند الافضل والا ورع الاتقی الاکمل جناب سید محمد باقر الموسوی الواعظ نہایت شیریں زبان و خوش بیان و لطیفہ گو سخن سنج تھے۔

(۶) زبدۃ الاتقیاء نخبۃ الصلحاء خانِ رفیع الشان متو خاں علیہ الرحمۃ والرضوان ابتداً مذہب اہلسنت رکھتے تھے۔ بعد میں مومن کامل ہو گئے۔ "اصولِ کافی" اور کتاب "اساس الاصول" اور دیگر کتب کا استفادہ کیا۔

(۷) سید سند فاضل معتمد مہبط فیضِ ازلی مولوی شاکر علیؒ کو اکثر کتب عقلیہ میں مہارت تام حاصل تھی اور باوجود کبر سن کے مصداقِ "اشتعل الراس شیبا" ہو گئے تھے لیکن بعض رویائے صادقہ سے اس امر پر مامور ہوئے تھے کہ جناب غفرانمآبؒ سے علومِ دینیہ حاصل کریں۔ اس سبب سے کتاب "معالم الاصول" سے استفادہ میں مشغول ہوئے۔

(۸) جناب رفیع الالقاب سلالۃ الانجاب سید امان علی خاں، اسکنہ اللہ فی فرادیس الجناں وہ تھے جن کے حسنِ تقریر سے آقائی سید علی بزرگ خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر ساکت ہوئے۔ یہ واقعہ ان کے ذکر کے ذیل میں درج کیا جائے گا۔

(۹) تقویٰ شعار تقدس آثار عارف معارف دینیہ مدرک معالم یقینیہ جناب سید سجاد علی بن سید فصیح اللہ جائسی جن کا ترجمہ مسمات سبعہ عماد الاسلام صفحۂ روزگار میں یادگار ہے۔

(۱۰) عالی حضرت رفیع المنزلت العالم والعامل والورع الکامل الذکی الالمعی السید عبدالعلی، شہر فیض آباد (یو۔پی، انڈیا) میں امام جماعت تھے۔

(۱۱) عالی جناب معلیٰ القاب جامع معقول ومنقول حاوی فروع واصول زبدۃ المحققین اسوۃ المدققین الفاضل الاوحد الامجد جناب السید محمد خلف الصدق جناب سید عبدالعلی صاحب (سابق الذکر) صاحب تصانیف وتالیفات تھے۔

(۱۲) مذکورہ بالا جناب سید محمد ابن جناب سید عبدالعلی صاحب کے فرزند ارجمند فضائل مآب معلیٰ القاب جناب سید علی المعروف بہ جناب سید علی میاں صاحب تھے جو شہر فیض آباد میں اپنے پدر بزرگوار کے بعد امام جمعہ وجماعت تھے۔ قریب دو سال کے ہوا کہ اس جناب نے بھی انتقال فرمایا۔ ان کا انتقال ۱۳۱۴ھ یا اس کے آس پاس ہوا ہوگا اس لئے کہ جناب مولانا ہدایت حسین صاحب طاب ثراہ نے ''شجرۂ طیبہ'' ۱۳۱۶ھ میں لکھی جیسا کہ اس کے تاریخی نام ''نجوم تواریخ'' سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۱۳) جناب مستطاب معلیٰ القاب سید کلب علی طاب ثراہ بھی صاحبزادۂ بزرگ جناب مولوی سید عبدالعلی صاحب تھے۔ لیکن بعدِ تحصیل علوم فیض آباد میں جا کر قلیل مدت کے بعد انتقال فرمایا۔

(۱۴) جناب معلیٰ القاب عالم معالم دینیہ، عارف معارف یقینیہ خبیر محقق ونحریر مدقق جناب مرزا کاظم علی صاحب تھے جو دولت مند اور ریاستی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور صاحب تصانیف تھے۔

(۱۵) سلالۂ امرائے کرام نخبۂ اذکیائے فخام منبع علم وکمال مخزنِ حشمت واقبال جناب مرزا زین

الدین احمد خان بہادر المعروف بہ مرزا محسن خلف الصدق مرزا فخر الدین احمد خاں (سابق الذکر) تھے۔

(۱۶) عالی جناب رفیع الالقاب مرکزِ دوائر علوم عقلیہ وجامع علوم نقلیہ زبدۃ المصطفین سید نظام الدین حسین جو اکثر علومِ عقلیہ ونقلیہ میں کامل اور فنِ شعر سے بھی ماہر تھے۔

(۱۷) عالی جناب تقدس انتساب فاضل مدقق نحریر محقق علامی فہامی مرزا جواد علی رحمۃ اللہ

(۱۸) قدوۃ ارباب ذہن وذکا نخبۂ اصحاب مجد وعلا وحیدِ عصر فرید دہر جناب حکمت مآب حکیم مرزا علی شریف خاں اعلیٰ اللہ مقامہ فی فرادیس الجنان جن کا یادگار رسالہ نفیسی حمیات میں ہے۔ اکثر کتب کلامیہ وطبیہ پر تعلیقات وحواشی تحریر فرمائے ہیں۔

(۱۹) متوقد ذکی وفاضل لوذعی جر مدقق ونحریر محقق السید الجلیل والسند النبیل الاوحد الالمعی جناب سید محمد قلی صاحب طاب ثراہ یکہ تاز معرکۂ فضل وکمال ومبارز میدان مناظرۂ اشعریہ وارباب ضلال تھے۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی کی کتاب "تحفۂ اثنا عشریہ" کی جلد "امامت" کی رد میں کتاب "برہانِ سعادت" اور "سیف ناصری" "نقضِ بابِ اول میں ان کے فضل پر برہان قاطع اور نصرتِ دین پر دلیل ساطع ہے۔ اور ایک رد باب مکائد نصب مزبور میں بھی مسمی بہ "تقلیب المکائد" رشحاتِ خامۂ دقائق شمامہ سے اس جناب کے ہے۔

(۲۰) انہیں جناب (سید محمد قلی کنتوری طاب ثراہ) کے صاحبزادہ جناب تقدس القاب فضائل وفواضل مآب زبدۃ المتکلمین قدوۃ المحققین العالم ربانی والنور الشعشعانی جناب مولوی سید حامد حسین کنتوری اعلیٰ اللہ مقامہٗ تھے کہ اس جناب نے بمفاد "الولد سر" لابیہ "مثل اپنے والدِ ماجد کے ردو قدح مخالفین میں معرکہ آرائی اور جانفشانی فرمائی اور کتب مبسوط ورسائلِ عدیدہ تصنیف فرمائے، خصوصاً مجلداتِ ضخیمہ "عبقات الانوار" یکتائے روزگار ہیں۔

(۲۱) صاحب الذہن الثاقب والحدس الصائب زبدۃ الاذکیا نخبۃ العلماء جناب سید محمد مرتضیٰ صاحب جمیع علوم خصوصاً علم منطق میں وحید زماں و اکمل دوراں تھے۔ کلام مولوی عبدالعلی سنی المذہب پر نقض و جرح کی اور قاضی القضاۃ کلکتہ (کولکتہ) مسمی نجم الدین ساکن قصبہ کاکوری (یو۔پی۔انڈیا) کو الزام فاش دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔

قاضی صاحب (کلکتہ) نے ایک تقریب میں کہا کہ "تمام شیعہ بسبب سفاہت و نادانی کے قائل ہیں کہ بندہ فاعل مختار اپنے افعال کا ہے اور یہ نہیں سمجھتے کہ جبکہ علمِ الٰہی متعلق جمیع افعال زید سے ہوا پس زید اگر خلاف علمِ الٰہی عمل میں لائے گا تو لازم آئے گا کہ حق تعالیٰ جاہل تھا اور علم اُس کا متغیر ہو گیا پس ضرور ہے کہ زید جو کچھ کرے وہ بالضرور مطابق علمِ الٰہی ہو اور زید اس کے کرنے میں مجبور ہو۔" جب سید ممدوح نے یہ سنا اسی وقت فرمایا کہ اگر علم الٰہی باعث اس کا ہو کہ زید مجبور ہو پس لامحالہ حق تعالیٰ بھی اپنے افعال میں مجبور ہوگا۔ اس واسطے کے علمِ الٰہی اس سے بھی متعلق ہے حالانکہ شیعہ و سنی کے نزدیک بالاتفاق حق سبحانہ تعالیٰ قادر مختار ہے۔ آخر کار قاضی مذکور ساکت و ملزم ہو گئے اور کچھ جواب نہ دے سکے۔ (۱۳۳)

(۲۲) متوقد المعی منفطنِ لوذعی سید اعظم علی صاحب کہ معقولات و منقولات کو بدقتِ نظر تحصیل فرمایا اور نہایت قانع اور جمیع اوصاف حمیدہ کے جامع تھے۔

(۲۳) مستغنی عن الالقاب سید نحریر فاضل خبیر جناب سید یاد علی صاحب تھے کہ مدت مدید تک استفادۂ علوم کیا بعدِ فراغ تحصیل کے بمصداق شعر مشہور ۔

کس نیا موخت علم تیر از من
کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

---

(۱۳۳) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۴۳

حضوری خدمتِ استادِ معظم کو ترک کیا اور زمانۂ تلمذ کو یاد نہ رکھا۔

(۲۴) رفیع الالقاب فاضل محقق و ذکی مدقق مرزا محمد رفیع المعروف بہ مرزا مغل تھے کہ اکثر علوم عقلیہ و نقلیہ خصوصاً منطق و علمِ طب میں مہارتِ تام حاصل تھی۔

(۲۵) جناب معلّی القاب متورع متقی، المقدس المعی جناب سید علی نقی بن سید بہاء الدین رحمہما اللہ تھے۔

(۲۶) جناب مقدس القاب فاضل کامل و عالم عامل موردِ عنایاتِ خالق اکبر سید علی اصغر بن سید بہاء الدین رحمہ اللہ۔

(۲۷) سالکِ مسالک رشاد عارج معارج سداد جناب ملّا علی نقی قزوینی تھے کہ بدرس صوارم الٰہیات وغیرہ فائز ہو کر درمیان عجم کے بانصاف و دینداری امتیاز رکھتے تھے۔

(۲۸) سلالۃ الاطیاب و نقاوۃ الانجاب ذکی المعی جناب حکیم مرزا علی خلفِ اکبر جناب حکیم مرزا محمد مسیح المشہور بہ مرزا ببو مغفور تھے کہ کربلائے معلّی میں نشو نما پائی بعد اس کے اس شہر میں وارد ہو کر باستفادۂ علومِ عقلیہ و نقلیہ و درس شرح تجرید و قوشجی وغیرہ جناب غفرانمآبؒ کی خدمت میں مشغول رہے اور علمِ طب میں بھی مہارتِ تام رکھتے تھے۔

(۲۹) منبع الفضائل مجمع الفواضل سرآمدِ اذکیائے دہر سرخیل کملائے عصر جناب سید حمایت حسین المعروف بہ سید علی بخش نیشاپوری اصلاً و لکھنوی موطناً۔ ترجمہ اساس الاصول ان کی یادگار ہے۔

(۳۰) ذکی نبیل لوذعی جلیل جناب مرزا اسمٰعیل تھے۔

(۳۱) زبدۃ اصحاب ذہن و ذکا نخبۂ اربابِ صدق و صفا جناب مرزا محمد علی کہ خاص احباب و مخلصین اصحاب سے اس جناب (جناب غفرانمآبؒ) کے تھے اور بعد تحصیل علومِ دینیہ کے

زیارتِ عتبات سے مشرف ہوئے۔

(۳۲) فاضل لوذعی و مدقق المعی جناب سید احسان علی تھے کہ علمِ عقلیہ و نقلیہ کو بہ تحقیق و تدقیق جناب ممدوح (حضرت غفرانمآبؒ) سے حاصل کیا۔

(۳۳) ذوالفطنۃ الوقادہ والقریحۃ النقادہ فضائل مآب فواضل ایاب ذکی المعی و نحریر لوذعی جناب مولوی سید احمد علی قدس سرہ تھے کہ جامع کمالات و حاوی معقولات و منقولات اور فنِ شعر سے بھی ماہر تھے۔

(۳۴) زبدۂ سادات کرام قدوہ اطیاب فخام میر خدا بخش صاحب مختار میاں آفرین علی خاں بہادر دلیر جنگ تھے۔

(۳۵) سیادت پناہ فضیلت و کمالات دستگاہ جناب سید پناہ علی صاحب تھے کہ سعادت تلمذ جناب غفرانمآبؒ و بہ ہمراہی جناب ممدوح الالقاب بشرفِ زیارات عتباتِ عالیات مشرف ہوئے لیکن بعد اس کے جادۂ انحراف ملازمانِ عالی میں قدم رکھا۔ (☆)

حضرت غفرانمآبؒ کے فیوضِ علمی کی وسعت

انہیں کے دَم سے تو آئی وہ لکھنؤ میں بہار
ہے جس سے چہرۂ ملت پہ آج تک یہ نکھار
ہوئی اِس ابرِ کرم سے وہ علم کی بوچھار
کہ فیضیاب ہوا جس سے ہر جوار و دیار
یہاں یہ مشک جو مہکا تو بُو ختن پہنچی
کھلا یہ پھول تو خوشبو چمن چمن پہنچی

(مرثیہ "علم اور علماء" از ساحرؔ لکھنوی)

(☆) شجرۂ طیبہ۔ص نمبر ۳۶ تا ۴۴

حضرت غفرانمآبؒ کی دعا:

''تاریخ العلماء'' میں علامہ کنتوری طاب ثراہ کا بیان کردہ یہ واقعہ درج ہے کہ سفرِ عراق کے دوران ان کے ایک بزرگ بھی حضرت غفرانمآبؒ کے ہمسفر تھے۔ نجفِ اشرف میں شبِ قدر کے اعمال میں جناب غفرانمآبؒ نے ان بزرگ کو بھی شریک کیا اور فرمایا کہ جب ایک عمودِ نور قبۂ پاک حضرت امیر المومنینؑ سے آسمان تک ظاہر ہو تو وہی قبولیتِ دعا کا وقت ہے۔ جب وہ وقت آیا اور نور ظاہر ہوا تو حضرت غفرانمآبؒ نے یوں دعا کی۔

''خداوندا، اس صاحبِ قبر کا واسطہ میری اولاد سے قیامت تک علمِ دین نہ جائے''۔

عماد العلماء حجۃ الاسلام علامہ سید محمد رضی صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ اپنے ایک مضمون بعنوان '' آیۃ اللہ العظمیٰ مجتہدِ اعظم سید دلدار علی غفرانمآبؒ۔ بارھویں صدی ہجری کے علمی آسمان کا تابناک سورج'' مطبوعہ ماہنامہ ''شعاعِ عمل'' لکھنؤ کے شمارہ نمبر ۵ میں تحریر فرماتے ہیں کہ (اس واقعہ کے بارے میں) بعض مقامات پر نجفِ اشرف کے بجائے روضۂ حضرت امام حسین علیہ السلام کا ذکر ہے۔

مولانا محمد باقر صاحب شمس لکھنوی نے ہمیں بتایا تھا کہ علامہ کنتوری کے جو بزرگ ساتھ تھے، حضرت غفرانمآبؒ نے ان سے پوچھا کہ انہوں نے کیا دعا کی تو انہوں نے کہا کہ میں نے اپنی زمینداری میں ترقی اور (غالباً) دشمنوں یا مخالفین کے بارے میں دعا کی تھی۔ یہ سن کر جناب غفرانمآبؒ نے ان کی پیٹھ پر ایک دوہتھو مارا اور فرمایا کہ کیا یہ وقت اس دعا کا تھا تو انہوں نے ہنس کے جواب دیا کہ آپ زمینداری کا مزہ کیا جانیں۔

حضرت غفرانمآبؒ کی قبۂ پاک میں یہ دعا مولاؑ کے صدقہ میں اس طرح قبول ہوئی کہ

اس وقت سے اب تک سوا دو سو سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے مگر ان کی نسل مبارک میں آج بھی ماشاءاللہ متعدد علماء و مجتہدین موجود ہیں جن کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

(۱) نخبۃ العلماء حجۃ الاسلام آیۃ اللہ حضرت علامہ سید کاظم صاحب قبلہ فقیہ و مجتہد (لکھنؤ)

(۲) باقر العلوم حجۃ الاسلام آیۃ اللہ حضرت علامہ سید باقر نقوی صاحب قبلہ فقیہ و مجتہد (دبئی) جو مرجعیت کے اعلیٰ ترین منصب کے اہل ہیں۔ ان کے متعلق ماضی قریب کے مرجع اعظم آیت اللہ العظمیٰ آقائے ابوالقاسم خوئی طاب ثراہ کا یہ قول مشہور ہے کہ دبئی کے مومنین کو مسائل دینی میں رہنمائی کے لئے ان سے رجوع کرنے کی ضرورت نہیں جبکہ مولانا باقر صاحب قبلہ وہاں موجود ہیں۔ اسی سے حضرت علامہ سید باقر صاحب قبلہ کے تبحر علمی اور اجتہاد میں زبردست ملکہ و مہارت بلکہ مرجعیت کی اہلیت کا پتہ چلتا ہے اگرچہ خود انہوں نے اس کا دعویٰ نہیں کیا۔

(۳) عماد العلماء علامہ ڈاکٹر سید علی محمد صاحب قبلہ مدظلہ العالی (علی گڑھ) انگریزی زبان میں قرآن مجید کے مترجم و مفسر۔ آپ کی علمی منزلت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آپ کی تصنیف کردہ مختلف کتب ایران کے جامعات میں شامل نصاب ہیں۔

(۴) مفکر الاسلام جناب مولانا ڈاکٹر سید کلب صادق صاحب قبلہ مدظلہ العالی (لکھنؤ) جن کی ذات اقدس سے پاک و ہند سے لے کر یورپ، امریکہ اور افریقہ تک کے مومنین بخوبی واقف ہیں اور ہر جگہ بحیثیت رہنمائے ملت، خطیب و ذاکر انہیں شاندار مقبولیت حاصل ہے۔

(۵) قائد ملت جعفریہ حضرت مولانا سید کلب جواد صاحب قبلہ مدظلہ العالی (لکھنؤ) جو قومی اور دینی خدمات میں اپنے عم محترم جناب مولانا ڈاکٹر سید کلب صادق صاحب قبلہ کی طرح پرجوش اور فعال ہیں اور قوم کے رہنما کی حیثیت سے بہت مقبول ہیں۔

(۶) جناب مولانا سید سیف عباس صاحب قبلہ (لکھنؤ)

(۷) احسن العلماء جناب علامہ سید حسن ظفر نقوی صاحب قبلہ مدظلہ العالی (کراچی) قوم کے فعال رہنما اور پسندیدہ خطیب وذاکر ہیں۔

یقینِ واثق ہے کہ قبولیتِ دعا کی بدولت حضرت غفرانمآبؒ کی نسل میں علمِ دین انشاءاللہ تا قیامِ قیامت ضرور باقی رہے گا۔

حضرت غفرانمآبؒ کی اس دعا کی قبولیت کے اثر سے آپ کی نسل میں آج تک جتنے علماء فقہا اور مجتہدین ہوئے ہیں ان میں سے صرف ان کی ایک فہرست یہاں درج کی جارہی ہے جو سب کے سب مجتہدین جامع الشرائط صاحبِ اجازات وصاحبِ فتویٰ ہوئے۔ اس کے مطالعہ سے قارئینِ محترم اس کی تصدیق فرمائیں گے کہ دنیا کے کسی خاندان میں بشمول عراق وایران اتنی بڑی تعداد میں فقہاء ومجتہدین نہیں ہوئے۔ اس حوالے سے بحرالعلوم آیت اللہ حضرت مولانا سید محمد حسین صاحب عرف مولوی علّن صاحب قبلہ طاب ثراہ کا ایک مشہور ارشاد خاندانِ اجتہاد کے اس علمی ماحول پر چند لفظوں میں روشنی ڈال دیتا ہے جس کا لازمی نتیجہ خاندان میں اس کثرت سے علماء وفقہاء ومجتہدین کا پروان چڑھنا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس خاندان میں ایسا زبردست اور بے مثال علمی ماحول بن گیا تھا کہ مختلف علماء وفقہاء ومجتہدین کے شریعت کدوں کے درودیوار سے علمی صدائیں بلند ہوتی رہتی تھیں۔

بحرالعلوم آیت اللہ مولانا سید محمد حسین عرف مولوی علّن صاحب قبلہ طاب ثراہ فرماتے ہیں:۔

”جس طرح بڑھئی کے بچہ کو بچپن سے ہر وقت کھٹ کھٹ کی آواز سنائی دیتی ہے جس کی وجہ سے وہ اس فن سے مانوس ہوجاتا ہے، ویسے ہی ہمارے بچوں کے کانوں میں

شروع ہی سے مسائلِ فقہ پڑتے رہتے ہیں۔ اس لئے وہ بغیر پڑھائے ہوئے بھی بہت کچھ پڑھ لیتے ہیں۔ یہ بات غیر خاندان کے علماء کو حاصل نہیں ہو سکتی۔"

اب آلِ غفرانمآبؒ میں فقہاء و مجتہدین کی فہرست ملاحظہ فرمایئے:۔

ان میں سے حضرت غفرانمآبؒ سے لے کر ماضی قریب کے فقیہ و مجتہد حضرت سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ (معروف بہ مولوی نقن صاحب) تک متعدد علماء برصغیر میں مرجعیت کے منصب عالی پر فائز تھے۔

ان فقہاء و مجتہدین کے علاوہ وہ علماء جو صاحب اجازہ و صاحب فتوٰی نہ سہی مگر علماء میں ان کا شمار ہوتا ہے، مثلاً وہ حضرات جو فاضلِ نجف اور فاضلِ قُم وغیرہ تھے یا ہیں ان کی تعداد اور وہ جنہوں نے لکھنؤ کے دینی تعلیمی اداروں مدرسۂ ناظمیہ اور مدرسۃ الواعظین وغیرہ سے ممتاز الافاضل اور صدر الافاضل وغیرہ کے اسناد حاصل کئے، پروردگارِ عالم کے فضل و کرم اور مولائے علمؑ کے عنایات سے حضرت غفرانمآبؒ کی دعا کی قبولیت کے نتیجہ میں بحمد اللہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ان کی کوئی مکمل فہرست بنانا آسان نہیں۔

اگلے صفحہ پر خاندانِ اجتہاد کے فقہاء و مجتہدین کرام کی فہرست ملاحظہ فرمایئے:۔

خاندانِ اجتہاد کے فقہاء و مجتہدین عظام:۔

ایک زمانہ تھا کہ اس خاندان میں چہاردۂ معصومینؑ کے صدقے میں بیک وقت چودہ (۱۴) علماء فقہاء و مجتہدین تھے۔ ان میں سے ہر ایک کی اولادیں اور متعدد شاگرد تھے اسی وجہ سے ہم نے اپنے تحقیقی مقالہ ''خانوادۂ اجتہاد کے مرثیہ گو'' میں لکھا تھا کہ یہ خاندان ایک حوزۂ علمیہ معلوم ہوتا تھا۔ ان علماء فقہاء و مجتہدین میں ایسی جلیل القدر ہستیاں بھی تھیں جو نظر کردۂ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صاحبِ کرامات تھیں۔ وہ بھی تھیں جنہیں عراق و ایران کے علماء نے خراجِ تحسین پیش کیا۔ ان میں سے چند کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:۔

۱۔ آیۃ اللہ العظمیٰ حضرت مولانا سید دلدار علی نقوی صاحب قبلہ معروف بہ غفرانمآب علیہ الرحمۃ

۲۔ حضرت سلطان العلماء آیۃ اللہ مولانا سید محمد صاحب قبلہ رضواں مآب علی الرحمۃ خلفِ اکبر حضرت غفرانمآبؒ۔

۳۔ سید المفسرین۔ آیۃ اللہ حضرت سید علی صاحب علیہ الرحمۃؒ خلفِ ثانی حضرت غفرانمآبؒ۔

۴۔ فقیہِ اہلبیتؑ آیۃ اللہ حضرت مولانا سید حسن صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ خلفِ ثالث حضرت غفرانمآبؒ۔

۵۔ آیۃ اللہ حضرت سید مہدی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ خلفِ رابع حضرت غفرانمآبؒ۔

۶۔ سید العلماء آیۃ اللہ حضرت مولانا سید حسین صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ علیین مکاں خلفِ پنجم حضرت غفرنمآبؒ۔

۷۔ شریف الملک منصف الدولہ مولانا سید باقر صاحب طاب ثراہ خلف حضرت سلطان العلماءؒ۔

۸۔ خلاصۃ العلماء آیۃ اللہ سید مرتضیٰ ثانی علم الہدیٰ طاب ثراہ خلف حضرت سلطان العلماءؒ۔

۹۔ آیۃ اللہ مولانا سید صادق صاحب قبلہ طاب ثراہ خلف حضرت سلطان العلماءؒ۔

۱۰۔ مولانا سید عبداللہ طاب ثراہ خلف حضرت سلطان العلماءؒ۔

۱۱۔ ملک العلماء آیۃ اللہ مولانا سید بندہ حسین صاحب مغفرت مآبؒ۔ خلف حضرت سلطان العلماءؒ۔

۱۲۔ تاج العلماء آیۃ اللہ مولانا سید علی محمد صاحب قبلہ طاب ثراہ۔ خلف حضرت سلطان العلماءؒ۔

۱۳۔ بحر العلوم آیۃ اللہ مولانا سید محمد حسین صاحب قبلہ عرف مولوی علّن صاحب طاب ثراہ خلف حضرت ملک العلماءؒ۔

۱۴۔ ملاذ العلماء آیۃ اللہ مولانا سید ابوالحسن عرف بچھن صاحب قبلہ طاب ثراہ خلف حضرت ملک العلماءؒ۔

۱۵۔ رئیس العلماء آیۃ اللہ مولانا سید محمد عرف آغا صاحب قبلہ طاب ثراہ خلف حضرت بحر العلومؒ۔

۱۶۔ اشرف العلماء آیۃ اللہ مولانا سید ابوالحسن عرف منّو صاحب قبلہ طاب ثراہ خلف حضرت ملاذ العلماءؒ۔

۱۷۔ کہف العلماء آیۃ اللہ مولانا سید ابن حسن صاحب قبلہ طاب ثراہ نبیرہ حضرت ملک العلماءؒ

۱۸۔ اعلم العلماء سلطان المجتہدین آیۃ اللہ حضرت مولانا سید سبط حسین صاحب قبلہ طاب ثراہ نبیرۂ حضرت ملاذ العلماءؒ۔

۱۹۔ عمدۃ العلماء صدر الشریعت آیۃ اللہ مولانا سید محمد ہادی صاحب قبلہ طاب ثراہ خلف آیۃ اللہ مولانا سید مہدی صاحب قبلہؒ۔

۲۰۔ آیۃ اللہ حضرت مولانا سید محمد مہدی صاحب قبلہ طاب ثراہ خلف حضرت عمدۃ العلماء سید محمد ہادی صاحب قبلہؒ۔

۲۱۔ عماد العلماء فقیہ اہلبیت آیۃ اللہ جناب مولانا سید مصطفیٰ عرف میر آغا صاحب قبلہ خلف عمدۃ العلماء سید محمد ہادی صاحب قبلہؒ۔

۲۲۔ قائم الملت مولانا سید قائم مہدی صاحب قبلہ خلف کہف العلماءؒ۔

۲۳۔ قدوۃ العلماء آیۃ اللہ حضرت مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ طاب ثراہ نبیرہ عمدۃ العلماء صدر الشریعت سید محمد ہادی صاحب قبلہ۔

۲۴۔ عمدۃ العلماء (ثانی) آیۃ اللہ مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ طاب ثراہ خلف حضرت قدوۃ العلماءؒ نبیرہ حضرت عماد العلماء میر آغا صاحب قبلہ۔

۲۵۔ عضد الدین زین العلماء آیۃ اللہ حضرت مولانا سید علی حسین صاحب قبلہ طاب ثراہ خلف سید العلماء (اوّل) علیین مکاں مولانا سید حسین صاحب طاب ثراہ۔

۲۶۔ ممتاز العلماء فخر المدرسین آیۃ اللہ مولانا سید محمد تقی صاحب قبلہ طاب ثراہ خلف سید العلماء علیین مکان مولانا سید حسین صاحب قبلہؒ۔

۲۷۔ زبدۃ العلماء معین المومنین حضرت مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ خلف حضرت سید العلماء (اوّل) علیین مکاںؒ۔

۲۸۔ سید العلماء (ثانی) آیۃ اللہ مولانا سید محمد ابراہیم صاحب قبلہ طاب ثراہ فردوس مکاں خلف حضرت ممتاز العلماءؒ۔

۲۹۔ آیۃ اللہ حضرت مولانا سید تقی صاحب قبلہ طاب ثراہ خلف سید العلماء سید ابراہیم صاحب قبلہؒ فردوس مکاں۔

۳۰۔ ممتاز العلماء آیۃ اللہ مولانا سید ابوالحسن عرف منّن صاحب قبلہ طاب ثراہ خلف سید العلماء (ثانی) فردوس مکاںؒ۔

۳۱۔ حکیم الامت آیۃ اللہ علامہ ہندی حضرت مولانا سید احمد صاحب قبلہ طاب ثراہ خلف سید العلماء ثانی فردوس مکاں۔

۳۲۔ سید العلماء آیۃ اللہ حضرت علامہ سید علی نقی صاحب (نقن صاحب) قبلہ طاب ثراہ خلف ممتاز العلماء سید ابوالحسن صاحبؒ طاب ثراہ۔

۳۳۔ مولانا سید سبطِ محمد ہادی صاحب قبلہ (کلن صاحب) ہائی پریسٹ مرشد آباد۔

۳۴۔ عماد العلماء حضرت علامہ ڈاکٹر سید علی محمد صاحب قبلہ مدِ ظلہ العالی۔ خلف حضرت سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب" طاب ثراہ۔

۳۵۔ علم الہدیٰ آیۃ اللہ حضرت مولانا سید مرتضیٰ صاحب قبلہ طاب ثراہ خلف ممتاز العلماء سید ابوالحسن صاحب قبلہ"۔

۳۶۔ نخبۃ العلماء آیۃ اللہ حضرت مولانا سید کاظم صاحب قبلہ مدِ ظلہ العالی۔ خلف ممتاز العلماء سید ابوالحسن صاحب قبلہ"۔

۳۷۔ صدر العلماء آیۃ اللہ حضرت مولانا سید باقر نقوی صاحب قبلہ مدِ ظلہ العالی۔ خلف ممتاز العلماء سید ابوالحسن صاحب قبلہ"۔

۳۸۔ باقر العلوم آیۃ اللہ حضرت مولانا سید باقر صاحب قبلہ نبیرۂ ممتاز العلماء سید تقی صاحب جنت مآب" قبلہ طاب ثراہ۔

۳۹۔ نجم العلماء مولانا سید ہدایت حسین صاحب قبلہ صاحب شجرۂ طیبہ خلف زبدۃ العلماء معین المومنین آیۃ اللہ مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ۔

۴۰۔ حضرت مولانا سید صالح صاحب قبلہ ابنِ آیۃ اللہ سید ہادی صاحب قبلہ طاب ثراہ۔

۴۱۔ سلطان الفقہاء آیۃ اللہ حضرت مولانا سید محمد عرف میرن صاحب قبلہ طاب ثراہ خلف آیۃ اللہ سید محمد تقی صاحب قبلہ"۔

۴۲۔ عماد العلماء حضرت علامہ سید محمد رضی صاحب طاب ثراہ۔ نبیرۂ عماد العلماء مولانا سید مصطفیٰ عرف میر آغا صاحب قبلہ"۔

۴۳۔ مولانا سید محمد ہادی فقیہ خلف زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب طاب ثراہ۔

۴۴۔ مولانا سید ابن حسن رضوی کربلائی طاب ثراہ نبیرہ ممتاز العلماء سید تقی صاحب طاب ثراہ (کراچی)۔

۴۵۔ محسن الملت مولانا سید محمد محسن صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ (کراچی)

۴۶۔ مولانا سید حسن صاحب قبلہ مرحوم خلف مولانا سید محمد عرف میرن صاحب قبلہ۔

۴۷۔ صفوۃ العلماء آقائے شریعت مولانا سید کلب عابد صاحب قبلہ طاب ثراہ خلف حضرت عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ طاب ثراہ۔

فقہا مجتہدین کرام کی اس فہرست میں شامل تمام ذوات محترم کو مختلف تذکرہ نگاروں نے مجتہد و صاحب فتویٰ لکھا ہے مگر ان میں کے دو چار ناموں پر اختلاف ہے جو تحقیق طلب ہیں۔ جس کے لئے فی الحال وقت دستیاب نہیں ہے۔

عالمہ و فقیہا مخدرات خانوادۂ اجتہاد:۔

چند ایسی محترم خواتین کا تعارف حسب ذیل ہے۔

(الف) حضرت غفرانمآبؒ کی دو دختران ارجمند جو علوم دین میں عالمہ و فاضلہ ہوئیں:۔

(ب) حضرت سلطان العلماء خلفِ اکبر حضرت غفرانمآبؒ کی متعدد صاحبزادیاں تھیں اور سب نے علم دین کی تحصیل کی تھی۔

(ج) حضرت سید العلماء خلفِ اصغر حضرت غفرانمآبؒ کی ایک صاحبزادی عالمہ، فقیہ تھیں اور دوسری صاحبزادی بھی عالمہ و فاضلہ تھیں۔

اسی طرح خاندان کے دوسرے جلیل القدر علماء کی اولاد اناث میں اور بھی محترم خواتین ہوئیں ہیں لیکن سب کے حالات دستیاب نہیں ہیں۔

فرزندان سلطان العلماءؒ

۱۔ ملک العلماء آیۃ اللہ جناب سید بندہ حسین صاحب طاب ثراہ

۲۔ تاج العلماء آیۃ اللہ جناب سید علی محمد صاحب قبلہ طاب ثراہ

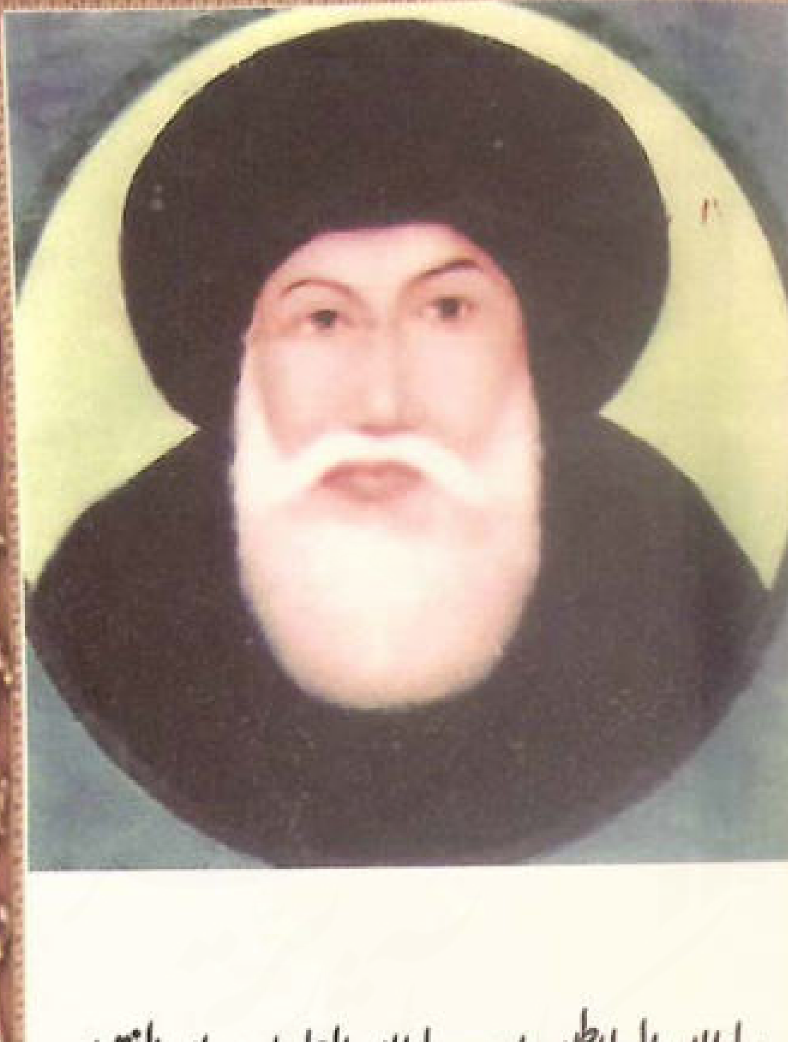
۳۔ خلاصۃ العلماء آیۃ اللہ جناب سید مرتضیٰ صاحب طاب ثراہ

۴۔ منصف الدولہ جناب مولانا سید محمد باقر صاحب طاب ثراہ

۵۔ جناب مولانا سید محمد صادق صاحب طاب ثراہ

۶۔ جناب مولانا سید عبداللہ صاحب طاب ثراہ

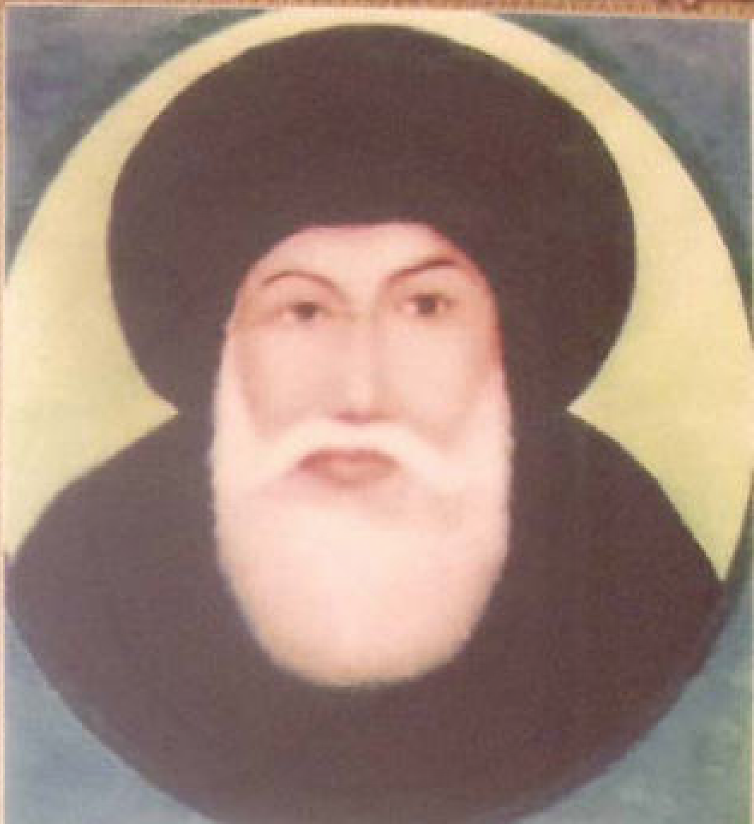
۷۔ جناب ڈپٹی سید علی اکبر صاحب طاب ثراہ



سلطان السلاطینِ اودھ سلطان العلماء برہان الفقہاء

سید المتکلمین سند المجتہدین

آیۃ اللہ العظمیٰ حضرت سید محمد رضواں مآب علیہ الرحمۃ



سلطان السلاطینِ اودھ سلطان العلماء برہان الفقہاء

سید المتکلمین سند المجتہدین

آیۃ اللہ العظمیٰ حضرت سید محمد رضواں مآب علیہ الرحمۃ

سلطان العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ مولانا سید محمد صاحب قبلہ رضواں مآبؒ

یہ تذکرہ ہے اُس عظیم المرتبت اور جلیل القدر شخصیت کا جس کو امامِ زمانہ صاحب العصر والزماںؑ نے اپنا فرزند کہا، اپنی کفالت میں لیا اور خود اس کو تعلیم دینے کی بشارت بھی دی۔ اللہ اللہ اس کے علوئے مرتبت، اس کی سیرت و پاکیزگی اور عظمت اور اس کی علمی منزلت کو سمجھنا کس قدر دشوار ہے جس کو امامِ زمانہؑ اپنا فرزند کہیں اور اس کے کفیل بھی ہوں اور اس کو تعلیم دینے کی خوشخبری بھی دیں۔ یہ عظیم المرتبت شخصیت ہے جناب ختم المجتہدین آیت اللہ فی العالمین محی حضرت سید المرسلین سلطان العلماء حضرت مولانا سید محمد صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہٗ کی۔

تعارف:

۱۔ اسمِ مبارک : جناب سید محمد (صاحب قبلہ طاب ثراہ)

۲۔ خطاب منجانب شاہ اودھ : سلطان العلماءؒ

۳۔ لقب بعد رحلت : رضواں مآب

۴۔ لقب منجانب مومنین و عوام الناس : "بڑے قبلہ و کعبہ" (علماء میں یہ لقب سب سے پہلے آپ ہی کے لئے استعمال ہوا۔ آپ سے پہلے کسی کو قبلہ و کعبہ نہیں کہا گیا)۔

۵۔ لقب بزبان مرزا غالبؔ : مجتہد العصر لکھنؤ

۶۔ اہلِ خاندان : بڑے آپ

۷۔ عبارت مہر خطابی مجوزۂ حضرت امجد علی شاہ بادشاہِ اودھ:۔

"مجمع علوم دین، مربع ادات و مومنین، حافظِ احکام الہٰ، موردِ عنایات حضرت امجد علی

شاہ، مجتہد العصر والزماں سلطان العلماء سید محمد ابن سید دلدار علی صاحب۔"

۸۔ نسب: سید محمد ابن سید دلدار علی، حضرت غفرانمآبؒ کے فرزند اکبر تھے آپ چوبیس واسطوں سے سلسلۂ ائمہ اثناء عشر کے دسویں امام برحق امام علی نقی علیہ السلام کی اولاد ذرینہ میں سے تھے۔

۹۔ ولادت باسعادت: شہر لکھنؤ میں ۱۷ر صفر المظفر ۱۱۹۹ھ مطابق ۳۰ دسمبر ۱۷۸۴ء۔

۱۰۔ رحلت: ۲۲ر ربیع الاول ۱۲۸۴ھ مطابق ۲۵ر جولائی ۱۸۶۷ء

۱۱۔ تدفین: امام باڑہ غفرانمآبؒ

جناب سلطان العلماء کی ولادت باسعادت کے حوالہ سے آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء حضرت علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ معروف بہ مولوی نقن صاحب طاب ثراہ اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"غفرانمآبؒ ۱۱۹۶ھ میں تحصیلِ علم کے بعد ہندوستان واپس ہوئے تو ان کی عمر اس وقت تیس (۳۰) سال کی تھی۔ اس سے پہلے تحصیلِ علم میں انہماک کی بناء پر غالباً انہوں نے ازدواجی ذمہ داریوں میں گرفتار ہونا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ اب وہاں سے مراجعت کے بعد اپنے وطن نصیر آباد کے اشراف میں شادی ہوئی جس کے بعد آپ نے تبلیغی مصالح کے پیشِ نظر لکھنؤ میں قیام فرمایا تو یہاں ۱۷ ماہِ صفر ۱۱۹۹ھ کو سب سے پہلے فرزند کی ولادت ہوئی جس کا ہندوستان کی اس نسل میں رہنمایانِ دین کی پہلی فرد سمجھتے ہوئے بامعرفت باپ نے سلسلۂ چہاردہ معصومینؑ کی پہلی فرد حضرت پیغمبرِ خدا محمدِ مصطفیٰؐ کے اسمِ مقدس سے برکت حاصل کرنے کے لئے محمد نام رکھا (۱۳۵)

سلطان العلماء کی ولادت و رضاعت کی تاریخوں کے حوالہ سے جناب نجم العلماء تحریر فرماتے ہیں:۔

"واضح ہو کہ ولادت باسعادت اس جناب کی بتاریخ سترھویں ماہِ صفر ۱۱۹۹ھ مقام شہر لکھنؤ میں واقع ہوئی اور اتفاقاتِ حسنہ سے یہ امر ہے کہ تولد اس جناب کا سنہ مذکور میں ہوا اور حصولِ بالیدگی

(۱۳۵) سید العلماء۔ ماہنامہ "شعاعِ عمل"۔ فروری ۲۰۰۴ء۔ ص۔ ۳۶

اور اختتام مدتِ رضاعت ۱۲۰۲ھ میں ہوا اور یہی اعداد حروف آیت "انا من المجرمین منتقمون" کے ہیں۔ پس گویا کہ یہ آیت آپ کے علم وہدایت وانتقامِ اہلِ بدعت کی آیت و علامت ہے۔ اس آیت میں مراد انتقام سے لعن وطعن ہے۔ پس جیسا کہ لعن اولِ امر میں زبانِ معجز بیان ختم المرسلینؐ پر واقع ہوئی اسی طرح سے طعن اکمل واتم ہوئی زبانِ جناب ختم المجتہدین آیت اللہ فی العالمین سی حضرت سید المرسلینؐ میں کیونکہ ہمت عالی اس جناب کی ہمہ تن ردوقدح و لعن وطعن ونقض وجرح پر مصروف رہی اور جن لطائفِ انیقہ ونکاتِ دقیقہ وبیاناتِ رشیقہ و مضامینِ لطیفہ سے آپ کی مصنفاتِ شریفہ مملو ہیں ان میں وہ جناب متفرد ہیں۔(۱۳۶)

۱۰۔ واقعۂ بشارت:

حضرت زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب فرماتے ہیں:۔

"پیدائش سے قبل مجسمۂ علم وکمال باپ نے خواب میں دیکھا تھا کہ حضرت حجۃ عجل اللہ ظہورہٗ فرماتے ہیں کہ اس مولود کی تربیت مجھ سے متعلق ہے۔"(۱۳۷)

مگر حضرت نجم العلماء نے کچھ اختلاف کے ساتھ اس بشارت کو نسبتاً تفصیل سے لکھا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:۔

"کیونکر وہ جناب (سلطان العلماءؒ) یکتائے زماں اور وحیدِ دوراں نہ ہوتے کہ حضرت صاحب العصر والزماںؑ نے اس جناب کو اپنا فرزند قرار دیا تھا اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے:۔

وہ جناب ایامِ طفولیت میں طرف تحصیل علم کے راغب نہ تھے اور جناب غفرانمآبؒ کو اس امر کا نہایت رنج وملال تھا۔ پس ایک روز خواب میں دیکھا کہ حضرت صاحب العصرؑ تشریف لائے ہیں

---

(۱۳۶) شجرۂ طیبہ۔ص۔۳۶، (۱۳۷) مولانا آغا مہدی صاحب طاب ثراہ۔ تاریخ سلطان العلماء۔ص۔۱۷،

اور فرماتے ہیں کہ تم کچھ رنج نہ کرو۔ یہ میرا فرزند ہے۔ میں خود اس کو تعلیم کرتا ہوں اور یہ فضل و کمال میں عدیم المثال ہوگا۔" (۱۳۸)

یہ حقیر و فقیر عرض کرتا ہے ۔

عجب یہ مرتبہ رضواں مآبؒ نے پایا یہ خواب حضرت غفرانمآبؒ نے دیکھا
امامِ عصرؑ نے ارشاد ان سے فرمایا رہے گا میری کفالت میں یہ ترا بچہ (بچا)
نہ کیوں پھر ان کے مراتب جلیل ہو جائیں
امام عصرؑ جو ان کے کفیل ہو جائیں (۱۳۹)

اس عظمت پر سلطان العلماء بجا طور پر فخر فرماتے تھے اور کہتے تھے "انا افتخر و اقول ان صاحب الزمانی الحجۃ المنتظر الربانی قد تکفل لخضافتی و ربانی " (مجھے فخر ہے اور میں کہتا ہوں کہ حجت عصرؑ میری پرورش کے متکفل ہوئے ہیں۔) (۱۴۰)

حضرت غفرانمآبؒ کے اس خواب کا تذکرہ مفتی میر محمد عباس صاحب طاب ثراہ نے اپنی معروف کتاب "اوراق الذہب" میں اور سلطان العلماء کے فرزند جناب تاج العلماء مولانا سید علی محمد صاحب قبلہ نے اپنی معروف تصنیف "احسن القصص" میں تفسیر سورۂ یوسفؑ میں رویائے صادقہ کی مثال میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ (۱۴۱)

خود سلطان العلماء نے اس خواب کو ایک مختصر رسالہ میں نہایت لطیف پیرایہ میں لکھا ہے۔

---

(۱۳۸) شجرہ طیبہ۔ ص ۱۲۷ (۱۳۹) ساحر لکھنوی۔ مرثیہ علم و ہر علماء "بند نمبر ۳۲ (۱۴۰) تاج العلماء مولانا سید علی محمد صاحب قبلہ طاب ثراہ۔ "احسن القصص" از زبدۃ العلماء مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ۔ "تاریخ سلطان العلماء" ص ۱۷۱ (۱۴۱) سید العلماء۔ شعاع عمل۔ فروری ۲۰۰۴۔ ص ۱۳۷ عزیز لکھنوی۔ تجلیات اعضامین عزیز۔ ص ۳۶۴۔

بچپن:

جناب سلطان العلماء کا بچپن بھی بہت خوشگوار، نہایت شاندار اور مستقبل میں ان کی عظمت وجلالت کا آئینہ دار تھا۔ چنانچہ لسان الہند حضرت عزیزؔ لکھنوی اپنے معروف تذکرۂ علماء ''تجلیات'' میں لکھتے ہیں:۔

> ''بچپن ہی سے جبینِ اقبال چمک رہی تھی۔ ہر دلعزیز اور محبوبِ قلوب تھے۔ آغوشِ عطوفت علماء آپ کا گہوارہ تھی۔ امراء و وزراء مرتبہ شناس تھے۔ کئی مرتبہ نواب آصف الدولہ بہادر نے اپنی گود میں لیا۔ پیشانی اور ہاتھوں پر بوسہ دیا۔'' (۱۴۲)

ڈاکٹر اطہر عباس رضوی نے اپنی نہایت وقیع تصنیف ''اثنا عشری شیعیان ہند کی علمی اور معاشرتی تاریخ'' (بزبانِ انگریزی) میں علمائے شیعہ کے تذکرہ میں حضرت غفرانمآبؒ اور ان کے فرزندانِ ارجمند کے بارے میں بھی ضروری کوائف اور معلومات فراہم کی ہیں اور انہیں خراجِ تحسین وعقیدت پیش کیا ہے۔ وہ حضرت سلطان العلماء کے بچپن کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ وہ Precocious Child تھے۔ (۱۴۳)

Precocious Child وہ بچہ جس کی دماغی قوت اور ذہنی صلاحیتیں وغیرہ خلافِ معمول قبل از وقت مکمل طور پر نشوونما پا چکی ہوں۔ یہی سبب تھا کہ وہ صرف سترہ یا اٹھارہ سال کی عمر میں اپنے پدر بزرگوار (حضرت غفرانمآبؒ) کی تعلیم وتربیت سے درجہ اجتہاد پر فائز ہو گئے تھے۔

ڈاکٹر رضوی مزید لکھتے ہیں کہ حضرت غفرانمآبؒ نے سلطان العلماءؒ کے اجازہ میں لکھا ہے کہ پہلے ان کے دشمنوں کا حسد انہیں اجازہ لکھنے میں مانع تھا۔ مگر اب سید محمد نے حدیث، تفسیر، کلام، اصولِ فقہ، رجال اور صرف ونحو میں غیر معمولی صلاحیت حاصل کر لی ہے اور وہ ایک مجتہد کی نہایت مشکل اور تھکا دینے والی ذمہ داریاں انجام دینے کے پوری طرح اہل ہو گئے ہیں۔ (۱۴۴)

حضرت سلطان العلماء کے بچپن کی یہ خصوصیات آنے والے وقت میں اُن کے عدیم المثال تبحر علمی اور عظمت وجلالت کا صاف پتہ دے رہی تھیں۔

---

(۱۴۲) عزیزؔ لکھنو تجلیات / ڈاکٹر مسعود حسن رضوی ردولوی۔ ص، مضامین عزیزؔ۔ ۳۱۴۔

(۱۴۳) ڈاکٹر رضوی۔ ج۔۲۔ ص۔۱۳۹، (۱۴۴) ڈاکٹر رضوی۔ ج۔۲۔ ص۔۱۳۹۔۱۴۰

سلطان السلاطین اودھ حضرت سلطان العلماء کے امتیازات خاص۔ ایک نظر میں:

۱۔ سلطان العلماء کا سب سے اہم اور سب سے بڑا اور انتہائی قابلِ فخر امتیاز تو یہ ہے کہ امامِ زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف نے آپ کو اپنا فرزند کہا۔ نیز

۲۔ آپ کی کفالت اپنے ذمہ لی۔

۳۔ آپ کو خود تعلیم دینے کی خوشخبری دی، اور

۴۔ آپ کے لئے یہ فرمایا کہ یہ (بچہ) فضل وکمال میں عدیم المثال ہوگا۔ نیز

۵۔ آپ کو دعائے سباسب تعلیم فرمائی جو جنات وشیاطین وغیرہ سے حفاظت کے لئے بے مثال ہے۔ آپ سے پہلے کسی کو اس دعا کا علم نہ تھا۔

۶۔ امام زمانہ کے تعلیم دینے کے ارشادِ مبارک ہی کا یہ اثر تھا کہ حیرت انگیز طور پر آپ تقریباً صرف سترہ یا اٹھارہ برس کی عمر میں تمام علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل وتکمیل سے فارغ ہو کر درجۂ اجتہاد پر فائز ہو گئے۔

۷۔ شاہ اودھ غازی الدین حیدر شاہ کے بعد سے نواب واجد علی شاہ آخری تاجدار اودھ تک تمام شاہانِ اودھ کی تاجپوشی حضرت سلطان العلماء کے دستِ مبارک سے ہوئی۔ جب تک آپ نئے بادشاہ کی تاجپوشی نہ فرماتے، اس کی بادشاہت کی توثیق نہیں ہوتی تھی۔

۸۔ سلطان العلماء کو سلطنتِ اودھ کا تخت وتاج پیش کیا گیا اور حکمرانی کرنے کی درخواست کی گئی اس لئے کہ مذہب شیعہ میں حکومت کا حق امامؑ کو ہے اور امامؑ کی غیبت میں ایسے عالمِ دین کو جو نائب امامؑ ہوتا ہے۔ برصغیر کی تاریخ میں نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد کوئی ایسا واقعہ پیش آیا۔ مگر آپ نے تخت وتاج کو ٹھکرا کر امجد علی شاہ کے اس جذبہ کی قدر فرماتے ہوئے انہیں شرعی طور پر اپنا نائب مقرر کر کے تاج شاہی اپنے دستِ مبارک سے ان کے سر پر رکھ کر ان کی بادشاہت کی توثیق فرمادی۔

۹۔ سلطان العلماء نے حکومتِ اودھ کی حکمرانی کو شیعی اصولوں کے مطابق شریعت کے سانچہ میں ڈھال دیا اور بادشاہ کو ان پر سختی سے عمل کرنے کا پابند کر دیا اور یوں دنیاوی بادشاہت کو

دینی حکومت کا قابلِ عمل اور قابلِ فخر نمونہ بنا دیا۔

۱۰۔ نظام حکومت کو شریعت کے مطابق چلانے کے لئے آپ نے "مرافعہ شرعیہ" کے نام سے ایک نظام تشکیل دیا جو حکومت کے ہر شعبہ پر حاوی تھا۔ بادشاہ نے آپ ہی کو اس کا سربراہ مقرر کیا اور آپ نے مختلف علماء کو اس نظام کے ایک ایک شعبہ کا منتظم اور ذمہ دار بنایا اس طرح پورے نظامِ حکومت کو ایک مکمل دینی نظام بنا دیا۔

۱۱۔ "مرافعہ شرعیہ" کے قیام کے بعد اقتدار کا بڑا حصہ عملاً سلطان العلماء کو منتقل ہو گیا۔ بادشاہ بیشتر امور میں ان کی ہدایات پر عمل کرتے تھے۔

۱۲۔ سلطان العلماء نے پہلی مرتبہ شاہی آمدنی پر زکواۃ عائد کی جو کم وبیش تین لاکھ روپے ہوتی تھی۔ یہ رقم سلطان العلماء کے ہاتھوں ملت کے حاجت مندوں میں تقسیم ہوتی تھی۔

۱۳۔ علماء و مجتہدین میں سب سے پہلے سلطان العلماء کو "قبلہ وکعبہ" کہا گیا۔ ان سے پہلے یہ لقب کسی کے لئے استعمال نہیں ہوا۔

۱۴۔ آپ کا یہ بھی امتیاز ہے کہ نہ صرف برصغیر پاک و ہند میں بلکہ پورے عالمِ شیعیت بشمول ایران و عراق وغیرہ میں آپ طبقۂ علماء و مجتہدین کی وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے خود ذاکری کی اور علماء، فقہاء و مجتہدین کے لئے ذاکری کا راستہ کھول دیا۔ ان سے پہلے پورے عالمِ شیعیت میں علماء و مجتہدین ذاکری نہیں کرتے تھے۔

۱۵۔ جناب سلطان العلماء کی تجویز پر ان کی اور ان کے برادر، خرد جناب سید العلماءؒ کی کوششوں سے اعلٰی دینی تعلیم کا پہلا مدرسہ "مدرسہ سلطانیہ" کے نام سے مقبرۂ سعادت علی خان، گولہ گنج، لکھنؤ میں قائم ہوا۔

۱۶۔ عراق کے جلیل القدر مجتہد آقائی شیخ محمد حسن نجفیؒ، صاحب "جواہر الکلام" نے سلطان العلماء کی علمی جلالت اور لکھنؤ سے عراق تک دینی وملی خدمات سے ان کے گرویدہ ہو کر صیغۂ اخوت جاری کر کے ان کو اپنا بھائی بنا لیا۔

اجازۂ اجتہاد عطا ہونے کی تاریخ:

حضرت غفرانمآبؒ نے حضرت سلطان العلماء کو اجازۂ اجتہاد کب عطا فرمایا تھا، اس کے بارے میں مختلف سیرت نگاروں کے جوابات درست نہیں ہیں۔ مثلاً مولانا مرتضیٰ حسین فاضل اعلیٰ اللہ مقامہ نے تحریر فرمایا ہے:۔

"تفسیر و حدیث، اصول فقہ، کلام منطق، فلسفہ، ریاضی، ہیئت اور تمام متداول علوم میں درجۂ انتہاء اور کمالِ اجتہاد حاصل کیا۔ ۱۹ سال کی عمر میں ۱۲۱۸ھ میں مولانا دلدار علی نے مفصل اجازہ عطا فرمایا جو چھپ چکا ہے۔" (۱۴۴۔ الف)

حضرت عزیزؔ لکھنوی نے ۱۲۸۲ھ میں اجازہ عطا کرنے کا ذکر کیا ہے۔ بعض دوسرے سیرت نگاروں نے بھی یہی تاریخ لکھی ہے جو سراسر غلط ہے۔ ہوسکتا ہے حضرت عزیزؔ کی تحریر میں کتابت کی غلطی ہو اور بعد کے سیرت نگاروں نے آنکھیں بند کر کے اس کو نقل کر دیا ہو۔ حضرت نجم العلماءؒ نے "شجرۂ طیبہ" میں کوئی تاریخ لکھی ہی نہیں۔

۱۲۸۲ء کا غلط ہونا تو انتہائی واضح ہے۔ ۱۲۸۲ء کے صرف دو سال بعد ۱۲۸۴ء میں تو سلطان العلماء نے اس عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرمائی تھی۔

سب سے اہم بات یہ کہ حضرت غفرانمآبؒ کا انتقال ۱۲۳۵ھ میں ہوگیا تھا۔ پھر ۱۲۸۲ھ میں اجازہ عطا فرمانے کا کیا سوال۔

اوپر جو ہم نے کتابت کی غلطی کا امکان ظاہر کیا ہے وہ یقینی ہے۔ حضرت سلطان العلماء زیادہ سے زیادہ اٹھارہ یا انیس (۱۹) سال کی عمر میں منصب اجتہاد پر فائز ہو گئے تھے۔ تاریخ

(۱۴۴۔ الف) مطلع انوار۔ ص۔ ۴۵۵

ولادت ۳۰ ردسمبر ۱۷۸۴ء ر ۱۷ رصفر ۱۱۹۹ھ کے اعتبار سے آپ ۱۲۱۸ھ میں انیس (۱۹) سال کے ہوں گے جب منصب اجتہاد پر فائز ہوئے۔ مگر چونکہ حضرت غفرانمآبؒ نے ان کے اجازہ میں تحریر فرمایا ہے کہ مخالفین کے حسد کی وجہ سے انہوں نے اجازہ تحریر فرمانے میں تاخیر کی تو ہوسکتا ہے کہ آپ نے اجازہ بجائے ۱۲۱۸ھ کے ۱۲۲۸ھ میں تحریر فرمایا ہو۔ ۱۲۲۸ھ کو ۱۲۸۲ھ لکھ دینا کاتبوں کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ اس لئے یہی قرینِ قیاس ہے کہ اجازہ کی صحیح تاریخ ۱۲۲۸ھ ہوگی۔ حضرت سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب طاب ثراہ نے بھی ۱۲۲۸ھ ہی لکھی ہے۔ (۱۳۵) ہم سمجھتے ہیں کہ جناب سلطان العلماء انیس (۱۹) سال نہیں، سولہ (۱۶) سترہ (۱۷) سال کی عمر میں درجۂ اجتہاد پر فائز ہوگئے ہوں گے کیونکہ جناب غفرانمآبؒ نے اجازہ تحریر فرمانے میں تاخیر فرمائی مگر یہ تحریر نہیں فرمایا کہ آپ کب اجازہ تحریر فرمانا چاہتے تھے اور اس میں کتنی تاخیر فرمائی۔ اس لئے جس طرح آپ کے فرزند اصغر جناب سید العلماء سولہ رسترہ سال کی عمر میں درجۂ اجتہاد پر فائز ہوگئے تھے اسی طرح حضرت سلطان العلماء بھی اسی عمر میں یہ منصب حاصل کر چکے ہوں گے۔ آپ تو تلمیذ امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہٗ تھے۔

کم عمری میں درس وتدریس:

حضرت غفرانمآبؒ نے اپنے اس بے مثال فرزند کو کم عمری ہی میں درس وتدریس کی ذمہ داری سونپ دی تھی۔ اس کم عمری میں بھی سلطان العلماء کے درس وتدریس کے انداز اور فقہ و اصول اور دوسرے اہم مضامین پر ان کی گفتگو اور تدریسی تقاریر نے ان کے ہم عصروں کے دلوں

---

(۱۳۵) سید العلماءؒ۔ شعاعِ عمل۔ فروری ۲۰۰۴ء۔ ص۔ ۳۷

میں علم کی اعلیٰ منزلوں کے حصول کا ذوق وشوق پیدا کر دیا تھا۔(۱۳۶)

دیگر مصروفیات: جناب مرتضیٰ حسین صاحب فاضل تحریر فرماتے ہیں:۔

"نوجوانی میں فقہ واصول اور دوسرے علوم کا درس شروع کیا۔ والدِ علام کے معاملات مراسلت میں کمک کی۔ اپنے چھوٹے بھائیوں کی تعلیم وتربیت کا بار اُٹھایا مگر تصنیف و تالیف ومطالعہ میں کمی نہ آنے دی۔" (مطلع انوار)

حصول علم:

حضرت سلطان العلماء نے ابتداء سے لے کر تکمیلِ تعلیمِ اجتہاد تک صرف اپنے پدر بزرگوار حضرت غفرانمآبؒ سے حصولِ علم کیا۔ کوئی دوسرا تھا ہی نہیں، جس سے تعلیم حاصل کرتے۔ کوئی دوسرا ہوتا بھی تو حضرت غفرانمآبؒ کو چھوڑ کر جو خود عدیم النظیر عالم، فقیہ ومجتہد اور علوم عقلیہ ونقلیہ پر حاوی ایک چلتی پھرتی جامعہ ریونیورسٹی تھے، ان کے فرزندِ ارجمند کو کسی اور سے رجوع کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ چنانچہ زبدۃ العلماء جناب مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ طاب ثراہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ایسے علماء کم ہوں گے جنھوں نے صرف اپنے والدِ ماجد سے تحصیلِ علم کی ہو۔ اگر شہر میں کوئی اور علم وفضل کا دروازہ ہوتا تو امکان تھا کہ وہ دوسرے در پر گئے ہوں۔ صوبہ میں سناٹا تھا اور شیعیت کا ایک آفتاب پورے ملک میں چمک رہا تھا۔ صرف اسی سے کسب ضیاء کیا۔ ماں کی آغوش اور باپ کا سایۂ عطوفت کسی تیسری ذات کے رہینِ منت نہ تھے۔" (۱۴۷)

---

(۱۴۶) ڈاکٹر رضوی۔ ج۔۲۔ ص۔۱۴۰

(۱۴۷) زبدۃ العلماء۔ تاریخ سلطان العلماء۔ ص۔۱۷

جناب چودھری سبطِ محمد نقوی صاحب صد افسوس کہ اب دنیا میں نہیں ہیں، انہوں نے حضرت زبدۃ العلماء کے اس بیان سے اختلاف کیا اور جس طرح کیا وہ بھی پیشِ خدمت ہے ملاحظہ فرمایئے:۔

> ''جناب مصنف (مولانا آغا مہدی صاحب قبلہؒ) کی حیثیت خاندانِ اجتہاد میں اہلبیت کی ہے اور یقیناً گھر کے حالات سے بہتر واقف ہوں گے۔ لیکن اسی کے ساتھ خاندانِ فرنگی محل میں اسی حیثیت کے مالک مصنفِ ''بانی درسِ نظامی'' کا فرمانا ہے کہ مولانا سید دلدار علی نصیر آبادی کے فرزند سید محمد مجتہد نے مولانا حیدر علی سندیلوی سے پڑھا تھا''۔ (۱۴۸)

دنیا سے رخصت ہو جانے والوں کی کسی تحریر یا بیان کو جرح و تنقید کی نظر سے دیکھنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ چودھری صاحب مرحوم قوم کے صاحبانِ قلم میں ایک اہم حیثیت رکھتے تھے اور خاندانِ اجتہاد کے عطا کردہ ''فاضل نبیل'' کے معزز لقب سے سرفراز تھے۔ مگر اس سبب سے لائق جرح و تنقید تحریروں کو نظر انداز کرنا بھی کسی صورت مناسب نہیں اس لئے کہ اس طرح موضوع پر اعتراض ہمیشہ باقی رہے گا اور جو غلطیاں یا خلافِ حقیقت باتیں تصحیح طلب ہوں وہ باقی رہ جائیں گی۔ اس لئے ہم چودھری سبطِ محمد نقوی مرحوم کی روحِ پُر فتوح سے معذرت کے ساتھ یہاں اپنا نکتۂ نظر پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ جناب سلطان العلماء کا صرف اپنے پدر بزرگوار حضرت غفرانمآبؒ سے تعلیم حاصل کرنے کے بارے میں جناب زبدۃ العلماء مولانا سید آغا

---

(۱۴۸) چودھری سبطِ محمد نقوی۔ شعاعِ عمل ۲۰۰۲ء۔ ص۔ ۳۶

مہدی صاحب قبلہ" ہی نے نہیں لکھا۔ حضرت سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ سمیت مختلف سیرت نگاروں نے لکھا ہے، جن میں "اہلبیت" بھی ہیں اور دوسرے بھی۔

جناب سید العلماء سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اسے خواہ سلطان العلماء" کی صلاحیتِ ذہنی کا غیر معمولی کرشمہ سمجھا جائے اور خواہ جناب غفرانمآب" کی تعلیم و تربیت کا حیرت انگیز کمال کہ سلطان العلماء کے بعد اس سلسلہ کے جتنے افراد ہوئے ان کے ذرائع تعلیم میں تو وسعت پیدا ہوتی جارہی تھی۔ جناب سلطان العلماء کے دوسرے بھائیوں کی تعلیم میں کچھ نہ کچھ تو باپ کے ساتھ بڑے بھائی یعنی خود جناب سلطان العلماء کی شرکت بھی تھی مگر سلطان العلماء کے لئے مکتب و مدرسہ اور یونیورسٹی شروع سے آخر تک جتنے مراکز تعلیم سمجھے جاسکتے ہیں، ان سب کے لئے بس فقط ان کے والد یعنی غفرانمآب" کی ذات تھی۔ اس کے باوجود انتہائی تعجب خیز امر نہیں تو اور کیا ہے کہ انیس (۱۹) برس کی عمر میں سلطان العلماء تمام علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل سے فارغ ہوگئے۔ (۱۳۹)

جناب نجم العلماء مولانا سید ہدایت حسین صاحب قبلہ طاب ثراہ امام زمانہ عج کی بشارت کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:۔

"جناب غفرانمآب" کو اطمینانِ تمام ہوگیا یہاں تک کہ بہ برکتِ کلام امامؑ خود بخود اس جناب کو شوقِ درس و تدریس ہوا کہ مدتِ قلیل میں وحیدِ عصر اور سرآمدِ علمائے دہر ہوئے اور ایسی حدتِ ذہنی اور جودتِ طبع حق تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی کہ کبھی کسی مسئلہ عقلیہ و نقلیہ میں خوض و فکر کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ ثمرۂ خواب ایک یہ بھی تھا کہ کبھی کسی

(۱۳۹) سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب طاب ثراہ۔ شعاع عمل۔ فروری ۲۰۰۴۔ ص۔ ۳۷

مشکل میں کوئی عریضہ آپ کا ایسا نہ ہوتا تھا کہ جس کے ذریعہ سے حلِ مشکل نہ ہو اور عادت سے اس جناب کی یہ تھا کہ سوائے امورِ عظیم کے کسی امر کے واسطے عریضہ نہ دیتے تھے۔(۱۵۰)

مولانا مرتضیٰ حسین فاضل اعلیٰ اللہ مقامہ نے بھی لکھا ہے کہ والدِ بزرگوار نے خود تعلیم دی۔ تفسیر و حدیث، اصولِ فقہ، کلام، منطق، فلسفہ، ریاضی، ہیئت اور تمام متداول علوم میں درجہ انتہا اور کمالِ اجتہاد حاصل کیا۔ ۱۹ سال کی عمر میں ۱۲۱۸ھ میں مولانا دلدار علیؒ نے مفصل اجازہ عطا فرمایا جو چھپ چکا ہے۔ نوعمری میں ان کی قابلیت اور غیر معمولی روحانیت دیکھ کر لوگ انعامِ غیبی کہتے تھے۔(۱۵۰۔الف)

مذکورہ بالا علمائے کرام میں سے کسی نے یہ تحریر نہیں کیا کہ سلطان العلماءؒ نے اپنے پدر بزرگوار حضرت غفرانمآبؒ کے علاوہ کسی اپنے یا غیر کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا ہو۔

جناب نجم العلماءؒ نے سلطان العلماء کی ذہانت و جودت طبع کو اس بشارت کا ثمرہ قرار دیا ہے جو بالکل صحیح نکتۂ نظر ہے۔

ہماری عرض یہ ہے کہ امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ کے اس ارشادِ مبارک کے بعد کہ "یہ میرا فرزند ہے اور میں خود اس کو تعلیم کرتا ہوں" کسی غیر سے تعلیم حاصل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر کوئی اس پر یقین کرتا ہے کہ سلطان العلماءؒ نے کسی غیر سے تعلیم حاصل کی، تو وہ یقینی طور پر امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ کے ارشادِ مبارک کی نفی کرتا ہے اور یہ اسے تسلیم کرنے سے انکار کے مترادف ہے۔ ہم کسی کی نیت پر شک نہیں کرتے مگر کسی تحریر سے جو مطلب اخذ ہوگا، وہ تو بیان کرنا ہوگا۔

---

(۱۵۰) نجم العلماء: "شجرِ طیبہ" ص۔۴۷

(۱۵۰۔الف) مطلع انوار۔ص۔۴۵۵

چودھری سبط محمد صاحب مرحوم نے جہاں یہ تحریر فرمایا کہ مولانا سید دلدار علی کے فرزند مولانا سید محمد مجتہد نے مولانا حیدر علی سندیلوی سے پڑھا تھا، وہیں یہ بھی تحریر فرمایا کہ:۔

"ان متضاد بیانات پر محاکمہ فی الوقت میرے لئے ممکن نہیں۔"

اگر جناب مرحوم چودھری صاحب امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ کے ارشاد مبارک کو پیش نظر رکھتے تو انہیں فوری محاکمہ میں کوئی دشواری پیش نہیں آسکتی تھی۔

یہ بھی قابلِ غور ہے کہ مذکورہ دعویٰ ایک غیر کی طرف سے ہوا جس کو بغیر معقول اور مضبوط ثبوت اور دلیل کے قبول کرنے کا جواز نہیں۔

جناب غفرانمآبؒ نے بیشک مولوی حیدر علی سندیلوی سے پڑھا تھا مگر اس وقت ان کی شخصیت صرف ایک طالب علم کی تھی۔ پھر بھی مولوی حیدر علی اور ان کے مداح اس پر بجا طور پر فخر کر سکتے تھے مگر حضرت غفرانمآبؒ کا تعلیم کی اعلیٰ ترین منزلیں طے کرنے کے بعد جس میں اپنا پرایا کوئی ان کا ہمسر نہ تھا، ان کے فرزند کو تعلیم دینے کا دعویٰ اپنی دستارِ علم میں ایک طرۂ فضیلت و شرف لگانے کی کوشش کے سوا کچھ نہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ جو شخص حضرت غفرانمآبؒ کا معلم تھا اس کے بارے میں بدگمانی نامناسب ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دعویٰ خود مولوی حیدر علی صاحب کی زبانی نہیں آیا ہے۔ دوسرے شخص کی زبانی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس طرح کے دعوے اس طبقہ کی طرف سے خود حضرت غفرانمآبؒ کے علمی وقار و عظمت کے خلاف بھی کیے گئے۔ ایک مثال ملاحظہ کیجئے:۔

ڈاکٹر اطہر عباس رضوی نے اپنی معروف تاریخی اور تحقیقی کتاب "ہندوستان میں اثنا عشری شیعوں کی معاشرتی اور علمی تاریخ" (بزبان انگریزی) میں سید اسمٰعیل شہید کی لکھنؤ آمد اور

ان کی تقاریر کے اثر سے مبینہ طور پر بے شمار شیعوں کا سنّی مذہب اختیار کر لینا حتیٰ کہ غازی الدین حیدر شاہِ اودھ کو یہ خوف لاحق ہو جانا کہ اگر شاہ اسمٰعیل ایک سال بھی لکھنؤ میں رہ گئے تو لکھنؤ کی ساری آبادی سنّی ہو جائے گی اس لئے کہ کوئی شیعہ عالم شاہ اسمٰعیل سے بحث و مناظرہ کرنے میں جیت نہیں سکتا تھا۔ حتیٰ کہ فرنگی محل کے سنّی علماء بھی جو شاہ اسمٰعیل کے مذہب کے خلاف تھے وہ بھی ان سے مناظرہ میں ناکام ہوئے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر رضوی لکھتے ہیں کہ ایک دن شاہ اسمٰعیل ایک سپاہی کے بھیس میں حضرت غفرانمآبؒ کے مدرسہ پہنچ گئے اور ان کی تقریر سنتے رہے۔ ان کی تقریر ختم ہونے پر شاہ اسمٰعیل نے ان سے سوال کیا کہ تقیہ اور نفاق میں کیا فرق ہے۔ اس سوال کے جواب میں حضرت غفرانمآبؒ نے جتنے دلائل دیئے، شاہ اسمٰعیل نے اپنے دلائل سے ان سب کو مسترد کر کے غفرانمآبؒ کے چھکے چھڑا دیئے۔ ڈاکٹر اطہر عباس رضوی نے یہ لکھ کے یہ لکھا ہے کہ کسی آزاد یا غیر جانبدار ذریعہ سے ان واقعات کی تصدیق نہیں ہو سکی۔ جو کچھ لکھا ہے وہ شاہ اسمٰعیل کے حامیوں نے ہی لکھا ہے۔ (۱۵۱)

کیا کوئی غیر جانبدار شخص اس پر یقین کر سکتا ہے کہ جو شخص اپنی طالب علمی کے زمانہ میں بحر العلوم مولوی عبد العلی سہالوی کو فلسفہ کی بحث میں شکست دے اور دوسرے نامور علماء سے بھی مناظرہ میں سرخرو ہو وہ اس "تقیہ اور نفاق" میں فرق کے بارے میں کسی کو بلکہ شاہ اسمٰعیل کو قائل نہ کر سکا اور شاہ اسمٰعیل نے ان کے دلائل کی گویا دھجیاں اڑا دیں۔

اسی لیئے ہم نے لکھا ہے کہ "بانیِ درسِ نظامی" کے مصنف کا یہ فرمانا کہ سلطان العلماء نے مولوی حیدر علی سندیلوی سے پڑھا تھا، یہ اپنے طبقہ کو ایک شرف سے سرفراز کرنے کا اقدام ہی کہا جا سکتا ہے۔

---

(۱۵۱)۔ ڈاکٹر رضوی۔ ج۔ ۲ صفحہ نمبر۔ ۹۰۔ ۹۱

اعلمیت کی بحث:

ہمیں افسوس ہے کہ ایک اور مسئلہ میں ہمیں مرحوم ومغفور جناب چودھری سبط محمد نقوی جنت مکانی کے نقطۂ نظر سے اختلاف کرنے اور اس کو تنقیدی نظر سے دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت پیش آ گئی۔

اپنے مذکورہ بالا مضمون میں چودھری صاحب مرحوم نے سرکار سلطان العلماءؒ کی تعلیم کے قضیہ کے بعد جناب زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ طاب ثراہ کی حضرت سلطان العلماءؒ کی اعلمیت کے بارے میں تحریر کو بھی متنازعہ بنایا اور جناب مفتی میر محمد عباس شوستریؒ سے لے کر جناب صفوۃ العلماء مولانا سید کلب عابد صاحب قبلہ فرزند اکبر حضرت عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ ذاکرِ شامِ غریباں کے حوالوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اعلمیت اور افقہیت صرف حضرت سید العلماء مولانا سید حسین صاحب قبلہؒ خلفِ اصغر حضرت غفرانمآبؒ کو حاصل تھی۔ حضرت سلطان العلماء افقہ واعلم نہیں تھے۔ (۱۵۲)

اگر جناب چودھری سبط محمد نقوی صاحب مرحوم اس وقت دنیا میں ہوتے تو ہم یہ ضرور لکھتے کہ نامعلوم وجوہ کی بناء پر انہوں نے حضرت سلطان العلماءؒ کے مرتبہ کو گھٹانے اور شرف و اعزاز کو کم کرنے کی ارادی کوشش کی۔ ہوسکتا ہے کہ صرف جناب زبدۃ العلماء اور ان کی ''تاریخ سلطان العلماءؒ'' کو کسی سبب سے سبک کرنے کی کوشش میں سلطان العلماء ان کا ہدف بن گئے ہوں۔

اس مسئلہ یعنی سلطان العلماءؒ کی اعلمیت و افقہیت کو اس حقیر فقیر بے علم و ہنر ساحرؔ

---

(۱۵۲) چودھری سبط محمد نقوی۔ شعاع عمل دسمبر ۲۰۰۳ء

لکھنوی نے جس طرح سمجھنے اور حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کی ہے وہ قارئین محترم ملاحظہ فرمائیں:۔

کچھ حقائق ہیں جن کی تردید ممکن نہیں:۔

۱۔ حضرت سلطان العلماء کی ولادت ۱۱۹۹ھ میں ہوئی

۲۔ حضرت سید العلماء کی ولادت ۱۲۱۱ھ میں ہوئی۔

اس حساب سے حضرت سید العلماء اپنے برادرِ بزرگ حضرت سلطان العلماء سے تقریباً بارہ برس چھوٹے تھے۔

۳۔ حضرت غفرانمآبؒ نے اپنی رحلت سے تقریباً صرف دو مہینہ قبل ۲۳ رجمادی الاول ۱۲۳۵ھ کو ایک وصیت نامہ کے ذریعے اپنے فرزندِ اکبر حضرت سلطان العلماء کو اپنا جانشین اور وصی مقرر فرمایا۔ اگر اعلمیت اور افقہیت ان میں نہ ہوتی تو صرف فرزندِ اکبر ہونے کی وجہ سے غفرانمآبؒ ان کو اپنا وصی و جانشین کیوں مقرر فرماتے۔ ایسا کرتے تو تفضیلِ مفضول لازم آتی۔

۴۔ جناب غفرانمآبؒ نے ۱۹ رجب ۱۲۳۵ھ کو سفرِ عالم جاودانی اختیار کیا (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُونْ) اسی وقت سے ان کی ساری ذمہ داریاں سلطان العلماء پر آگئیں۔

۵۔ حضرت غفرانمآبؒ کی بے شمار ذمہ داریوں میں نہایت اہم ذمہ داری مومنین کے شرعی مسائل کو حل کرنا اور فتوے صادر کرنا تھی۔ اب یہ ذمہ داریاں حضرت سلطان العلماءؒ کی طرف منتقل ہوئیں تو اعلمیت، افقہیت اور مرجعیت سب مناصب پر آپ فائز ہو گئے۔ حضرت عزیزؔ نے لکھا ہے کہ سلطان العلماء نے اپنے والد کی حیات ہی میں مرجعیت پیدا کی تھی۔

۶۔ شاہانِ اودھ کے ساتھ دینی مراسم اور تعلقات وغیرہ کے حوالہ سے حضرت سلطان

العلماءؒ کی ذمہ داریاں حضرت غفرانمآبؒ سے بھی بہت زیادہ تھیں۔ جب آپ نے محمد علی شاہ اور امجد علی شاہ کو سلطنت کا کاروبار شریعت اور فقہ جعفری کے احکامات کے مطابق انجام دینے پر آمادہ کیا اور ان کی طرف سے "مرافعہ شرعیہ" کے نام سے ادارہ قائم ہوا تو حضرت سلطان العلماءؒ کو اس کا سربراہ اور صدر الصدور مقرر کیا گیا یوں ان کی ذمہ داریوں میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ تمام اہم مقدمات جن میں سزائے موت، قصاص اور حدود وغیرہ جاری کرنے کے فیصلے متوقع ہوتے تھے وہ سب سلطان العلماء خود سنتے اور فیصلے صادر کرتے تھے۔

اتنی وسیع ذمہ داریاں انجام دینا ایک شخص کے لئے ناممکن تھا اس لئے حضرت سلطان العلماء نے متعدد ذمہ داریاں اپنے برادران خرد پر تقسیم کردیں۔ جس کو جس کام کے لئے زیادہ مناسب سمجھا وہ اس کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ شرعی امور میں مومنین کی رہنمائی اور فتوؤں کا اجراء سید العلماءؒ کے سپرد کیا۔ سلطان العلماءؒ کی زندگی ہی میں سید العلماءؒ مرجعیت پر فائز ہو گئے۔ اس کے علاوہ طلباء کی تعلیم و تدریس بھی سید العلماءؒ کے سپرد کی جس کی وجہ سے سید العلماءؒ کے شاگردانِ رشید کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہو گئی۔ اب سید العلماءؒ ملک بھر سے آنے والے سوالات اور حلِ مشکلات کے لئے فتوے بھی صادر فرماتے اور اتنی بڑی تعداد میں طلباء کے درس و تدریس کی ذمہ داری بھی پوری کرتے۔ ان ذمہ داریوں کی وجہ سے انہیں افقہ و اعلم تسلیم کیا گیا۔ یہ یقیناً ان کا بہت بڑا شرف تھا۔ اگر حضرت سلطان العلماءؒ اپنی یہ ذمہ داریاں ان کو منتقل نہ کرتے تو ان کے کمالات علم و فضل پر پردہ پڑا رہ جاتا اور سلطان العلماء خود یہ ذمہ داریاں اپنے پاس رکھتے تو انہیں افقہ و اعلم تسلیم کیا جاتا۔ دونوں کا علم و فضل ان کی افقہیت اور اعلمیت کی سند تھا۔

۷۔ سید العلماءؒ نے ۱۷ رصفر ۱۲۷۳ھ کو باسٹھ سال کی عمر میں علیین اعلیٰ کی سمت سفر کیا۔

(اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنْ)۔

۸۔ سید العلماء کی رحلت کے بعد حضرت سلطان العلماءؒ کو اپنی رحلت ۲۲ ربیع الاول ۱۲۸۴ھ تک مومنین کی شرعی معاملات میں رہنمائی اور فتوے صادر کرنے کی ذمہ داری دوبارہ سنبھالنا پڑی ہوگی کیونکہ باقی تین بھائیوں میں سے جناب سید مہدی کا انتقال خود حضرت غفرانمآبؒ کی زندگی ۱۲۳۱ھ میں ہوگیا تھا۔ سید المفسرین جناب سید علی صاحب قبلہ کا انتقال جناب سلطان العلماء کی زندگی میں ان کی رحلت سے بہت پہلے ۱۲۵۹ھ میں کربلائے معلیٰ میں ہوچکا تھا۔ جناب سید حسن صاحب قبلہ نے ۱۲۶۰ھ میں انتقال فرمایا تھا۔ اس طرح حضرت سید العلماء کی رحلت کے بعد مرجعیت اور اعلمیت کے فرائض پھر سلطان العلماء کی ذمہ داری بن گئے۔

۹۔ اگر مفتی میر محمد عباس شوستریؒ نے حضرت سید العلماء کے لئے یہ فرمایا کہ۔

امامی کہ در کشورِ اجتہاد چو او مادرِ دہر ہرگز نہ زاد

تو انہی جناب مفتی میر محمد عباس صاحب نے حضرت سلطان العلماء کے لئے فرمایا۔

در عرب یا در عجم، در علم و فضل و حسن و خلق کس نمی گوید کہ در آفاق ہمسر داشتند

ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

آہ از سید محمد حیف از سید حسین واہ چہ علم و فضل ایں ہر دو برادر داشتند

مفتی صاحب جن کی گواہی چودھری صاحب مرحوم نے پیش کی وہ اس شعر میں دونوں کو علم وفضل میں برابر قرار دے رہے ہیں۔

یہ فکر اگرچہ حقیقت پسندی پر مشتمل ہے مگر پھر بھی شاعری ہے اور شاعری کو کسی کے

وصف و ذم کا حقیقی پیمانہ نہیں بنایا جاسکتا۔ اگر پہلے شعر کو معیار بنایا جائے تو اس میں عراق و ایران کے فقہاء و مراجع عظام اور، خود حضرت غفرانمآبؒ بھی آجائیں گے۔

اسی طرح حضرت سلطان العلماءؒ کے وصف میں جو شعر ہے اس میں کم از کم ان کے دور کے سارے علماء جن میں خود حضرت سید العلماء بھی شامل ہوں گے، وہ بھی لفظاً و معناً شامل ہو جائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ علم و فضل میں نہ سلطان العلماء کا جواب تھا نہ سید العلماءؒ کا۔ دونوں اعلمیت، افقہیت اور مرجعیت کے عظیم مناصب پر فائز تھے۔

یہ اچھی طرح یاد رکھنے کی بات ہے کہ کوئی عظیم المرتبت مجتہد و فقیہ کسی عزیز ترین شخص کو بھی خواہ وہ بڑا بیٹا ہی کیوں نہ ہو، اگر وہ اہل نہیں تو اس کو اپنا نائب، اعلم و افقہ اور مرجع کی ذمہ داریاں نہیں سونپتا ہے۔ اگر حضرت سلطان العلماءؒ اعلم و افقہ نہ ہوتے اور صرف سید العلماء ہوتے تو ان کو نظر انداز کر کے حضرت غفرانمآبؒ شرعی اور اخلاقی کسی جہت سے سلطان العلماء کو اپنا جانشین نہ بناتے۔ افضل پر مفضول کو ترجیح دینے کا کیا جواز ہو سکتا ہے۔ یہ خود حضرت غفرانمآبؒ کی اعلمیت، افقہیت اور مرجعیت پر سوالیہ نشان لگا دیتا ہے، جیسا کہ چودھری صاحب مرحوم کے اس دعوے سے یہ اعتراض وارد ہو گیا ہے۔ ان حقائق کو نہ جاننے والے سلطان العلماء کی اعلمیت، افقہیت کے بارے میں گمراہ ہو سکتے ہیں۔ سلطان العلماء کی اعلمیت اور افقہیت پر اعتراض خود حضرت غفرانمآبؒ کی شرعی ذمہ داری کے احساس، قوتِ فیصلہ اور ایک اعلم و افقہ کو نظر انداز کر کے ایک (العیاذ باللہ) کم درجہ کے عالم کو جانشین بنانے کے فیصلہ پر اعتراض سمجھا جاسکتا ہے۔ یہ اعتراض کرتے وقت امام زمانہ کے ارشاد مبارک کو بھی نظر انداز کیا گیا۔ ہم صرف ذاتی طور پر اپنی بات

کررہے ہیں۔ امام زمانہؑ کے اس فرمانِ حقیقت نشان کے بعد کہ "یہ میرا فرزند ہے۔ میں خود اس کو تعلیم کرتا ہوں اور یہ فضل وکمال میں عدیم المثال ہوگا"۔ اگر ہم حضرت سلطان العلماء کو افقہ و اعلم تسلیم کرنے سے انکار کریں تو کافر۔

جناب چودھری سبط محمد نقوی صاحب مرحوم یقیناً ان درجنوں کتابوں سے واقف رہے ہوں گے جن میں حضرتؒ سلطان العلماء کو شاندار خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے۔ چند کتب حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ اوراق الذہب۔ ۲) ظلِ ممدود۔ ۳) آئینۂ حق نما۔ ۴) شذور العقیان۔
۵) تاریخ اودھ۔ ۶) مرآۃ البلاد۔ ۷) تذکرۃ العلماء۔ ۸) تذکرۂ بے بہا۔
۹) احسن الودیعہ۔ ۱۰) نجوم السماء۔ ۱۱) طبقات العلماء ۱۲) حیاتِ رضواں مآب (فارسی)
۱۳) مکاتیب یمانی شیروانی۔ ۱۴) المرشد (بغداد کا عربی جریدہ) اور ۱۵) طرائف ظرائف وغیرہ۔

اگر وہ ان کتب کا مطالعہ فرماتے یا کھلے ذہن سے مطالعہ فرمایا ہوتا تو ان کو حضرت سلطان العلماءؒ کے تبحرِ علمی کا اندازہ ہوتا اور یہ بھی معلوم ہوتا کہ یہاں سے لے کر ایران وعراق تک کے نہایت جید اور عظیم المرتبت علماء وفقہاء نے کتنے شاندار الفاظ میں ان کو خراجِ تحسین پیش کیا۔

دراصل دو بھائیوں یا باپ بیٹے وغیرہ میں اس طرح کا تقابلی تبصرہ کتنی ہی نیک نیتی کے ساتھ کیا جائے، اس کا لازمی نتیجہ دو میں سے ایک کو سبک کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سلطان العلماءؒ اور سید العلماءؒ دونوں ہی افقہ واعلمِ زماں تھے۔ دونوں خود ایک دوسرے کا جواب تھے اور دونوں کا مقابل ومماثل نہ ان کی زندگی میں ہوا، نہ ان کے بعد۔ ڈاکٹر اطہر عباس رضوی نے لکھا ہے کہ پورے ملک ہندوستان سے حضرت سلطان العلماء کے

پاس دینی اور دنیوی مسائل کے بارے میں استفسارات آتے تھے اور آپ سب کے بارے میں حل بتاتے اور فتوے جاری فرماتے تھے۔ سارے ملک میں آپ کے فتوے بڑی قدر کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔(۱۵۳)

ایک سوال یہ ہے کہ کیا بیک وقت دو شخصیتیں، دو علمائے اعلام افقہ و اعلم نہیں ہو سکتے۔ اگر نہیں ہو سکتے تو ماضی قریب سے لے کر آج تک بیک وقت تین تین، چار چار، پانچ پانچ مراجع عظام کیسے تسلیم کیے جاتے رہے ہیں۔ اس صورتِ حال میں دو میں سے ایک کو افقہ و اعلم ماننا اور ایک کو مسترد کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔!

شاعرِ اعظم خدائے سخن حضرت دبیرؔ جو خود ایک متبحر عالم تھے اور بروایتے درجہ اجتہاد پر فائز تھے، انہوں نے خود حضرت سلطان العلماء اور حضرت سید العلماء کا زمانہ دیکھا تھا اور دونوں کی عظمت وجلالتِ شان کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا۔ بعد کے زمانہ کے صاحبانِ علم وقلم کے مقابلہ میں وہ ہر اعتبار سے دونوں بزرگواروں کے تبحر علم کا کہیں زیادہ ادراک رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے ایک مرثیہ میں جسے حضرت سلطان العلماء کی موجودگی میں پیش کرنے کا شرف بھی انہیں حاصل تھا، جناب سلطان العلماءؒ اور جناب سید العلماءؒ کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا وہ ملاحظہ ہوں:۔

دونوں یہ مقتدا ہیں، یہ دونوں ہیں خضرِ راہ بحرین علم و فضل و جلال و وقار و جاہ
سعدین برج صنع ید قدرت الٰہ اور مشرقین چرخ ولایت کے مہر و ماہ
ثابت ہے ان کے جلوے سے یہ مومنین پر
اک قطب آسمان پہ ہے، دو زمین پر

---

(۱۵۳) ڈاکٹر رضوی۔ ج۔۲۔ص۔۱۴۰

حق الیقیں ہے ہم کو کہ پاک ان کی ذات ہے   چشمِ کرم مترجم عین الحیات ہے
دیدارِ پاک شرح کتاب الصلواۃ ہے   اخلاق وہ کہ مطلب تہذیب بات ہے
روشن ہے اُن پہ جو ہیں مقرّ اصل و فرع کے
ہیں جوشنین بازوئے ایمان و شرع کے

پھر حضرت سلطان العلماء کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

اوّل جنابِ مجتہد العصر والزماں   بسم اللہ صحیفۂ آیات عزو شاں
خضرِ زمانہ، مرجع سادات و مومناں   سلطانِ عالماں سندِ معنی و بیاں
چشم و چراغ مجلس عالم جہاں میں
خاص الخلاصۂ بنی آدم کمال میں

نوٹ۔۱

بابش علی و ختم رسلؐ جدِ امجد است   اسمش جناب حضرت سید محمد است
در راستی چو حرفِ نخستینِ ابجد است   بالا نشینِ منبر و ایوان و مسند است
ایمن شد است شہر ز طورِ جمالِ او
اے من فدائے نورِ چراغِ کمالِ او (۱۵۴)

ہم حضرت دبیرؔ اعلیٰ اللہ مقامہ کے اس خراجِ تحسین کو بعد کے زمانہ کے عام اہلِ قلم کے مقابلہ میں ہزار درجہ زیادہ معتبر اور مستحسن سمجھتے ہیں۔

بہر حال جہاں جناب چودھری سبطِ محمد صاحب مرحوم نے وہ باتیں لکھیں جن پر بحث و تنقید کے لئے ہم مجبور ہوئے، وہیں انہوں نے حضرت سلطان العلماء کے بیانِ وصف میں بھی اپنے اشہب قلم کو جولاں کیا۔ لائق تنقید باتوں پر تنقید کے ساتھ قابلِ تعریف باتوں پر ان کی قدردانی اور شکر گزاری بھی ہمارا فرض اور ان کا حق ہے۔ ہم تہہ دل سے مرحوم کے شکر گزار ہیں اور بارگاہِ احدیت میں ان کی مغفرت اور بلندی درجات کے لئے دست بدعا ہیں۔

---

(۱۵۴) شاعر اعظم مرزا دبیرؔ اعلیٰ اللہ مقامہ۔ "دفتر ماتم" جلد نمبر۔۱

نوٹ۔۱: علی سے مراد جناب مولانا سید دلدار علی صاحب غفرانمآبؒ۔

سلطان العلماء اور برادرانِ خرد:

گزشتہ ناگوار بحث کے بعد ہم یہاں جناب سلطان العلماء کے محامد و اوصاف کے ذیل میں سب سے پہلے ان کے اپنے برادرانِ خُرد سے مثالی تعلقات کے بارے میں تاریخی حوالوں سے جائزہ لیں گے۔

جناب سلطان العلماء اور جناب سید العلماء کے تعلقات کے بارے میں نجم العلماء جناب مولانا ہدایت حسین صاحب طاب ثراہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ان دونوں بزرگواروں (سلطان العلماءؒ اور سید العلماءؒ) میں عجب اتحاد تھا۔ اُن کی اطاعتِ خردانہ اور اِن کی شفقتِ بزرگانہ یادگارِ زمانہ ہیں"

جناب مفتی محمد عباس صاحب قبلہ طاب ثراہ نے بھی سلطان العلماء کے قطعہ تاریخ انتقال میں اس حقیقت کا ان دو اشعار میں اظہار کیا ہے:۔

واہ چہ علم و فضل ایں ہر دو برادر داشتند　　آہ از سید محمد حیف از سید حسین
بسکہ باہم اختلاط شیر و شکر داشتند　　تلخ شد عیشِ جہاں گشتند بعد از ہم رواں

صاحب شجرۂ طیبہ انجوم تواریخ اسی ذیل میں ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں:۔

ایک مرتبہ سلطانِ عالم طاب ثراہ نے ایک پاندان نقرئی مشبک (جالی دار) جناب سید العلماءؒ کے پاس بھیجا اور استفسار فرمایا کہ ایسے پاندان میں (کا) استعمال جائز ہے کہ نہیں۔ سید العلماءؒ نے ارشاد فرمایا کہ بسبب مشبک ہونے کے بلا تامل جائز ہے۔ مگر بڑے بھائی کو بھی دکھایا جائے۔ پس اپنے فرزند جناب زبدۃ العلماء کو اس امر پر مامور فرمایا۔ وہ جناب پاندان لے کر خدمتِ جناب سلطان العلماء میں حاضر ہوئے اس وقت جناب سلطان العلماء خاصہ نوش

فرما رہے تھے۔ آپ (سلطان العلماءؒ) نے ملاحظہ فرمایا تو ارشاد کیا کہ چھوٹے بھائی نے کیا کہا ہے۔ جناب زبدۃ العلماء نے عرض کیا کہ فرمایا ہے چونکہ مشبک ہے، ظرف کا اطلاق اس پر نہیں ہوسکتا۔ پس استعمال جائز ہے۔ جناب سلطان العلماء نے تبسم فرما کے ارشاد فرمایا کہ میں خشکہ اس میں رکھدوں۔ جناب زبدۃ العلماء نے عرض کی کہ یہ درست ہے کہ خشکہ اس میں ٹھہر جائے گا مگر پانی کسی طرح نہ تھمے گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ چھوٹے بھائی نے کہا ہے اصل میں وہی حکم شرع ہے مگر بہتر یہ ہے کہ اس طرح سے جواب استفتاء لکھ دیا جائے کہ "احوط اجتناب ہے" پس جناب سید العلماءؒ نے یہی تحریر فرمادیا۔(۱۵۵)

اسی طرح سلطان العلماء کے انکسار نفس کے ذکر میں یہ واقعہ بھی ہے کہ آپ ایک مرتبہ سید العلماء کی اقتداء میں نماز میں شریک ہوئے۔ جب سید العلماء نماز سے فارغ ہو کر منبر پر وعظ کے لئے تشریف لے گئے اس وقت آپ کو سلطان العلماء کی موجودگی کی خبر ہوئی تو بہ سبب لحاظ و شرم کے چند کلمے وعظ کے ارشاد فرما کر اتر آئے اس طرح سے کہ بہ سبب حجاب کے منبر پر نظر بلند نہ فرمائی۔(۱۵۶)

مولانا ہدایت حسین صاحب فرماتے ہیں کہ جناب سلطان العلماء کا یہ فعل یعنی چھوٹے بھائی کی اقتداء میں نماز پڑھنا ان کی صفتِ انکسار نفس کے علاوہ اس صفت پر بھی دال ہے کہ آپ کو ہمہ تن اپنے خردوں کی عزت افزائی ملحوظ تھی۔ کیونکہ آپ کا یہ فعل جناب سید العلماء کی فضیلت اور علوِ مرتبت کا سبب ہے۔(۱۵۷)

اسی طرح ایک دن جناب سلطان العلماء اپنے برادر خرد جناب سید حسن صاحب قبلہ طاب ثراہ کی نمازِ جماعت میں شریک ہوگئے۔ بعد ختم نماز جب جناب سید حسن صاحب قبلہ نے

---

(۱۵۵) شجرۂ طیبہ۔ص۔۵۲، (۱۵۶) شجرۂ طیبہ۔ص۔۵۲،

(۱۵۷) شجرۂ طیبہ۔ص۔۵۲

آپ کو دیکھا تو بیحد شرمندہ ہوئے۔ مگر جناب سلطان العلماء نے فرمایا کہ الحمد اللہ آج میں نے صلواۃ حسن کا ادراک کیا۔

مشکلات میں امامِ زمانہؑ سے رہنمائی حاصل کرنا:۔

صاحب شجرۂ طیبہ کا یہ بیان گذشتہ سطور میں آچکا ہے کہ:۔

''اس ایمان افروز خواب میں بشارت کا ایک یہ بھی ثمرہ ہے کہ حضرت سلطان العلماء کو جب بھی کوئی شدید مشکل پیش آتی، آپ عریضہ ارسال فرماتے۔ کوئی عریضہ آپ کا ایسا نہ ہوتا تھا جس کے ذریعے مشکل حل نہ ہو مگر آپ کی عادت یہ تھی کہ سوائے امورِ عظیم کے کسی امر کے لئے عریضہ نہیں دیتے تھے۔'' (۱۵۸)

چونکہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف آپ کے متکفل ہوئے تھے، اس لئے جب آپ عریضہ دیتے تو اس میں اپنا نام اس طرح لکھتے:۔

''المربوب فی حجر رافتہ محمد بن علی بن محمد''۔

''محمد بن علی بن محمد'' اپنے اور اپنے والد علام وجدِ امجد کے اسمائے گرامی کے حوالہ سے لکھتے تھے، اس لئے کہ:۔

آپ کا اسمِ گرامی:	سید محمد تھا۔
حضرت غفرانمآبؒ کا اسمِ گرامی:	سید دلدار علی تھا
اور ان کے والد گرامی کا نامِ نامی:	سید محمد معین تھا۔

---

(۱۵۸) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۴۷

سلطان العلماء کی علمی منزلت:

جناب سلطان العلماء کی علمی منزلت کے حوالہ سے ان کے افقہ و اعلم ہونے پر جناب چودھری سبط محمد نقوی مرحوم کے منفی یا مخالفانہ خیالات پر بحث کی جا چکی ہے۔ ہم پھر کہیں گے کہ جس کو امام زمانہ عجل اللہ فرجہ تعلیم دیں اور ارشاد فرمائیں کہ یہ فضل و کمال میں بے مثال ہوگا، اس کی علمی منزلت کس کے فہم و ادراک میں آسکتی ہے اور آپ کے اس ارشاد پاک سے بڑھ کر کوئی اور سند کہاں ہو سکتی ہے۔ اس کے باوجود سلطان العلماء کی علمی منزلت اور افقہ و اعلم ہونے پر سوالیہ نشان لگانا بلکہ واضح طور پر اس سے انکار کرنا ناقابل فہم ہے۔ یہ بڑی نازک منزل ہے۔ ہم اس کے علاوہ کچھ اور کہہ نہیں سکتے۔

سیرت نگاروں نے اختصار کے ساتھ کہیں کہیں اس موضوع پر قلم فرسائی کی ہے۔ ان حضرات کے علم و مشاہدہ کی روشنی میں حضرت سلطان العلماء کی علمی منزلت کا کچھ نہ کچھ ادراک ہو جاتا ہے۔ ان تحریروں میں سے بعض کے اقتباسات ہم نے مختلف موضوعات کے تحت مختلف مقامات پر بھی دیئے ہیں مگر یہاں ''علمی منزلت'' کے حوالہ سے انہیں یکجا کر رہے ہیں۔ یہ تکرار اگرچہ انشاء پردازی کے حوالہ سے غیر مستحسن اور تحریر کا نقص سمجھی جا سکتی ہے مگر چودھری صاحب مرحوم کی تحریر پڑھنے والے اور بعض دیگر حضرات بھی اس بارے میں حقیقت جاننے کے متمنی ہو سکتے ہیں۔ اس لئے یہ تکرار ضروری سمجھی۔ ملاحظہ ہو:۔

سب سے پہلے حضرت نجم العلماء مولانا سید ہدایت حسین صاحب طاب ثراہ خلف الرشید زبدۃ العلماء مولانا سید علی نقی صاحب طاب ثراہ ابن حضرت سید العلمائے اوّل مولانا سید

حسین صاحب علیین مکاں کی نہایت اہم تصنیف "شجرۂ طیبہ (تاریخی نام: نجوم تواریخ)" سے اقتباس ملاحظہ ہو۔

ملحوظ رہے کہ جناب نجم العلماء حضرت غفراںمآبؒ اور حضرت سید العلماءؒ و سلطان العلماءؒ سے زمانی اور خاندانی اعتبار سے بہت نزدیک تھے اور چودھری صاحب مرحوم کی زبان میں "اہلبیت" کہے جانے کے زیادہ مستحق تھے۔

نجم العلماء فرماتے ہیں:-

"۔۔۔اور کیونکر وہ جناب یکتائے زماں و وحیدِ دوراں نہ ہوتے حالانکہ حضرت صاحب العصرؑ والزماں علیہ الصلوٰۃ اللہ منان نے اس جناب کو اپنا فرزند قرار دیا تھا اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ وہ جناب ایامِ طفولیت میں طرف تحصیل علم کے راغب نہ تھے اور جناب غفراںمآبؒ کو اس امر کا نہایت رنج و ملال تھا۔ پس ایک روز خواب میں دیکھا کہ حضرت صاحب العصرؑ تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تم رنج نہ کرو۔ یہ میرا فرزند ہے۔ میں خود اس کو تعلیم کرتا ہوں اور یہ فضل و کمال میں عدیم المثال ہوگا۔ پس اس روز سے جناب غفراںمآبؒ کو اطمینانِ تمام ہوگیا یہاں تک کہ ببرکتِ کلامِ امامؑ خود بخود اس جناب کو شوقِ درس و تدریس ہوا کہ مدتِ قلیل میں وحیدِ عصر اور سرآمدِ علمائے دہر ہوئے اور ایسی حدتِ ذہن اور جودتِ طبع حق تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی کہ کبھی کسی مسئلہ عقلیہ و نقلیہ میں خوض و فکر کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔

عہدِ سلطنت جناب جنت مکاں بادشاہ جمجاہ حضرت امجد علی شاہ طاب ثراہ میں مرافعہ اور قضائے احکام شریعت آپ ہی فرماتے تھے۔ گردن زدنی اور قطع یدِ سارق و حبس محبوسین و جملہ

قصاص کا حکم آپ ہی دیتے تھے۔ کبھی امورِ شرع میں خوف لوم لائم اور رعایتِ رئیس وحاکم نہ فرماتے تھے۔(۱۵۹)

علوم میں جامعیت اور کمالات:

۱۔ مولانا مرتضیٰ حسین صاحب فاضل مرحوم لکھتے ہیں:۔

''غفرانمآبؒ جناب آیۃ اللہ سید دلدار علی نقوی جائسی لکھنؤ اور برصغیر کے عظیم ترین فقیہ ومجتہد تھے۔ تیرھویں صدی میں تمام شیعہ آپ کو مقتدائے اعظم مانتے تھے۔ موصوف نے لکھنؤ کے سرمایہ دار ماحول میں اسلامی اقدار کو فروغ دینے میں جوسعی و کوشش کی تھی، ان کے فرزند سید محمد صاحب (سلطان العلماء) نے کمال تک پہنچائی۔''(۱۵۹۔الف)

۲۔ اپنے وقت کے اساتذۂ شعروسخن میں ممتاز اور تذکرۂ علماء پر مشتمل ''تجلیات'' کے مصنف لسان الہند مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی حضرت سلطان العلماء کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''تمام علومِ عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل اپنے والد علام سے کی۔ غفرانمآبؒ کے بعد ہندوستان میں یہ اجتہاد کا نقشِ ثانی تھا۔ سلطان العلماءؒ نے اپنے والد کی حیات ہی میں مرجعیت پیدا کی تھی۔ ان (غفرانمآبؒ) کے بعد تو ہندوستان کا چپہ چپہ ان (سلطان العلماء) کے فروغِ کمال سے جگمگا اُٹھا۔ فرقۂ شیعہ جس قدر بھی اس وجود محترم پر ناز کرے، بجا ہے۔ آج بھی لکھنؤ میں سینکڑوں چشمے اس دریائے ناپیدا کنار کے جاری ہیں۔ اٹھارہ سال کی عمر میں درجۂ اجتہاد پر فائز ہوگئے۔

---

(۱۵۹) شجرۂ طیبہ۔ص۔۴۷

(۱۵۹۔الف) مطلع انوار۔ص۔۳۵۵

جناب غفرانمآبؒ کی حیات میں سلطان العلماء کا تبحر علمی اور کمال نفسی اس حد تک تھا
کہ "آئینۂ حق نما" میں نہایت وقیع اور گرانقدر الفاظ میں ذکر کیا ہے۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"غفرانمآبؒ نے انتقال کیا۔ اس وقت سلطان العلماء کا خورشید کمال نصف النہار پر تھا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بنیادیں غفرنمآبؒ نے قائم کی۔ عمارت کو سر بفلک سلطان العلماء نے کیا۔

۱۹ رجب کو جناب دلدار علی اعلیٰ علیین میں قیام پذیر ہوئے۔ اس وقت سے سلطان العلماء نے اپنے تمام اوقات کو فضلائے ہندوستان کی تصحیح و تربیت کے لئے وقف کر دیا۔ عموماً تمام ہندوستان اور خصوصاً لکھنؤ ان کے کمالاتِ علمیہ سے چھلک گیا۔ بڑے بڑے زبردست عالموں نے ان کے فضل و کمال کا اعتراف کیا۔ اس عہد کے علماء و فضلاء کے اسناد و اجازات انہیں کی مُہر سے معتزز و مفتخر ہوتے تھے۔" (۱۶۰)

نامور مورخ ڈاکٹر اطہر عباس رضوی اپنی نہایت وقیع اور معروف تصنیف "اثنا عشری شیعیانِ ہند کی عمرانی اور علمی تاریخ" (بزبانِ انگریزی) میں جناب سلطان العلماء کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

"سلطان العلماء نے (بحیثیت مجتہد وفقیہ) نہایت اعلیٰ معیار قائم کئے۔ سارے ملک سے لوگ اپنے مسائل میں آپ سے ہدایات اور فتوے طلب کرتے تھے۔ آپ تمام دینی، معاشرتی اور اقتصادی امور وغیرہ میں ہدایات اور فتوے جاری کرتے تھے جن کی بے حد قدر و منزلت تھی۔ اہلسنت کے علماء بھی سلطان العلماء کی علمی عظمت و

---

(۱۶۰) عزیز لکھنوی۔ تجلیات رمضامینِ عزیز۔ ص ۳۱۲ تا ۳۱۵۔ (ڈاکٹر مسعود حسن رضوی ردولوی)

توقیر کی قدر کرتے تھے اور اکثر ان کے پاس آتے رہتے تھے۔ شیعہ اور سنی فقہ میں آپ کا علم بہت وسیع تھا۔" (۱۶۱)

حضرت غفرانمآبؒ کے تذکرہ میں لکھا جا چکا ہے کہ وہ تمام علوم عقلی و نقلی میں کامل دسترس رکھتے تھے اور اپنے تمام طلباء کو ہر علم میں تنِ تنہا تعلیم دیتے تھے اور تعلیم بھی ایسی کہ جس کو جس علم سے دلچسپی ہوئی اس علم میں اس کو اپنے وقت کا ماہر ترین عالم بنا دیتے تھے۔ مختلف علوم میں آپ کی جامعیت کے پیشِ نظر سرکار سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ اور زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ طاب ثراہ وغیرہ نے آپ کو ایک چلتی پھرتی یونیورسٹی کہا۔ حضرت سلطان العلماء کو بھی تمام عقلی اور نقلی علوم میں ایسی ہی جامعیت حاصل تھی جیسی ان کے والد علام حضرت غفرانمآبؒ کو۔

عقلی و نقلی علوم:

بعض قارئینِ کرام کے اذہانِ عالیہ میں عقلی و نقلی علوم کے بارے میں کوئی سوالیہ نشان ہو سکتا ہے اور وہ اس کی تفصیل جاننا چاہتے ہوں گے۔ اس لئے عرض ہے کہ علمائے اخلاق نے علوم کی قسمیں قرار دی ہیں۔ عقلی اور نقلی علوم میں طبیعات والہیات، کلام، تفسیر، حدیث، اصول، فقہ، لغت، صرف و نحو، معانی و بیان، بدیع، عروض و قافیہ، منطق، ادب، ریاضی، ہندسہ، ہیئت، اور حساب وغیرہ شامل ہیں۔

جناب سلطان العلماء کو ان تمام علوم و فنون پر مکمل عبور اور یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ اس کی دلیل ان کے وہ دروس ہیں جو مختلف علوم پر ہوتے تھے۔ وہ صرف فقہ و اصول و کلام نہیں پڑھاتے تھے۔ وہ فلسفہ و حکمت بھی پڑھاتے تھے۔ فلکیات کا درس بھی ہوتا تھا۔ مناظرہ کی تعلیم بھی دیتے

---

(۱۶۱) ڈاکٹر رضوی۔ جلد۔۲۔ ص۔۱۴۱

تھے اور دوسرے علوم وفنون کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ فقہ سے ذوق رکھنے والے طلباء سمجھتے تھے کہ وہ فقہ میں اعلم ہیں اور فلسفہ وحکمت کے متلاشی جب منطقی مسائل کی تحلیل میں مصروف ہوتے تھے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس فن کے شہنشاہ ہیں۔ جامعیت ہی نے ان کی شخصیت کو پُرکشش بنایا۔ طلبہ سے عبارت سننے کے بعد ان کی شیریں بیانی میں غیر مانوس مسائل پر اس لطف سے بحث ہوتی کہ سامعین ہمہ تن گوش ہوتے اور دلوں میں پیدا ہونے والے شبہات کا قلع قمع ہو جاتا۔ زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ کے مطابق صرف سلطان العلماء کے فرزند ارجمند سید مرتضیٰ صاحب قبلہ وہ تھے جن کو ردوقدح کا موقع ملتا تھا اور وہ مرنے والے محیر العقول ذہنیت کے حامل تھے جن سے بہتر طلباء میں کوئی نہ تھا۔

سلطان العلماء کو موسیقی کے علم پر بھی اتنی دسترس حاصل تھی کہ مولوی محمد باقر صاحب سہارنپوری کے مطابق ایک ڈھاڑی تائب ہوکر ایک ماہر موسیقی کے ہمراہ سلطان العلماء کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ان سے موسیقی کے بارے میں سوالات شروع کئے اور دیر تک اسی موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔ ان لوگوں کو حیرت ہوئی اور کہا حضور یہ ہمارا تو فن ہے، آپ کی معلومات کیسے اتنی وسیع ہیں۔ آپ نے ہنس کر فرمایا، بہت زمانہ ہوا جب میں نے بہ نظر تحقیق ان مضامین کو دیکھا تھا۔ (۱۶۳)

سلطان العلماء کی جلالتِ علم علمائے عراق کی نظر میں:۔

سلطان العلماء کی اعلمیت پر مزید گفتگو کی ضرورت نہیں۔ صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ مقامی طور پر مفتی میر محمد عباس شوستریؒ جیسے جید عالم اور عراق وایران کے عظیم المرتبت فقہاء و

(۱۶۳) مولانا آغا مہدی صاحب طاب ثراہ۔ تاریخ سلطان العلماء۔ ص۔ ۴۸۔۴۹

مجتہدین کرام خصوصاً آقائی محمد حسن نجفی طاب ثراہ صاحب "جواہر الکلام" اور آقائی علامہ سید ابراہیم موسوی وغیرہ نے جن لفظوں میں حضرت سلطان العلماءؒ کو خراجِ تحسین پیش کیا وہی ان کے افقہ و اعلم ہونے پر دلیلِ کافی و شافی ہے۔

آقائی علامہ سید ابراہیم موسوی طاب ثراہ نے اپنے ایک خط میں سلطان العلماء کو "تمام عالموں کے مقتدیٰ اور تمام فقہا اور متبحر عالموں کے پیشوا اور اپنے زمانہ کے علامہ" لکھا۔

آقائی محمد حسن نجفی طاب ثراہ نے اپنے ایک خط میں اس طرح خراجِ تحسین پیش کیا:۔

"اولادِ حضرت عبدِ مناف" کی اساس اور علماء کے پیشوا اور مجتہدین میں منتخب۔۔۔

قطب شمالی سے ثریا تک جن کی بلندی ہدایت پہنچتی ہے برادرم سید محمد"۔

دونوں علمائے کرام کے خطوط کی متعلقہ عبارتوں کے تراجم "سلطان العلماء کو خراجِ تحسین" کے عنوان کے تحت درج کیے جائیں گے۔

<u>محامد و اوصاف:</u>

جناب مولانا ہدایت حسین صاحب طاب ثراہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس جناب کے محامد و اوصاف کریمہ اور فضائل و مناقب عظیمہ اگر تحریر کیے جائیں تو ایک کتاب ضخیم ہو۔ اور کیونکر وہ جناب یکتائے زماں، وحیدِ دوراں نہ ہوتے حالانکہ حضرت صاحب العصر والزماں علیہ الصلوات اللہ المنان نے اس جناب کو اپنا فرزند قرار دیا تھا۔" (۱۶۳)

---

(۱۶۳) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۵۷،

(الف) صفاتِ ظاہری:

بعض سیرت نگاروں نے جناب سلطان العلماء کے صفاتِ ظاہری یعنی شمائل اور جلالت وہیبت وغیرہ کا ذکر شاندار تحسینی لفظوں میں کیا ہے۔ اختصار کے خیال سے یہاں صرف لسان الہند حضرت عزیز لکھنوی کا ارشادِ عالی ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

''سلطان العلماء محاسنِ ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے حسن و کمال و ہیبت و جلالِ ظاہری بھی حدِ کمال تک تھا۔ منبر پر ان کی خاص شان ہوتی تھی۔ عمامہ و جامۂ سفید ان پر اس قدر زیب دیتا تھا کہ لوگ دیکھا کرتے تھے۔ عاشور کے دن اپنے امام باڑہ (امام باڑہ غفرانمآب لکھنؤ) میں مصائبِ امامِ مظلوم بیان کیا کرتے تھے۔ سر پہ سبز عمامہ، دوش پر سیاہ عبا ہوتی تھی۔ آنکھوں سے متصل آنسو جاری ہوتے تھے اور صورت خود ایک مرثیہ ہوتی تھی۔ گریہ گلوگیر ہوتا تھا۔ مشکل سے چند فقرے حدیث کے بیان کر کے منبر سے اتر آتے تھے۔ دیر تک گرد ہجوم رہتا تھا۔ (۱۶۴)

''شان و جبروت کا یہ عالم تھا کہ سلاطینِ ملک کے سر پر تخت نشینی کے وقت تاجِ شاہی انہیں کے ہاتھوں رکھا جاتا تھا۔ حق تعالیٰ نے حالتِ انفراد میں ایسی عظمت و مہابت کرامت فرمائی تھی جو بادشاہوں کو باوجود لشکر کے نہ ہوگی۔ (۱۶۵)

آپ کے جلال و ہیبت کے بارے میں مفتی محمد عباس صاحب طاب ثراہ فرماتے ہیں:۔

رہبرِ دینِ علیؑ بود است و ہمنامِ نبیؐ
ہیبتے از رعب او در قلبِ کافر داشتند

ترجمہ: وہ حضرت علیؑ کے دین کے رہنما اور رسولِ خدا کے ہمنام تھے۔ ان کے رعب سے کافروں کے دلوں پر ہیبت طاری رہتی تھی۔

---

(۱۶۴) عزیز لکھنوی۔ تجلیات رمضامین عزیز۔ ص۔ ۳۱۳

(۱۶۵) عزیز لکھنوی۔ تجلیات رمضامین عزیز۔ ص۔ ۳۱۴

صفات باطنی (افکار و کردار)

حضرت عزیز لکھتے ہیں:۔

''سلطان العلماء بے حد متواضع اور منکسر مزاج تھے۔ ہمیشہ اپنے چھوٹے بھائی سید العلماء کو اپنے نفس سے مقدم رکھتے تھے۔۔۔ حلم و مروّت کا یہ حال تھا کہ ہر شخص سے نہایت خندہ پیشانی سے ملتے تھے اور مطلب برآری کرتے تھے۔ علاوہ ان رقموں کے جو آپ کے پاس آتی تھیں، اپنے ذاتی مصارف سے بھی ہمیشہ بذل و ایثار کرتے تھے۔ اپنے نفس کے واسطے کوئی سامانِ راحت نہ تھا۔ نہ کبھی کوئی بلند عمارت تعمیر کرائی نہ قیمتی لباس نہ طعامِ لذیذ کی طرف رغبت ہوئی۔ اکثر صائب کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے ۔

با کمالِ احتیاج از خلق استغنا خوش است　　　با دہانِ تشنہ مردن بر لب دریا خوش است

جب انتقال ہوا تو سوا کتب خانے کے ایک درہم بھی نہ نکلا جو ورثاء پر تقسیم ہوتا یا اس سے تجہیز و تکفین کی جاتی۔'' (۱۶۶)

یہ کیفیت اس حقیقت کے باوجود تھی کہ انگریزوں کی حکومت کی طرف سے ایک ہزار روپیہ ہر ماہ آپ کے ذاتی مصارف کے لئے پیش کیا جاتا تھا۔ اس زمانے میں ایک ہزار روپیہ بہت بڑی رقم ہوتی تھی جو آپ مومنین کی حاجتیں پوری کرنے میں صرف کر دیتے تھے۔

نجم العلماء مولانا ہدایت حسین صاحب اعلی اللہ مقامہ بھی تحریر فرماتے ہیں:۔

''سخی و جواد ایسے تھے کہ بعد انتقال مالِ دنیا سے کچھ نہ نکلا۔۔۔ تارکِ لذات ایسے تھے کہ کبھی غذائے لطیف و لباسِ نفیس کی رغبت و عادت نہیں فرمائی بلکہ ہمیشہ کم قیمت تذریب کا

---

(۱۶۶) عزیز لکھنوی۔ تجلیات / مضامین عزیز۔ ص۔ ۳۱۳۔

کرتا، چھالٹین کا پائجامہ زیب تن فرماتے۔ عید بقر عید میں رسم زمانہ کے موافق جامہ پہن کر مسجد میں تشریف لے جاتے۔ کبھی ایسا ہوا کہ وہ۔۔۔ جس کو "دوگا" کہتے ہیں اوڑھے ہوئے فنس پر سوار ہوئے۔ راہ میں اتفاق سے حکیم صحت الدولہ بہادر سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے بعد آداب کے بے تکلف عرض کیا کہ قبلہ و کعبہ یہ لباس تو آپ نہ پہنا کیجئے کہ ہم لوگوں کو حجاب آتا ہے۔ عطر سے تو ان جناب کو نفرت تھی۔" (۱۶۷)

بعض دوسرے سیرت نگاروں اور تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے:۔

"سید محمد (سلطان العلماء) نے (بحیثیت مجتہد و فقیہ) نہایت اعلیٰ معیار قائم کئے۔ نصیر الدین حیدر شاہ کے دور میں ان کے لئے یہ نہایت مشکل تھا کہ وہ بادشاہ کو معصومینؑ کی ولادت و شہادت کی یادگاریں منانے میں غیر سنجیدہ (غیر معقول) اور بچکانہ رسوم اور طریقے ایجاد کرنے سے روکیں۔ (مثلاً عاشور کے دن امام حسینؑ کی شبیہ میت پر نماز جنازہ پڑھانے کا حکم جس کا ذکر تفصیل سے بعد میں آئے گا (ساحر)

سلطان العلماء کے حسن اخلاق سے معاشرہ کے ہر طبقہ میں ان کو مثالی مقبولیت حاصل تھی۔ اودھ کی شاہی حکومت ختم ہونے کے بعد بھی آپ کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ (۱۶۸)

شیعی اور سنی فقہ میں نہایت وسیع علم کے علاوہ سلطان العلماء فطرۃً خوش طبعی، لطیف ظرافت اور برجستہ نکتہ سنجی کے محاسن و صفات سے بھی مزین تھے۔ اپنے انہی محاسن و صفات سے نہایت مشکل اور گمبھیر معاملات کو بھی آسانی کے ساتھ اور کبھی کبھی ایک آدھ لطیف جملہ ہی سے نمٹا دیتے تھے۔ (ایسے بعض لطیف واقعات کا ذکر آگے آئے گا)۔

عوام میں سلطان العلماء کی ہر دلعزیزی، مقبولیت اور عزت و توقیر کی وجہ سے برطانوی

---

(۱۶۷) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۵۱،

(۱۶۸) نزہۃ الخواطر۔ ج۔ ۷۔ ص۔ ۴۱۵

حکام بھی آپ کا لحاظ کرنے پر مجبور تھے۔

اودھ میں انگریزوں کی نئی نئی قائم حکومت نے سلطان العلماءؒ کی تنخواہ بند کردی تھی مگر بعد میں ایک ہزار روپیہ ماہوار پنشن مقرر کردی۔ عدالت میں حاضری سے مستثنیٰ کردیا، بغیر لائسنس کے ہتھیار رکھنے کا اختیار دیا اور برطانیہ کے شاہی دربار میں آپ کے لئے ایک کرسی مخصوص کردی۔(۱۶۹)

صبر:

سلطان العلماء کے صبر کا یہ عالم تھا کہ ارشد و اعلم اولاد یعنی خلاصۃ العلماء جناب سید مرتضیٰ صاحب قبلہ نے مرضِ وبا میں مبتلا ہو کر بوقت نمازِ صبح انتقال فرمایا اور آپ کو یہ اطلاع بھی مل گئی کہ آپ کے بھتیجے اور سید العلماء سید حسین صاحب علیین مکان کے فرزندِ ارجمند زبدۃ العلماء سید علی نقی طاب ثراہ کو بھی اسہال کی شکایت ہوگئی ہے۔ اُس شب کو جناب زبدۃ العلماء اپنے خسر جناب منصف الدولہ کے گھر واقع سرائے معالی خاں میں تشریف فرما تھے۔ سلطان العلماء نے یہ خبر سن کر ممانعت فرمائی کہ کوئی شخص خلاصۃ العلماء کی بیماری (رحلت) کی خبر زبدۃ العلماء کو نہ دے۔ اس کے بعد صبح کو خلاصۃ العلماء کے انتقال کے بعد ان کی میت گھر میں چھوڑ کر اپنے شریعت کدہ سے جناب زبدۃ العلماء کے پاس مزاج پرسی کے لئے تشریف لے گئے۔ مگر باہر فنس ہی پر تشریف رکھے رہے۔ جب جناب زبدۃ العلماء باہر آپ کے پاس تشریف لائے تو آپ نے مزاج پرسی کی اور ایسا ضبط فرمایا کہ فرزندِ ارجمند کی رحلت کا صدمہ چہرۂ اقدس سے بالکل ظاہر نہ ہوا۔ جب جناب زبدۃ العلماء کی خیر و عافیت سے مطمئن ہو گئے تو دلِ پُر درد سے ایک آہِ سرد کھینچی اور فرمایا کہ

(۱۶۹) مولانا آغا مہدی صاحب۔ تاریخ سلطان العلماء مطبوعہ ۱۹۶۷ء۔

سید مرتضیٰ ہم کو دعا دے گئے۔ یہ خبر سن کر جناب زبدۃ العلماء نے ساتھ چلنے کا قصد فرمایا مگر آپ مانع ہوئے۔ جب انہوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ قسم ہے تم کو میرے حق کی کہ تم حرج و تکلیف نہ کرو۔

مولانا ہدایت حسین صاحب فرماتے ہیں، "سبحان اللہ ایسی محبت اور شفقت اور ایسا صبر وضبط، یہ کام اسی جناب کا تھا"۔(۱۷۰)

استغنا اور قناعت:

"مرافعہ شریعہ" کے قیام کے بعد امورِ مملکت میں سلطان العلماء کو اتنا دخل اور اختیار حاصل ہو گیا تھا کہ جیسے پورا شاہی اقتدار ان کے ہاتھ میں ہو۔ اس کے باوجود سلطان العلماء کے استغنا اور قناعت کا جو عالم تھا اس کے بارے میں سید العلماءؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

"آج کسی شخص کو ایسا موقع ہاتھ آجائے یا اُس وقت بھی جناب سلطان العلماءؒ کی جگہ کوئی غیر شخص ہوتا تو اس کے وارے نیارے ہو جاتے۔ معلوم نہیں کتنی دولت جائز و ناجائز طریقوں سے جمع کرتا۔ کہا جا سکتا ہے کہ سلطان العلماء کے ہاتھ میں پورا شاہی اقتدار تھا۔ پھر بھی آپ نے نہ کوئی عالی شان محل بنایا نہ کوئی بڑی جائیداد خریدی۔ حتیٰ کہ رحلت کے وقت آپ کے پاس ایک درہم بھی نہ نکلا جو تجہیز و تکفین میں استعمال ہوتا یا وارثوں تک پہنچتا۔ جوہری محلہ لکھنؤ میں ایک ذاتی مکان تھا جہاں فوجداری کے محکمہ کے مقدمات بھی سنے جاتے اور ان پر فیصلے دیئے جاتے تھے۔ مجرموں کو سزائیں بھی دی جاتی تھیں اور دفتری امور بھی انجام دیئے جاتے تھے۔"

---

(۱۷۰) شجرۂ طیبہ۔ ص ۵۲۔۵۳

سید العلماء مزید فرماتے ہیں:۔

یہ سلطان العلماءؒ کی سیرت کا وہ پہلو تھا جس سے متاثر ہو کر مفتی میر محمد عباس صاحب کو کہنا پڑا کہ:۔

در حکومت زہد و تقویٰ العجب ثم العجب
کیسہ پُر زر داشتند و طبعِ بوذرؓ داشتند (۱۷۱)

حضرت عزیزؔ کا یہ قول درج کیا جا چکا ہے کہ:۔

(سلطان العلماء میں) حسن و کمال اور ہیبت و جلالِ ظاہری بھی حدِ کمال تک تھا۔

اس رعب و ہیبت و جلالت اور قوتِ دل کے باوجود سلطان العلماء نہایت رقیق القلب تھے۔ یہ حال تھا کہ کبھی کسی غیر کے بچہ کا رونا بھی گوارا نہ ہوتا تھا۔ ایک روز فینس پر کہیں تشریف لئے جا رہے تھے۔ اثناءِ راہ میں ملاحظہ فرمایا کہ ایک عورت اپنے لڑکے کو زد و کوب کر رہی ہے اور وہ رو رہا ہے۔ آپ نے فینس ٹھہروا کر اس عورت کو بلایا۔ وہ حاضر ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ خبردار اب کبھی اس بچہ کو نہ مارنا ورنہ اس بچہ کو تم سے چھین لیا جائے گا۔ اس زمانہ میں شاہی حکومت باقی نہیں رہی تھی مگر آپ کے رعب و داب کے سبب اس نے معذرت کی اور اقرار کیا کہ آئندہ بچہ کو نہیں مارے گی۔ (۱۷۲)

شگفتہ مزاجی اور لطیف پیرایۂ بحث و جواب:

حضرت سلطان العلماء کی ہمہ وقت دین و مذہب کے مسائل میں مصروفیت اور ظاہری رعب و داب و ہیبت و جلالت کا تقاضا یہ ہو سکتا تھا کہ آپ زاہدِ خشک، تنگ مزاج اور پُر خشونت انداز رکھتے ہوں مگر یہ حیرت انگیز بات ہے کہ حضرت سلطان العلماء نہایت شگفتہ مزاج تھے، زاہد

(۱۷۱) سید العلماء۔ شعاعِ عمل۔ فروری ۲۰۰۴ء۔ ص۔ ۴۲
(۱۷۲) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۵۱،

خشک نہیں تھے۔ ذہانت اور شگفتہ مزاجی بڑے بڑے بحث ومناظرہ کرنے والوں کو محض چند لفظوں میں ساکت اور خاموش کردیتی تھی۔ زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ طاب ثراہ کا ارشاد ہے کہ نعمت خان عالی کی فراست اور امیر خسرو کے لطائف و حاضر جوابی ان (سلطان العلماءؒ) کی گفتگو کے آگے ہیچ معلوم ہوتی ہے۔(۱۷۳)

نجم العلماء جناب مولانا سید ہدایت حسین صاحب طاب ثراہ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

''تحریر وتقریر اس جناب کی کم ایسا ہوتا تھا کہ لطائف سے خالی ہو اور ممکن نہیں ہے کہ وہ دُرِ بے بہا رشتہ تحریر وسمط تقریر میں کوئی شخص جمع کرسکے۔ لیکن چند لطائف بنظرِ اختصار تحریر کیے جاتے ہیں۔''(۱۷۴)

۱۔ مندرجہ ذیل واقعہ کے کردار کو جناب نجم العلماء نے ''ایک عرب مدنی مخالف مذہب کہ علم قراءت میں بے مثل تھا'' لکھا ہے۔ مگر دوسرے سیرت نگاروں نے اس کو ہندوستانی (بیرونِ لکھنؤ کا) اور اس کی قراءت کو نہایت معمولی بلکہ ناگوار لکھا ہے۔ یہ نقطۂ نظر زیادہ قرینِ قیاس ہے اس لئے کہ اگر وہ قاری قراءت میں بے مثل ہوتا تو یہ واقعہ اس طرح پیش نہیں آسکتا تھا۔ اس لئے ہم دوسرے نقطۂ نظر کے مطابق یہ واقعہ یہاں لکھ رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔

ایک قاری صاحب لکھنؤ آئے انہیں اپنی قراءت پر بڑا ناز تھا۔ وہ علمائے فرنگی محل کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی قراءت کا مظاہرہ کیا۔ ان علمائے کرام نے ان کی قراءت پر ناگواری کا اظہار کیا۔ اس کے بعد وہ سلطان العلماء کی خدمت میں باریاب ہوئے اور ان سے بھی اپنی قراءت کے کمالات کا ذکر کیا۔ سلطان العلماء کی اجازت سے انہوں نے قراءت کی۔ سلطان العلماء نے قراءت سن کر ایسی بے مثال

(۱۷۳) زبدۃ العلماء۔ تاریخ سلطان العلماءؒ۔ ص۔ ۱۲۰

(۱۷۴) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۵۳

ذہانت، علمیت اور شگفتہ مزاجی کے ساتھ ایسے لفظوں میں اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا کہ قاری صاحب موصوف بہت خوش ہو گئے۔ سلطان العلماء سے رخصت ہو کر وہ پھر علمائے فرنگی محل کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ آپ لوگوں نے میری قراءت کی مذمت کی تھی مگر دیکھئے کہ سلطان العلماء نے کیسے شاندار لفظوں میں میری تعریف کی۔ علمائے فرنگی محل جناب سلطان العلماء کی علمی منزلت وعظمت سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ انہوں نے بڑی حیرت سے قاری صاحب سے پوچھا کہ سلطان العلماء نے تعریف کی۔ قاری صاحب نے کہا جی ہاں۔ انہوں نے پھر پوچھا کہ سلطان العلماء نے کیا کہا۔ قاری صاحب نے جواب دیا کہ انہوں نے مجھے سبع قراء (سات معروف قراء) کا آٹھواں کہا۔ وہ لوگ پھر حیران ہوئے اور کہا کہ یہ بتاؤ کہ انہوں نے کیا کہا تھا۔ قاری صاحب نے کہا کہ یہی کہا تھا کہ تم ان سات قراء کے آٹھویں ہو۔ ان حضرات نے پھر کہا کہ وہ اصل لفظیں بتاؤ جو سلطان العلماء نے کہیں۔ قاری صاحب نے جواب دیا کہ انہوں نے فرمایا ''انت ثامنهم'' (تم اُن سات کے آٹھویں ہو) وہ حضرات اب سمجھ گئے اور حضرت سلطان العلماء کے اس کلام سے بہت محظوظ ہوئے پھر قاری صاحب سے کہا کہ سلطان العلماء نے تم کو ''کتا'' کہا ہے۔ قاری صاحب کو یہ سن کر بہت بُرا لگا اور ان سے کہا کہ آپ یہ کیسے کہتے ہیں کہ انہوں نے مجھے کتا کہا۔ ان حضرات نے فرمایا کہ سورۂ کہف یاد نہیں جس میں اصحاب کہف کے لئے کہا گیا ہے کہ اگر وہ چھ ہیں تو ساتواں ان کا کتا ہے اور اگر وہ سات ہیں آٹھواں ان کا کتا ہے۔ ''ثامنهم کلبهم''۔

قاری صاحب کو اس گفتگو سے بہت صدمہ اور مایوسی ہوئی۔ (۱۷۵)

یہ تھی حضرت سلطان العلماء کی ذہانت علمیت اور شگفتہ مزاجی کی خوبصورت مثال کہ سائل کی مذمت اس طرح کی کہ وہ اسے اپنی مدح سمجھا۔

۲۔ ایک مرتبہ شرف الدولہ (نومسلم) بروز عید سلطان العلماء کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ آپ کے گھر کے اطفال مٹی کے کھلونے لائے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ ہنود (ہندوؤں) پر طعن فرماتے ہیں کہ بت پرستی کرتے ہیں اور آپ خود اپنے اطفال کے واسطے بت منگاتے ہیں۔ جناب سلطان العلماء نے فوراً ارشاد فرمایا۔ تم نہیں جانتے، کہ ہمارے جد بزرگوار بت شکن تھے۔ ہم بھی اطفال کو بچپن ہی سے بت شکنی کی عادت ڈال دیتے ہیں۔ یہ ابھی خرید کر لائے ہیں تھوڑی دیر میں توڑ کر پھینک دیں گے۔ (۱۷۶)

۳۔ اودھ پر انگریزوں کے قبضہ کے بعد انگریز پادریوں نے عیسائیت کی تبلیغ شروع کر دی اور اس سلسلہ میں مسلم علماء سے، خصوصاً شیعہ علماء سے مناظرے شروع کر دیئے اس لئے کہ اودھ کی حکومت شیعہ حکومت تھی اور خواص و عوام میں شیعیت کا چرچا زیادہ تھا۔ ایک دن ایک پادری صاحب حضرت سلطان العلماء کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ملحوظ خاطر رہے کہ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔

ان پادری صاحب نے سلطان العلماء سے کہا کہ آپ کہتے ہیں کہ آپ کے رسولؐ اللہ کے حبیب تھے اور وہ اپنے نواسے امام حسینؑ سے بہت محبت کرتے تھے۔ اگر ایسا ہے تو پھر انہوں نے امام حسینؑ کو یزیدی قاتلوں میں گھرے ہوئے دیکھ کر اللہ سے کیوں نہیں کہا کہ میرے نواسے کو ان دشمنوں سے بچالے۔

---

(۱۷۵) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۵۴

(۱۷۶) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۵۴

حضرت سلطان العلماء نے تبسم فرمایا اور کہا کہ انہوں نے اللہ سے کہا تھا۔ پادری صاحب نے کہا پھر اللہ نے اپنے حبیب کی بات کیوں نہ مانی اور امام حسینؑ کو کیوں نہ بچایا۔ سلطان العلماءؒ نے جواب دیا کہ اللہ نے حضورؐ سے کہا کہ اے میرے حبیب آپ ان ملعونوں کو نہیں جانتے۔ یہ بڑے ظالم ہیں۔ جب میں ان کے ہاتھوں سے اپنے بیٹے عیسیٰؑ کو نہ بچا سکا تو آپ کے نواسے کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔

یہ جواب سن کر پادری صاحب اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

ایک زمانہ میں حافظ بشیر احمد غازی آبادی کراچی کے ایک مشہور روزنامہ میں دینی موضوعات پر قلم فرسائی فرماتے تھے۔ انہوں نے اس واقعہ کو سلطان العلماء کے بجائے شاہ عبدالعزیز دہلوی کے نام سے درج کیا۔ اس سوال کی نوعیت ہی یہ بتاتی ہے کہ یہ کسی شیعہ عالم سے ہی پوچھا گیا ہوگا۔ یہی بات جناب مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ طاب ثراہ نے بھی لکھی ہے اور لکھا ہے کہ جب ایک طالب علم نے حافظ صاحب کو خط لکھ کے پوچھا کہ آپ نے کس کتاب سے یہ لکھا کہ یہ شاہ عبدالعزیز کا واقعہ ہے تو حافظ صاحب نے خاموشی اختیار کی اور کوئی جواب نہیں دیا۔

۳۔ اودھ پر قبضہ کے بعد انگریزوں نے عدالتیں قائم کیں تا کہ جن پر ان کی مخالفت کا شک ہو ان کو عبرتناک سزائیں دی جائیں۔ چنانچہ ایک دفعہ جناب سلطان العلماء کو بھی طلب کیا گیا اور ان سے کہا کہ انہوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا ہے۔ سلطان العلماء نے فرمایا کہ ہمارے یہاں غیبت امامؑ میں جہاد جائز نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ جب آپ کے امامؑ آئیں گے (ظہور فرمائیں گے) تو آپ سارے عیسائیوں کو قتل کر دیں گے۔ جناب نے فرمایا کہ امامؑ کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ بھی ہوں گے۔ جو دونوں کا حکم ہوگا اس پر عمل کریں گے۔ اس جواب نے اس کو

خاموش کر دیا اور آپ خیر و عافیت کے ساتھ واپس تشریف لے آئے۔

۴۔ کسی شخص کو جناب مفتی میر محمد عباس صاحب طاب ثراہ سے کوئی غرض تھی۔ اس نے سلطان العلماء سے گزارش کی کہ مفتی صاحب سے سفارش فرمادیں۔ آپ نے اس کی درخواست پر یہ مصرع لکھ دیا

؎ ''یا حضرت عباسؑ علیؑ وقتِ مدد ہے''

۵۔ ایک قاری صاحب لکھنؤ میں وارد ہوئے اور انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ صرف ان کی قراءت صحیح ہے۔ لہٰذا جو عقد وہ پڑھائیں گے صرف وہی صحیح ہوگا۔ کسی دوسرے کا پڑھایا ہوا نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ لوگ اس بات سے پریشان ہو گئے۔ بعض نے یہاں تک سمجھ لیا کہ ان کے نکاح باطل ہیں اور وہ ناجائز زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس طرح لوگ شدید تشویش میں مبتلا ہو گئے۔ ایک دن وہ قاری صاحب کسی تقریب میں شریک ہوئے۔ اتفاق سے حضرت سلطان العلماءؒ بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ لوگ قاری صاحب کو ان کے پاس لے کے آئے اور قاری صاحب کا تعارف ان کے اس دعوے کے ساتھ کرایا کہ جو عقد وہ نہیں پڑھیں گے وہ باطل ہوگا۔ اس حوالہ سے مومنین کی تشویش سے بھی سلطان العلماءؒ کو آگاہ کیا۔

سلطان العلماءؒ نے قاری صاحب سے پوچھا آپ کی والدۂ ماجدہ کا عقد کس نے پڑھا تھا۔ بس یہ سنتے ہی قاری صاحب کا دعویٰ ہوا ہو گیا اور وہ بیک بینی و دو گوش وہاں سے رخصت ہو کر راتوں رات لکھنؤ سے روانہ ہو گئے۔

۶۔ کسی نے حضرت سلطان العلماءؒ کو خط لکھا تو آپ کے اسمِ مبارک کو اس طرح لکھا ''جناب سید محمد بہادر''۔

سلطان العلماء نے جواب لکھا تو آخر میں اپنا نام یوں لکھا "سید محمد بے بہادر"۔

۷۔ رفیق الدولہ نے کسی تقریب عروسی میں قبلہ وکعبہ کے سامنے طلائی اوگالدان تھوکنے کے لئے پیش کر دیا۔ آپ نے ان کو غور سے دیکھ کے فرمایا "ہم سونے چاندی پر تھوکتے بھی نہیں"۔

۸۔ دہلی بھیجے جانے والے خطوط میں محلہ "بلی ماراں" کو "ہریرہ کشاں" تحریر فرماتے۔

۹۔ جناب مفتی محمد عباس صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ نے ایک کتاب تصنیف فرمائی اور سلطان العلماء کے ملاحظہ کے لئے پیش کی۔ اس کا نام "روح القرآن" رکھا تھا۔ سلطان العلماء نے کتاب ملاحظہ فرما کے اس کی تعریف کی مگر اس کے نام کو نامناسب سمجھا اور فرمایا کہ اگر یہ کتاب روح قرآن ہے تو جو کچھ باقی ہے وہ کیا ہے۔ یہ تو مصداق اس شعر کا ہو جائے گا جو اہلسنت نے کہا ہے کہ۔

من ز قرآں مغز را برداشتم استخواں پیش سگاں انداختم

لہذا مناسب ہے کہ نام روائح القرآن رکھا جائے چنانچہ مفتی صاحب نے یہی نام رکھا۔ (۱۷۷)

۱۰۔ جائس میں اہلِ تشیع محرم میں ایک جلوس کی شکل میں ضریحِ مقدس محلہ "قضیانہ" سے لے کر جاتے تھے اور اکابر قصبہ (جائس) دشمنانِ دین سے بیزاری کے نعرے لگاتے ہوئے ساتھ ہوتے تھے۔ یہ امر اہلِ قضیانہ پر بہت شاق تھا۔ ایک زمانہ میں فقیر محمد خان نے جن کا تعصب مشہور تھا، نواب معتمد الدولہ کے کان بھر کے انہیں سادات کے خلاف کر دیا اور ان سے اجازت لے کر تین سو ہتھیار بند روہیلہ پٹھانوں کو لے کر حضرت سلطان العلماء کے پاس آئے اور انہیں خوف زدہ کرنے کے لئے چاروں طرف سے گھیر لیا اور آپ سے کہا کہ آپ اپنے ہم مذہب اور ہم وطن

(۱۷۷) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۵۵ (حاشیہ)

سادات کو منع فرمائیں کہ وہ اہلِ قضیانہ کو زحمت نہ دیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ اپنے رواج کو موقوف کریں۔ اس راستہ سے جانا کیا فرض ہے، دوسری راہ سے چلے جایا کریں۔ جناب سلطان العلماء نے فرمایا کہ میں یہاں، وہ لوگ وہاں۔ اگر انہوں نے میری بات مسترد کی تو ناحق سخن ضائع ہوگا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا، مجھے بڑا تعجب ہے باوجود تشرع بطور خود آپ کیونکر ایسے امر میں دخل دیتے ہیں جو مخالفِ روحِ صحابہؓ کبار ہو۔ انہوں نے کہا اس میں کیا مخالفتِ صحابہ ہے۔ سلطان العلماء نے فرمایا کہ تھوڑی دیر تک بدعت ہونا اچھا ہے یا دیر تک۔ انہوں نے کہا کہ جس قدر بدعت کم ہو وہی بہتر ہے۔ جناب نے فرمایا کہ راہِ قضیانہ کم اور کوتاہ ہے اور دوسری راہ طولانی ہے۔ لہٰذا اگر آپ اہلِ قضیانہ کی خوشنودی کے لئے طولِ بدعت کے بانی ہوئے تو یہ کس قدر روحِ صحابہ پر شاق اور بدعت کی زیادتی کا باعث ہوگا۔ لہٰذا اصل معمول سے جس قدر زیادہ بدعت ہوگی وہ آپ ہی سے منسوب ہوگی یعنی اس کی ذمہ داری آپ ہی پر ہوگی۔

جناب سلطان العلماء کی اس گفتگو اور نکتہ آفرینی نے معاملہ کو خوش اسلوبی سے ختم کر دیا۔(۱۷۸)

علم

جو نور دیتا ہے عقلوں کو وہ چراغ ہے علم
جِلائے ذہن ہے تابانیِ دماغ ہے علم
ہے جس میں بادۂ تحقیق، وہ ایاغ ہے علم
سجا ہے وحی کے پھولوں سے جو، وہ باغ ہے علم
خطیبِ بزمِ "سلونی" کے سر کا تاج بھی ہے
نبیؐ کی طبع بھی، قرآن کا مزاج بھی ہے

مرثیہ علم اور علماء
ساحر لکھنوی

---

(۱۷۸) مولانا آغا مہدی صاحب طاب ثراہ۔ تاریخ سلطان العلماء: ص ۱۱۴-۱۱۵

روحانیت، کرامات اور تائیدِ الٰہی:۔

حضرت غفرانمآب "خود صاحب کرامات تھے جس کا ذکر ان کے بیان میں آچکا ہے۔ آپ ہی کی طرح آپ کے دو فرزند حضرت سلطان العلماء اور حضرت سید العلماء بھی صاحب کرامات تھے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ سلطان العلماء کو حضرت قائم آلِ عبا نے اپنا فرزند فرمایا اور ان کے متکفل ہوئے۔ اور جناب سید العلماء کی ولادت باسعادت کی ولادت سے بہت پہلے حضرت سید الشہداء نے حضرت غفرانمآب" کو خبر دے دی تھی اور انہیں حکم دیا تھا کہ اس فرزند کا نام آپ کے اسم اقدس پر رکھیں۔ اسی لیے ان کا نامِ نامی سید حسین رکھا گیا۔

ظاہر ہے ایسی ہستیاں صاحب کرامات نہ ہوں گی تو اور کون ہوگا۔ یہاں ہم حضرت سلطان العلماء کی کرامات اور تائیدِ الٰہی کے کچھ واقعات درج کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:۔

زبدۃ العلماء جناب آغا مہدی صاحب طاب ثراہ تو یہ فرماتے ہیں کہ مولانا محمد حسین نوگانوی اعلیٰ اللہ مقامہ صاحب ''تذکرۂ بے بہا'' نے قبلہ وکعبہ (سلطان العلماء) کی زندگی پر بحث کرتے ہوئے اپنے ایک بیان میں جو کچھ پیش کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جناب اپنے وقت کے بہاء الدین عاملی (م ۱۰۳۰ھ) تھے اور ان کے علم کا ایک باب یہ بھی تھا۔ (۱۷۹)

۱۔ سلطان العلماء کو بعض اعزاء واحباب غدر کے دنوں میں باغیوں کے ڈر سے بہت اصرار کر کے قصبہ ''موہان'' لے گئے تو انگریزوں کی فوج کثیر مال واسباب لوٹنے کے لئے آئی اور مکان کے اندر داخل ہونا چاہا ''حق تعالیٰ نے دفعتاً سارنگ مکھی کو ان کے اوپر مسلط کیا (جو یقیناً ان فوجیوں پر ٹوٹ پڑی ہوں گی اور انہیں بھنبوڑ ڈالا ہوگا۔ (ساحر) تمامی فوج نے متاذی و پریشان

---

(۱۷۹) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۵۵

ہو کر فی الفور فرار کیا اور وہ (سلطان العلماءؒ) مع عیال اس فوج کے شر سے بھی محفوظ رہے اور سارنگ مکھی (شہد کی بڑی مکھی) نے بھی اُس جناب کو معہ لواحقین کے اصلاً ایذا نہ پہنچائی۔(۱۸۰)

جب سلطان العلماء "موہان" سے لکھنؤ واپس تشریف لائے تو ایک ملاقات میں نخبۃ العلماء مولانا سید حسن رضا صاحب حسینی الحربی ترمذی ابنِ قاسم علی زنگی پوری سے یہ واقعہ بیان فرمایا۔ انہوں نے کہا، ثابت ہوا کہ آپ "امیر النحل" (مولا علیؑ کا لقب) کے پوتے ہیں۔

منیرؔ شکوہ آبادی نے اسی واقعہ کے حوالے سے آپ کے قطعہ تاریخ وفات میں یہ شعر کہا ؎

آنکہ بہرِ حفظِ جانش آمد اندر قتلِ عام لشکرِ زنبور از حکمِ خداوندِ قدیر (۱۸۰۔الف)

قارئینِ کرام کو اس واقعہ سے یاد آ گیا ہوگا کہ ابرہہ نے جب ہاتھیوں کی فوج کے ساتھ خانۂ کعبہ پر حملہ کیا تو پروردگار کے حکم سے چڑیوں (چھوٹے پرندوں) نے چھوٹے چھوٹے کنکر اپنی چونچوں میں لے کر ہاتھیوں پر گرائے تو ہاتھی بھوسے کا ڈھیر بن گئے۔ جناب سلطان العلماء پر انگریزی فوج کے حملے پر شہد کی بڑی مکھیوں نے حملہ کر دیا جس کی وجہ سے انگریزی فوج سر پر پاؤں رکھ کر فرار ہو گئی۔ یہ نہیں معلوم کہ شہد کی مکھیوں کا کوئی چھتہ وہاں پہلے سے لگا ہوا تھا یا وہ اچانک کہیں اور سے آ گئیں۔ بہر حال یہ حضرت سلطان العلماء کی عظمت با کرامت کا ایک بہت حیرتناک مگر ایمان افروز واقعہ ہے

۲۔ ایک شخص نے سلطان العلماء سے عرض کیا "میرے گھر میں 'جن' ہے۔ رہنے والوں کو کوئی خاص آزار تو اس سے نہیں پہونچتا لیکن رات کو ہم جس جگہ چار پائی پر سوتے ہیں صبح کو ہماری خواب گاہ گھر کے کسی دوسرے گوشہ میں نظر آتی ہے اور جب دسترخوان پر بیٹھتے ہیں، تو پیالہ کی جگہ رکابی اور کانسہ کے مقام پر پلیٹ، اشیاء خوردنی تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔"

---

(۱۸۰) مولانا آغا مہدی صاحب۔ تاریخ سلطان العلماء۔ ص۔۸۵

(۱۸۰۔الف) مولانا مرتضیٰ حسین فاضل۔ مطلع انوار۔ ص۔۱۸۴۔

سلطان العلماء نے فرمایا مجھے گھر لے چلو۔ انہوں نے مہمان کر کے سامانِ ضیافت کیا۔ آپ دستر خوان پر تشریف لائے تو وہی منظر سامنے تھا۔ اِدھر کی روٹیاں اُدھر پہنچ گئیں اور دور کے پیالے قریب آ گئے۔ نزدیک کی چیزیں سامنے سے ہٹ گئیں۔

سلطان العلماء نے ایک کاغذ پر غالباً کوئی دعا لکھ کر دستر خوان پر رو بہ پشت رکھ دی اور اطمینان سے کھانا نوش فرمایا۔ کوئی بدنظمی نہیں ہوئی جب دستر خوان بڑھا گیا تو اس کاغذ پر دوسری طرف یہ لکھا ہوا نظر آیا:۔

"آپ عالمِ دین (نائب امام) ہیں۔ آپ کی اطاعت ہم پر لازم ہے۔ میں اب یہاں سے جاتا ہوں، پھر نہ آؤں گا۔" (۱۸۱)

"نجوم تواریخ" میں مولانا ہدایت حسین صاحب طاب ثراہ نے بھی یہ واقعہ کچھ مختلف انداز سے لکھا۔

۳۔ حضرت سلطان العلماء کی دوربین نظریں مستقبل کو بھی حال کی طرح دیکھتی تھیں۔ مندرجہ ذیل واقعہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔

حضرت سلطان العلماء کے فرزندان ارجمند میں ملک العلماء مولانا سید بندہ حسین صاحب طاب ثراہ اور تاج العلماء مولانا سید علی محمد صاحب قبلہ طاب ثراہ نہایت عالم فاضل اور درجۂ اجتہاد پر فائز تھے۔ جناب تاج العلماء مولانا سید علی محمد صاحب قبلہ طاب ثراہ علم وحلم و طبیعت ومزاج میں جناب سلطان العلماء سے بہت مشابہ تھے۔ علم وعمل کے لحاظ سے عظیم الشان شخصیت اور بحرالعلوم کہے جانے کے مستحق تھے۔ عبرانی زبان کے بھی ماہر تھے۔ علمی منزلت کے اعتبار سے لوگوں کو توقع تھی کہ سلطان العلماء انہیں کو اپنا جانشین مقرر کریں گے۔ مگر لوگوں کی

(۱۸۱) مولانا آغا مہدی صاحب، تاریخ سلطان العلماء۔ ص۔ ۸۵

توقعات کے برعکس سلطان العلماء نے جناب ملک العلماء مولانا بندہ حسین صاحب طاب ثراہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ لوگوں کو اس پر حیرت ہوئی۔ سبب دریافت کیا تو سلطان العلماء نے فرمایا کہ تاج العلماء کی اولاد میں علم دین باقی نہیں رہے گا اور ملک العلماء کی اولاد میں باقی رہے گا۔ اس لئے ملک العلماء کو جانشین مقرر کیا ہے۔ وقت نے ثابت کردیا کہ سلطان العلماء کا خیال بالکل درست تھا۔ ملک العلماء کی اولاد میں علم دین باقی رہا اور تاج العلماء کی اولاد میں باقی نہ رہا۔ (۱۸۲)

۴۔ ایک مرتبہ سید العلماءؒ کے فرزندِ ارجمند جناب زبدۃ العلماء مولانا سید علی نقی صاحب طاب ثراہ کو شدید پیچش ہوگئی۔ خون بکثرت آتا تھا۔ اکثر اطباء کاملین نے علاج میں کدو کاوش کی مگر فائدہ نہ ہوا۔ آخر جناب سلطان العلماء نے فرمایا کے میرے نزدیک یہ محض صفرا ہے۔ تنقیہ مناسب ہوگا۔ اطباء نے مخالفت کی اور کہا کہ اس سے خون اور کثرت سے آنے لگے گا تو کسی تدبیر سے بند نہ ہوگا۔ لیکن آپ نے اطباء کی بات سماعت نہ فرمائی اور متوکلاً علی اللہ نسخہ تحریر فرما کر دوسرے روز اپنے دستِ حق پرست سے مسہل پلایا۔ اس کے بعد جو دست آیا تو اس میں مطلق خون نہ تھا بلکہ مادۂ صفراوی خارج ہوا۔ آپ نے اس تائیدِ غیبی پر شکر کیا۔

آپ کی کرامات کے اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں جو آپ کی روحانیت اور تائیدِ الٰہی کی تصدیق کرتے ہیں۔

۵۔ ایک شخص جن کی سکونت محلہ مشک گنج لکھنؤ میں تھی بہت فاضل اور نیک خو تھے، خلل دماغ میں مبتلا ہوئے۔ ان کا مرض یہ تھا کہ اپنے کو مجنوں (دیوانہ) کہتے اور خدا سے دعا کرتے کہ بارِ الٰہا میں تندرست ہوجاؤں۔ ان دعاؤں کا اثر یہ ہوا کہ ایک شب کو خواب میں حضرت امیر المومنینؑ کی زیارت ہوئی۔ انہوں نے عرض کیا "مولاؑ" مجھے اچھا کردیجئے۔

---

(۱۸۲) مولانا آغا مہدی صاحب طاب ثراہ "تاریخ سلطان العلماءؒ" ص ۳۱

مولاؑ نے فرمایا دعائے "صنمی قریش" پڑھو۔ تندرست ہو جاؤ گے۔

انہوں نے پوچھا مولاؑ، یہ دعا کہاں ہے؟

مولاؑ نے فرمایا قبلہ و کعبہ (سلطان العلماء) روز ادھر سے گزرتے ہیں۔ ان کی فینس میں جو کتاب ہے اس میں یہ دعا موجود ہے۔

اس مرد مومن نے صبح کو راستہ میں سلطان العلماء کی سواری روک کر اپنا خواب بیان کیا۔ جناب آبدیدہ ہو گئے۔ کتاب ساتھ تھی جس میں دعا موجود تھی۔ مریض نے دعا پڑھی۔ چند روز دعا پڑھنے سے مرض جاتا رہا۔ صحت حاصل ہو گئی۔ جس جس کو ان کی تندرستی کا علم ہوا وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ اور قبلہ و کعبہ کی روحانیت کا معترف ہوا اور آپ کی معرفت میں اضافہ ہوا۔ (۱۸۳)

یہ واقعہ اہلِ تشیع کے اس عقیدہ کی صداقت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ معصومینؑ خصوصاً امام زمانہ عج صاحب العصر والزمان اپنے پیروؤں کے افعال و کردار و حالات پر مستقل نظر رکھتے ہیں اور ان سے باخبر رہتے ہیں۔ جس طرح مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علیؑ کو پوری طرح علم تھا کہ سلطان العلماء اس راستہ سے بھی گزرتے ہیں جس کی آپؑ نے نشاندہی فرمائی، وہ فینس میں سفر فرماتے ہیں ان کے ساتھ فینس میں وہ کتاب بھی رہتی ہے جس میں مجوزہ دعا بھی شامل ہے، اسی طرح امام زمانہ بھی خود اپنے ارشاد کے مطابق اپنے شیعوں کے حالات سے پوری طرح باخبر رہتے ہیں اور وقتِ ضرورت ان کے مسائل کے حل اور مشکلات کو دور کرنے میں مدد بھی فرماتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ عَجِّل فَرَجَھُم

(۱۸۳) زبدۃ العلماء۔ تاریخ سلطان العلماء۔ ص ۷۸۔ ۷۹

سلطان العلماء کی ذاکری:

حضرت عزیز کے بیان میں سلطان العلماء کی ذاکری کا ذکر آیا تھا، اس لیے اس موضوع پر ہم بعض تفصیلات و تاثرات کا ذکر کر رہے ہیں:۔

سلطان العلماء کا ایک شرف یہ بھی تھا کہ جب حضرت غفرانمآبؒ نے اپنی تعمیر کردہ امام بارگاہ، امام باڑہ غفرانمآبؒ۔ لکھنؤ میں میر ضمیر اعلیٰ اللہ مقامہ کی مرثیہ خوانی موقوف کی تو حضرت سلطان العلماء اور سید العلماءؒ کو حکم دیا کہ وہ مجالسِ عزا میں فضائل و مصائب محمدؐ و آلِ محمدؐ بیان کیا کریں۔ چنانچہ سلطان العلماء نے ذاکری کا آغاز کیا ورنہ پہلے صرف مرثیہ خوانی ہوتی تھی۔ اس کی اہمیت یہ بھی ہے کہ عراق و ایران میں علمائے کرام ذاکری نہیں کرتے تھے۔ عام آدمی یا روضہ خواں حضرات ذاکری کا فرض انجام دیتے تھے۔ اس طرح صرف برصغیر پاک و ہند ہی میں نہیں پوری دنیا میں سلطان العلماء پہلے مجتہد و فقیہ تھے جنہوں نے فضائل و مصائب محمدؐ و آلِ محمدؐ اور مصائب شہدائے کربلا منبر پر بیان کرنے کے ساتھ ذاکری کا آغاز کیا۔

سلطان العلماءؒ کی ذاکری کے بارے میں حضرت عزیز لکھنوی نے مندرجہ بالا بیان کے علاوہ جناب مفتی محمد عباس صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کا مندرجہ ذیل بیان سپردِ قلم کیا ہے:۔

"میں نے قبلہ و کعبہ کو عشرہ کے دن مصائب پڑھتے اور چیخیں مار مار کر روتے ہوئے پایا اور سامعین بھی ان کے گریہ سے بیقرار ہو کر روتے تھے یہاں تک کہ منبر سے نیچے آتے تھے اور ننگے پیر اور ننگے سر شریعت کدہ تک جاتے تھے اور عشرہ کے دن یہ ان کی پرانی عادت تھی۔ گھر پہنچ کر لوگ ان کو گھیر لیتے تھے (اور پرسہ دیتے تھے)۔ جب میں

خدمتِ شریف میں قریب گیا تو میں نے آپ کے وصف میں قصیدہ پڑھا۔ (قصیدہ کے بعض اشعار کا ترجمہ) "یہ ہے خانوادۂ مصطفیٰؐ کا بچا ہوا (عنصر)۔ ان کے علم و کردار سے قوم سبق لے۔ یہ پیغمبر اسلام کے ہمنام اور اس زمانہ کے مجتہد اور حدود دین کے حافظ و نگہبان ہیں، جب دشمن خلل انداز ہوتے ہیں"۔ (اوراق الذہب)

سلطان العلماء کے فرزند ارجمند ڈپٹی علی اکبر صاحب طاب ثراہ کا بیان بھی ملاحظہ ہو:۔

(ترجمہ) "جب آپ منبر پر تشریف لے جاتے تو سفید عمامہ اور سفید پوش ہونے سے لوگ سمجھتے تھے کہ فرشتہ لباسِ بشر میں آسمان سے موعظہ و خطابت کے لئے اتر آیا ہے۔ اور جب عشرہ کے دن سبز عمامہ اور سیاہ عبا زیب جسم کر کے منبر پر تشریف لیجاتے تھے تو مومنین کی نظروں میں خود سید الشہداء کی تصویر پھرتی تھی اور شور گریہ بلند ہوتا تھا اور آپ فرطِ رقت سے چند فقرات کہہ کر منبر سے اتر آتے تھے اور لوگ بہت مشکل سے مصافحہ کے لئے آپ تک پہنچتے تھے یہاں تک کہ ماتم داروں کے حلقہ میں شریعت کدہ تک آپ واپس آتے تھے"۔ (۱۸۴)۔

سلطان العلماء کی ذاکری کا میر نوازش حسین نوازشؔ تلمیذ منیر شکوہ آبادی نے بھی اپنی کتاب "تنزیہ الہفوات در رفع توہمات" میں ذکر کیا ہے۔ (۱۸۵)

سلطان العلماء اور انقلابات زمانہ:

جناب سلطان العلماء نے اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ طویل عمر پائی۔ ان کی

---

(۱۸۴) زبدۃ العلماء۔ تاریخ سلطان العلماء۔ ص۔ ۷۱۔ ۷۲

(۱۸۵) میر نوازش حسین نوازشؔ۔ تنزیہ الہفوات۔ ص۔ ۵۴

رحلت کے وقت ان کی عمرِ مبارک پچاسی (۸۵) سال کی تھی۔ اس طویل مدت میں دنیا میں نہ معلوم کتنے انقلابات آئے ہوں گے۔ خود برصغیر خصوصاً اودھ میں مختلف بادشاہوں کے اقتدار کے زمانے جن میں بحیثیت عالمِ دین آپ نے سب سے پہلے غازی الدین حیدر شاہ کا دورِ حکومت دیکھا۔ ان کے بعد نصیر الدین حیدر شاہ کا دورِ اقتدار جو بادشاہ کی تند مزاجی کی وجہ سے سلطان العلماء کے لئے ایک انتہائی سخت اور امتحانی دور تھا۔ پھر محمد علی شاہ کا زمانہ جو مذہبی رجحان رکھنے والے اس بادشاہ کی وجہ سے ایک آسان اور نسبتاً خوشگوار زمانہ تھا۔ پھر امجد علی شاہ کا عہدِ حکمرانی جس میں فقط سلطان العلماء ہی نہیں ان کے خاندان، خانوادۂ اجتہاد کو بھی عروج حاصل ہوا۔ ان کے بعد واجد علی شاہ کی حکومت اور اس کا خاتمہ، انگریزوں کے خلاف جہاد کے نام سے غدر اور پھر انگریزی حکومت کا قیام وغیرہ۔

شاہانِ اودھ اگرچہ ایرانی النسل شیعہ تھے مگر تھے تو بادشاہ۔ بادشاہوں کے مزاج میں ایک خاص طرح کی انا، تمکنت اور غرور ہوتا ہی ہے اگرچہ کسی میں کم اور کسی میں زیادہ۔ پھر انفرادی طور پر مزاجوں اور طبیعتوں میں اختلافات کی وجہ سے سلطان العلماء کو ہر ایک کے دورِ اقتدار میں مختلف النوع مسائل اور حالات کا سامنا رہتا تھا۔ شاہانِ اودھ کی حکومت ختم ہونے کے بعد انگریزی حکومت میں تو صورتِ حال یکسر بدل گئی۔ نئے حالات اور نئے مسائل پیش آنے لگے۔

ایسے حالات سے نبرد آزما ہونا اور اس میں سرخرو اور سر بلند ہونا سلطان العلماء ہی کا کام تھا۔ سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ اس صورتِ حال کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

"یہ تمام حالات اور ان کے تقاضے اتنے مختلف تھے کہ جب تک قدرت کی طرف سے

ایسا ہمہ گیر دل و دماغ نہ ملا ہوتا ایک ایسے ہمہ گیر روحانی اقتدار والی شخصیت کو جیسے کہ سلطان العلماء کی تھی، ان تمام ادوار میں زندگی گزارنا آسان نہ تھا۔۔۔

ہم ایسے واقعات کا ذکر آگے کسی مقام پر کریں گے۔

اعلائے کلمۃ الحق اور احکام شریعت کے اجراء میں بے خوفی:

جناب سلطان العلماء کی سیرت مبارک کا یہ رُخ بھی ان کی پابندی شرع اور رفعت کردار کا نہایت روشن اور انتہائی قابلِ قدر تھا۔ آپ نے نواب آصف الدولہ بہادر سے لے کر آخری تاجدار اودھ تک سات شاہانِ اودھ کا زمانہ دیکھا۔

۱۔ نواب آصف الدولہ بہادر

۲۔ نواب سعادت علی خاں

۳۔ نواب غازی الدین حیدر شاہ

۴۔ نواب نصیر الدین حیدر شاہ

۵۔ نواب محمد علی شاہ

۶۔ نواب امجد علی شاہ

۷۔ نواب واجد علی شاہ

آصف الدولہ اور سعادت علی خاں کا عہد سلطان العلماء کی کمسنی اور کم عمری کا زمانہ تھا۔ بحیثیت سلطان العلماء سب سے پہلے آپ کا سابقہ غازی الدین حیدر شاہ سے پڑا۔ ان کے بعد آخری شاہِ اودھ نواب واجد علی شاہ تک اور پھر انتزاعِ سلطنت، غدر اور آخر میں انگریزی

حکومت۔ ان انقلابات کی وجہ سے آپ کی زندگی مسلسل آزمائش اور امتحان کے مرحلوں سے گزرتی رہی۔ سید العلماء کا یہ ارشاد گزشتہ سطور میں آچکا ہے کہ جب تک قدرت کی طرف سے ایسا ہمہ گیر دل ودماغ نہ ملا ہوتا، ایک ایسے ہمہ گیر روحانی اقتدار والی شخصیت کو جیسے کے سلطان العلماء کی تھی، ان تمام ادوار میں زندگی گزارنا آسان نہ تھا۔

سید العلماء مزید فرماتے ہیں:

میرا مطلب یہ ہے کہ اگر سلطان العلماء ایک محراب و مدرسہ میں محدود قسم کے عالم ہوتے جب تو ہو سکتا تھا کہ انقلابات کی آندھی سے وہ غیر متعلق رہ سکیں مگر جس پیمانہ پر جناب غفرانمآبؒ نے دینی ادارہ کی داغ بیل ڈالی تھی اور جس منتہائے عروج تک وہ اب سلطان العلماء کے وقت میں پہنچ گیا تھا اس کے لحاظ سے واقعہ یہ تھا کہ وہ شیعوں کے پورے اجتماعی نظام پر حاوی تھا جس کا دائرہ اب ہندوستان کے شرق و غرب پر محیط ہو چکا تھا بلکہ اس کے فیوض عراق و ایران تک پہنچ رہے تھے۔ ایسی صورت میں ناممکن تھا کہ گوشہ گیری کے طریقہ پر عمر بسر کی جاتی یا برسر اقتدار سلاطین سے بالکل غیر متعلق ہو کر زندگی گزاری جاتی جبکہ وہ سلاطین بھی مذہب جعفری کے نام لیوا اور پرستار تھے اور ان کی صحیح رہنمائی بھی جس حد تک ممکن ہو روحانی رہبر کے فرائض میں داخل تھی۔

اس کا نتیجہ تھا کہ ان میں سے بعض ادوار جناب سلطان العلماء کے لئے کافی امتحانی بن گئے تھے جن میں سے بڑا نازک دور نصیر الدین حیدر بادشاہ کا تھا۔ کچھ واقعات ایسے تھے جن میں کبھی تو جناب سلطان العلماء کی ذہانت نے میدان سر کیا اور کبھی خداداد

ہمت وجراءت نے جس کے ساتھ بروقت تائید ربانی اور اقبال سرمدی کے پیدا کئے ہوئے رعب وہیبت کا اثر بھی شامل ہے۔"(۱۸۶)

بادشاہوں کے مزاج میں غرور وتمکنت اور خود پسندی ایک فطری سی بات ہے اگر چہ کسی میں کچھ کم اور کسی میں بہت زیادہ۔ ان کے ساتھ نباہ کرنا کوئی معمولی بات نہیں۔ پھر ایک ایسا شخص جس سے وہ اپنی ضروریات اور اپنی جائز وناجائز خواہشات کی تکمیل کے لئے اپنی مرضی کے مطابق شرعی تائید وتوثیق چاہتے ہوں، اس کا اپنے اصولوں پر قائم رہ کے حق پر استقامت کے ساتھ ان کی خواہشات کو مسترد کرنا یا روک ٹوک کرنا اپنی جان ومال کو خطرہ میں ڈالنے کے مترادف ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ شاہان وسلاطین میں عموماً اور مسلم بادشاہوں اور حکمرانوں کی تاریخ میں خصوصاً بڑے بڑے مقدس اور محترم علماء سے لے کر تاریخ نویسوں تک کتنوں ہی نے اپنے ضمیر وقلم بادشاہوں کے ہاتھ بیچ ڈالے اور تاریخی حقائق سے لے کر احکام شریعت تک کو مسخ کر دیا۔

شاہان اودھ اگر چہ مذہباً شیعہ تھے۔ اس پر یہ کہ حضرت غفرانمآبؒ نے نواب آصف الدولہ بہادر کے دل میں جب نور ایمان کی شمع روشن کر دی اور انہوں نے اس عظیم ہستی کی بدولت اپنے غیر شرعی اور ناپسندیدہ اشغال کو ترک کر دیا تو ان کے اور ان کے بعد آنے والے بادشاہوں کے فکر وعمل پر بھی مذہب کا رنگ غالب آ گیا۔ اس کے باوجود مزاج شاہی کی تمکنت تو بہر حال باقی رہی۔ اپنے احکامات پر عمل نہ ہونے سے غضبناک ہو جانا، خواہش کے خلاف فتوے پر قتل کا حکم دے دینا، یہ سب فطرۃً اس خون میں شامل ہوتا ہے جو بادشاہوں کی رگوں میں گردش کرتا ہے۔

---

(۱۸۶) سید العلماء۔ شعاع عمل۔ فروری ۲۰۰۶ء ص۔ ۲۹

نصیر الدین حیدر شاہ خصوصاً بہت تند مزاج تھے مگر سلطان العلماء ان سے کبھی مرعوب نہیں ہوئے اور اپنے دینی فرائض کی انجام دہی میں بادشاہ کے غیظ وغضب کو کبھی خاطر میں نہیں لائے۔

سلطان العلماء امورِ شرع میں کبھی خوفِ لوم لائم اور رئیس و حاکم کی رعایت نہیں فرماتے تھے۔ اکثر شہزادگان ورئیسان ومقربانِ سلطان کی طرف سے مدعی یا مدعا علیہ کے باب میں سعی وسفارش ہوتی تھی مگر آپ ہمیشہ جواب صاف دیتے تھے کہ جو امرِ حق ہوگا بلا رعایت کیا جائے گا۔

مندرجہ ذیل چند واقعات جناب سلطان العلماء کی حق پر استقامت اور کلمۂ حق کہنے میں بے خوفی کی مثال بھی ہیں اور نئی نسل کو علمائے حقیقی کے کردار سے آگاہ کرنے کا ایک ذریعہ بھی۔ ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ <u>پہلا واقعہ</u>

نصیر الدین حیدر زمانۂ ولیعہدی میں جناب سلطان العلماء کی شفقت سے متاثر ہو کر یہ سمجھتے تھے کہ تخت نشینی کے بعد بھی ان کی شفقت اسی طرح حاصل رہے گی۔ مگر تخت نشینی کے بعد جلد ہی مخالفت کا آغاز ہو گیا۔ واقعہ یہ ہوا کہ نصیر الدین حیدر شاہ نے ایک عورت سے عقد کرنا چاہا اور جناب سلطان العلماء کو نکاح پڑھنے کے لئے طلب کیا۔ عورت کا اس کے پہلے شوہر سے طلاق شرعی طور پر ثابت نہ ہوا تو آپ نے بادشاہ سے صاف صاف کہہ دیا کہ نکاح نہیں پڑھا سکتے۔ بادشاہ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور آپ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور

واپس تشریف لے آئے۔

۲۔ دوسرا واقعہ:

اس واقعہ کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ بادشاہ نے ایک حکیم کا نسخہ سلطان العلماء کو بھیجا جس میں یہ لکھا تھا کہ بادشاہ کی زندگی کا انحصار شراب کے استعمال پر ہے اور اس بناء پر سلطان العلماء سے شراب کے جواز کا فتویٰ طلب کیا۔ دوسرے طبقہ کے علماء سے بھی فتویٰ طلب کیا۔ سب نے جواز کا فتویٰ دے دیا۔ سلطان العلماء یہ جانتے تھے کہ یہ محض شراب نوشی کا بہانہ ہے۔ طبیب نے بھی بادشاہ کی خوشنودی پر مبنی نسخہ تجویز کیا۔ اس کی بناء پر دیئے جانے والے فتوے بھی شرعاً یکسر غلط ہوں گے۔ مگر بادشاہ کی تند مزاجی اور برائے نام سہی شریعت کی پابندی کا اظہار اس کی اجازت نہیں دے رہا تھا کہ آپ صاف صاف لفظوں میں اجازت دینے سے انکار کر دیں۔ اس مشکل صورتِ حال میں آپ نے اپنی بے مثال ذہانت سے کام لے کر یہ لکھدیا کہ "لا شفاء فی الحرام" (حرام چیزوں سے شفا نہیں ہوتی)۔

مولانا سید محمد باقر صاحب قدس اعلیٰ اللہ مقامہ کا فرمانا تھا کہ اس سے پہلے اس حدیث کا کبھی کسی نے حوالہ نہیں دیا تھا۔

بہر حال یہ بادشاہ کی ناراضگی کا ایک اور سبب قرار پا گیا لیکن سلطان العلماء نے اس کی پرواہ نہ کی۔

۳۔ تیسرا واقعہ:

نصیر الدین حیدر کو اپنی خواہشات کے خلاف جناب سلطان العلماء کے فیصلوں نے اس حد تک ناراض کردیا کہ انہوں نے سلطان العلماء کو رعب شاہی سے مرعوب کرنے کی کوشش کی اور ایک روز ایک مسئلہ پوچھنے کے بہانے سے ان کو طلب کیا۔ ایک کرسی پر خود بیٹھے اور ایک پر قلمدان رکھدیا تا کہ سلطان العلماء کو بیٹھنے کی جگہ نہ ملے اور کھڑے رہیں اور یہ بھی طے کیا کہ جب سلطان العلماء آئیں گے تو ان کی تعظیم نہیں کروں گا مگر جب سلطان العلماء تشریف لائے اور نشست گاہ کے دروازہ پر پہنچے تو آپ نے عرب قاعدہ کے مطابق بلند آواز سے "اللہ" کہا اور اندر داخل ہو گئے۔ بادشاہ اپنے ارادے کے خلاف بے اختیار تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ سلطان العلماء کرسی سے قلمدان اٹھا کر کرسی پر بیٹھ گئے اور قلمدان گود میں رکھ لیا بادشاہ دیر تک سناٹے میں رہے۔ آخر یونہی سا ایک مسئلہ پوچھ کے رخصت کردیا۔

بعد میں کسی کے پوچھنے پر بادشاہ نے کہا کہ بیشک میں نے یہ طے کیا تھا کہ جب سلطان العلماء آئیں گے تو میں تعظیم نہیں کروں گا مگر جب وہ "اللہ" کہہ کر داخل ہوئے تو معلوم ہوا جیسے کسی نے میری بغلوں میں ہاتھ دے کر مجھے کھڑا کردیا۔

۴۔ چوتھا واقعہ:

گزشتہ واقعہ سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ بادشاہ مخالفت پر آمادہ ہیں اور آپ کی ہر ممکن طریقہ سے توہین کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے اس کے بعد جب بادشاہ نے طلب کیا تو آپ نے جانے سے انکار کردیا۔ اس پر بادشاہ کا غیظ و غضب انتہا کو پہنچ گیا اور حکم دے دیا کہ سلطان العلماء

کا گھر توپ سے اُڑا دیا جائے۔ اس حکم کی خبر سارے شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور لوگوں میں ہل چل مچ گئی۔ امرائے دربار دوڑتے ہوئے آئے اور سلطان العلماء کو اس پر راضی کرنے کی کوشش کی کہ بادشاہ سے معافی مانگ لیں۔ سلطان العلماء نے حقارت کے ساتھ معافی سے صاف انکار کر دیا۔

لوگوں نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کے خوف اور دھڑکے میں رات جاگ کر کاٹ دی۔ صبح ہوئی تو شاہی توپ خانہ کے افسرِ اعلیٰ کپتان الدولہ نے توپ خانہ سے دو توپیں نکلوائیں۔ ایک سلطان العلماء کے مکان پر لگا دی اور دوسری شاہی محل پر۔ بادشاہ خواب سے بیدار ہوئے تو اطلاع ملی کہ شاہی محل پر توپ چڑھا دی گئی ہے۔ یہ خبر ملتے ہی گھبرا گئے۔ پوچھا توپ کس نے چڑھائی ہے۔ معلوم ہوا کہ شاہی توپ خانہ کے کپتان نے۔ ان کا کہنا ہے کہ میری غیرت قبول نہیں کرتی کہ بادشاہِ دین کا مکان توپ سے اڑا دوں اور بادشاہ دنیا کا محل کھڑا رہے۔ اس لئے میں آج اپنے دین و دنیا دونوں ختم کئے دیتا ہوں۔ یہ سن کر بادشاہ کا احساسِ مذہبی بیدار ہو گیا۔ بادشاہت کا نشہ اُتر گیا۔ شرمندہ ہوئے۔ کپتان کو ان کے جوشِ ایمانی پر گراں بہا خلعت اور انعام عطا کیا مگر سلطان العلماء کی طرف سے دل صاف نہیں ہوا۔

زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب اجتہادی طاب ثراہ نے اس واقعہ کے معتبر ہونے پر تحفظات کا اظہار کیا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ اودھ کے شاہی خاندان کی ایک فرد نے ان سے ملاقات کر کے اس واقعہ کے حوالے سے کہا کہ بادشاہ اتنے بدتہذیب نہیں تھے کہ سلطان العلماء کے گھر کو توپ سے اُڑانے کا حکم دیتے۔ بہرحال بیشتر سیرت نگاروں نے اس واقعہ کو لکھا ہے اور مزاجِ شاہی کی تمکنت اور قہر و غضب کے پیشِ نظر اس واقعہ پر حیرت نہیں ہو سکتی۔

۵۔ **پانچواں واقعہ:**

امجد علی شاہ نے کسی تاجر سے ایک زرو جواہر نگار مسند و تکیہ تیرہ لاکھ روپے میں خریدا۔ شاہی عملہ نے تاجر کو صرف چھ لاکھ دیئے اور سات لاکھ ادا نہ کئے۔ تاجر نے بہت فریاد کی مگر داد خواہی نہ ہوئی۔ آخر اس نے محکمہ شرعیہ میں مقدمہ دائر کر دیا۔ آپ نے بادشاہ کو جواب دہی کا حکم دیا۔ مقدمہ کی سماعت ہوئی۔ تاجر کا مطالبہ درست ثابت ہوا آپ نے بادشاہ کے خلاف فیصلہ دیا، تاجر کو اس کی رقم ادا کی گئی۔ عدل و انصاف کی دھوم مچ گئی۔ (۱۸۷)

۶۔ **چھٹا واقعہ:**

ہنومان گڑھی کا واقعہ پیش آیا۔ اس کے بارے میں علمائے اہلسنت نے واجد علی شاہ (بادشاہ) کے موافق اور سلطان العلماء نے بادشاہ کے خلاف فتویٰ دیا۔ اس پر اہلسنت عوام نے اپنے علماء کے خلاف گالیاں لکھ کر دیواروں پر چسپاں کیں اور اپنی نمازیں پڑھ کے شیعوں کی مسجد میں آجاتے اور سلطان العلماء کے موعظے سنتے تھے۔

۷۔ **ساتواں واقعہ:**

غدر میں باغیوں کے سردار احمد اللہ شاہ جو ڈنکا شاہ کے نام سے مشہور تھے، سلطان العلماء کے پاس آئے اور کہا کہ انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیجئے۔ سلطان العلماء نے کڑے تیوریوں کے ساتھ کہا کہ علمائے فرنگی محل سے فتویٰ لیجئے، ہمارے یہاں غیبتِ امامؑ میں جہاد نہیں ہے۔

---

(۱۸۷) مولانا محمد باقر شمس۔ ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ۔ ص۔ ۳۵

۸۔ آٹھواں واقعہ:

بعض سیرت نگاروں نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ ولی عہدی کے زمانہ میں واجد علی شاہ کسی عورت کو اپنی زوجیت میں لینا چاہتے تھے جو شرعاً ان پر حرام تھی۔ سلطان العلماء سے اجازت طلب کی تو جواب نفی میں ملا۔ جب وہ تخت نشین ہوئے تو اس خیال سے کہ شاید بادشاہت کا رعب و داب کام کر جائے اور سلطان العلماء عقد کی اجازت دے دیں۔ چنانچہ ان سے دریافت کیا کہ ان کے پہلے حکم پر نظر ثانی کی اب کوئی گنجائش ہے۔

سلطان العلماء نے لکھ کے بھیج دیا "حلال محمدٌ حلال الی یوم القیامۃ و حرام محمدٌ حرام الی یوم القیامۃ" یعنی حضرت سرکار رسالت صلی اللہ و آلہٖ وسلم نے جو چیزیں حلال یا حرام قرار دے دی ہیں ان میں قیامت تک تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ (۱۸۷۔الف)

اس جواب میں ایک لطیف نکتہ یہ تھا کہ سلطان العلماء کا نام بھی "محمد" تھا اس لئے ان کے اس جواب نے کہ "حلالِ محمدٌ حلال الی یوم القیامۃ و حرامِ محمدٌ حرام الی یوم القیامۃ" بڑا لطف دیا۔

۹۔ نواں واقعہ:

یہ واقعہ واجد علی شاہ کی ولی عہدی کے زمانے کا ہے:۔

سلطانِ عالم واجد علی شاہ نے زنانِ کسبیہ (طوائفیں) میں سے ایک کی کنیز کو بجبر چھین لیا۔ اس نے "عدالت مرافعہ" میں دعویٰ کیا اور حقیقت و ملکیت اس کی ثابت ہوگئی۔ لہذا آپ نے بغیر کسی رو رعایت کے بادشاہِ وقت حضرت امجد علی شاہ کو ایک تحریر بھیجی کہ چونکہ ثبوتِ شرعی سے

(۱۸۷۔الف) ماہنامہ "حقائق" لکھنؤ۔ شمارہ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ بحوالہ "مطلع انوار"

مدعیہ کی حقیقت وملکیت ثابت ہوگئی ہے جناب مرزا ولی عہد بہادر سے وہ جاریہ (کنیز) اس مدعیہ کو دلا دی جائے، اور افعال قبیحہ سے تحفظ کے لئے مدعیہ پر جبر کیا جائے کہ اس جاریہ کا عقد کسی مردِ مومن سے کردے۔ چنانچہ اس انصاف پسند بادشاہ نے سلطان العلماء کے ارشادِ مبارک پر عمل کیا۔ یہی سبب تھا کہ حضرت سلطان عالم واجد علی شاہ تخت نشینی کے بعد کئی سال تک سلطان العلماء سے ناخوش رہے اور کُل خاندان اجتہاد کی تنخواہیں تک بند کردیں۔ کچھ عرصہ کے بعد ایسا ہوا کہ تنخواہیں جاری کردیں اور موقوف شدہ تنخواہوں کی ساری رقم بھی عنایت فرمادی اور عنایات شاہی سے سرفراز فرماتے رہے۔

۱۰۔ دسواں واقعہ:

نصیرالدین حیدر شاہ کے دورِ حکومت میں ایک مرتبہ عاشور محرم کے موقع پر بادشاہ سلامت کے ذہن میں آیا کہ یومِ عاشور کی مناسبت سے امام حسینؑ کے تابوت کی شبیہ پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔ یہ سوچ کر بادشاہ نے حضرت سلطان العلماء کو طلب فرمایا اور ان سے امام حسینؑ کی نمازِ جنازہ پڑھنے کے لئے کہا۔ یہ بات لوگوں کو معلوم ہوچکی تھی کہ آج بادشاہ سلطان العلماء کو یہ حکم دیں گے اور خیال تھا کہ اگر سلطان العلماء نے تعمیل حکم میں عذر کیا تو عتابِ شاہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لئے لوگوں نے سلطان العلماء سے عرض کی کہ مصلحت اسی میں ہے کہ آپ تعمیل حکم سے انکار نہ فرمائیں۔ یہ گفتگو ہورہی تھی کہ بادشاہ معہ حشم وخدم سیاہ ماتمی لباس پہنے ہوئے برآمد ہوئے اور سلطان العلماء کو حکم دیا کہ نمازِ جنازہ پڑھائیے۔

جناب سلطان العلماء نے فرمایا کہ شرعاً یہ صورت جائز نہیں ہے، نہ یہ میری مجال ہے

کہ امامؑ کے جنازہ کی نماز میں پڑھاؤں۔ امامؑ کے جنازہ کی نماز صرف امامؑ ہی پڑھا سکتا ہے۔ نصیر الدین حیدر یہ سن کر خاموش ہو گئے اور آپ سے کوئی تعرض نہیں کیا۔

سلطان العلماء، شجاعت اور فنون جنگ میں مہارت:۔

سلطان العلماء شہسواری اور شمشیر زنی میں صاحب کمال تھے۔ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل اعلی اللہ مقامہ کا ارشاد تھا کہ "نوعمری میں رسمِ لکھنؤ کے مطابق بانک، بنوٹ، تلوار، نیزہ بازی اور شہسواری جیسے فنونِ سپہ گری میں مہارت اور استادی حاصل کی تھی" (۱۸۷۔ب) آپ کے فرزند ارجمند خلاصۃ العلماء جناب سید مرتضیٰ صاحب طاب ثراہ بھی ان فنون میں حضرت سلطان العلماء کے صحیح جانشین تھے۔ ۱۸۵۷ء کے نقضِ امن کے زمانہ میں ایک دن خاندان کے نوجوان مشق کررہے تھے۔ سلطان العلماء دیکھ رہے تھے۔ پدرِ بزرگوار کا رعب ہو یا سوءِ اتفاق کہ مشق کے راستہ میں حائل حوض پر سے جست کرنے میں خلاصۃ العلماء ایسے بہادر اور ماہرِ فن کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی۔ یہ دیکھ کر سلطان العلماء نے طنزاً فرمایا کہ ابھی یہ حال ہے تو وقت پڑنے پر کیا ہوگا۔

شجاعت:

احکام شریعت کے اجراء میں سلاطینِ اودھ کے مقابل ہی جراءت و بے خوفی نہ تھی، دشمنوں، مجرموں اور قاتلوں سے بے خوفی بھی حضرت سلطان العلماء کی سیرت کا تابناک پہلو ہے۔ اس سلسلے میں یہ واقعہ ملاحظہ ہو:۔

سلطان العلماء نے ایک مقدمہ میں ایک ڈاکو "گنگا پرشاد" کو واجب القتل قرار دے کر سزائے موت کا حکم دیا۔ ۱۸ کا بھائی یہ خبر سن کر اس وقت کچہری پہنچا جب آپ عدالت

(۱۸۷۔ب) مطلع انوار۔ ص۔ ۳۵۵

برخواست کر کے اُٹھ رہے تھے۔ وہ انتہائی غیظ و غضب میں آپ سے کہنے لگا:۔

نووارد: گنگا پرشاد کو سزائے موت کا حکم آپ نے دیا ہے؟

سلطان العلماء: ہاں

نووارد: حکم واپس لیجئے ورنہ اچھا نہ ہوگا۔

سلطان العلماء: فیصلہ منسوخ نہیں ہو سکتا۔

یہ سنتے ہی اس نے قرولی نکالی اور حملہ کرنا چاہا۔ آپ نے پُھرتی سے اس کی کلائی پر ہاتھ ڈال دیا اور مضبوطی سے کلائی کو پکڑ کر عملہ کو آواز دی۔ لوگ دوڑ پڑے تو دیکھا کہ ظالم بھائی کی محبت میں آپ پر حملہ آور ہوا ہے۔ فوراً اسے گرفتار کیا اور اقدامِ قتل کے سنگین جرم کا یہ مقدمہ خود بادشاہ کے سامنے پیش ہوا اور حکمِ سلطانی سے بھائی سے پہلے خود اس کا سر قلم کیا گیا۔ (۱۸۸)

علم اور علماء

ہے آفتاب جو علم، اُس کا نور ہیں علماء
ضیائے علم کا حُسنِ ظہور ہیں علماء
جو علم بادۂ حق ہے، سُرور ہیں علماء
ہے علم غیرتِ انساں، غیور ہیں علماء

یہ عالموں ہی کے خونِ جگر سے پلتا ہے
جبھی تو پیکرِ انساں میں علم ڈھلتا ہے

(مرثیہ "علم اور علماء" از ساحر لکھنوی)

(۱۸۸) زبدۃ العلماء۔ "تاریخ سلطان العلماء۔ ص۔ ۳۳

سلطان العلماء کو تاجِ شاہی اور حکومت اودھ کی پیشکش:

اودھ کے سارے حکمران ایرانی النسل اور شیعہ اثنا عشری تھے۔ ان میں بھی کم وبیش دین وشریعت کو تسلیم کرنے والے اور حسبِ توفیق ان پر عمل کرنے والے بھی تھے۔ بیشک بادشاہت بلکہ کسی بھی قسم کا اقتدار ہو، مزاجوں میں خود پسندی، انا اور احساسِ برتری وغیرہ پیدا کردیتا ہے جس کا نتیجہ ناانصافی اور جور وجبر ہوتا ہے۔ یہ ایک فطری بات ہے۔ شاہانِ اودھ میں بھی اسی طرح کا مزاج اور ایسے ہی رویے، کسی میں کم کسی میں زیادہ ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔

حضرت غفرانمآبؒ نے نواب آصف الدولہ بہادر کے دل و دماغ کو نورِ ایمان و معرفت سے اس طرح منور کردیا تھا کہ بقول حضرت عزیزؔ ہمارا بھولا نواب جہاں سخاوت و عدالت میں یکتائے روزگار ہوا وہاں اور عقائد میں بھی اس بزرگ (غفرانمآبؒ) کی بدولت شہرۂ آفاق ہوا:۔

آصف الدولہ کے بعد اس شاہی سلسلہ میں محمد علی شاہ دین وشریعت کے زیادہ پابند ہوئے۔ لیکن ان کے فرزندِ ارجمند امجد علی شاہ ان کے سایۂ شفقت میں پرورش پا کر دین وایمان کی بلندتر منزل پر فائز ہوئے۔ ان کے تقاضۂ دینی اور جذبۂ ایمانی کا حاصل یہ تھا کہ پدرِ بزرگوار محمد علی شاہ کی وفات کے بعد جب بادشاہت ان کی طرف منتقل ہوئی تو انہیں خیال ہوا کہ مذہب تشیع میں حکومت امامِ وقت کا حق ہوتی ہے۔ امام کی غیر موجودگی یا غیبت میں یہ علمائے دین کا حق ہے جو نائب امام ہوں۔ اس خیال سے امجد علی شاہ ایک دن حضرت سلطان العلماءؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تاجِ شاہی ان کی خدمت میں پیش کر کے درخواست کی کہ حکومت کی ذمہ داری

آپ سنبھال لیجیے۔ جناب سلطان العلماءؒ نے وہ تاج اپنے دستِ مبارک سے امجد علی شاہ کے سر پر رکھ کر کہا کہ میں اپنی نیابت میں آپ کو حکومت کا حق دے رہا ہوں۔ اب آپ کی حکومت شرعاً جائز ہوگئی۔ جناب مفتی میر محمد عباس شوستری نے جناب سلطان العلماء کے قطعہ تاریخ رحلت میں بقول سید العلماءؒ غالباً اسی واقعہ کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:۔

آں ہمایوں منظرے کز سایۂ اقبال او

بادشاہاں سر بسر دیہیم و افسر داشتند

اس کے ساتھ جناب سلطان العلماءؒ نے امجد علی شاہ سے عہد لیا کہ وہ شریعت کے تقاضوں کو پورا کریں گے اور کسی بھی غیر شرعی قانون، روایت یا رواج پر عمل نہیں کریں گے۔ امجد علی شاہ نے اقرار کیا۔

بادشاہت کے منصب پر دوبارہ فائز ہونے کے بعد امجد علی شاہ نے جناب سلطان العلماء سے حکومت میں اصلاحات کی تجاویز کی گزارش کی۔ چنانچہ آپ کی تجاویز کے مطابق امجد علی شاہ نے مملکت کے نظام کو قانونِ شریعت کے تابع کر دیا۔ محکمہ ''مرافعہ شرعیہ'' قائم کیا گیا جس کے صدر الصدور حضرت سلطان العلماءؒ مقرر ہوئے۔ اور درج ذیل محکمہ ترتیب دیئے گئے۔

(۱) عدلیہ (دیوانی اور فوجداری) (۲) آبکاری (۳) امورِ خیر (۴) منہیات (حرام چیزوں پر پابندی وغیرہ) شامل تھے۔ یہ محکمے مختلف علماء کے سپرد کیے گئے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) عدلیہ میں دیوانی کی عدالت سلطان العلماء کے بڑے فرزند مولانا سید محمد باقر صاحب

کے سپرد ہوئی اور ان کو منصف الدولہ شریف الملک کا خطاب عطا ہوا۔

(۲) فوجداری کی عدالت دوسرے فرزند خلاصۃ العلماء سید مرتضیٰ صاحب کے سپرد ہوئی البتہ قتل وقصاص اور دیگر سنگین جرائم کا شعبہ جناب سلطان العلماء نے اپنے پاس رکھا۔

(۳) آبکاری کا محکمہ بھی سلطان العلماء نے اپنے پاس رکھا۔

نجم الغنی رامپوری نے لکھا ہے کہ شہر سے پانچ کوس (تقریباً ۱۶ کلومیٹر) تک کہیں شراب کا نام نہیں تھا۔ دوا کے لئے بڑی مشکل سے دستیاب ہوتی تھی۔

اس زمانہ کے مشہور ظرافت نگار وشاعر میاں مشیرؔ نے شعر کہا۔

شراب جو نہ پیئے آجکل وہ ناری ہے
جناب قبلہ و کعبہ کو آبکاری ہے

یہ اس وقت کی زبان تھی۔ اب کہیں گے قبلہ وکعبہ کی آبکاری ہے۔

۴۔ قضیٰ و افتی' کا محکمہ سلطان العلماء کے بھتیجے آیۃ اللہ سید ہادی صاحب قبلہ کے سپرد ہوا۔ وہ سلطان العلماء کے برادر خُرد آیۃ اللہ سید مہدی صاحب کے فرزند تھے۔

۵۔ زکواۃ کا محکمہ سید العلماء کے چھوٹے فرزند جناب سید علی نقی صاحب کے سپرد ہوا۔ انہیں زبدۃ العلماء معین المومنین خطاب ملا۔

شاہی خزانہ پر زکواۃ عائد کی گئی۔ زبدۃ العلماء تقسیم زکواۃ میں بہت محتاط تھے۔ اپنے محکمہ میں دیندار و متقی افراد کو رکھا۔ مزید احتیاط سے ایسا نظام تقسیم قائم کیا کہ زکواۃ لینے والے کو بارہ جگہ نام لکھوانا پڑتا تھا۔ اس پر کسی نے جل کر کہا۔

سید نقی کا ظلم وجفا وامصیبتا
بارہ مصدّ ی، ایک گلا، وامصیبتا

ہر دین و مذہب کے مطابق مفتیوں اور قاضیوں کا تقرر:۔

۵۔ عدلیہ میں ہر نظامت پر قاضی اور مفتی مقرر کیے گئے۔ اودھ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ شیعہ قاضی اور مفتی مقرر کیے گئے۔ سلطان العلماء نے مفتی میر محمد عباس شوستری کو لکھنؤ کا شیعہ مفتی و قاضی مقرر کیا۔ اس وقت سے وہ مفتی کے لقب سے سرفراز ہوئے۔

سلطان العلماء نے فرنگی محل کے سنی علماء کو قضیٰ و افتیٰ کی مسند پر بحال رکھا تھا، جو اہلسنت کے مقدمات کے ان کی فقہ اور ان کے مسلک کی رو سے فیصلے کرتے تھے۔ البتہ وہ نئے نظام کے تحت خاندان اجتہاد کی ماتحتی میں آگئے۔

ہندوؤں کے مقدمات کے لئے فاضل ہندو برہمن قاضی مقرر کیے گئے۔ جناب مولانا سید محمد باقر صاحب شمس نے لکھا ہے کہ انہوں نے پرانے کاغذات میں مفتی دیاشنکر کا نام دیکھا تھا۔

۶۔ طوائفوں کو حکم دیا گیا کہ توبہ کر کے صالح مردوں کے ساتھ عقد کرلیں۔

۷۔ زنانوں اور ہیجڑوں کو شہر سے باہر نکال کر ان کی ایک الگ بستی بسا دی گئی۔

۸۔ دینی تعلیم کے لئے ایک بلند تر درجہ کا مدرسہ مدرسۂ سلطانیہ کے نام نے سلطان العلماء اور سید العلماءؒ کی کوششوں سے مقبرۂ سعادت علی خاں، گولہ گنج، لکھنؤ میں قائم کیا گیا۔

حکومت کے عدل و انصاف کی دھوم:۔

سلطان العلماء کے ان انتظامات سے حکومت کے عدل و انصاف کی دھوم مچ گئی۔

خدائے سخن مرزا دبیر اعلی اللہ مقامہٗ نے اپنے ایک مرثیہ میں جو سلطان العلماء کی موجودگی میں پیش کیا تھا، شاہ اودھ امجد علی شاہ کو اس طرح خراج تحسین پیش کیا۔

خارِ جفا سے راستوں کو صاف کردیا — نوشیرواں کو قائلِ انصاف کردیا
بس محسنِ عدل قاف سے تا قاف کردیا — دنیائے دوں کو تابع اشراف کردیا

چہرہ ستم کا ہے نظری اہلِ دید میں
اب ظلم چھپ کے بیٹھا ہے قبرِ یزید میں

ہر دن ہے روزِ عید، عجب روزگار ہے انصاف سر بلند ہے، کیا تاجدار ہے
اقبال یارِ شہر ہے، کیا شہریار ہے اس لطف پر یہ رحمتِ پروردگار ہے
عالم وہ ہیں کہ قدرتِ رب آشکار ہے
ہاتھوں سے جن کے مذہبِ حق پائیدار ہے

مفتی محمد عباس صاحب سلطان العلماء کے متعلق فرماتے ہیں۔ان کی سربلندی سے دینِ الٰہی سربلند ہوا۔

حضرت سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ نے مرافعۂ شرعیہ کے محکموں کی تقسیم جناب مولانا سید محمد باقر شمس اعلیٰ اللہ مقامہ کی تحریر سے کچھ مختلف لکھی ہے۔(۱۸۹)

سید العلماءؒ کے مطابق "محکمہ شرعیہ" کے صدر الصدور (منصفِ اعلیٰ) سلطان العلماء کے فرزندِ اکبر جناب منصف الدولہ شریف الملک مولوی سید محمد باقر صاحب مقرر کئے گئے۔

پولیس کا محکمہ دوسرے فرزند خلاصۃ العلماء سید مرتضیٰ صاحب کے ماتحت کیا گیا۔فوجداری کے محکمہ کے نگرانِ اعلیٰ خود حضرت سلطان العلماء ہوئے۔ اس محکمہ میں قانونِ شریعت کے مطابق حدودِ شریعہ کا اجراء ہوتا تھا مثلاً قصاص، قطعِ یدِ سارق (چور کے ہاتھ کاٹنا) اور قتل کی سزا وغیرہ کے مقدمات کا فیصلہ جناب سلطان العلماء کی ذمہ داری تھی، اسی طرح دوسرے تمام محکمے حضرت سلطان العلماء کی ہدایت کے مطابق قائم کئے گئے۔(۱۹۰)

مرافعۂ شرعیہ کے قیام سے قبل بھی سلاطینِ وقت پیچیدہ مقدمات سلطان العلماء ہی کے سپرد کرتے تھے۔آپ کے فیصلے بے رو رعایت کے عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہوتے تھے۔

---

(۱۸۹) مرزا دبیرؔ۔مرثیہ "طغریٰ نویس کن فیکون ذوالجلال ہے"۔دفترِ ماتم۔ج۔ا(پہلا مرثیہ)

(۱۹۰) سید العلماءؒ۔شعاعِ عمل۔فروری ۲۰۰۴ء۔ص۔۳۲

سلطان العلماء اور اسلامی اخوت و یگانگت:

حضرت سلطان العلماء اپنے وقت میں شیعیانِ برصغیر کے رہبرِ اعظم تھے۔ تشیع کے استحکام اور فروغ میں ان کی خدمات بھی ان کے عظیم المرتبت پدر بزرگوار مجدد ملت آیۃ اللہ العظمیٰ حضرت غفرانمآبؒ ہی کی طرح تھیں۔ مخالفین کی طرف سے شیعیت پر اعتراضات کے جوابات دینے اور اس مسلک کا دفاع کرنے میں ان کا قلم اور ان کی زبانِ مبارک واقعتاً ذوالفقار کی مثل تھے۔ لیکن انہوں نے اہلسنت کے خلاف کبھی تعصب کا مظاہرہ نہیں کیا۔ جہاں ملکی معاملات میں ان کے نظریات کو درست اور برحق سمجھا، ان کی حمایت کی اور اس طرح انہوں نے صرف شیعوں ہی کی نصرت اور مدد نہیں کی، اہلسنت کی بھی مدد کی۔ اس کی سب سے بڑی دلیل ''ہنومان گڑھی'' کا واقعہ ہے۔ اس کی تفصیل مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ کے قلم سے ملاحظہ ہو:۔

''اجودھیا کا علاقہ صدیوں سے ہندو مسلم کشمکش کی آماجگاہ تھا اور مشرکین ضلع فیض آباد (یو۔پی) نہیں چاہتے تھے کہ وہاں مسجد کا نشان بھی رہے اور صدائے تکبیر بلند ہو''۔ یہی ذہنیت صدیوں کا سفر طے کر کے ''بابری مسجد'' اجودھیا کے انہدام کا سبب بنی (ساحرؔ)۔ سلطنتِ اودھ کے زوال میں جن کا ہاتھ تھا وہ ایک طرف تو انگریزوں سے سرگرم سازش تھے۔ دوسری طرف طمعِ زر میں ہندوؤں کو سر چڑھاتے تھے۔

اس گرد و پیش میں ''ہنومان گڑھی'' کی مسجد مسمار ہوئی۔ امام باڑہ تاخت و تاراج ہوا۔ قرآن شریف کی بے حرمتی ہوئی اور تمام دست درازی پردۂ خفا میں رکھنے کی سعی کی گئی۔

مولوی امیر علی اپنے بھرپور احتجاج کے بعد سر بکف ''امیٹھی'' سے چل کھڑے

ہوئے۔ایک طبقہ "جہاد واجب ہے" کہہ کر ان کے ساتھ ہوگیا۔ستم ظریفی یہ ہوئی کہ مرکز کے علمائے فرنگی محل نے بھی اس مردِ مجاہد کا ساتھ نہیں دیا اور مصلحت بینی میں پیچھے ہٹتے رہے (حتیٰ کہ) بعض نے ان (مولوی امیر علی) کے خون کو مباح قرار دیا۔

اس پُر آشوب دور میں سلطان العلماء حق کے جادہ پر قائم رہے۔نہ غدارانِ قوم کے مغالطے میں آئے نہ شیعہ حکومت کی مخالفت سمجھتے ہوئے مولوی امیر علی کی ذرہ برابر مخالفت کی۔ مسجد کی شہادت اور مولوی امیر علی کے جاں بحق تسلیم ہونے پر ٹیلہ کی مسجد (لکھنؤ) سے نمازِ جمعہ کا ہجوم جب مسجد جامع پہنچا اور "مرج البحرین یلتقین" کا منظر قبلہ و کعبہ (سلطان العلماء) کی نظروں کے سامنے آیا تو ان کی ہمدردی مسلم اکثریت کے ساتھ رہی اور مرنے والوں کو ظلم رسیدہ سمجھتے رہے۔

سلطان العلماءؒ نے ہنومان گڑھی (۱) کے قضیہ کے آغاز میں یہ فتویٰ دیا تھا:۔

"حکام عصر را بہ مناسبت حکمِ شرع دفع شر کفار از اہل ایمان و اسلام و اجراء حدود بر محاربین مشرکین وقصاصِ خونِ مسلمانان واجب است۔"

نواب علی نقی خاں کے ہاتھ میں یہ فتویٰ مولوی صاحب (امیر علی) نے دیا اور نواب (شاہِ اودھ) نے بقول "فسانۂ عبرت" فتویٰ پڑھ کر عرض کیا کہ ہم مجتہد العصر کی تحریر پر عمل کریں گے۔مسجد بنوادیں گے اور انتقام بھی لیں گے۔مگر ہوا وہی جو دشمن چاہتا تھا۔یہ تمام وعدے نقش بر آب تھے۔

سلطان العلماء کی رائے ان کی دوررس نگاہوں کا پتہ دیتی ہے۔اس ماحول میں جب وزارت اور ماتحت طبقہ نے ہندو نوازی پر مستحکم کمر باندھ لی تھی اور مولوی صاحب پر الٹے بغاوت کا

جرم (الزام) تھا، حقیقتِ حال پر واقفیت ایک اہم امر تھا۔

''امیٹھی'' اور لکھنؤ سے قریبی تعلق تھا۔ مولوی صاحب اپنی درخواست شاہ تجاہ کے پاس بھیج چکے تھے جس کے بارے میں تاریخی حقیقت یہی ہے کہ وہ بادشاہ کے سامنے پیش بھی نہیں ہوئی۔

مولوی صاحب (امیر علی) گولیوں سے جاں بحق تسلیم ہوئے۔ ان کا کٹا ہوا سر وزیرِ اودھ کے روبرو لایا گیا۔

مولوی امیر علی کے رجز میں ان کی زبان پر یہ مصرع تھا:۔

سرِ میداں کفن بر دوش دارم

مشیت ایزدی نے (یہ واقعہ ۲۶ رصفر ۱۲۷۲ھ کا تھا۔) اسی (مصرع رجز) کو ان کا مادۂ تاریخ قرار دے دیا۔ کسی شاعر نے اس مصرع کو (قطعہ تاریخِ شہادت میں) تضمین کیا:۔

بذکرِ حق سراپا گوش دارم ۔۔۔ مے حُبِ علیؑ در جوش دارم
شنو تاریخ من قبل از شہادت ۔۔۔ ''سرِ میداں کفن بر دوش دارم''

۱۲۷۲ھ

ایک اور شاعر نے ایک بہت خوبصورت طریقہ سے تاریخ لکھی۔ ایک لفظ کے حروف کی ترتیب بدل دی۔ بدلی ہوئی ترتیب کے لفظ کی معنویت مختلف تھی۔ دونوں معانی میں دو تاریخیں کہیں۔ یہ شاعر کے ذہنی اختراع کی بہت خوبصورت مثال ہے۔ تاریخ کے دونوں شعر ملاحظہ ہوں:۔

پیاسے شہیدوں کی تاریخ ہے رحیق" رحیق" رحیق" رحیق

۱۲۷۲ھ

جو ناری ہوئے جہہ تیغ ان کا سال حریق" حریق" حریق" حریق

۱۲۷۲ھ

یہ لکھا جا چکا ہے کہ علمائے اہلسنت نے بادشاہ وقت کو "اولی الامر" کی تعریف کا مصداق قرار دیتے ہوئے ان کے حق میں اور مولوی امیر علی کے خلاف فتوئی دیا مگر حضرت سلطان العلماء نے شیعہ عالم ہوتے ہوئے اور اودھ کی شیعہ حکومت میں دخیل ہونے کے باوجود بادشاہ کے خلاف اور مولوی امیر علی کے حق میں فتوئی دیا کیونکہ وہ حق پر تھے۔ عوام اہلسنت نے اپنے علماء کے فتوے کے خلاف دیواروں پر ان کے لئے گالیاں لکھ کر چسپاں کیں اور اپنی نماز جماعت کے بعد وعظ کو چھوڑ کے جناب سلطان العلماء کی مسجد میں آ کر ان کا وعظ سنتے تھے۔ (۱۹۲)

علم

قبا بشر کی ہے تقویٰ، تو اس کا تاج ہے علم
ملک کی بزم میں انسانیت کی لاج ہے علم
مریضِ جہل کا بس ایک ہی علاج ہے علم
خدا پسند، نبیؐ خو، علیؑ مزاج ہے علم

مگر یہ شرط ہے، وہی کہ اکتسابی ہو
نجف کی خاک سے چمکا ہو، بوترابی ہو

(مرثیہ "علم اور علماء" از ساحر لکھنوی)

---

(۱۹۱) مولانا آغا مہدی صاحب۔ تاریخ سلطان العلماء۔ ص۔ ۸۱ تا ۸۷

(۱۹۲) مولانا سید محمد باقر شمس۔ تاریخ لکھنؤ۔ ص۔ ۲۹۳

سلطان العلماء اور مرزا غالب

اردو کے نامور شاعر مرزا اسد اللہ خاں غالب نسلاً اہلسنت تھے مگر ذاتی عقیدہ اور عقیدت کے اعتبار سے وہ شیعہ بلکہ غالی شیعہ تھے۔ اکثر لوگ انہیں نصیری کہتے تھے اور وہ خوش ہوتے تھے۔ ان کا ایک شعر خود اس پر دلیل ہے۔

منصور فرقۂ علی اللّٰہیاں منم　آوازۂ انا اسد اللہ بر افگنم (۱۹۳)

اس میں لطف یہ ہے کہ غالب کا نام ہی اسد اللہ تھا۔ اس لئے "انا اسد اللہ" کہنا ان کے لئے نام کے حوالہ سے بھی برحق تھا اور حضرت علیؑ کے مشہور و معروف لقب "اسد اللہ" کے پیش نظر شیعہ غالی کا نعرہ بھی ہوا جو ان کے عقیدہ کا ترجمان تھا۔

غالب مولائے کائنات حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کی ذات والاصفات سے عشق کی حد تک محبت رکھتے تھے اور انہیں حلّالِ مشکلات جانتے تھے اس کا اندازہ اس خط سے لگایا جا سکتا ہے جو انہوں جناب یوسف مرزا کو لکھا اس کا اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

"حسین مرزا کی حرم لکھنؤ سے آئی تھی، بی چھٹن کے یہاں اتری۔ کہتی تھی کہ نصیب اعداء ناظر جی بہت بیمار ہیں۔ خدا خیر کرے۔ یوسف مرزا، میری جان نکل گئی۔ کیونکر خبر منگواؤں۔ یا علی، یا علی، یا علی دس بار دل میں کہا ہوگا کہ ماری (ماسی) کا بیٹا دوڑا ہوا آیا اور خط لایا۔" (۱۹۴)

مرزا غالب اسی عقیدہ اور عقیدت کی بناء پر حضرت سلطان العلماء کے انتہائی معتقد اور ایک طرح سے مقلد تھے۔ غالب کے متعدد خطوط میں "مجتہد العصر" لکھنؤ کا حوالہ یا ذکر ملتا ہے۔ اس سے ان کی مراد سلطان العلماء ہی تھے۔

---

(۱۹۳) ریاض جنتری ۱۹۲۹ء

(۱۹۴) مولانا محمد حسین آزاد۔ "آبِ حیات"۔ ص۔ ۴۹۳

بعض ادبی شخصیات کو "مجتہد العصر" کی شخصیت کے بارے میں تسامح ہوا ہے۔
پاکستان کے ایک معروف اور معتبر محقق و نقاد نے ایک جگہ مفتی محمد عباس شوستری اعلیٰ اللہ مقامہ کو اس لقب کا مصداق قرار دیا اور لکھا کہ مجتہد العصر مفتی محمد عباس نے غالبؔ سے مرثیہ کہنے کی فرمائش کی تھی۔ مجھ حقیر فقیر ساحر لکھنوی کو اس پر حیرت ہوئی اور ان کی خدمت میں ایک خط کے ذریعہ عرض کیا کہ مفتی محمد عباس شوستری بیشک بڑے جید عالم دین تھے۔ وہ جناب سلطان العلماء کے سب سے چھوٹے بھائی اور حضرت غفرانمآبؒ کے سب سے چھوٹے فرزند حضرت سید العلماء مولانا سید حسین صاحب علیین مکاں کے قابلِ فخر شاگرد تھے۔ انہوں نے جناب سلطان العلماء کے کاتب کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دی تھیں مگر غالبؔ نہ ان کے مقلد تھے نہ ان کو "مجتہد العصر" کہتے تھے۔ نہ مفتی صاحب طاب ثراہ نے غالبؔ سے مرثیہ لکھنے کی فرمائش کی تھی۔ غالب حضرت غفرانمآبؒ کے فرزندِ اکبر اور جانشین حضرت سلطان العلماء سید محمد صاحب رضواں مآب کو مجتہد العصر کہتے تھے۔ انہیں کے معتقد و مقلد تھے۔ انہیں نے غالبؔ کو مرثیہ کہنے کی ہدایت کی تھی۔ اس زمانہ میں لکھنؤ میں انیسؔ و دبیرؔ کا طوطی بول رہا تھا۔ غالبؔ نے مرثیہ لکھنے کا آغاز کیا مگر تین بند لکھ کر قلم چوم کر ہاتھ سے رکھ دیا اور کہا کہ یہ کام دبیرؔ کا ہے۔ ہم سے اس راہ پر چلا نہیں جاتا۔"

غالبؔ کبھی کبھی اپنے دوستوں کو طنزاً "مجتہد العصر" لکھتے تھے۔ چنانچہ ایک خط میں سرفراز حسین کو لکھا ہے:۔

"اللہ اللہ اب تو تم پانی پت کے سلطان العلماء مجتہد العصر ہو گئے۔ کہو، تم کو وہاں کے

لوگ قبلہ و کعبہ کہنے لگے یا نہیں۔"

جناب سلطان العلماء بھی مرزا غالبؔ پر مہربان تھے۔ علاوہ حل مسائل اور جوابات استفتاء کے، دربار اودھ سے بھی ان کے لئے مراعات و عنایات کا انتظام فرماتے تھے۔ اس بارے میں مرزا یوسف کے نام غالبؔ ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"سنو صاحب میں چودہ (۱۴) پارچہ کا خلعت ایک بار اور ملبوسِ خاص (شالی) رومال اور دو شالہ ایک بار پیش گاہِ حضرت سلطانِ عالم سے پا چکا ہوں مگر یہ بھی جانتے ہو کہ وہ خلعت مجھ کو دو بار کس کے ذریعہ سے ملا ہے؟ حضرت قبلہ و کعبہ مجتہد العصر مدظلہ العالی کے ذریعہ۔ اب آدمیت اس کی مقتضی نہیں کہ میں بے ان کے توسط کے مدح گستری کا قصد کروں۔ چنانچہ قصیدہ لکھ کر اور جیسا میرا دستور ہے، کاغذ کو بنوا کر حضرت پیر و مرشد کی خدمت میں بھیج دیا ہے۔ یقین ہے کہ حضرت نے وہاں بھیج دیا ہوگا۔ اور میں تم کو بھی لکھ چکا ہوں کہ میں نے قصیدہ لکھنؤ بھیج دیا ہے۔ اُسی خط میں یہ بھی تم کو لکھا ہے کہ حضرت زبدۃ العلماء سید نقی صاحب اگر کلکتہ پہنچ گئے ہوں تو مجھ کو اطلاع دو۔" (۱۹۵)

منشی مہیش پرشاد کی تحقیق کے مطابق یہ خط ۵ نومبر ۱۸۵۹ء ربیع الثانی ۱۲۷۶ھ کا ہے۔ (۱۹۶)

غالبؔ کے خطوط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب تک حضرت سلطان العلماء کی وساطت ان کو حاصل نہیں ہوئی تھی اس وقت تک شاہِ اودھ نصیر الدین حیدر کی سرکار سے ملا ہوا عطیہ بیچ میں روشن الدولہ اور محمد حسین نے کھا لیا تھا اور غالبؔ بیچارے کو کچھ نہ ملا۔

---

(۱۹۵) مرزا جعفر حسین۔ "قدیم لکھنؤ کی آخری بہار"۔ ص۔ ۳۲۹۔ مطبوعہ ۱۹۸۱ء، "خطوط غالبؔ۔ مرتبہ مالک رام۔ ص۔ ۲۲۳

(۱۹۶) خطوط غالبؔ۔ مرتبہ منشی مہیش پرشاد۔ ص۔ ۱۶۳/۱۶۲ ؍ چودھری سبط محمد۔ شعاعِ عمل۔ دسمبر ۲۰۰۲ء۔ ص۔ ۵۵

سلطان العلماء اور مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفرؔ

پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیبؔ مرحوم نے سلطان العلماء سے بہادر شاہ ظفر کے روابط کی بابت ایک نہایت اہم واقعہ لکھا ہے۔

ہوا یوں کہ مغل بادشاہ ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ ظفر نے جناب سلطان العلماء کی خدمت میں ایک مکتوب ارسال کیا جس میں اپنے مذہب شیعہ قبول کرنے کی خوشخبری دی اور ایک علمِ مبارک درگاہِ حضرت عباسؑ (لکھنؤ) میں چڑھانے کے لئے بھیجا۔ اس واقعہ کے بارے میں پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیبؔ تحریر فرماتے ہیں:۔

"علم کے قضیہ کے متعلق خود مرزا حیدر شکوہ کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں وہ کلکتہ میں مقیم تھے، بہادر شاہ ظفرؔ بیمار ہوئے۔ اسی بیماری کی حالت میں انہوں نے ایک خواب میں خود کو حضرت عباسؑ کی درگاہ میں علم چڑھاتے ہوئے دیکھا اور ایک خط میں مرزا حیدر شکوہ کو اس خواب کا حال لکھ بھیجا۔ جب بہادر شاہ کو صحت ہوئی تو انہوں نے ایک سونے کا علم بنوا کر مرزا حیدر شکوہ کے بھائی مرزا نورالدین کے پاس لکھنؤ بھیجا۔ جب حیدر شکوہ کلکتہ (کولکتہ) سے واپس آئے اور بہادر شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے اس خواب اور علم کا حال زبانی بھی ان سے بیان کیا اور لکھنؤ کے مجتہد سلطان العلماء مولوی سید محمد صاحب کے نام ایک خط لکھ کر مرزا حیدر شکوہ کی معرفت روانہ کیا۔ انہیں کے ہاتھ ایک خط مرزا نورالدین کو بھی بھیجا جس میں ان کو لکھا کہ معلوم نہیں کہ علم حضرت عباسؑ کی درگاہ میں چڑھا دیا گیا یا نہیں۔ اگر نہ چڑھایا گیا ہو تو جلد چڑھایا جائے۔ قصہ مختصر مرزا حیدر شکوہ کی معرفت بہادر شاہ کا خط وصول ہونے کے بعد مجتہد العصر نے ۶ ربیع الاول ۱۲۷۰ھ کو وہ علم شاہی انتظام اور شاہانہ جلوس کے ساتھ حضرت عباسؑ کی درگاہ میں چڑھا دیا۔ یہ خبر

کچھ جھوٹے سچے حاشیوں کے ساتھ دہلی پہونچی اور وہاں کے علماء اور مشائخ نے بہادر شاہ کو دھمکی دی کہ اگر یہ خبر صحیح ہے تو جمعہ اور عیدین کے نماز کے خطبہ سے ان کا نام نکال دیا جائے گا۔ اس خوف سے بہادر شاہ مکر گئے اور یہ ظاہر کیا کہ مرزا حیدر شکوہ اور مرزا نور الدین نے ان کی بیماری کے زمانہ میں ان کی صحت کے لئے اپنے مذہب کے موافق عَــلَــم چڑھانے کی نذر مانی تھی جس کو انہوں نے اپنے طور پر پورا کیا۔

عَلَم کے قضیہ نے بہت طول کھینچا اور اس کے بارے میں بہت خط و کتابت ہوئی۔ اس سلسلہ کی تمام اہم تحریریں مرزا حیدر شکوہ نے ایک رسالہ میں جمع کر دی ہیں۔ اسی رسالہ میں انہوں نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ امیر تیمور سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک کُل مغل بادشاہ مذہباً شیعہ تھے اور اس دعوے کے کچھ ثبوت بھی پیش کئے ہیں۔ یہ رسالہ ۱۲۷۰ھ میں "علم حیدری اور عقایدِ سلاطین تیموری" کے نام سے لکھنؤ میں چھپا تھا۔ (۱۹۷) اس شہرت کے تدارک کے لئے وزیرِ اعظم حکیم احسان اللہ خاں نے ایک مثنوی مرزا غالبؔ سے کہلوائی۔ اس کا جواب مرزا حیدر شکوہ کے علاوہ میر دوست علی خلیلؔ شاگرد خواجہ آتشؔ نے لکھنؤ سے دیا۔ دہلی میں یہ خیال کیا گیا کہ خلیلؔ کی کوشش میں مفتی علامہ میر محمد عباس شوستریؒ کی مدد شامل ہے۔ اس لئے مولوی امام بخش صہبائیؔ نے جواب کی فکر کی اور اس میں مفتی علامہ پر طعن و تشنیع سے کام لیا۔ اب مفتی صاحبؒ نے بھی قلم سنبھالا اور ۱۲۷۰ھ میں ان کی مثنوی "خطاب فاضل" پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اس طرح مناظرہ کے فن کی یکے بعد دیگرے پانچ مثنویاں وجود میں آئیں۔

مرزا غالبؔ کے سلطان العلماءؒ سے بڑے مخلصانہ روابط تھے۔ مرزا اپنے مذہبی تردوات میں جناب ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ قبلہ و کعبہ بھی دربار اودھ سے ان کی تواضع میں توجہ فرمایا کرتے تھے۔ اس مثنوی کے بعد بھی جس میں کافی سخت کلامی سے کام لیا گیا تھا، اگرچہ خواجہ حالیؔ کے بیان کے مطابق قبلہ و کعبہ نے مرزا غالبؔ سے دریافت کیا کہ "آپ نے خود

(۱۹۷) سید مسعود حسن رضوی۔ "نگارشات ادیب۔" ص۔ ۷۔ ۱۹۶

مذہب شیعہ اور مرزا حیدر شکوہ کی نسبت اس مثنوی میں ایسا اور ایسا لکھا ہے؟

غالبؔ کی اس مثنوی کے باوجود ان کے سلطان العلماء سے تعلقات پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ غالبؔ کی سلطان العلماءؒ سے عقیدت اور جناب کی ان پر عنایت بدستور باقی رہی۔ چودھری سبط محمد نقوی مرحوم نے بجا طور پر کہا ہے کہ مثنوی کی تصنیف کے بعد بھی غالبؔ کے حال پر سلطان العلماء کا یہ التفات جناب کی معاملہ فہمی ہی نہیں، کشادہ قلبی کو بھی بخوبی واضح کرتا ہے"۔ (۱۹۸)

ایسا ہی ایک واقعہ اس سے پہلے بھی پیش آچکا تھا جب درباری سازشی طبقہ نے غالبؔ کے تشیع کے خلاف بہادر شاہ ظفر کے کان بھرے تھے جس پر انہوں نے غالبؔ سے وضاحت طلب کی تھی اور غالبؔ نے ایک رباعی کہہ کر ان کو پیش کی تھی جس میں اپنے تشیع کی اس طرح تردید کی تھی ۔

رباعی

جن لوگوں کو ہے مجھ سے عداوت گہری
کہتے ہیں وہ مجھ کو رافضی و دہری
دہری کیونکر ہو جو کہ ہوئے صوفی
شیعی کیسے ہو ماوراء النہری

غالبؔ کے اجداد چونکہ ماوراء النہر کے رہنے والے تھے اور وہاں کے اہلسنت علماء شدت پسند تھے جنھوں نے شیعوں کو واجب القتل قرار دیا تھا۔ انہیں کی پیروی میں ہندوستان میں مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی نے بھی شیعوں کو واجب القتل قرار دیا تھا۔ اس لئے یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کوئی ماوراء النہری شیعہ بھی ہو سکتا ہے۔ غالبؔ نے اپنے تشیع کے الزام کے رد میں یہی دلیل دی تھی۔ اس کی جب سلطان العلماء کو خبر ہوئی تھی تو اس وقت بھی آپ نے غالبؔ سے جواب طلب کیا تھا۔

---

(۱۹۸) چودھری سبط محمد نقوی۔ "شعاع عمل"۔ دسمبر ۲۰۰۲ء ص۔۵۵

سلطان العلماء کو خراجِ تحسین وعقیدت:

جناب سلطان العلماء کی عظیم شخصیت کو ان کے عہد اور بعد کے علماء وفقہاء ادباء وشعراء نے شاندار لفظوں میں خراجِ تحسین وعقیدت پیش کیا ہے۔ہم چند اقتباسات درج ذیل کر رہے ہیں۔

۱۔ عراق میں دنیائے شیعیت کے عظیم المرتبت علامہ سید ابراہیم موسوی طاب ثراہ نے ایک طویل خط میں جو حضرت سلطان العلماء کے برادرِ خُرد حضرت سید العلماء مولانا سید حسین صاحب قبلہ علیین مکاں کے نام ارسال کیا تھا، حضرت سلطان العلماء کے بارے میں مندرجہ ذیل الفاظ تحریر فرمائے:۔

"میں آپ کے لطف جمیل اور شفقتِ بزرگانہ سے متمنی ہوں کہ دعا گو کا بھرپور سلام پہونچائیں تمام عالموں کے مقتدا اور تمام فقہاء اور متبحر عالموں کے پیشوا اور اپنے زمانہ کے علامہ اور عصر حاضر کے سب سے زیادہ سمجھدار سردار اور تائیدِ الٰہی یافتہ جید عالم، فیض کا چشمۂ جاری فیوض کا مرکز تحی عالم فاضل کامل وعادل رشد وہدایت کے چراغ رہنمایانِ دین کی کلیدِ مراد زمانہ بھر میں یکتا اور اپنے دور میں تنہا خلقِ خدا کے امام خاص وعام کی رجوع کے مرکز حجۂ روشن، قطب اسلام واجب التعظیم اطاعت کے حقدار جن کی تجدید ہو چکی ہے، رشید ترینِ مردم ہمارے سردار سید محمد (سلطان العلماء) کو ان کی فیض رسانی کے تمام دن رات ہمیشہ ہمیشہ باقی رہیں اور خدا ان کے مقاصد اور مرادوں کو کامیابی و کامرانی تک پہنچائے"۔(ترجمہ از زبدۃ العلماء مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ طاب ثراہ)(۱۹۹)

---

(۱۹۹) مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ۔تاریخ سلطان العلماء۔ص۔۴۳

۲۔ عراق میں اپنے وقت کے مجتہدِ اعظم علامہ محمد حسن نجفی طاب ثراہ صاحب ''جواہر الکلام'' (م ۱۲۶۶ھ) جن کی نہایت اہم تصنیف ''جواہر الکلام'' کا عدیل اب تک عرب و عجم میں ظہور میں نہیں آیا اپنے ایک خط بنام سید العلماءؒ کے آخر میں لکھتے ہیں۔

''آپ کی وسعت کرم سے یہ بھی امید ہے کہ میری طرف سے پاک و پاکیزہ سلام کے تحفے اور نمو پانے والے ہدایہ شریفوں کے سردار اور اولادِ حضرت عبدِ مناف کی اساس اور علماء کے پیشوا اور مجتہدین میں منتخب جو خلقِ خدا میں چھپے ہوئے نہیں، شجرۂ احمدی کی بلند شاخ، قوم کے مددگار شریعت کے محافظ اور اپنی بصیرت سے نگراں باطل نواز کے شبہوں کو دور کرنے والے اور صراطِ مستقیم سے ہٹانے والے جاہلوں کو جھڑکنے والے قطبِ شمالی سے ثریا تک جس کی بلندی و ہدایت پہنچتی ہے برادرم سید محمد (سلطان العلماءؒ) تک پہنچائیں۔ خدا کرے ہمیشہ ان کی نیکیوں کے تارے چمکتے رہیں اور اقبال کی ڈالیاں پھولتی پھلتی رہیں بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ۔ (ترجمہ از زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب طاب ثراہ) (۲۰۰)

۳۔ ایک اور خط میں صاحب ''جواہر الکلام'' نے جو سلطان العلماء اور سید العلماء کے نام مشترک مکتوب ہے ان (دونوں عظیم المرتبت شخصیات) کی خدمات کے اعتراف میں ''خاتمی ارباب الفقاہت والاجتہادؒ'' کی لفظوں سے یاد کیا ہے۔ (۲۰۱)

۴۔ سلطان العلماء کے فیوض و برکات پر جناب سید مہدی عظیم آبادی صاحب تذکرۃ العلماء کا قول ہے کہ:۔

''مشتہ ز فیوض تفقہ و تبحر جناب آنست کہ در ایں زمان احدے از مشاہیر فضلاء

---

(۲۰۰) مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ طاب ثراہ۔ تاریخ سلطان العلماء۔ ص۔ ۲۵

(۲۰۱) مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ طاب ثراہ۔ تاریخ سلطان العلماءؒ۔ ص۔ ۲۵۔ ۲۶

ہندوستان نیست کہ سلسلۂ تلمذش بآنجناب بلا واسطہ یا بواسطہ یا بوسائط منتہی نباشد"۔

یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب ملک کا پیمانہ اہلِ کمال سے چھلک رہا تھا۔ کہ بقول صاحب تذکرۃ العلماء کوئی شخص نام آور علماء و فضلاءِ ہندوستان میں ایسا نہیں جس کا سلسلہ شاگردی بے واسطہ یا کسی واسطہ یا واسطوں سے اس مروج ملت (جناب سلطان العلماء) تک نہ پہنچے"۔

بحر العلوم ایسی ہستیوں کو کہنا بجا ہوتا ہے اور وہ تن تنہا ایک یونیورسٹی تھے جہاں سے کمالات کی سندیں حاصل ہوتی ہیں۔ (۲۰۲)

مفتی میر محمد عباس صاحب طاب ثراہ جناب سلطان العلماء اور جناب سید العلماء کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:۔

"اے رفعت و بلندی کے مالک، اے ورع و تقویٰ کی جائے پناہ، اے ہدایت کے نور اے آفتابِ روز آپ کے سبب سے ہماری زمین پر شریعتِ حضرت محمد مصطفیٰؐ ظاہر ہوئی۔ اگر آپ نہ ہوتے اے میرے سرداران ملت تو ہمیں خبر بھی نہ ہوتی کہ ہمارا دین و مذہب کیا ہے۔ کیا کہنا آپ لوگوں کا کہ جو شخص آپ کی زیارت کرے وہ ہدایت پا جائے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے آپ کو کثیر علم کا مالک بنایا تاکہ رگڑ دینے کو دشمنوں کی۔ میرا فخر ہے کہ میں ہدایت حاصل کرنے والا ہوں اس یگانۂ عصر امام سے"۔ (۲۰۳)

۷۔ مفتی محمد عباس صاحب طاب ثراہ سلطان العلماءؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"ان (سلطان العلماء) کی سربلندی سے دینِ الٰہی سربلند ہوا اور بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہِ وقت نے ان کے آگے سرِ عقیدت خم کر دیا اور شاہی اقتدار کا ایک حصہ ان کو سونپ دیا۔ انہوں نے اسلامی آئین نافذ کیا اور بہت سے دینی کام کئے جن کا دائرہ عراق تک پھیلا"۔ (۲۰۴)

---

(۲۰۲) زبدۃ العلماء تاریخ سلطان العلماء۔ ص۔ ۳۲، (۲۰۳) مولانا باقر شمس صاحب۔ ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ۔ ص۔ ۱۹-۱۷۔ (۲۰۴) مولانا سید محمد باقر شمس اعلی اللہ مقامہ۔ ہندوستان میں شیعت کی تاریخ۔ ص۔ ۳۲۵۔

۸۔ ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

''اگر آپ عہدِ رسولؐ میں ہوتے تو آپ کے فضائل میں کوئی آیت ضرور اترتی اور ابوذرؓ و سلمانؓ پر آپ کو فضیلت دیتے۔ آپ کے تمام افعال و عادات عبادت تھے۔'' (اوراق الذہب (ترجمہ) (۲۰۵)

۹۔ ''اوراق الذہب'' ہی میں مفتی صاحب اعلی اللہ مقامہ مزید لکھتے ہیں:۔

''خدا نے ان کے چہرے میں حُسن، کلام میں نمک اور الفاظ میں فصاحت عطا کی ہے۔ ان کی صحبتیں ثبت ہیں جہاں لغو اور غیر مشروع باتوں کا گزر نہیں۔ ان کی عادت میں حُسنِ اخلاق اور مزاح ہے مگر کوئی شخص ان کے سامنے دم نہیں مار سکتا۔ ان میں سختی اور نرمی ہے جو خدا نے عطا کی ہے ان میں تنِ تنہا قیام و قعود میں وہ ہیبت ہے جو بادشاہوں کو فوج و لشکر کے ساتھ میسر نہیں۔ وہ جناب باوجود قوتِ قلب کے رحمدل اور بندوں پر مہربان ہیں۔ شجاعت میں شیران کے سامنے سے فرار کرتا ہے۔ موعظہ کے وقت پتھر اگر احساس کرے تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے بالخصوص جب وہ جناب منبر پر موت اور قبر کا تذکرہ کرتے اور ابر بارندہ کی طرح روتے ہیں۔ خدا کے راستہ میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے۔ خدا کی رضا کے طالب رہتے ہیں۔'' (۲۰۶)

۱۰۔ مولانا سید محمد باقر صاحب شمس لکھتے ہیں کہ ملکہ وکٹوریہ نے حکومتِ ہند کو لکھا کہ یہ کیسے شخص ہیں جو کسی سے نہیں ڈرتے۔ ہم ان کی تصویر دیکھنا چاہتے ہیں۔ حکومت نے ان کی تصویر بنوا کے ہاتھی دانت کے چوکھٹے میں (لگا کے) بھیجی۔ (۲۰۷)

حضرت شمس مزید تحریر فرماتے ہیں:۔

---

(۲۰۵) مولانا باقر شمس صاحب اعلی اللہ مقامہ۔ ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ۔ ص۔۴۹ (۲۰۶) مولانا محمد باقر شمس صاحب اعلی اللہ مقامہ۔ ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ۔ ص۔۴۹، (۲۰۷) مولانا محمد باقر شمس صاحب اعلی اللہ مقامہ۔ ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ۔ ص۔۵۳

"انہیں (امجد علی شاہ کو) مجتہد العصر (سلطان العلماء) سے بڑی عقیدت تھی۔ان کے گھر پر ملنے جایا کرتے تھے۔نام لینا بے ادبی سمجھتے تھے۔"بڑے قبلہ و کعبہ" اور ان کے چھوٹے بھائی سید حسین صاحب مجتہد العصر کو "چھوٹے قبلہ و کعبہ" کہتے تھے۔نام لینے کی ممانعت تھی"۔(۲۰۸)

مجتہد کو قبلہ و کعبہ سب سے پہلے امجد علی شاہ نے کہا۔سلطان العلماءؒ اور سید العلماءؒ کی زندگی تک کوئی اور قبلہ و کعبہ نہیں کہا گیا۔ان کے انتقال کے بہت دنوں کے بعد یہ عام ہوا۔

۱۰۔ سلطان العلماء کو علمائے اہلسنت میں بھی مقبولیت حاصل تھی اور وہ آپ کی علم و فضل میں انتہائی عظمت کے قائل تھے۔اکثر آپ کے پاس آتے رہتے تھے اور حسب موقع اپنے حلقوں میں بھی تحسین و آفرین کے ساتھ آپ کا ذکر کرتے تھے۔یہاں ایک واقعہ ملاحظہ فرمایئے:۔

"جناب کمال الدین موہانی جو علوم درسیہ میں اسم بامسمّیٰ تھے،اکثر ذکر فرمایا کرتے تھے کہ مولوی تراب علی صاحب اور دیگر مشاہیرِ علمائے اہلسنت باوجود مخالفت مذہب کے بالاتفاق بیان کیا کرتے تھے کہ ہندوستان میں ان دونوں حضرات (سلطان العلماءؒ اور سید العلماءؒ) کی قدر و منزلت کسی نے نہیں جانی۔اگر ہمارا اختیار ہوتا تو ان دونوں صاحبوں کو یعنی سلطان العلماء اور سید العلماء کو علیحدہ علیحدہ مکانوں میں رکھتے اور کوئی کام ان سے متعلق نہ ہونے دیتے سوائے اس کے کہ روز و شب تصنیف و تالیف میں مصروف رہیں کیونکہ جس فن میں جو کچھ یہ افادہ فرمائیں گے وہ کسی سے نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا اور باوجودیکہ وہ ہم لوگوں پر رد و طعن کرتے ہیں مگر ان کی تحریرات سے اور ان کے ساتھ مناظرہ اور مباحثہ کرنے سے جو لطف و مذاق حاصل ہوتا ہے وہ اور کسی کی تحریر و تقریر میں آج تک نہیں پایا گیا"۔(۲۰۹)

---

(۲۰۸) مولانا سید محمد باقر شمس صاحب۔ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ۔ص۔۳۳
(۲۰۹) نجم العلماءؒ۔"شجرۂ طیبہ"۔ص۔۷۷

شرفِ مواخات:

پیغمبرِ اسلامؐ نے مسلمانوں میں اتحاد اور یک جہتی پیدا کرنے کے لئے جو بحیثیت مسلمان کے ایک دوسرے کے بھائی تھے ہی جیسا کہ "انما المومنون اخوة" سے ظاہر ہے۔ مگر ان میں آپس میں مستقل بھائی چارہ قرار دینے کے لئے "صیغۂ اخوت" جاری کرنے کی تعلیم بھی دی۔ وہ بھائی چارہ تو بہت ہی قابلِ قدر اور لائقِ عزت ہے جو دو اہلِ علم فقہاء و مجتہدین میں ہو۔

مولانا آغا مہدی صاحب طاب ثراہ فرماتے ہیں:۔

"کجا ارض نجف اور کجا لکھنؤ کے ذرات ارض۔ پیروانِ ابوترابؑ صیغۂ اخوت پڑھ کر ایک دوسرے سے قریب ہوتے ہیں۔

صاحب "جواہر الکلام" آقائی محمد حسن نجفی طاب ثراہ نے قبلہ و کعبہ (جناب سلطان العلماء) سے صیغۂ اخوت جاری کیا تھا۔ اس کا ذکر ان خطوط میں موجود ہے جو نجف اشرف سے لکھنؤ آتے رہے"۔(۳۱۰)

بیشک حضرت سلطان العلماءؒ اور آقائی محمد حسن نجفی علیہ الرحمۃ جیسے عظیم المرتبت علماء دونوں کے لئے یہ صیغۂ اخوت باعث شرف تھا۔ شاید علمائے برصغیر میں یہ شرف سوائے سلطان العلماءؒ کے اور کسی کو حاصل نہ ہوا ہو۔

---

(۳۱۰) زبدۃ العلماء۔ تاریخ سلطان العلماءؒ۔ ص۔۷۸

سلطان العلماء کو منظوم خراج تحسین وعقیدت:

ا۔ جناب غفرانمآبؒ، سلطان العلماءؒ اور سید العلماءؒ نے لکھنؤ میں رہتے ہوئے شاہان اودھ کے تعاون سے جو خدمات عراق وایران میں انجام دیں ان کی تفصیل علیحدہ ایک عنوان کے تحت دی گئی ہے۔ ان خدمات کے اعتراف میں آقائی شیخ محمد حسن نجفی، صاحب ''جواہر الکلام'' نے اپنے شاگرد اور باکمال شاعر شیخ قطفان آل یحییٰ العاملی سے ایک قصیدہ کہلوایا جو امجد علی شاہ بادشاہ اودھ اور سلطان العلماء اور سید العلماء، کی مدح میں ہے۔ اس قصیدہ کے کچھ اشعار کا ترجمہ ملاحظہ ہو:۔

قصیدہ کے چند اشعار کا ترجمہ:۔

بادشاہ بادشاہانِ خلق (امجد علی شاہ)

فخر ارباب بلندی ودولت

دانشمند امجد علی شاہ

جنہیں قدرت نے تاج عطا کیا اور

مستقل سلطنت کے مالک ہوئے

ایسے بلند مرتبہ کہ نہیں معلوم کتنے بلند درجہ بادشاہ

ان کے سایۂ اقبال میں پناہ لئے ہوئے ہیں

ایسے بادشاہ جن کے زمانہ میں دینِ نبیؐ نے عزت پائی

اور کفر ذلیل ہوا

ایسے روشن چہرے والے کہ جن کے آسمان میں دو ستارے

علم و عمل کے چشمے
ہمارے مولا و آقا دونوں آقایانِ کرام
جنہوں نے ہر فضیلت کو بغیر کسی مشقت کے حاصل کیا
انہوں نے بادشاہ کو پہنچا دیا علم کے اس گھاٹ پر
جس کے شیریں پانی سے وہ خود بارہا سیراب ہو چکے تھے۔
ان کا خیال بلندی میں جاری ہوا
اور چشمے ان کے دستِ کرم سے ابل پڑے (۲۱۱)

۲۔ مفتی محمد عباس شوستری اعلیٰ اللہ مقامہ نے حضرت سلطان العلماء کی مدح میں منظومات لکھے۔ ان کے علاوہ سلطان العلماء کے قطعہ تاریخ وفات میں بھی ان کو شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین و عقیدت پیش کیا ہے۔ ان میں سے پہلے ایک نظم کے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے:۔

فرازندۂ رایتِ اجتہاد — ز حق حجت و آیتے بر عباد
مہرِ ساطع آسمانِ ہدیٰ — سمی جناب رسولؐ خدا
زہے وارث علم خیرالانام — وحیدالزماں مرجع خاص و عام
امامی کہ در فصل و قطع عدا — حسامے است مسلول دستِ خدا
طریق شریعت موید ازوست — کہ نام و نشان محمدؐ ازوست
بہ طعن الرماح، است گرم مصاف — کشد سیف ماح بر اہلِ خلاف
نمایاں بہ میدان دیں پروری — ز ہر ضربتش ضربتِ حیدری
عدیلش بہ عدل و بہ انصاف نیست — نظیرش کس از قاف تا قاف نیست
قلم در کف او لوائے علیؑ ست — کہ ازوے نشانِ ولائے علیؑ ست

(۲۱۱) ماخوذ از: ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ۔ ص۔ ۳۴۸۔۳۴۹

یہ اشعار اگرچہ فارسی میں ہیں مگر زبان آسان ہے۔ تھوڑی بہت فارسی جاننے والے بھی آسانی سے سمجھ کر محظوظ ہو سکتے ہیں۔ مختصراً مفتی صاحب طاب ثراہ نے حضرت سلطان العلماء کو اجتہاد کا علم بلند کرنے والا بندگان خدا پر حق کی حجت اور نشانی، آسمانِ ہدایت کا چاند ہمنام رسول خدا سرکار رسالت کے علم کا وارث، زمانہ بھر میں یکتا، خاص و عام سب کے مرجع کہا ہے۔ مزید فرماتے ہیں عدل وانصاف میں اُن کا کوئی عدیل و مثیل نہیں۔ قاف سے قاف تک، ساری دنیا میں ان کی کوئی نظیر نہیں، ان کے ہاتھ میں قلم مولا علیؑ کے علم کی طرح ہے کہ ولائے علیؑ کا نشان اسی سے ہے۔

اب مفتی محمد عباس صاحب طاب ثراہ کا نظم کردہ قطعہ تاریخ رحلتِ سلطان العلماء ملاحظہ کیجئے۔

قطعہ تاریخ وفات سلطان العلماء

قبلۂ دیں کعبۂ ایماں جنابِ مجتہد — کز وجودش رونقِ محراب و منبر داشتند
آیۂ نورِ الٰہی کز فروغِ طلعتش — ذرہ ہائے کوئے او با خور برابر داشتند
آں ہمایوں منظرے کز سایۂ اقبالِ او — بادشاہاں سر بسر دیہیم و افسر داشتند
رہبرِ دینِ علیؑ بو دست و ہمنامِ نبیؐ — ہیچ از رعبِ او در قلب کافر داشتند
از رگِ جانِ مخالف حال بکلکِ شاں بپرس — خامہ در کف یا کہ از الماس نشتر داشتند
می نوشتند از پئے سعی و سفارش رقعہا — بسکہ پاسِ خاطرِ مسکین و مضطر داشتند
در حکومت زہد و تقویٰ العجب ثم العجب — کیسہ پُر زر داشتند و طبعِ بوذرؓ داشتند
حُسنِ خُلق و خوفِ محشر از جنابِ شاں بگیر — خندہ بر لب داشتند و دیدۂ تر داشتند
آہ از سید محمدؒ، حیف از سید حسینؒ — واہ چہ علم و فضل ایں ہر دو برادر داشتند

تلخ شد عیش جہاں گشتند بعد از ہم رواں — بسکہ باہم اختلاطِ شیر و شکر داشتند
در عرب یا در عجم در علم و فضل و حسنِ خُلق — کس نمی گوید کہ در آفاق ہمسر داشتند
ہر چہ از عقلِ رسا گویم ز عزّو شانِ شاں — آسماں خندد کہ ایشاں شانِ دیگر داشتند
حیرتم از حالِ مرگِ سیدِ رضواں مآبؒ — گوئیا شوقِ لقائے دوست در سر داشتند
با تشنّج در نمازِ آخر روزِ وفات — رفعِ ید در گفتنِ اللہ اکبر داشتند
ساعتِ دہ از شبِ بست و دوم ماہِ ربیع — رخت بر بستند و عزمِ بزمِ داور داشتند
آہ یا ویلاہ ما ادراک ما یوم الخمیس — کاندریں کنجِ لحد از خاک بستر داشتند
حُلّہ ہائے نو بنو پوشند در خلدِ بریں — در جہاں گرچہ لباسِ کہنہ در بر داشتند

سال تاریخِ وفاتش راچہ می پُرسی زمن
"آسمانے بود بالا از زمیں بر داشتند"
۱۲۸۴ھ

بعض تذکروں اور مضامین میں مصرع تاریخ اس طرح لکھا ہے:۔

"آسمانے بود والے از زمیں بر داشتند"

اس مصرع تاریخ سے صحیح سالِ رحلت کا استخراج نہیں ہوتا۔ اس سے صرف ۱۲۶۷ھ کے اعداد حاصل ہوتے ہیں۔ زبدۃ العلماء مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ طاب ثراہ نے اس مصرع میں "والے" (۱۷) کے بجائے "بالا" (۳۴) لکھا ہے۔ اس سے صحیح تاریخ کا استخراج ہوتا ہے اور یوں ہی یہ مصرع صحیح ہوگا۔

۴۔ منیر شکوہ آبادی نے جناب سلطان العلماء کی مدح میں ایک شاندار قصیدہ لکھا تھا جس کے صرف پانچ شعر ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:۔

ستونِ کعبۂ اسلام عرشِ اعظمِ علم
گلِ بہشتِ کمالات، خضرِ راہِ ثواب صواب
مسیحِ روحِ عبادات و ماحیِ بدعات
کلیمِ طورِ شریعت خلیلِ باغِ ثواب صواب
ورع میں بوذرؓ و سلمانؓ تو صبر میں ایوبؑ
کمالِ زہد میں مصداقِ آیۂ آداب
☆
فقیہ وفخر سلطانِ عالمانِ (زماں)
ادیب و اکمل و علامۂ سپہر جناب
امام و سیدنا مدّ ظلہ العالی
کہ ختم رسل، قبلۂ ملک آداب

۵۔ اب شاعرِ اعظم خدائے سخن مرزا دبیرؒ کا حضرت سلطان العلماءؒ کو خراجِ تحسین ملاحظہ ہو جو ان کے ایک مرثیہ سے اقتباس ہے۔ مرثیہ کا مطلع یہ ہے:

طغریٰ نویس "کن فیکون" ذوالجلال ہے

اس مرثیہ کے چہرے میں مرزا دبیرؒ نے شاہِ اودھ امجد علی شاہ اور حضرت سلطان العلماءؒ اور حضرت سید العلماءؒ کی مدح مختصر الفاظ میں کی۔ اس کی اہمیت یہ ہے کہ مرزا دبیرؔ نے یہ مرثیہ حضرت سلطان العلماءؒ کی موجودگی میں پیش کیا تھا جس پر وہ فخر کرتے تھے۔

یہ مرثیہ مرزا دبیرؔ کے مراثی کے مجموعے "دفترِ ماتم" کی پہلی جلد کا پہلا مرثیہ ہے۔

☆ نوٹ: اس شعر کے مصرعِ اولیٰ کی لفظ کتابت وطباعت کی خامیوں کی وجہ سے صحیح پڑھی نہیں جا رہی ہے۔ ہم نے مصرع موزوں رکھنے کے لئے آخری لفظ اپنی طرف سے شامل کر دیا جس کے لئے روحِ جناب جنیر شکوہ آبادی سے معذرت خواہ ہیں۔

امجد علی شاہ کی مدح کے بند ہم ان کے بیان میں پیش کر چکے ہیں۔ تسلسل کے لئے اس کا درج شدہ آخری بند پیش کر رہے ہیں۔ اس بند کے آخری تین مصرعوں سے جناب سلطان العلماء اور سید العلماء کے اوصاف کی طرف گریز کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

ہر شب ہے روزِ عید عجب روزگار ہے　انصاف سربلند ہے، کیا تاجدار ہے
اقبال یار شہر ہے، کیا شہریار ہے　اس لطف پر یہ رحمتِ پروردگار ہے
عالم وہ ہیں کہ قدرتِ رب آشکار ہے
ہاتھوں سے جن کے مذہب حق پائیدار ہے

اول جناب مجتہد العصر والزماں　بسم اللہ صحیفۂ آیاتِ عزو شاں
خضرِ زمانہ، مرجع سادات و مومناں　سلطانِ عالماں، سبدِ معنی و بیاں
چشم و چراغ مجلس عالم جہاں میں
خاص الخلاصۂ بنی آدم کمال میں

بابش علی و ختم رسلؑ جدِ امجد است　اسمش جنابِ حضرتِ سید محمد است
در راستی چوں حرف نخستینِ ابجد است　بالا نشینِ منبر و ایوان و مسند است
ایمن شد است شہر ز طورِ جمال او
اے من فدائے نورِ چراغ کمال او

ناجی وہی ہے ان سے جسے اعتقاد ہے　وہ اعتقاد شیعوں کو زادالمعاد ہے
ارشاد وہ بجا ہے کہ اللہ شاد ہے　خیرالجہاد ان کے لئے اجتہاد ہے
شیعوں کو کہیئے قبلہ شناس اس بیان سے
کہتے ہیں ان کو قبلہ و کعبہ زبان سے

آغا حجو شرف کا خراجِ تحسین:

آغا حجو شرف نے جن کا اصلی نام جلال الدین حیدر تھا اپنی مثنوی ''افسانۂ لکھنؤ'' میں چند اشعار میں حضرت سلطان العلماءؒ کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ یہ مثنوی اگرچہ شعری جمالیات کے اعتبار سے کچھ زیادہ بلند معیار نہیں مگر تاریخی اعتبار سے بہت اہم ہے کہ آغا صاحب موصوف نے اپنے زمانے کے لکھنؤ کے معروف اور اہم شخصیات کے ذکر کے ساتھ انتزاع سلطنت اودھ کے معاشرہ پر اثرات کو موضوع بنایا ہے۔

جناب سلطان العلماءؒ کے بارے میں آغا حجو شرف کا نذرانۂ تحسین ملاحظہ ہو:۔

بس اب قبلہ و کعبہ کا سنیے حال — یہ روئے زمیں پر ہیں قدسی خصال
بڑی آبرو ہے حضورِ خدا — جبیں سے ہویدا ہے نورِ خدا
فرشتہ ہیں، سید محمد ہے نام — شب و روز ان کو ہے طاعت سے کام
زمانہ میں سب کے ہیں یہ پیشوا — کہیں عالم ایسا نہیں دوسرا
نہیں واعظوں میں اب ان کا جواب — یہ ساری خدائی میں ہیں انتخاب
جہاں میں انہیں جو نہیں مانتا — خدا کو نہیں پھر وہ پہچانتا
یہ ہیں معنیِ دفترِ حق پسند — یہ ہیں حکمِ اللہ سے بہرہ مند
نمازی جھکے جس کی تعظیم میں — یہ قبلہ وہ ہیں ہفت اقلیم میں
یہ ہیں نورِ اسلام و پرہیزگار — کہے جاتے ہیں قدسیوں میں شمار

یہی مجتہد ہفت کشور کے ہیں　　جہاں میں یہ نائب پیمبرؑ کے ہیں
ملائک ہیں سب ان کے خرد و کلاں　　بڑا شرع داں ان کا ہے خانداں

جہاں میں ہمیشہ سلامت رہیں
رہیں یہ جہاں، باکرامت رہیں (۲۱۲)

۷۔　اس حقیر فقیر ساحر لکھنوی نے بھی اپنے ایک مرثیہ بعنوان "علم اور علماء" میں ایک دو بند جناب سلطان العلماء اور جناب سید العلماء کے وصف میں پیش کئے ہیں کہ ؎

گر قبول افتد زہے عزو شرف:۔

جناب غفرانمآبؒ کے فرزندانِ ارجمند کا ذکر بند نمبر۔۶۴ سے شروع ہوتا ہے جس کی بیت یہ ہے:۔

؎ کرم تھا حق کا حسینؑ و حسنؑ کے صدقہ میں
کہ پانچ بیٹے ملے پنجتنؑ کے صدقہ میں

بند نمبر۔۶۵:

بڑے تھے سب سے جو سید محمدِ حق بیں
انہیں کو کہتے ہیں رضواں مآب اہلِ یقیں
تھا سر پہ تاج نہ کچھ بر میں خلعتِ زریں
مگر جلالت علمی سے ہل رہی تھی زمیں
جہانِ علم میں ان کے شرف مُسلّم تھے
دیارِ ہند میں عالم نہ تھے وہ اعلم تھے

---

(۲۱۲) آغا حجو شرف۔ مثنوی "افسانۂ لکھنؤ"۔ ص۔۹۵۔۹۶

بند نمبر۔۲۶

عجب یہ مرتبہ رضواں مآبؒ نے پایا
یہ خواب حضرت غفرانمآبؒ نے دیکھا
امامِ عصرؑ نے ارشاد ان سے فرمایا
رہے گا میری کفالت میں یہ ترا بچہ
نہ کیوں پھر ان کے مراتب جلیل ہوجائیں
امامِ عصرؑ جو ان کے کفیل ہوجائیں

علم

فقیر کی ہے دعا تجھ سے ہر نفس یارب
شکستہ کر دے برے جہل کا قفس یارب
ہو دل میں علم کی دولت کی وہ ہوس یارب
کبھی نہ ''بس'' کی صدا آئے لب پہ بس یارب
ترے کرم سے میں اتنا امیر ہوجاؤں
کہ شہر علم کے در کا فقیر ہوجاؤں

(مرثیہ ''علم اور علماء'' از ساحر لکھنوی)

سلطان العلماء کو زندگی میں مصائب و آلام کا سامنا:۔

یوں تو ہر شخص کے مصائب و آلام پر نظر کرنے سے انسان کو عبرت اور ہدایت حاصل ہو سکتی ہے لیکن علمائے کرام کی زندگی میں مصائب و آلام اسی طرح سبق آموز ہوتے ہیں جیسے بلا تشبیہ معصومینؑ کے مصائب۔

زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب طاب ثراہ نے حضرت سلطان العلماء کے مصائب و آلام کا ایک مجموعی اور مجمل جائزہ اس طرح لیا ہے:۔

"احباب و اولاد کی مفارقت، دشمنانِ دین کا غلب، عیسائیت کا روز افزوں تسلط، مقصدِ تبلیغ کی اہمیت میں حج و زیارات سے مشرف نہ ہوسکنے کا ملال، کچھ کچھ قومی اختلافات، اخباریوں کی ہٹ دھرمی، انتزاع سلطنت (اودھ) کے بعد تبلیغ دین میں اس بلند حوصلگی سے سیم و زر خرچ نہیں ہوسکتا تھا جو حکومتِ اودھ میں تھا۔ فقراء و مساکین کا ہجوم ان کی ضرورتوں کا پورا نہ ہوتا۔ لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی اپنے دیہات کے سادات میں تجویز کرنا اور سرمایہ داری کا دل میں بھی تصور تک نہ کرنا۔ آپ کے پاس امام فخر الدین رازی خطیب رَے کا ایسا کوئی سمدھیانہ نہ تھا جو دولت مند بنا دیتا☆۔ یہ مصیبتیں اور صاحبان حاجت کا فقر و فاقہ میں تڑپنا خون کے آنسو رلاتا تھا۔ ہر منزل پر صبر کیا"۔ (۲۱۳)

☆ یہاں پر زبدۃ العلماء نے "صبقات الانوار"۔ "حدیث ثقلین"۔ جلد نمبر۔۱۲ کا

---

(۲۱۳) تاریخ سلطان العلماء۔ص۔۹۰۔۹۱

حوالہ دیا ہے۔

ان سب مصیبتوں اور پریشانیوں کے ساتھ پدر بزرگوار اور اولاد و احفاد کی رحلتوں کے رنج والم سینہ کو داغدار اور چھلنی کر دینے کے لئے بہت کافی اور یقیناً ناقابلِ برداشت تھے جن کا سلطان العلماء نے سامنا کیا اور ان پر صبر کیا۔ کچھ تفصیل درج ذیل ہے:۔

سلطان العلماءؒ کو حق نے جتنی طویل زندگی دی تھی اتنے ہی زیادہ صدمات و مصائب کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ پدر بزرگوار حضرت غفرانمآبؒ کی رحلت، چاروں بھائیوں کا ان کے سامنے انتقال پانچ بیٹوں کا انتقال، داماد کا انتقال اور بیٹی کی بیوگی۔ یہ سب انتہائی ذاتی غم تھے جن کا صبر کے ساتھ برداشت کرنا رضائے الٰہی پر کامل یقین رکھنے والے اور نہایت قوی دل و دماغ کے مالک ہی کا کام ہو سکتا ہے۔

ذیل میں اختصار کے ساتھ ان سانحات کا ذکر کیا جاتا ہے:۔

ا۔ <u>رحلت جناب سید مہدی طاب ثراہ:</u>

حضرت غفرانمآبؒ کی زندگی ہی میں ان کے چوتھے فرزند اور سلطان العلماء کے تیسرے برادر خرد آیت اللہ مولانا سید مہدی صاحب قبلہ طاب ثراہ نے صرف ۲۳ رسال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ ان کے بارے میں نجم العلماء فرماتے ہیں:۔

"آیت اللہ جناب سید مہدی صاحب طاب ثراہ درجۂ اجتہاد پر فائز اور حدتِ ذہن اور اشتعال فہم اصفائی فریحہ میں وحید عصر اور نظیر جناب سید مہدی صاحب طباطبائی" تھے۔ اکثر اوقات جناب رضواں مآب سلطان العلماء ارشاد فرماتے تھے کہ سید مہدی و سید حسین

---

(۳۱۳) شجرۂ طیبہ۔ ص ۶۷۔۶۸

(سید العلماء) تو فہم وذکا اور صلاح واتقا میں سب بھائیوں پر فوق لے گئے ہیں۔(۲۱۴)

جناب سید مہدی صاحب قبلہ کی ولادت باسعادت ۲۲ رذالحجہ ۱۲۰۸ء کو لکھنؤ میں ہوئی اور صرف ۲۳ رسال کی عمر میں ماہِ ذی الحجہ ۱۲۳۱ھ کو مرضِ دق میں مبتلا ہو کر انتقال فرمایا۔ حضرت غفرانمآبؒ کو اس قدر صدمہ وملال ہوا کہ خفقانیتِ مزاج عارض ہوگئی اور درس دینا چھوڑ دیا۔ اسی زمانہ میں کتاب ''مسکن القلوب'' تصنیف فرمائی۔ بعد ایک زمانۂ دراز کے ایک کتاب ملاحظہ کے واسطے اُٹھائی جب اسے کھولا تو اتفاق سے وہی مقام نظر سے گزرا جہاں حاشیہ جناب مرحوم سید مہدی صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ پس صدمہ کے سبب کتاب ہاتھ سے چھوٹ گئی اور ایک آہ دلِ پُر درد سے کھینچی۔ آخر اسی غم میں خود بھی مرضِ دق میں مبتلا ہو کر انتقال فرمایا۔ کسی شاعر نے قطعۂ تاریخِ وفات نظم کیا جس کا آخری شعر یہ ہے:۔

از بہرِ سالِ فوتِ آں شمعِ حریم علم و فضل

تحریر کردہ خامہ ام ''رفتست مہدی ہائے ہائے

۱۲۳۱ھ

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ جناب سید مہدیؒ کی وفات پر خلافِ معمول سورج کو گہن لگ گیا تھا۔

ظاہر ہے کہ ایسے بھائی کا عینِ عالمِ شباب میں رحلت کرنا حضرت سلطان العلماء کے لئے بھی کتنے عظیم صدمہ کا باعث ہوا ہوگا۔ یہ ان کے لئے پہلا عظیم سانحہ تھا۔

۲۔ رحلت غفرانمآبؒ

دوسرا بڑا سانحہ خود والدِ بزرگوار حضرت غفرانمآبؒ کے انتقال کا تھا۔ اس وقت سلطان العلماءؒ کی عمر ۳۶ برس تھی۔ ایسے عظیم المرتبت اور جلیل القدر باپ کی رحلت جس کا غم پوری قوم کے علاوہ لکھنؤ سے لے کر عراق و ایران تک علماء و فقہاء و مجتہدین نے بھی منایا، حضرت سلطان العلماء کے لئے اس غم کی شدت کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔

حضرت غفرانمآبؒ کی رحلت ۱۹؍رجب ۱۲۳۵ھ میں لکھنؤ میں ہوئی۔

۳۔ رحلت جناب سید المفسرین سید علی صاحب طاب ثراہ

سلطان العلماء کے لئے تیسرا سانحہ ان کے پہلے برادرِ خرد سید المفسرین جناب سید علی صاحب قبلہ طاب ثراہ کی رحلت تھی۔ سید علی صاحب طاب ثراہ کی ولادت ۱۸؍شوال ۱۲۰۰ھ کو ہوئی تھی۔ ان کا انتقال ۱۲۵۹ھ میں کربلائے معلی میں ہوا اور وہیں آقائی طباطبائی کی قبر کے قریب تدفین ہوئی۔

۴۔ رحلتِ فقیہِ اہلبیت سید حسن صاحب طاب ثراہ

جناب سید حسن صاحب سلطان العلماء کے دوسرے برادرِ خرد تھے۔ جناب سید علی صاحب طاب ثراہ کی رحلت کا صدمہ ابھی دور نہ ہوا تھا کہ صرف ایک سال بعد دوسرے بھائی سید حسن صاحب نے بھی انتقال فرمایا۔ سید حسن صاحب کی وفات ۱۲۶۰ھ میں ہوئی۔ حسب ذیل مصرعِ تاریخ سے بہ تعمیہ تدخلہ تاریخِ رحلت کا استخراج ہوا ہے۔

معنی حدیث از سرِ الہام بخواں　=۱۲۵۹+۱=۱۲۶۰ھ

"سردار جوانانِ جناں است حسن"

مصرع تاریخ میں ایک عدد مطلوبہ اعداد ۱۲۶۰ھ سے کم تھا۔ شاعر نے صنعتِ تعمیہ تدخلہ سے کام لے کر پہلے مصرع میں "از سرِ الہام" کہہ کر الہام کے پہلے الف کا ایک عدد مصرع تاریخ میں شامل کر کے مادۂ تاریخ حاصل کیا۔

۵۔ رحلت جناب سید العلماء سید حسین صاحب علیین مکاں

سلطان العلماء کے سب سے چھوٹے بھائی سید العلماء جناب سید حسین صاحب علیین مکاں ان کے سب سے چہیتے چھوٹے بھائی تھے۔ سلطان العلماء سید العلماء کو سب بھائیوں پر ترجیح دیتے تھے۔ سید العلماء نے ۱۷ر صفر ۱۲۷۳ھ کو انتقال فرمایا۔ ان کی رحلت سلطان العلماء کے لئے بڑا عظیم سانحہ تھی۔ آپ کو سب سے زیادہ غم سید العلماء کی رحلت کا تھا۔ شاعر نے تاریخ وفات لکھی: ؎

مضمون حدیث گشت تاریخ وفات =۱۲۷۳ھ
"سردار جوانانِ جناں ہست حسین"

بھائیوں کی رحلت کے صدمات کے ساتھ اولاد کی رحلت کے عظیم صدمات بھی حضرت سلطان العلماء کے صبر کا عظیم امتحان تھے۔ ان کے دس فرزندانِ ارجمند میں سے پانچ کا ان کی زندگی میں انتقال ہوا۔ ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ خلاصۃ العلماء جناب سید مرتضیٰ صاحب قبلہ طاب ثراہ اس عظیم روحانی شخصیت کے حامل تھے کہ انتقال کے بعد جب امام باڑہ غفران مآب" میں تدفین ہوئی تو تین دن تک قبر سے

تلاوت قرآن پاک کی آواز آتی رہی۔

۲۔ منصف الدولہ شریف الملک جناب سید باقر صاحب قبلہ طاب ثراہ۔

۳۔ جناب مولانا سید محمد صادق صاحب قبلہ طاب ثراہ۔

۴۔ جناب مولانا سید عبداللہ صاحب قبلہ طاب ثراہ۔

۵۔ جناب مولانا سید غلام حسین صاحب قبلہ طاب ثراہ۔

۶۔ ان کے علاوہ ایک حقیقی ہمشیرہ معظمہ کا انتقال بھی سلطان العلماء کے سامنے ہوا۔ ایک شاعر نے ان معظمہ کی شان میں ایک مرثیہ نظم کیا جس کا ایک شعر ملاحظہ ہو:۔ (۲۱۵)

خواہر مجتہد العصر کہ نیست ہمچو او سیدۂ پاک سرشت

۷۔ بھائیوں، بیٹوں اور بہن کا غم اُٹھانے والے سلطان العلماء نے داماد کا غم بھی سہا اور بیٹی کی بیوگی کا الم بھی برداشت کیا۔

یہ داماد جناب عمدۃ العلماء سید محمد ہادی صاحب قبلہ تھے جو جناب سید مہدی صاحب قبلہ طاب ثراہ کے فرزند اور سلطان العلماء کے سگے بھتیجے بھی تھے۔ آپ نے جناب سید العلماء علیین مکان کی رحلت کے تقریباً ایک سال بعد ۱۲۷۵ھ میں انتقال فرمایا۔

جناب عمدۃ العلماء سید ہادی صاحب قبلہ کے علمی مشاغل اور عبادات میں انہماک کا یہ عالم تھا کہ زندگی کے روزمرہ کے معاملات کی طرف آپ کی ذرا بھی توجہ نہ تھی۔ اس بارے میں یہ واقعہ انتہائی حیرت خیز ہے کہ ایک دن گھر میں کچھ بچے کھیل رہے تھے۔ ان کو دیکھ کر ایک بچے کی طرف آپ کا دل مائل ہوا۔ آپ نے اپنی والدہ معظمہ سے پوچھا کہ یہ کس کا بچہ ہے۔ مادر گرامی نے انتہائی حیرت کے ساتھ فرمایا کہ یہ تمھارا بچہ ہے۔ (۲۱۶)

---

(۲۱۵) مولانا آغا مہدی صاحب۔ تاریخ سلطان العلماء۔ ص۔ ۹۸

(۲۱۶) تاریخ سلطان العلماء۔ ص۔ ۱۰۵

ایسے داماد اور بھتیجے کی رحلت اور بیٹی کی بیوگی کا سلطان العلماء کے دل پر کتنا عظیم صدمہ ہوا ہوگا، اسے تو انہیں کا دل خوب جانتا ہوگا۔ ایسے ایسے عظیم سانحوں پر صبر ایک ایسے ہی مومن کامل کا حوصلہ ہو سکتا ہے جیسے سلطان العلماء تھے۔

زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب نے ''تاریخ سلطان العلماء'' میں ان کی زندگی میں ان کے صرف چار فرزندانِ ارجمند کی رحلت کا ذکر کیا ہے۔ مگر جناب نجم العلماء مولانا سید ہدایت حسین صاحب قبلہ طاب ثراہ نے پانچ فرزندوں کی رحلت بتائی ہے۔ جناب آغا مہدی صاحب قبلہ نے مولانا سید غلام حسین صاحب کا نام نہیں لکھا نہ ان کا ذکر کیا۔ ہمارے نزدیک جناب ہدایت حسین صاحب قبلہ کی تحریر اس اعتبار سے زیادہ مستند ہے کہ وہ زمانی اعتبار سے جناب سلطان العلماء کے دور سے زیادہ قریب تھے۔ ان کی کتاب ''شجرۂ طیبہ'' معروف بہ ''نجوم تواریخ'' ۱۳۱۶ھ میں یعنی سلطان العلماء کی رحلت کے تقریباً صرف اکتیس (۳۱) سال کے بعد لکھی گئی۔ جناب آغا مہدی صاحب قبلہ کی ''تاریخ سلطان العلماء'' ۱۳۸۶ھ میں وجود میں آئی یعنی جناب سلطان العلماء کی رحلت کے ایک سو دو سال کے بعد اور شجرۂ طیبہ رنجوم تواریخ سے ستر (۷۰) سال کے بعد۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ جناب آغا مہدی صاحب قبلہ سے سہواً مولانا سید غلام حسین صاحب کا نام نظر انداز ہو گیا ہو۔

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ جناب سید عبداللہ کا ذکر لکھنے کے بعد خود جناب ہدایت حسین صاحب قبلہ بھی غالباً مولانا غلام حسین صاحب کا نام نامی لکھنا بھول گئے اور ان کا ذکر لکھنے سے پہلے یہ لکھدیا کہ ''اور واضح ہو کہ ان پانچوں صاحبزادوں نے حیات جناب سلطان العلماء میں انتقال کیا۔'' اس کے بعد چھٹے صاحبزادے جناب مولانا سید عبدالحسین صاحب کا ذکر تحریر

(۲۱۷) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۶۰

فرمانے لگے۔ غالباً یاد آنے کے بعد جناب مولانا غلام حسین صاحب کا ذکر حاشیہ پر لکھا۔ (۲۱۷)

حضرت سلطان العلماء کے علمی آثار

حضرت سلطان العلماء کی بے پناہ مصروفیات کے حوالہ سے جناب نجم العلماء صاحب شجرۂ طیبہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"واضح ہو کہ خاطر فیض مآثر ہمیشہ طرف اقامت جمعہ و جماعت و نشر احادیث ائمہ عصمت و طہارت و تفحص در دفع ضلالت و بدعت مصروف رہی آوازۂ علم و کمال آفاق عالم و اقطار جہاں میں پہنچا اور دائرۂ فضل و جلال محیط اطراف گیتی ہوا۔ چنانچہ اجازۂ جناب غفرانمآبؒ اس جناب کی فضیلت اور علوِ مرتبت وحدتِ ذہن وجودت و ذکاوت وعدالت پر دلیلِ ساطع اور برہانِ قاطع ہے۔ مصنفات میں سے اس جناب کے:۔

۱۔ ضربتِ حیدریہ (۲) طعن الرماح (۳) برقِ خاطف (۴) صمصام حیدری (۵) سیف ماح (۶) رسالہ تحقیق وجوبِ نمازِ جمعہ (۷) عجالۂ نافعہ (۸) اکثر تعلیقات شرحِ سلّم مولوی حمد اللہ اور (۹) حواشی بعض مقامات شرحِ صغیر اور دیگر رسائل متفرقہ ہیں کہ رشاقت مضامین و وثاقت براہین ان کی دلیل واضح ہے تبحر و تفرد جناب ممدوح پر۔" (۲۱۸)

جناب نجم العلماء کی دی ہوئی تصانیف کی فہرست قطعاً نامکمل ہے۔ سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب طاب ثراہ نے علمائے کرام کے مشاغل اور تصنیف و تالیف کے بارے میں عمومی صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت سلطان العلماء کی تصانیف کی طویل تر فہرست درج فرمائی ہے۔ سید العلماءؒ فرماتے ہیں:

---

(۲۱۸) نجم العلماء۔ شجرۂ طیبہ۔ ص ۵۶

''آج کل ہی نہیں بلکہ ماضی قریب کے بہت سے علماء کو دیکھا جائے تو انہوں نے کوئی ایک مشغلہ خدمتِ دین کی حیثیت سے اختیار کر لیا خواہ وہ بیانِ منبر ہو، یا کسی ادارہ کا انتظام ہو تو وہی تصنیف و تالیف سے ان کی معذوری کے لئے کافی ہو گیا۔ یا اگر پریشاں حالی میں زندگی بسر ہوئی تو ''فکرِ نان'' ہی عذرِ قوی بن گئی مگر ذرا سلطان العلماء کے ایک پوری سلطنت کے نظام کی سربراہی کو دیکھئے جسے ''فکرِ نانے'' نہیں ''فکرِ جہانے'' کی حیثیت حاصل تھی اور اس کے بعد ان کی تصانیف پر نظر ڈالئے تو حیرت ہوتی ہے کہ ان تمام مشاغل و شواغل کے باوجود ان کی تصانیف تعداد میں اپنے پیشرو حضرت غفرانمآبؒ طاب ثراہ اور اپنے چھوٹے بھائی جناب سید العلماء طاب ثراہ کے برابر ہی نظر آتے ہیں۔ پھر یہ تعداد مختصر رسالوں ہی کے ناموں سے پوری نہیں ہوتی بلکہ ان میں ''ضربتِ حیدری'' کی دو جلدیں بھی ہیں جو مجموعاً ایک ہزار صفحات کے قریب ہیں اور متعدد کتابیں کئی کئی سو صفحات کی ہیں۔ ان تصانیف میں علاوہ تحقیق و تدقیق کے جس میں نہ صرف ذہنی جودت کی ضرورت ہے، تفحص اور جستجو کے ایسے آثار بھی ہیں جس کے لئے کثرتِ مطالعہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ خود ان کی انفرادیت اس خوش طبعی کی آمیزش سے ہے جس کا ان کے لطائف کے باب میں تذکرہ ہو چکا ہے''۔ (۲۱۹)

اس کے بعد جناب سید العلماء طاب ثراہ نے حضرت سلطان العلماءؒ کی اکتیس (۳۱) تصانیف و تالیفات کی فہرست دی ہے جو درج ذیل ہے:

۱۔ ''طعن الرماح'' ۲۔ منہاج التدقیق ''(عربی)

---

(۲۱۹) سید العلماء۔ شعاعِ عمل۔ نومبر ۲۰۰۶ء۔ ص۔ ۳۵۔

۳۔ سیف ماحی "مَسْحَ عَلَى الرِّجْلَيْن " کی ۴۔ اصل الاصول" رد اخباریین
بحث میں

۵۔ سبع مثانی ۶۔ عجالۂ نافعہ عربی مختصر علمِ کلام

۷۔ بارقۂ ضیغمیہ" رد تحفۂ اثنا عشریہ در بحثِ ۸۔ ضربتِ حیدریہ دو (۲) جلدیں یہ بھی بحث
متعہ متعہ میں ہے

(۸) بارقۂ ضیغمیہ" کے جواب میں شاہ عبدالعزیز دہلوی صاحب تحفۂ اثنا عشریہ کے شاگرد مولوی رشیدالدین دہلوی نے "شوکتِ عمریہ" لکھی۔ اس کا جواب جناب سلطان العلماء نے "ضربتِ حیدریہ" کے نام سے تحریر فرمایا جو بہت مہتم بالشان تصنیف ہے۔ حالانکہ آپ نے دیباچہ میں اپنے ایک شاگرد کا نام لکھ دیا ہے مگر یہ امر معلوم اور متیقن ہے کہ یہ کتاب تصنیف جناب سلطان العلماء" ہی کی ہے جس کی تصدیق طباعت کے وقت اس وقت تمام بزرگ مرتبہ علمائے خاندان نے فرمائی ہے۔ (۹) "بوارق موبقہ" ۔ رد تحفۂ اثنا عشریہ در بحث امامت (۱۰) "احیاء الاجتہاد" (اصولِ فقہ)۔ (۱۱) " رسالۂ مسئلہ ضیق و وسعت در نمازِ قضا" (۱۲) "فوائدِ نصیریہ" در مسائل زکواۃ وخمس ۔ (۱۳) "رسالہ جمعہ" (۱۴) رسالہ تحقیق نجاست در عرقِ جب الحرام۔ (۱۵) گوہر شاہوار در جواب سوالات نصیرالدین حیدر بادشاہ متعلق افضلیتِ اہلبیتؑ وقرآن۔

(۱۶) "بشارات محمدیہ"۔

(۱۷) "قتال النواصب"۔ (۱۸) "حاشیہ شرح سُلّم" مولوی حمداللہ۔ (۱۹) رسالہ "حل مسئلہ جذر اصم" (۲۰) ثمرۃ الخلافۃ" (۲۱) "ازاحۃ الغّی" دررد عبدالحیٔ۔ (۲۲) "سَمّ الفار"

(۲۳) "صمصام قاطع" اس میں شعارِ عزا پر استدلالی بحث ہے۔ (۲۴) "برقِ خاطف"

(۲۵) ''کتاب مبسوط در ردِ تحفۂ اثناء عشریہ۔ بحث امامت۔(۲۶) ''حاشیہ شرح صغیر''۔ (فقہ)۔(۲۷) ''شرح زبدۃ الاصول''(۲۸) کشف الغطاء'' (۲۹) اجازۂ جناب ممتاز العلماء (۳۰) رسالہ دراثبات حفاظ قرآن درفرقۂ شیعہ۔

(۳۱) اجازۂ جناب عمدۃ العلماء سید ہادی صاحب قبلہ طاب ثراہ۔(۲۲۰)

ان کتب کے علاوہ جناب چودھری سبط محمد نقوی صاحب مرحوم نے چند مزید کتابوں کے نام لکھے ہیں جو حسب ذیل ہیں:۔

(۱) لو علم ابوذر ما فی القلبِ سلمان ۔(۲) شرح جعفریہ محقق شیخ علی۔(۳) تفضیل سادات بر مشائخ (۴) اجازہ شقشقیہ بحق ملک العلماء بندہ حسین صاحب قبلہ۔(۵) جوابات سوالاتِ علی بن شدقم۔(۶) حاشیہ بر معالم الاصول۔(۷) جدول ولادت ووفات آئمہ معصومینؑ ۔(۸) احقاق الحق (اس نام کی ایک مشہور کتاب شہیدِ ثالث نوراللہ شوستری کی بھی ہے مگر سلطان العلماء نے بھی اس نام سے ایک کتاب لکھی ہے) اور (۹) تحریرات سلطان العلماء جو رامپور کے کتب خانہ میں ہیں۔ان میں تاریخ اودھ اور انتزاع سلطنت پر بحث ہے۔

چودھری سبط محمد نقوی صاحب نے اگر چہ ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے مگر ہمارے نزدیک انہوں نے کتب کی یہ فہرست ''تاریخ سلطان العلماء'' سے لی ہے۔زبدۃ العلماء مولانا آغا مہدی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

''عموماً تذکروں میں ۳۱ کتابوں کے نام ہیں۔اس خادمِ دین نے کوشش کر کے ۹ (نو) کا اضافہ کیا ہے لیکن اس تعداد کو حرف آخر نہ سمجھنا چاہئے۔مرکز سے دور ہوں اس لئے مکمل فہرست پیش کرنے سے قاصر ہوں۔''(۲۲۱)

---

(۲۲۰) سید العلماء۔شعاع عمل۔نومبر ۲۰۰۶ء۔ص۔۳۵۔۱۳۶ تذکرۂ بے بہا۔ص۔۱۳۳۶ نزہۃ الخواطر۔ج۔۷، ص۔۲۱۵، (۲۲۱) زبدۃ العلماء۔تاریخ سلطان العلماء۔ص۔۱۵۲

آگے چل کر زبدۃ العلماء تحریر فرماتے ہیں:۔

"(ان چالیس کتابوں کے علاوہ) صرف چودہ (۱۴) کتابیں رہ جاتی ہیں جو کتب خانۂ جدِ اعلیٰ میں نہیں ہیں۔ جملہ تصانیف کتب خانۂ غفرانمآبؒ میں تھے جو چار پشت تک باقی رہا اور امتدادِ زمانہ سے تلف ہوا۔"

اس تحریر کے پیشِ نظر جناب سلطان العلماء کی تصانیف کی کل تعداد چون (۵۴) ہوتی ہے جو ان کی دیگر بے پناہ مصروفیات کے پیشِ نظر، جن کی طرف جناب سید العلماءؒ نے گزشتہ سطور میں متوجہ فرمایا تھا، ایک بڑے کارنامہ سے کم نہیں۔

<u>حضرت سلطان العلماء کی کچھ تصانیف پر بعض صاحبانِ علم و دانش کی آراء:۔</u>

(۱) جناب نجم العلماء مولانا سید ہدایت حسین صاحب طاب ثراہ کا یہ ارشاد گرامی آپ اس موضوع کی ابتداء میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ:۔

"(یہ کتب) اور دیگر رسائل متفرقہ ہیں کہ رشاقتِ مضامین اور وثاقتِ براہین ان کی دلیل واضح ہے تبحر و تفرد جناب ممدوح پر۔"

(۲) جناب مفتی میر محمد عباس صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ فرماتے ہیں:۔

"ان کی علمی جلالت کا اندازہ ان کی تصنیفوں سے کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے شریعت محمد مصطفیٰ کی مدد کی۔ ان کی وجہ سے اس کی تجدید ہوئی۔ وہ حکمت الٰہیہ جاننے والوں کے مقتدیٰ اور مجتہدین کے نقطۂ آخر ہیں۔" (اوراق الذہب)(۲۲۲)

(۳) لسان الہند حضرت عزیزؔ لکھنوی تحریر فرماتے ہیں:

"ان کے زورِ قلم کا اندازہ ان کی تصنیفات سے ہو سکتا ہے۔ میدان مناظرہ میں ان کا

---

(۲۲۲) مولانا محمد باقر شمس۔ "ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ"۔ ص۔ ۴۷

خامۂ دوزباں ''ذوالفقار'' تھا۔ کلام نہایت معتدل اور مضبوط ہوتا تھا۔ ایسی تحریروں میں اپنے نام کے ساتھ ''محمد بن علی صاحب ''ذوالفقار'' لکھتے تھے، ان کی شیریں سخنی اور لطائف بیان کا اکثر علمائے عراق نے اپنی تحریروں میں اعتراف کیا ہے۔'' (۲۲۳)

(۴) مولانا سید محمد باقر صاحب شمس اعلیٰ اللہ مقامہ نے تحریر فرمایا:۔

''بارقۂ ضیغمیہ، ضربت حیدریہ، بوارق موبقہ اور طعن الرماح سلطان العلماء نے ایسی کتابیں لکھیں جن کا مثل نہیں ہے۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ قرآن وحدیث سے استدلال کے ساتھ عقلی اور فلسفیانہ استدلال اتنے مضبوط ہیں جو ذہن انسانی کی معراج ہیں۔ ان کتابوں نے لوگوں کو حیران کر دیا۔ علماء کہتے ہیں کہ یہ عقل انسانی سے بالاتر ہیں۔'' (۲۲۴)

بعض کتابوں کے بارے میں جناب مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ تحریر فرماتے ہیں:۔

(۱) اجازۂ اجتہاد و روایت بنام ممتاز العلماء فخر المدرسین سید محمد تقی جنت مآب۔

یہ عربی ادب کا ایک اعلیٰ شاہکار ہے۔ جو ۲۰×۲۶ تقطیع کے ۳۷ صفحات پر مطبع محمدی میں باہتمام مولوی عبداللہ ابن حاجی ولی محمد ۱۸ ربیع الاول ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۶ مارچ ۱۸۴۶ کو طبع ہوا۔

(۲) اجازہ بنام عمدۃ العلماء سید محمد ہادی اعلیٰ اللہ مقامہ۔ آپ اور ممتاز العلماء دونوں سلطان العلماء کے حقیقی بھتیجے تھے۔

(۳) ''احقاق الحق'' معزز ہمعصر آغا سلطان مرزا مرحوم نے فہرست ''البلاغ المبین'' ص نمبر۔ ۸۳۹ طبع دوم میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے اور تصانیف قبلہ وکعبہ میں شمار کیا ہے۔ آپ کی

---

(۲۲۳) حضرت عزیز لکھنوی۔ تجلیات رمضامین عزیز۔ ص۔ ۳۱۸

(۲۲۴) مولانا سید محمد باقر شمس۔ ''ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ''۔ ص۔ ۴۷

طرف نسبت دی ہے تو اس کا ذکر علیحدہ فہرست ہذا میں موجود ہے۔ لہٰذا اسی رجحان میں قوت ہے کہ یہ کتاب جناب کی ہے۔ واللہ اعلم۔

(۴) ازاحۃ الغی در رد مولوی عبدالحیٔ۔ یہ کتاب مکتبہ ممتاز العلماء واقع عقب مسجد تحسین چوک لکھنؤ میں موجود ہے۔ جناب نے مولوی صاحب موصوف کو اپنے اجتہادات میں وہابی المسلک تجویز کیا ہے۔

(۵) اصل الاصول: اخباریوں کی رد میں ہے، جو تقلید کی قید و بند سے آزاد حدیث کو کافی سمجھتے ہیں۔

(۶) بارقۂ ضیغمیہ: (شیر لنہ حملہ)۔ "تحفہ اثنا عشریہ" کی بحث متعہ کا جواب۔ مکتبہ ممتاز العلماء۔

(۷) بوارق موبقہ: (تباہ کن بجلیاں)۔ کتاب مذکور (تحفہ) کی بحث امامت پر شبہات کا جواب زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ مکتبہ ممتاز العلماء میں موجود ہے۔

(۸) برق خاطف: مناظرہ کی جوابی کتاب۔ دلیلوں کی تیز روشنی سے دشمن کی آنکھیں چکا چوند ہوتی ہیں۔ مکتبہ ممتاز العلماء میں قلمی اور چھاپہ (مطبوعہ) دو نسخے موجود ہیں۔

(۹) تحریرات سلطان العلماء ریاست رامپور کے کتب خانہ میں موجود ہیں جن میں تاریخ اودھ اور واقعات انتزاع سلطنت پر بحث ہے۔ اس مجموعہ کا پتہ شاہ عبدالعزیز دہلوی کے شاگرد رشید نجم الغنی رامپوری نے "تاریخ اودھ" جلد نمبر ۵ صفحہ نمبر ۱۹۲ پر دیا ہے۔

(۹) ثمرۃ الخلافۃ: (خلافت کا پھل) موضوع نام سے ظاہر ہے۔ مکتبہ ممتاز العلماء میں قلمی اور مطبوعہ دو نسخے موجود ہیں۔

(۱۰) حفاظ قرآن فرقۂ امامیہ میں عصر رفتہ کے حافظوں کی فہرست مکتبہ ممتاز العلماء میں

مطبوعہ موجود ہے۔

(۱۱) رسالہ جمعہ: ایک نسخہ مکتبہ ممتاز العلماء میں اور ایک میرے (مولانا آغا مہدی صاحبؒ) کتب خانہ کراچی میں موجود ہے بزبان عربی۔ ۱۱۶ سطریں سپردِ قلم فرمائی ہیں۔

(۱۲) سبع مثانی۔ علم تجوید میں ہے۔

(۱۳) سیف ماسح (تلوار کا بھرپور وار) پیروں پر مسح کی حقیقت۔ مکتبہ ممتاز العلماء میں قلمی اور مطبوعہ نسخے موجود ہیں۔

(۱۴) سم الفار۔ (سنکھیا، جس سے چوہے مارے جاتے ہیں) مکتبہ ممتاز العلماءؒ میں بزبان فارسی موجود ہے اور چند ورق خطی میرے پاس ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بھی مولوی مرزا محمد فیض آبادی کے نام سے تحریر کیا ہے اور دشمن کی سخت کلامی کا دندان شکن جواب ہے۔

(۱۵) صمصام قاطع: (شمشیر برندہ) مکتبۂ ممتاز العلماء میں موجود ہے۔ شعائر اللہ پر استدلالی بحث ہے۔

(۱۶) ضربت حیدریہ: دو ضخیم جلدوں میں جن کو آپ نے اپنے شاگرد کے نام سے تصنیف کیا۔ خصوصیت اس کتاب کی یہ ہے کہ جن اقوال اہلسنت سے استدلال کیا ہے، ان کا اعتبار دوسرے علمائے عامہ و مورخین کے قلم سے ثابت کیا ہے تاکہ معترض کو انکار کا موقع نہ رہے۔ ابو اسحٰق ثعلبی کی مدح ص نمبر ۱۷۷ میں لکھ کر وہ حدیں قائم کی ہیں جن پر صاحب عبقات الانوار نے اپنی کتاب کا اساس قائم کیا۔

(۱۷) طعن الرماح (زخم نیزہ) مکتبہ ممتاز العلماء میں تین نسخے موجود ہیں۔ سلطان المطابع، لکھنؤ میں بزبانِ فارسی ۲۹/۲۲ تقطیع پر ۲۹۶ صفحات میں چھپا۔ اس کتاب کا مناظرہ کی بیشتر

کتابوں میں ذکر ہے۔ باقر علی خان تشفی اپنی مثنوی میں کہتے ہیں۔

جناب محمد شہ عالماں بخوبی ہیں کرتے اسی کو بیاں
تمہارے بزرگوں کی گر ہو صلاح تو دیکھو منگا کروہ ''طعن الرماح''
لکھے ہیں بہ تفصیل کیا کیا جواب کہ ہر اک جواب اس کا ہے لا جواب (۲۲۵)

(۱۸) مجالہ نافعہ: عربی میں علم کلام کا رسالہ مکتبہ ممتاز العلماء۔ لکھنؤ ایک خطی نسخہ کراچی میں میرے پاس موجود ہے (اس نسخے کی صحت والد ماجد مرحوم نے خود کی ہے اور ۲۰×۲۶ تقطیع سیزدہ سطری مسطر ۷۶ صفحات پر ختم ہوتا ہے)۔

اس کتاب کو جناب نے اپنے فرزند منصف الدولہ کے لئے سپرد قلم کیا ہے اس کو پڑھنے کے بعد انسان کسی دشمن امامت سے مناظرہ میں ناکام نہیں ہو سکتا۔

(۱۹) فوائد نصیریہ: زکواۃ وخمس کے مسائل بظاہر نصیر الدین حیدر شاہ کے استفسار پر نذر قرطاس کئے (مکتبہ ممتاز العلماء میں موجود ہے)

(۲۰) قتال النواصب: مکتبہ ممتاز العلماء میں موجود ہے۔

(۲۱) کتاب مبسوط: تحفۂ اثناء عشریہ میں بحثِ امامت کی رد۔

(۲۲) گوہر شاہوار: درجواب سوالات نصیر الدین حیدر شاہ اودھ بابۃ فضلیتِ قرآن واہلبیتؑ۔

(۲۳) کشف الغطاء: یہ رسالہ بھی کتب خانہ ممتاز العلماء میں موجود ہے۔

(۲۴) لو علم ابوذر ما فی قلب سلمان: حدیثِ نبی کی شرح بڑی تقطیع کے چوبیس صفحات قلمی عربی زبان میں ہے۔

(۲۵) منہاج التدقیق۔ عربی۔ شرح جعفریہ محقق شیخ علی۔ اس تصنیف کا پتہ آپ

---

(۲۲۵) مثنوی ''مظہر الحق''۔ ص نمبر۔ ۵۹۔ مطبع اثنا عشری۔ لکھنؤ۔ ۱۳۱۳ھ)

کے بعض خطوط میں ہے۔

(۲۶) تفصیل سادات بر مشائخ (فارسی) ۳۴ صفحات پر مطبع اثنا عشری لکھنؤ میں ۱۳۱۱ھ میں چھپا۔

(۲۷) اجازۂ شفقتیہ بحق ملک العلماء۔ مطبع نولکشور۔ لکھنؤ میں ۱۲۸۴ھ میں ۲۰ صفحات پر تقطیع ۲۲/۱۸ پر طبع ہوا۔

(۲۸) سوالات علی بن شدقم اور جوابات سلطان العلماءؒ

(۲۹) حاشیہ بر معالم الاصول۔ ان دونوں رسالوں کا ذکر فہرست مکتبہ ممتاز العلماء میں بخط والد ماجد موجود ہے۔

(۳۰) جدول۔ اس قلمی شاہکار کو عوام کے رشد و ہدایت کے لئے آپ کی اولاد نے اردو کا جامہ پہنا دیا تھا۔ ''خلاصۃ الاعمال'' میں اس کا مکمل اقتباس ص ۲۷۳ پر موجود ہے۔(۲۲۶)

ان کے علاوہ جناب زبدۃ العلماء مولانا آغا مہدی صاحب طاب ثراہ نے جن کتابوں کے صرف نام درج کئے ہیں وہ ہم فہرست کتب میں دے چکے ہیں۔

---

(۲۲۶) زبدۃ العلماء۔ ''تاریخ سلطان العلماء''۔ ص۔۱۵۲۔۱۵۶

رحلت جناب سلطان العلماءؒ

"ممات مجتہد العصر"

۱۲۸۴ھ

زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ طاب ثراہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"۱۲۸۴ھ مذہب وملت کے کے لئے اس قدر تباہ کن تھا کہ جب تک ایامِ عزا رہے، شہر کی آب وہوا ٹھیک تھی۔ چُپ تعزیہ کا اُٹھنا تھا کہ شہر میں وبائے عام پھیلی۔ موسم گرما پورے شباب پر اور ہندی حساب سے اساڑھ کا مہینہ۔ پانی نہ برسنے سے ہیضہ پھیلنا شروع ہوا۔ موت کا بازار گرم ہوگیا۔ عوام وخواص کی عقیدت کا یہ عالم کہ مرنے والے مومنین کے ورثاء نمازِ میت پڑھانے کے لئے صرف جناب سلطان العلماء یا ان کے بھتیجے جناب ممتاز العلماء کے علاوہ اور کسی پر راضی نہیں۔ چہارشنبہ کے دن خود جناب سلطان العلماء مرض میں مبتلا ہوگئے۔ شریعت کدہ پر اطباء کا ہجوم ہوگیا۔ دن کسی نہ کسی طرح گزرا۔ شب پنجشنبہ سے مرض کی سختی میں اضافہ ہوگیا۔ آخری نمازِ مغربین جس کا چرچا نصف صدی تک زبانوں پر رہا، اس طرح پڑھی کہ یادِ الٰہی سے مرض غافل نہ کرسکا۔ تشنج میں کانپتے ہوئے ہاتھوں کو وقت تکبیر اٹھاتے رہے مگر مرض کی شدت نے علاماتِ حیات کو دیر تک قائم رہنے نہیں دیا۔

سلطان العلماء کی جناب رسالتمآبؐ تھے تو حسنِ اتفاق سے وفات بھی اسی ماہ میں واقع ہوئی یعنی دو ربیع الاول کو رسالتمآبؐ نے ارتحال فرمایا اور ۲۲ ربیع الاول ۱۲۸۴ھ مطابق ۲۵ جولائی ۱۸۶۷ء دس بجے شب کو جناب سلطان العلماء نے انتقال فرمایا۔ اس وقت آپ کی

عمر چوراسی (۸۴) سال تھی۔

وفات کی خبر جنگل کی آگ کی طرح شہر میں پھیل گئی۔ لکھنؤ کے قرب وجوار میں اس سانحۂ عظیم کی اطلاع دینے کے لئے سانڈنی سوار روانہ ہوئے۔ نزدیک و دور ہر طرف اطلاع پہنچ گئی۔ شریعت کدہ پر لوگوں کا ہجوم شروع ہوا۔ مرحوم حکومتِ اودھ کا کوئی شہزادہ اور مرشدزادہ ایسا نہ تھا جس نے مشایعت نہ کی ہو۔ دریائے گومتی کے راج گھاٹ پر غسل ہوا۔ سلطان العلماء کی رہائش گاہ جوہری محلّہ سے راج گھاٹ تک لوگوں کے سر ہی سر نظر آتے تھے۔ آصف الدولہ کے امام باڑہ کے وسیع وعریض صحن میں نماز ادا کی گئی۔ سلطان العلماء کے بھتیجے جناب ممتاز العلماء نے نماز پڑھائی۔ اس اندوہناک موقع پر حاضرین میں جو کہرام تھا اس کا نمونہ چشمِ فلک نے کم دیکھا ہوگا۔ ہر دل بیتاب اور ہر آنکھ گریاں تھی۔ نماز کے وقت تمام لکھنؤ ٹوٹ پڑا تھا۔ نماز کے بعد یہ جم غفیر امام باڑہ غفرانمآب کی سمت سمندر کی طرح امنڈ آیا جہاں شہ نشین میں ضریح کے نیچے آپ کی تدفین ہوئی۔ (۲۲۷)

مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ طاب ثراہ نے کیفیتِ انتقال کا جگر سوز منظر جناب سلطان العلماء کی "اولاد" کے قلم سے درج کیا ہے مگر لکھنے والے کا نام نہیں لکھا۔ بہر حال ملاحظہ ہو:۔

> "در تمام شہر چناں تہلکۂ عظیم پدید و گردید کہ مضمون "اِنّا زلزلہ السّاعۃ شئی عظیم" و مفہومِ "اذا زلزلت الارض زلزالھا" بیادی آرد۔ چنیں اژدحامِ خاص و عام و ہجومِ انام و مجمع علماء و فقہاء و صلحائے کرام و غلغلۂ نالہ و فغانِ خواص و عوام گاہے برسرِ جنازہ احدے دیدہ نشد و چنیں شورِ صدائے گریہ و بکا بر نعش کسے نشنیدہ۔ صغیر و کبیر

---

(۲۲۷) زبدۃ العلماء۔ تاریخ سلطان العلماءؒ۔ ص۔ ۱۳۳۔ ۱۳۵

برنا و پیر، امیر و فقیر از مومنین و مخلصین از صدمۂ موتِ آن رہنمائے دینِ مبین بیتابانہ از خانہا بر آمدند و نسوانِ پردہ نشینِ در تمامی خانہائے مومنین صدائے گریہ و بکا و زاری و نالہ ہائے فغاں و اشکباری بلند ساختند۔ وقت نصف النہار آن آفتابِ ہدایت و ماہتابِ شریعت را در لحد مغفرت مہد اندرونِ حسینیہ جناب غفرانمآبؒ والدِ ماجدش مدفون ساختند و چادرِ نعشِ مبارک آن جناب را تمامی مومنین تبرک داشتہ پارہ پارہ دست بدست میگرفتند و بسر و چشم می مالیدند کہ اگر خزینۂ سیم و زر و گنجینۂ لعل و گہری بود، روکش ایں غنیمت نمی بود۔" (۳۲۸)

تیسرے دن مجلسِ سوئم ہوئی جس میں سید الذاکرین مولانا میر سید علی محدث مرحوم نے ذاکری فرمائی۔

حضرت عزیزؔ لکھنوی لکھتے ہیں:۔

"شب پنجشنبہ ۲۲ ربیع الاول ۱۲۸۴ھ کو انتقال کیا۔ لکھنؤ میں وہ دن بھی ایک تاریخی دن تھا۔ بیت الشرف سے "وا محمدا" کا شور بلند تھا۔ لکھنؤ میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں سے رونے کی آواز نہ آرہی ہو۔ دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ کسی جنازہ کے ساتھ اتنا مجمع نہیں دیکھا گیا۔ بارہ بجے دن کو حسینیہ غفرانمآبؒ میں یہ زندۂ جاوید دفن کیا گیا۔ چادرِ کفن کا ایک ایک تار تبرک کا لوگ لے گئے۔ اس حادثۂ جانکاہ میں مفتی سید محمد عباس صاحب قبلہ نے حسب ذیل تاریخ لکھی۔

مات مجتہد العصرؒ

۱۲۸۴ھ

---

(۳۲۸) زبدۃ العلماء۔ تاریخ سلطان العلماء۔ ص۔ ۱۳۶

یہ اس تاریخی نظم یعنی قطعۂ تاریخ کا عنوان ہے جو ہم جناب سلطان العلماء کو خراج تحسین کے عنوان کے تحت درج کر چکے ہیں۔ اس لئے یہاں دوبارہ درج کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کا عنوان بھی تاریخی ہے۔ جس سے سنہ وفات ۱۲۸۴ھ کا استخراج ہوتا ہے۔ یہاں ہم صرف آخری شعر درج کر رہے ہیں۔ جس کے مصرع ثانی سے تاریخ وفات برآمد ہوتی ہے:۔

سال تاریخ وفاتش راچمی پرسی زمن

آسمانے بود وائے از زمیں برداشتند

۱۲۸۴ھ

جہاں ہم نے یہ مصرع تاریخ درج کیا ہے وہاں یہ وضاحت کر دی ہے کہ اس صورت میں جیسے یہ مصرع یہاں لکھا گیا ہے، اس سے مادۂ تاریخ کا صحیح استخراج نہیں ہوتا۔ اس سے کل ۱۲۶۷ عدد حاصل ہوتے ہیں جبکہ تاریخ رحلت ۱۲۸۴ھ تھی۔

یہ مصرع جناب زبدۃ العلماء نے تاریخ سلطان العلماء" میں جس طرح درج فرمایا ہے اسی طرح صحیح ہے۔ یعنی ؎

آسمانے بود بالا از زمیں برداشتند

اس مصرع سے ۱۲۸۴ھ برآمد ہوتے ہیں۔ حضرت عزیزؔ نے غالباً مصرع کے اعداد کو جانچے بغیر جس طرح لکھا دیکھا اس پر اعتماد کر کے درج کر دیا۔

جناب مفتی میر محمد عباس صاحب طاب ثراہ کا یہ قطعہ تاریخ بے مثال ہے۔ جس میں انہوں نے حضرت سلطان العلماء کو دل کھول کر خراج تحسین وعقیدت پیش کیا ہے۔ ان کے علاوہ بے شمار شعراء نے سلطان العلماء کی رحلت پر قطعات تاریخ نظم کر کے آپ کو خراج عقیدت پیش

کیا جن میں سے چند مصرع ہائے تاریخ یا اشعار ہم یہاں درج کر رہے ہیں:۔

(ا) مرزا وزیر علی قدیم نے عربی میں قطعہ تاریخ کہا جس کا مصرع تاریخ حسب ذیل ہے:۔

"انکسفت شمس سماء العلم" (آسمانِ علم کے آفتاب کو گہن لگ گیا)

۱۲۸۴ھ

اس مصرع تاریخ سے اردو کے قاعدہ کے مطابق صرف ۱۲۸۳ کے اعداد کا استخراج ہوتا ہے۔ مگر شاعر نے شاید "سماء" کے ہمزہ کا بھی ایک عدد شامل کیا جس سے ۱۲۸۴ھ کے اعداد حاصل ہو گئے۔ اردو میں حسابِ جمل میں ہمزہ کا کوئی عدد شمار نہیں کیا جاتا۔

فارسی میں متعدد تاریخیں کہی گئی ہیں مگر بیشتر صنعتِ تعمیہ میں ہیں اور "تاریخِ سلطان العلماء" کی کتابت و طباعت کی خرابی کی وجہ سے ان کا ٹھیک ٹھیک پڑھا جانا دشوار ہے۔ پھر بھی جہاں جہاں یہ امکان ہوا کہ کسی نہ کسی طرح پڑھ کر اور ممکنہ حد تک مادۂ تاریخ کو سمجھ کر مصرع تاریخ کو درست کر کے لکھا جا سکے وہ ہم تحریر کرنے کی کوشش کریں گے۔

(ا) (الف) اسد اللہ تسلیم کہتے ہیں:۔ مجتہد سوئے حق شدہ دل شاد

۱۲۸۴ھ

(ب) ایضاً۔ در سوال خطاب با تکرار گفت ہاتف بگوش "خلد آباد"

۶۴۲x۲ = ۱۲۸۴ھ

اس مصرع تاریخ میں لفظ "خلد آباد" کے اعداد کو "با تکرار" کے اشارے سے دوگنا کر کے تاریخ حاصل کی۔ یہ صنعتِ تضاعف کی اچھی مثال ہے۔

(ج) حضرت تسلیم نے ایک تاریخ تعمیۂ باتخرجہ سے اس طرح کہی۔

رقم کرد تسلیم سالِ وفات زروئے غم و درد و رنج و فغاں

اس مصرع میں غم کے غ۔ درد کی د۔ رنج کے ر اور فغاں کے ف کے اعداد جمع کر کے تاریخ حاصل کی۔ ۱۰۰۰ + ۴ + ۲۰۰ + ۸۰ = ۱۲۸۴ھ

(د) حضرت تسلیم کی ایک اور تاریخ سالم الاعداد کہی۔

۔ دلم سال می جست در ضوان بگفت "بخلد بریں سید آباد شد"
۱۲۸۴ھ

(ہ) حضرت تسلیم کی ایک اور تاریخ صنعت تعمیہ تخرجہ میں ملاحظہ ہو جو فنی اعتبار سے بہت عمدہ ہے:۔

۔ خلق بے بر، فضل بے پا، بے سر و پا شد ادب
ل+ق ف۔ض د
۱۰۰+۳۰ ۸۰۰+۸۰ + ۴ = ۱۰۱۴

ہم سبق، ہم علم، بے دل گشت در رنج و غمش
س۔ق ع۔م
۱۰۰+۶۰ ۷۰۔۴۰ = ۲۷۰ (۱۰۱۴+۲۷۰= ۱۲۸۴ھ)

(۲) میر علی جان محسن:۔

۔ برداشت آہ و محسن بتاریخ زد رقم "جان جناب قبلہ و کعبہ بخلد شد"
۶ ۱۲۹۰-۶ = ۱۲۸۴ھ

اس مصرع تاریخ میں "آہ" کے چھ (۶) عدد کا تخرجہ کیا گیا ہے۔

(۳) منشی اشرف علی اشرف:۔ قبلہ و کعبہ ازیں دار فنا ۔ جانب خلد بریں شد سفری

بہر تاریخ وفاتش رضواں ۔ گفت: "اے عالم اثنا عشری"
۱۲۸۴ھ

(۴) وارث علی خان فہیم: اس طرح رقمطراز ہیں۔ سالم الاعداد تاریخ ہے:۔

؎ سال ہجری دمِ فوتش بغم ایں گفت سروش "فوت شد کعبۂ دیندارائے اناللہ"

۱۲۸۴ھ

(۵) میرزا حاتم علی مہرؔ:

نور اللہ مرجع پاک جناب مجتہد بہناروح "و ریحان" وجنات النعیم

قبلہ وکعبہ معین مذہب اثنا عشر سیدی سید محمد منبع فیض عمیم

بود ہمنام شفیع المذنبیں آں ذات پاک رفت باروح مقدس در جناں گشتہ ندیم

یک جہاں در ماتم او سر برہنہ ہمچو مہرؔ عالمے چوں ماہ دارد بر جگر داغ دو نیم

میرزا حاتم علی مہرؔ ہم چنیں تاریخ گفت "ہادی کونین و مصباح صراط المستقیم"

۱۲۸۴ھ

(۶) نیساںؔ: (نام نامعلوم)

حضرت نیساںؔ نے ہم صوری و ہم معنوی تاریخ خوب کہی۔ وہ یقیناً کوئی ماہر استادِ تاریخ گوئی ہوں گے۔

(الف)؎

آں کعبۂ دیں قبلہ اربابِ سند
ملحق شدہ با جدِ کریمش احمدؐ
پنہاں وعیاں سال عزایش نیساںؔ
"ہشتاد و چہار یک ہزار و دو صد"

۱۲۸۴ھ

(ب) نیساںؔ کی ایک سالم الاعداد تاریخ ملاحظہ ہو:۔

آں عرش جناب قبلہ و کعبۂ دیں
رحلت فرمودہ سوئے فردوس بریں
نیساںؔ گہر سال عز انش سفتم
"پنہاں شد آفتاب دیں زیر زمیں"
۱۲۸۴ھ

اس رباعی کا تیسرا مصرع "نیساں" کی مناسبت سے نہایت شاعرانہ اور بہت خوبصورت ہے۔

(ج) حضرت نیساںؔ ہی کی صنعتِ تخرجہ میں ایک بہت خوبصورت تاریخ ملاحظہ ہو۔ تخرجہ کا حسن قابلِ داد ہے۔

آں قبلۂ مجاز جہاں را دداغ کرد
از حاصلات علم و عمل با نقیب رفت
نیساںؔ بطرزِ تخرجہ کردیم نظم سال
"از گلشن شریعت و دیں" "عندلیب رفت"
(گلشنِ شریعت و دیں سے "عندلیب" چلا گیا)۔

اس میں "گلشنِ شریعت و دیں" کے اعداد = ۱۴۵۰ ہوتے ہیں۔ عندلیب کے اعداد ۱۶۶۔ عندلیب کے چلے جانا کا مطلب ہے کہ "گلشن دین و شریعت" کے ۱۴۵۰ اعداد میں سے "عندلیب" کے ۱۶۶ اعداد خارج کر دیں تو ۱۲۸۴ بچیں گے۔ یہی سالِ رحلت ہے۔ گلشن سے عندلیب کا چلا جانا نہایت خوبصورت شاعرانہ اشارہ ہے۔

(۷) مہدی علی خاں جلیسؔ کہتے ہیں۔

تاریخ انتقال دم جستجوئے فکر "مسند نشین عرش معلی" جلیس گفت

۱۲۸۴ھ

یہ بھی ایک خوبصورت سالم الاعداد تاریخ ہے۔

(۸)(الف) اپنے وقت کے مشہور شاعر حضرت منیر شکوہ آبادی کا قطعہ تاریخ فارسی میں گیارہ (۱۱) اشعار پر مشتمل ہے جس میں انہوں نے جناب سلطان العلماء کو شاندار خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ تاریخ گوئی کا یہ کمال بھی دکھایا ہے کہ ایک ہی مصرعے سے ہجری اور عیسوی دونوں تاریخیں نکالی ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔ عنوان کی عبارت بھی ملاحظہ ہو:۔

تاریخ رحلت سلطان العلماء برہان الفقہاء سید المتکلمین سند المجتہدین مجتہد العصر و الزماں طاب ثراہ۔

حضرت سید محمد نائب مہدیؑ دیں	رفت از دنیائے فانی شد بجنت جائے گیر
بے بدل در فقہ و تفسیر و احادیث و ادب	حجۃ الحق آیۃ اللہ مقتدائے بے نظیر
در الٰہی و طبیعی و ریاضی و کلام	بود فیض عام او مانند خورشید منیر
متقی و عادل و مسند نشین اجتہاد	وارث علم نبیؐ۔ علامۂ روشن ضمیر
ذی التصانیف کثیرہ سید عالی نسب	در گہر باری کف پر نور او ابر مطیر
منہدم شد وادریغا کعبۂ ایمان شرع	نیلگوں پوش است اندر ماتمش گردون پیر
آنکہ بہر حفظ جانش آمدند (اندر) قتل عام	لشکر زنبور از حکم خدا و بہ قدیر
زائران روضہ اش کروبیان آسماں	مرقد پاکش مطاف ہر صغیر و ہر کبیر
خامۂ معجز نگارش بہر قتل منکراں	بود گویا "ذوالفقار" ضیغم رب قدیر

بہر تاریخ وفات آں ملاذ الاصفیاء   سالِ ہجری و مسیحی فکر کردم اے منیر

یافتم در مصرع واحد دو تاریخ این چنیں

وائے خضرِ عقلِ کل۔ ہے ہے امامِ بے نظیر

۱۲۸۴ھ   ۱۸۶۷ء

(ب) منیر شکوہ آبادی کا تین اشعار کا ایک قطعہ اردو میں ملاحظہ ہو:۔

سفر دنیا سے جس دم قبلہ و کعبہ نے فرمایا   ہوئے فردوس میں داخل، نہائے حوضِ کوثر میں

ملائک بہر استقبال آئے عرشِ اعظم سے   جگہ اللہ نے دی سایۂ دامانِ حیدرؑ میں

منیر اس کی خبر تاریخ میں دی مجھ کو ہاتف نے

''ہمایوں رحمۂ کامل ملا بزمِ پیمبرؐ میں''

۱۲۸۴ھ

اور بھی متعدد قطعاتِ تاریخ ہیں مگر بنظرِ اختصار ہم اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

علم

جہانِ ظلم میں انسانیت کی آس ہے علم
بشر کی عظمت و توقیر کی اساس ہے علم
قبائے فکر و ہنر، عقل کا لباس ہے علم
ہے ناشناسِ خدا جہل، حق شناس ہے علم
کبھی یہ دامنِ گل ہے کبھی گلاب ہے یہ
کبھی کتاب، کبھی صاحبِ کتاب ہے یہ

(مرثیہ ''علم اور علماء'' از ساحر لکھنوی)

سلطان العلماء کی جانشینی:

جناب سلطان العلماء کی جانشینی کا مسئلہ بھی اختلافی ہے۔

جناب سلطان العلماء کے مرتبہ کا کوئی بھی عالم دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے کسی کو اپنا جانشین نامزد کرتا ہے تاکہ اس کے علمی اور دینی نظریات اور خدمات کا سلسلہ جاری رہے۔ مومنین ہدایت پاتے رہیں اور ان کے دینی مسائل حل ہوتے رہیں۔ ورنہ اس کی رحلت کے بعد اہلِ خاندان اور صاحبانِ علم وغیرہ کسی ایسے کو اس کا جانشین منتخب کرتے ہیں جس کو اس کا اہل سمجھتے ہوں۔ عام طور پر اگر فرزند اہل ہو تو وہی اپنے باپ کا جانشین ہوتا ہے۔

جناب سلطان العلماء نے بھی یقیناً اس اہم ذمہ داری کو انجام دیا ہوگا اور کسی نہ کسی کو اپنا جانشین مقرر کیا ہوگا۔ اس بارے میں جناب نجم الملت مولانا ہدایت حسین صاحب طاب ثراہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ساتویں (۷) صاحبزادہ جناب سلطان العلماء کے جناب مستطاب معلےٰ القاب صاحب المناقب العلیہ مروج شریعت حضرت ختم المرسلینؐ سوید ملت و دین قدوۃ الفضلاء عمدۃ الکملاء مجتہد العصر وحید الدہر جناب سید بندہ حسین صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ تھے کہ جمیع علومِ عقلیہ ونقلیہ میں اکمل واعلم تھے۔ چنانچہ اجازۂ جناب سلطان العلماء دلیلِ ساطع ہے اور جوابِ مسئلہ لندن کہ جو چھپ کر شائع ہو چکا ہے جودتِ طبع وحدت ذہن پر برہانِ قاطع ہے اور یہ جناب بعدِ جناب سلطان العلماء باتفاق آرائے اکابرِ خاندان وامرائے عالی شان قائم مقام وجانشین قرار دیئے گئے اور خطاب بھی

عند السلطان ملک العلماء عطا ہوا۔ چنانچہ عبارت مہر خطابی یہ تھی:۔

''ملک العلماء تاج الاتقیاء افسر المومنین رئیس المسلمین عرش کلاہ مورد تفضلات بے عنایات حضرت واجد علی شاہ مجتہد العصر والزماں نائب حبیب ایزدمنان مولانا سید بندہ حسین صاحب''۔(۲۲۹)

جناب نجم العلماء کی اس واضح تحریر کے برخلاف جناب مولانا آغا مہدی صاحب طاب ثراہ اس بارے میں کہ جناب سلطان العلماء کی نماز جنازہ ان کے بھتیجے جناب ممتاز العلماء سید محمد تقی صاحب طاب ثراہ نے کیوں پڑھائی تحریر فرماتے ہیں کہ:

''قبلہ وکعبہ کی لائق اولاد کی موجودگی میں ایسا کیوں ہوا (یعنی نماز جنازہ ممتاز العلماء نے کیوں پڑھائی)۔ یہ مسئلہ ذرا پیچیدہ نہیں۔ سلطان العلماء نے اپنے خطوط میں ان کو قائم مقام کہا ہے علاوہ برایں برسہا برس غور کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ سلطان العلماء کے جو فرزند، ان کی زندگی میں رحلت کر چکے تھے ان کی ذاتی عظمت اس بلندی کی مقتضی تھی کہ وہ زندہ ہوتے تو فریضۂ امامت وہ انجام دیتے۔ ان کے بعد چشم مردم اور خود جناب کی نظر میں اس عظیم منصب کا کوئی دوسرا حقدار نہ تھا بجز ممتاز العلماء کے۔(۲۳۰)

یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جناب ملک العلماء مجتہد وفقیہہ ہوتے ہوئے باپ کی نماز جنازہ پڑھانے کے حقدار کیوں نہ تھے۔ جناب زبدۃ العلماء مزید تحریر فرماتے ہیں کہ ممتاز العلماء کی سن وسال میں بزرگی ان کی اولاد کو بھی تسلیم تھی جب تو صمیم قلب سے مقدم کیا۔ ہم اولادِ مرحوم ومغفور کے تزکیۂ نفس کی تعریف کرتے ہیں کہ وہ متحد الخیال تھے۔(۲۳۱)۔

---

(۲۲۹) نجم العلماء مولانا سید ہدایت حسین صاحب طاب ثراہ۔ شجرۂ طیبہ۔ ص۔۶۰

(۲۳۰) زبدۃ العلماء۔ تاریخ سلطان العلماء۔ ص۔۱۳۵۔۱۳۷، (۲۳۱) زبدۃ العلماء۔ تاریخ سلطان العلماء۔ ص۔۱۳۷

حیرت ہے کہ جس فرزند کو سلطان العلماء نے اس کے علم وفضل کے اعتراف ہی میں اجازۂ اجتہاد عطا فرمایا تھا وہ اس کا حقدار کیوں نہ تھا کہ باپ کی نماز جنازہ پڑھائے۔ اگر یہ نقطۂ نظر مان لیا جائے کہ ملک العلماء نماز جنازہ پڑھانے کے اہل و مستحق نہیں تھے تو انہیں اجازہ کیسے عطا ہوا۔

جہاں تک نماز جنازہ کی امامت کا مسئلہ ہے ہم نہیں سمجھ سکتے کہ صرف میت کا جانشین ہی نماز جنازہ کی امامت کرسکتا ہے۔ یا یہ کہ نماز جنازہ کی امامت جانشینی کی یقینی دلیل ہے۔ جناب زبدۃ العلماء کے مطابق جناب ممتاز العلماء جناب ملک العلماء اور تاج العلماء وغیرہ سے عمر میں بڑے تھے اور اسی لئے فرزندانِ سلطان العلماء نے جناب ممتاز العلماء کو نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھایا اور خود پیچھے چلے گئے۔ جناب زبدۃ العلماء نے بھی اسی کی تعریف کی ہے۔

علاوہ نماز جنازہ کی امامت کے زبدۃ العلماء مولانا آغا مہدی صاحب طاب ثراہ سلطان العلماء کی جانشینی کے بارے میں مزید تحریر فرماتے ہیں:

"سلطان العلماء نے انتظامی امور اور مواضعات کی تحصیلِ وصول کے لحاظ سے تو اپنا قائم مقام ملک العلماء سید بندہ حسین کو کیا۔ علمی وعملی مسند وہ بھتیجے ممتاز العلماء کے سپرد کرچکے تھے جیسا کہ ان کی تحریروں میں بار بار اظہار اور نماز جنازہ پڑھانا عملی ثبوت ہے۔ بعدِ رحلت سلطان العلماء نواب میر محمد حسن خان رضوی مرحوم رئیس لکھنؤ نے علماء وشاہزادگان ورؤساء لکھنؤ کی دستخط سے ایک اشتہاد تیار کیا جو "احیاء الآثار" میں درج ہوچکا ہے۔ اس کا خاص جزو یہ ہے:۔

جناب سلطان العلماء رضواں مآب کی تحریر بہ مُہرِ خطابی موجود ہے کہ ممتاز العلماء فخر المدرسین میرے بھی نائب ہیں اور اپنے والد کے بھی نائب ہیں۔"

پچاس دستخطوں میں مشاہیرِ قوم و اعیانِ ملت کے حسب ذیل نام ملاحظہ کیجئے۔" (۲۳۲)

یہاں جناب زبدۃ العلماء نے صرف گیارہ (۱۱) نام درج فرمائے ہیں۔ اس کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ مرقومۂ بالا مشاہیر نے اپنے الفاظ میں توثیق کی ہے جس میں مولانا تفضل حسین صاحب کی حسب ذیل لفظیں ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "احیاء الآثار" میں مولانا سید احمد علی صاحب قبلہ محمد آبادیؒ کا ایک نجی خط بھی پایا جاتا ہے جس میں انہوں نے اس اشتہاد کو عیاں راچہ بیاں قرار دیتے ہوئے نظر تعجب سے دیکھا ہے اور ممتاز العلماء سے معلومات طلب کئے ہیں۔ مولانا کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ اس کو کسی خاندانی مسئلہ سے تعلق نہیں ہے بلکہ سلطان العلماءؒ کی گورنر جنرل ہند کے دربار میں کرسی پر اغیار کا قبضہ نہ ہونے پائے اور برٹش راج میں جو وقار علمائے تشیع ہے وہ محفوظ رہے۔ یہ سن کر آپ نے دستخط کی۔" (۲۳۳)

جناب زبدۃ العلماء مزید فرماتے ہیں کہ (مذکورہ) استشہاد کے ساتھ انگریزی ترجمہ اور مشاہیرِ ملت کی معزز آراء کا حکومت کی زبان میں منسلک ہونا دلیل ہے کہ سلطان العلماء کی جگہ اس کو پہنچتا ہے جس کو وہ زندگی میں اپنا قائم مقام کر چکے۔ چنانچہ روسائے اودھ کی یہ آرزو پوری ہوئی اور نواب میر محمد حسین صاحب مرحوم جو خاندان وزارت سے تعلق رکھتے تھے کامیاب ہوئے۔" (۲۳۳ الف)

جناب نجم العلماء اور جناب زبدۃ العلماء کے جانشینی جناب سلطان العلماء کے

---

(۲۳۲) زبدۃ العلماء۔ تاریخ سلطان العلماءؒ۔ ص۔ ۱۳۷، (۲۳۳) زبدۃ العلماء۔ تاریخ سلطان العلماءؒ۔ ص۔ ۱۳۸

(۲۳۳۔ الف) زبدۃ العلماء۔ تاریخ سلطان العلماء۔ ص۔ ۱۳۸

بارے میں بیانات بالکل متضاد ہیں۔

جناب زبدۃ العلماء نے بہت تفصیل سے اس موضوع پر بحث کی ہے اور مختلف دلائل سے جناب ممتاز العلماء کو جناب سلطان العلماء کا جانشین ثابت کیا ہے۔ان کے برخلاف جناب نجم العلماء کی تحریر مختصر ہے مگر جناب ملک العلماء فرزند جناب سلطان العلماء کو ان کا جانشین ثابت کرنے کے لئے بظاہر کافی ہے۔

ان دونوں ذوات محترم کے بیانات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے تا کہ صورت حال معلوم کرنے کی کوشش کی جائے۔

جہاں تک جانشینی کے عموی اصولوں کا تعلق ہے وہ یہ ہیں:۔

ا۔ مرنے والے کا جانشین عموماً اس کا بڑا بیٹا ہوتا ہے، بشرطیکہ:

(الف) وہ جانشینی کا اہل ہو۔

ب) باپ اس سے ناراض نہ ہو اور

ج) اسے عاق نہ کیا ہو۔

۲۔ بصورت دیگر دوسرے فرزندوں میں سے باپ جس کو اس منصب کا زیادہ اہل سمجھے اس کو جانشین مقرر کرتا ہے۔

۳۔ اگر کوئی فرزند نہ ہو یا جانشین ہونے کا اہل نہ ہو تو مرنے والا جس کو بھی اپنی جانشینی کا اہل سمجھتا ہے اس کو قانونی طور پر اپنا جانشین مقرر کرتا ہے۔ جس کے لئے باقاعدہ ایک قانونی دستاویز لکھی جاتی ہے۔جس پر گواہوں کے دستخط بھی ہوتے ہیں۔

اس قاعدہ کے پیش نظر اگر ہم حقائق کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ علاوہ ان چار یا پانچ

فرزندانِ ارجمند کے جو جناب سلطان العلماء کے سامنے ہی انتقال فرما چکے تھے، باقی بیٹوں میں والدِ گرامی کی مسندِ علم اجتہاد کے حقیقی معنوں میں اہل اور حقدار جناب کے دو فرزند (۱) ملک العلماء جناب سید بندہ حسین صاحب اور تاج العلماء جناب سید علی محمد صاحب تھے۔ جناب بندہ حسین صاحب ساتویں فرزند تھے اور جناب علی محمد صاحب دسویں اور آخری فرزند تھے۔

جناب تاج العلماء کو جناب سلطان العلماء اپنی اچانک رحلت کی وجہ سے اجازہ عطا نہیں فرما سکے تھے۔ جناب ملک العلماء کو جناب سلطان العلماء اجازہ عطا فرما چکے تھے۔ ان کی علمی منزلت جناب نجم العلماء مولانا ہدایت حسین صاحب طاب ثراہ کی تحریر سے ثابت ہے جو گزشتہ صفحات میں درج کی جا چکی ہے۔ جناب سلطان العلماء کی اپنے اس فرزند سے کسی طرح کی ناراضگی یا ناخوشی کا کہیں کوئی شائبہ بھی نہیں تھا۔

اس لئے اصولاً جناب سلطان العلماء کے حقیقی جانشین جناب ملک العلماء بندہ حسین صاحب ہی ہو سکتے تھے۔

دوسرے یہ کہ ملک العلماء کو امراء و روساء کے علاوہ خود اہلِ خاندان نے جناب سلطان العلماء کا جانشین قرار دیا تھا اور یہ جانشینی مسندِ علم و فضل کے لئے تھی۔ گاؤں کا انتظام کرنے کے لئے نہیں تھی۔ دوسروں کی بہ نسبت اہلِ خاندان کو جانشینی کا فیصلہ کرنے کا زیادہ حق اور اختیار ہوتا ہے۔ جناب ممتاز العلماء کو جناب سلطان العلماء کا جانشین مقرر کرنے کے لئے جو استشہاد مرتب کیا گیا تھا اور جس پر جناب غفرانمآبؒ کے عزیز ترین شاگرد جناب مولانا احمد علی محمد آبادی نے بجا طور پر تردد کا اظہار کیا تھا' اس پر خاندان کی کسی فرد کی دستخط کا نشان یا اشارہ نہیں ملتا۔

حضرت زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ نے یہ روشن اور واضح حقیقت

لکھی ہے کہ " دنیا میں ہمیشہ ایک مفسدہ پرداز طبقہ رہا ہے جو وصاحبانِ کمال میں اختلاف پیدا کر دینا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ بھائیوں میں بھی نزاع اسکی خفیہ ریشہ دوانیوں سے ظاہر ہو جاتی تھی۔" (۳۳۳)

جناب ملک العلماء کو پورے استحقاق کے باوجود پدر بزرگوار کی جانشینی سے محروم رکھنے کا بظاہر اور کوئی سبب نظر نہیں آتا سوائے اس کے کہ بعض امراء و روساء اپنے ذاتی مفادات کے لئے جناب ممتاز العلماء کو جانشین قرار دینے پر کمر باندھے ہوئے تھے۔ اس کا اشارہ حضرت زبدۃ العلماء کی اس تحریر سے ملتا ہے کہ جب مذکورہ استشہاد پر حضرت مولانا احمد علی محمد آبادی طاب ثراہ نے تردد کا اظہار کیا تو:۔

"مولانا کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ اس کو کسی خاندانی مسئلہ سے تعلق نہیں ہے بلکہ سلطان العلماء کی گورنر جنرل ہند کے دربار میں کرسی پر اغیار کا قبضہ نہ ہونے پائے اور برٹش راج میں جو وقار علمائے تشیع ہے وہ محفوظ رہے۔"

اس کے بعد زبدۃ العلماء تحریر فرماتے ہیں:۔

"استشہاد کے ساتھ انگریزی ترجمہ اور مشاہیر ملت کی معزز آراء کا حکومت کی زبان میں منسلک ہونا دلیل ہے کہ سلطان العلماء کی جگہ اس کو پہنچتا ہے جس کو وہ زندگی میں اپنا قائم مقام کر چکے۔ چنانچہ روساء اودھ کی یہ آرزو پوری ہوئی اور نواب میر محمد حسین صاحب مرحوم جو خاندان وزارت سے تعلق رکھتے تھے، کامیاب ہوئے"۔

حضرت ممتاز العلماء کو جناب سلطان العلماء کا جانشین قرار دینے کے لئے بعض امراء و روساء کی تگ و دو کا سبب اس تحریر سے واضح ہو گیا کہ اصل مسئلہ دربار انگریزی میں سلطان العلماء کی

---

۳۳۳) تاریخ سلطان العلماءؒ۔ ص۔۱۷۳

کرسی تھی جس کے حوالہ سے ذاتی مفادات حاصل کئے جاسکتے تھے۔ ورنہ جناب ممتاز العلماء اپنے پدر عالی قدر کے جانشین تو تھے ہی۔ اس کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ انہیں جناب سلطان العلماء کا جانشین بھی قرار دیا جاتا۔

استشہاد اور اس کے تیار کرنے والوں کے بیانات کا انگریزی میں ترجمہ اس بات کی دلیل کیسے ہوگیا کہ سلطان العلماء کی جگہ اس کو پہنچتا ہے جس کو وہ زندگی میں قائم مقام کرچکے تھے۔؟

یہ عذر بھی بے بنیاد اور بے دلیل تھا کہ سلطان العلماء کی کرسی کو تحفظ دینا تھا تا کہ اُس پر غیروں کا قبضہ نہ ہو جائے۔ اگر ممتاز العلماء کی جانشینی سے کرسی کو تحفظ ہو سکتا تھا تو ملک العلماء کی جانشینی سے یہ مقصد بدرجہ اتم حاصل ہوتا اس لئے کہ وہ جناب سلطان العلماء کے حقیقی اور قانونی وارث تھے۔ اس بارے میں ایک بات تو یہ کہ نہ جناب ملک العلماء کوئی سرکاری درباری مولوی تھے نہ جناب ممتاز العلماء جن کو گورنر جنرل کے دربار میں حاضری دینے کی ضرورت تھی یا شوق تھا نہ وہ دربار لکھنؤ میں لگتا تھا۔ وہ تو دہلی میں لگتا تھا۔ وہ حکومت کی طرف سے محض ایک اعزاز تھا خطابات کی طرح۔ دوسرے یہ کہ وہ ایسی کرسی نہیں تھی جس کو دیکھ کر جس کا جی چاہے اس پر قبضہ کرلے۔ اگر جناب سلطان العلماء کو دربار میں شرکت کرنے کا کبھی اتفاق ہوتا تو ان کو اسی کرسی پر بٹھایا جاتا جو ان کے لئے مخصوص تھی۔ وہ نہ ہوتے تو کرسی خالی رہتی۔ وائسرائے کا دربار شاہی دربار سے کم نہ تھا بلکہ اپنی اہمیت میں مغل بادشاہوں کے دربار کی طرح تھا۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ کرسی خالی دیکھ کر لپک کے اس پر بیٹھ جائے اور قبضہ کرلے۔ کرسی پر قبضہ کرلینے کی دلیل نہایت مضحکہ خیز تھی۔

یہ حقیقت بھی قابلِ غور ہے کہ جناب زبدۃ العلماء نے جناب ملک العلماء کی جانشینی برائے محصولات اور جناب ممتاز العلماء کی جانشینی برائے مسندِ علمی کے لئے کسی قانونی دستاویز یا وراثت نامہ وغیرہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اس لئے یہ پتہ نہیں چلتا کہ ملک العلماء کو محصولات کے لئے جانشین کس طریقہ سے مقرر کیا گیا تھا۔ اسی طرح جناب ممتاز العلماء کو جانشین بنانے کی دلیل صرف یہ دی گئی ہے کہ خطوط میں اس کا اظہار تھا۔ قانونی اعتبار سے خطوط کو قانونی دستاویز تسلیم نہیں کیا جاتا جب تک کہ خط لکھنے والا عدالت میں خود اپنی تحریر کی توثیق نہ کرے۔ وہ بھی اگر قانون کے خلاف نہ ہو۔ یہ دعویٰ بھی کافی نہیں تھا کہ مہر خطابی کے ساتھ سلطان العلماء کی تحریر موجود ہے ان کے جانشین جناب ممتاز العلماء ہوں گے۔ یہ بھی نہیں لکھا گیا کہ وہ تحریر کس کس نے دیکھی یا دیکھی گئی بھی کہ نہیں۔

آخر میں ایک اہم بات یہ کہ جناب زبدۃ العلماء نے جناب ملک العلماء اور جناب تاج العلماء کی جانشینی کے حوالوں سے جناب سلطان العلماء کی "فراست" کے عنوان کے تحت یہ تحریر فرمایا ہے۔

> "دوسرا واقعہ اس سے زیادہ صریح ان کی فراست اور مستقبل کے علم و یقین کا یہ ہے کہ اپنی زندگی میں ملک العلماء سید بندہ حسین صاحب کو اپنا قائم مقام کر دیا تھا اور اولاد میں تاج العلماء ایسی جامع کمالات اور مسلّم الثبوت فرد موجود تھی جس کو یہ منصب نہ دیا۔ اس عمل پر تعجب کی نظریں پڑتی ہیں اور تفضیل مفضول لازم آ رہی تھی۔ عوام کی حیرت و استعجاب پر آپ نے فرمایا کہ تاج العلماء کی اولاد میں دولتِ علم باقی نہ رہے گی۔ اور ملک العلماء کی نسل میں یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ جو فرمایا تھا وہی ہوا۔ تاج

العلماء کی نسل میں علم و فضل آنے نہیں پایا اور اولادِ ملک العلماء میں مجتہدین گزرے اور اب بھی ہیں۔ ذالک فضل اللّٰہ یوتیہِ من یشآء واللّٰہ ذوالفضل العظیم۔(۲۳۵)

جناب زبدۃ العلماءؒ کی اس تحریر سے صاف واضح ہوگیا کہ جناب سلطان العلماء نے جناب ملک العلماء کو باقاعدہ اپنا جانشین اور قائم مقام مقرر کردیا تھا۔ لوگوں کے استعجاب پر یہ جواب کہ تاج العلماء کی اولاد میں علم وفضل نہیں ہوگا اور ملک العلماء کی اولاد میں علم وفضل باقی رہے گا، یہ خود اس حقیقت کی دلیل ہے کہ ملک العلماء کی جانشینی مسندِ علمی کے لئے تھی نہ کہ گاؤں سے تحصیلِ محصولات کے لئے تھی۔ اس لئے کہ محصولات کی وصولی کے لئے نسل میں علم وفضل دیکھنا ایک لایعنی بات ہے۔ علمی جانشینی ہی کے حوالے سے یہ بات کہی جاسکتی ہے۔ کسی فرد کو نہایت اعلیٰ دینی تعلیم دے کر فقیہہ ومجتہد کے منصب پر اس لئے فائز نہیں کیا جاتا کہ وہ پٹواریوں سے دوبدو کرے اور کسانوں سے لگان وصول کرے۔ یہ اس عظیم منصب کی توہین ہے۔ اس کے باوجود جناب ممتاز العلماء کو جانشین قرار دینا اور ملک العلماء جیسے مجتہد جامع الشرائط اور صاحب علم وفضل بیٹے کو جیسا کہ جناب نجم العلماءؒ کی تحریر اور مہر خطابی سے ظاہر ہے اور مہر خطابی کی وہی لفظیں خود جناب زبدۃ العلماء نے بھی تحریر کیں، باپ کی وراثت اور جانشینی سے محروم کرنے کی وجہ سمجھ سے بالاتر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح بنوامیہ اور بنوعباس اور دیگر لوگوں نے خاندانِ رسالت میں اختلاف پیدا کرنے کے لئے سلسلۂ ائمۂ اثنا عشرؑ کو جابجا منقطع کرکے امامت کے نئے سلسلے قائم کردیئے تھے اسی طرح خاندانِ اجتہاد میں اختلاف وافتراق پیدا کرنے کی یہ ایک کوشش تھی

(۲۳۵) زبدۃ العلماء۔ تاریخ سلطان العلماء۔ ص۔۳۱

کہ سگے بیٹے کو جانشینی سے محروم کر کے بھتیجے کو جانشین قرار دیا جائے۔ اس نقطۂ نظر کو جناب زبدۃ العلماء کی اس تحریر سے تقویت حاصل ہوتی ہے کہ "چنانچہ روساء اودھ کی یہ آرزو پوری ہوئی اور نواب میر محمد حسین صاحب مرحوم جو خاندان وزارت سے تعلق رکھتے تھے، کامیاب ہوئے"۔

سب جانتے ہیں کہ درباری وزیر و مشیر سیاسی اور درباری سازشوں میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ ان کی سازشوں سے بڑے بڑے صاحب جاہ و جلال بادشاہوں کے تخت الٹ گئے۔ اس مسئلۂ زیرِ بحث میں خاندانِ وزارت سے تعلق رکھنے والوں کا کیا مفاد تھا جس کے حصول میں وہ کامیاب ہوئے۔ ملک العلماء کو باپ کی جانشینی سے محروم کرنا۔ کیوں؟ اللہ بہتر جانتا ہے۔ ہم مرنے والوں کے بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہتے۔ ملک العلماء جناب بندہ حسین صاحب کی جانشینی کے بارے میں مولانا مرتضیٰ حسین فاضل مرحوم تحریر فرماتے ہیں:۔

"سلطان العلماء کے چار فرزند ان کی زندگی میں رحلت فرما گئے تو ملک العلماء ان کے جانشین ہوئے اور سلطان العلماء کی رحلت (۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء) کے بعد حج کیا اور متحدہ ہندوستان کی مرجعیت کبریٰ کے مرتبہ پر فائز ہوئے"۔ (۲۳۵۔الف)

جناب مرتضیٰ حسین صاحب فاضل اعلی اللہ مقامہ کی یہ تحریر بھی جناب ملک العلماء کے جانشین ہونے پر دلیل ہے۔ ان سیاسی حضرات کی ریشہ دوانیوں کے نتیجہ میں ایک معاملہ میں آپس میں قانونی چارہ جوئی تک کی نوبت آ گئی۔ یہ ان حضرات کی یقیناً بہت بڑی کامیابی تھی۔

(۲۳۵۔الف) مطلع انوار۔ ص۔۱۲۸

تلامذہ جناب سلطان العلماء:

حضرت غفرانمآبؒ کے بعد ان کی ساری ذمہ داریاں جناب سلطان العلماءؒ پر آ گئی تھیں۔ ان کے علاوہ شاہانِ اودھ کے معاملات اور مسائل، مرافعہ شرعیہ کی سربراہی، ضرورتمند مومنین میں زکواۃ کی تقسیم، ملک بھر سے آنے والے خطوط کے جوابات، حل مسائل اور فتاوئی کے ساتھ ساتھ عدالت میں مقدمات سننا اور فیصلے صادر کرنا اور ایسی دوسری بے شمار ذمہ داریوں کی وجہ سے جناب سلطان العلماءؒ نے تقسیم کار کے اصول پر اپنی کچھ ذمہ داریاں اپنے بھائیوں کو ہر ایک کی اہلیت کے لحاظ سے تقسیم کر دی تھیں۔ چنانچہ درس و تدریس کے ذریعہ مستقبل کے افراد کی تعمیر کا کام اپنے سب سے چھوٹے بھائی جناب سید العلماءؒ کے سپرد کر دیا تھا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ سید العلماء کے شاگردوں کی تعداد کم و بیش ایک ہزار تھی۔ سید العلماء کے بعد ان کے فرزند ارجمند جناب ممتاز العلماء سید تقی صاحب قبلہ کو یہ ذمہ داری سونپی گئی۔ جناب سلطان العلماء کے پاس درس و تدریس کے لئے وقت ہوتا ہی نہیں تھا۔ پھر بھی بقول سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب قبلہؒ، کچھ حضرات نے آپ سے استفادہ علمی کے لئے کچھ وقت حاصل کر ہی لیا۔ ان تلامذہ کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:-

(۱) مولوی سید محمد صاحب جنہیں ''ہوگلی'' میں امام جمعہ و جماعت کے منصب پر بھیج دیا گیا تھا۔

(۲) مولوی سید سرفراز حسین صاحب

(۳) قاضی سید محمد رضا عرف آغا سید صاحب جائسی۔

(۴) حافظ قاری سید جعفر علی صاحب جارچوی

(۵) مرزا محمد صاحب فیض آبادی

(۶) مولوی مشرف علی صاحب

(۷) سید باقر شاہ بخاری

(۸) مولوی سید دیدار جہاں صاحب متوطن ''بڑا گاؤں'' ضلع فیض آباد جو مولانا سید عالم حسین صاحب مرحوم مدرس جامعۂ سلطانیہ کے نانا تھے۔

(۹) مولانا سید علی حسن صاحب جائسی جو خطیب آل محمدؐ مولانا سید سبط حسن صاحب مرحوم کے نانا تھے۔

(۱۰) مفتی نواب میرزا صاحب

(۱۱) مولانا سید علی صاحب محدث مصنف ''مجالس علویہ'' (۲۳۶)

صاحب ''شجرۂ طیبہ'' نے جناب سلطان العلماء کے تلامذہ کے نام درج نہیں کئے ہیں۔ تاریخ سلطان العلما میں زبدۃ العلماء مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ کی فہرست میں سات تلامذہ کے وہ نام درج ہیں جو مندرجہ بالا فہرست میں نہیں ہیں۔ چونکہ ''تاریخ سلطان العلماء'' میں تلامذہ کے نام مختصر تعارف کے ساتھ درج ہیں اس لئے تعارف کی افادیت کے پیش نظر ہم تلامذہ کے نام مع تعارف کے درج کر رہے ہیں جن تلامذہ کا تعارف دستیاب نہیں ہے، ان کے صرف نام نامی درج کرنے پر اکتفا کریں گے۔ ملاحظہ فرمایئے:۔

۱۔ قاضی آغا سید صاحب جائسی۔ آپ کا اصل نام محمد رضا تھا۔

۲۔ میر اولاد حسین صاحب۔ آپ کی شاگردی کا محمد مسیح الدین علوی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ مسیح الدین صاحب اپنے آپ کو اولاد محمد بن حنفیہ میں شمار کرتے تھے (۲۳۷)

---

(۲۳۶) سید العلماء۔ شعاع عمل۔ فروری ۲۰۰۲ء۔ ص۔ ۳۶ از زبدۃ العلماء۔ ''تاریخ سلطان العلماء''۔ ص۔ ۳۰۔ ۱۶۱

(۲۳۷) محمد مسیح الدین علوی کتاب ''سفیر اودھ''۔ ص۔ ۳۳ از زبدۃ العلماء۔ تاریخ سلطان العلماء۔ ص۔ ۱۵۸

۳۔ مولوی سید باقر شاہ بخاری۔

۴۔ قاری سید جعفر علی جارچوی مشاہیر ملت میں سے تھے۔وفات ۱۳۱۴ھ میں ہوئی۔

۵۔ مولوی سید دیدار جہاں صاحب ''بڑاگاؤں'' ضلع فیض آباد کے باشندہ تھے۔ان کی اولاد دختری میں علم وادب وکمال ورثہ پہنچا۔مولانا سید خادم حسین صدرالافاضل مولف ''احقاق الحق وابطال الباطل'' (اردو) افریقہ میں دینی خدمات انجام دیتے رہے۔یہ کتاب ۱۹۵۳ء میں فیض آباد میں چھپی۔

۶۔ مفتی سردار مرزا صاحب لکھنؤ کے ایک معزز گھرانے سے تعلق تھا۔۱۳۱۵ھ تک بقیدِ حیات تھے۔

۷۔ مولوی سید سرفراز حسین صاحب مرحوم بڑے بلند پایہ انسان اور ٹھوس قابلیت کے عالم اور ادیب تھے۔مرزا غالبؔ کے دوستوں میں تھے۔غالبؔ نے نامہ وپیام میں تاخیر ہونے سے طنزیہ ان کو سیدالعلماء اور مجتہد العصر لکھا تھا۔(۲۳۸) مدتوں کانپور میں قیام رہا۔آخر عمر میں لکھنؤ واپس آگئے تھے۔رضواں مآب سلطان العلماءؒ کی سرکار میں وقیع درجہ حاصل تھا۔

۸۔ مولانا میر سید علی صاحب محدث مرحوم لکھنؤ کے مشاہیر ذاکرین میں تھے۔آپ کی تالیفات وتصنیفات میں (۱۰) مجالسِ علویہ کی سات جلدیں ہیں جن میں سے دو آپ کی رحلت کے بعد شائع ہوئیں۔(۲) ترجمۂ زیارت ناحیہ ۱۳۰۶ھ میں ''مطبع مظہر العجائب'' میں انیس (۱۹) صفحات پر چھپا۔(۳) ترجمہ دعائے ''جوشن صغیر'' نواب ممتاز الدولہ بہادر کے نام معنون ہے۔ ۱۲۸۴ھ میں ''مطبع کارنامہ'' میں ۳۴ صفحات پر شائع ہوا۔(۴) ترجمۂ ''دعائے سمات مطبع اثنا عشری، لکھنؤ میں جنوری ۱۸۹۱ء میں ۲۶ صفحات پر شائع ہوا۔

---

(۲۳۸) مرزا غالبؔ۔ ''عودِ ہندی۔ ص۔۹۳

رحلت: ۲۴ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ کو اسی (۸۰) سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور غفران مآبؒ کے امام باڑہ میں دفن ہوئے۔ شرف ذاکری ان کے اخلاف تک باقی رہا۔ قطعہ تاریخ حسب ذیل ہے۔

چہار و بست بودہ از ربیع اولیں امسال — رواں گشتہ بجنت آل پاک مصطفیٰ اے وائے

نوشتم جعفر درویش در ہجری ہمیں سالش — "ز عالم شد محدث مولوی سید علی اے وائے"

۱۳۰۸ھ (۲۳۹)

اس مصرع تاریخ سے سالِ وفات ۱۳۰۸ھ برآمد ہوتا ہے جبکہ انتقال ۱۳۰۹ھ بتایا جاتا ہے۔ ایک عدد کا اضافہ بھی تعمیۂ تدخلہ کے ذریعہ نہیں کیا گیا۔ دوسرے مصرع اور چوتھے مصرع کا قافیہ بھی صحیح نہیں ہے۔ شاید کتابت کی غلطی ہو جو بظاہر نظر نہیں آرہی ہے۔

(۹) مولانا سید علی حسن صاحب جائسی۔ آپ محلہ سیدانہ، جائس ضلع رائے بریلی کے متوطن اور مشاہیر میں تھے۔ علم و عمل اور زہد و تقویٰ سے ممتاز عالمِ دین تھے۔ جناب سلطان العلماء اور جناب ممتاز العلماء سے بھی شرف تلمذ حاصل تھا۔ اساتذہ علام کی اولاد کی غیر معمولی عزت و تکریم کرتے تھے۔ جناب سجاد حسین کرولوی (ضلع رائے بریلی) کے مرتب کردہ مجموعہ مسائل سے اندازہ ہوتا ہے کہ آخر عمر میں آپ کے پاس کثرت سے مسائل آتے تھے اور وہ جواب استفتاء لکھنے پر مجبور تھے۔ کلامی مسائل کو بڑی تحقیق اور وسعت نظر سے حل کیا ہے اور مسائل اجتہاد و تقلید میں اقوال علماء پر اکتفاء کی ہے۔ احتیاط کے جذبہ کے تحت اپنی رائے ظاہر نہیں ہونے دی۔ یہ مجموعہ مسائل قلمی جناب مولانا آغا مہدی صاحب طاب ثراہ کے ذخیرۂ کتب میں موجود ہے۔

آپ کی رحلت ۱۹۱۴ء میں ہوئی۔ آپ کے کئی فرزند صاحبانِ علم و عمل تھے۔ شمس العلماء مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ پرنسپل مدرسۃ الواعظین لکھنؤ آپ کے قابلِ فخر نواسے

---

(۲۳۹) زبدۃ العلماء۔ تاریخ سلطان العلماء۔ ص۔ ۱۶۲

تھے۔ آپ کے احفاد میں سے فضائل مآب مولوی سید کی الحسن صاحب مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کے محافظ تھے۔

(۱۰) حکیم مولوی سید حسین صاحب:۔ آپ کے بارے میں معروف ملی شخصیت جناب شیخ ممتاز حسین جونپوری مرحوم نے سید مقبول حسین صاحب ظریفؔ لکھنوی کے دیوان موسوم بہ "دیوان جی" میں لکھا ہے:۔

"ظریفؔ کے حقیقی چچا مولانا سید حسین صاحب فاضل جید حکیم حاذق اور پیش نماز تھے۔ جناب سلطان العلماء سید محمد صاحب قبلہ مجتہد العصر طاب ثراہ کے شاگرد بے حد ظریف الطبع اور بذلہ سنج تھے"۔ (۲۳۰)

جناب مولانا آغا مہدی صاحب طاب ثراہ فرماتے ہیں:۔

"سلطان العلماء میں یہ کیا ملکہ تھا کہ وہ اپنی ظرافت اور گفتگو میں طنز و شوخی تلامذہ تک پہنچادیں یا اس وقت کے طلباء ایسی صلاحیت رکھتے تھے کہ وہ استاد کے کمالات کو بڑی خوبصورتی سے چھین لیتے (جذب کر لیتے)۔" (۲۳۱)

برسبیلِ تذکرہ ظریفؔ لکھنوی مرحوم اپنے وقت کے نامور قومی شاعر اور استادِ فن حضرت صفیؔ لکھنوی کے بھائی تھے۔ ان کی مزاح نگاری محض ہنسنے ہنسانے کے لئے نہیں ہوتی تھی۔ اس میں اصلاحِ معاشرہ کا جذبہ نمایاں تھا۔ اس کے علاوہ ان کے کلام میں ادب، تاریخ، تمدن، تہذیب، علم رجال اور اسلافِ قدیم کی یادیں وغیرہ سب کچھ موجود تھا۔ ان کے کلام کا مجموعہ "دیوان جی" بہت ضخیم ہے۔ ان کی شاعری اور خدمات پر پی ایچ ڈی کا ایک مقالہ لکھا گیا جس میں مقالہ نگار نے ان کو اکبرؔ الہٰ آبادی کی اصلاحی طنزیہ و مزاحیہ شاعری کے انداز کی بنا پر

---

(۲۳۰) ظریفؔ لکھنوی کا۔ "دیوان جی" (مجموعۂ کلام)۔ ص۔ ۸

(۲۳۱) زبدۃ العلماء۔ تاریخ سلطان العلماء۔ ص۔ ۱۶۳

''اکبر ثانی'' لکھا۔

(۱۱) مولانا برکت علی صاحب مرحوم۔ علم ریاضی اور فقہ میں یگانۂ روزگار تھے۔ سلطان العلماء اور ممتاز العلماء سے تلمذ حاصل تھا۔ سلطان العلماء نے ان کی تعریف وتوصیف کے ساتھ انہیں سندِ علوم عطا فرمائی تھی۔ مولانا برکت علی صاحب کا قیام لاہور میں رہا اور بقولِ مولانا آغا مہدی صاحب طاب ثراہ، پنجاب میں جو کچھ تبلیغ دین ہوئی اس کا سہرا آپ کے سر ہے۔ (۴۴۲)

(۱۲) مولانا سید حامد حسین صاحب کنتوری اعلیٰ اللہ مقامہ۔ آپ مولانا محمد قلی کنتوری طاب ثراہ کے فرزندِ ارجمند اور ناصر الملت مولانا ناصر حسین صاحب طاب ثراہ کے والد گرامی تھے۔ نامِ نامی سید مہدی تھا مگر شہرت حامد حسین کے نام سے ہوئی۔ آپ نے پہلے اپنے والدِ علام مولانا سید محمد قلی کنتوری علیہ الرحمۃ سے اکتسابِ فیض کیا۔ پھر حضرت سلطان العلماء اور ان کے فرزندِ ارجمند حضرت خلاصۃ العلماء مولانا سید مرتضیٰ صاحب طاب ثراہ سے حصولِ علم کا شرف حاصل کیا۔ خاندان کنتور کے سارے علماء بشمول جناب مولوی غلام حسنین کنتوری جناب مولوی محمد قلی کنتوری جناب مولوی حامد حسین کنتوری اور ان کے برادرِ عزیز جناب مولوی اعجاز حسین کنتوری اعلیٰ اللہ مقامہم وغیرہ سب خاندان اجتہاد کے شاگرد تھے اور سوائے مولوی ناصر حسین صاحب طاب ثراہ کے ان کے سب بزرگوں نے حضرت غفرانمآبؒ حضرت سلطان العلماء حضرت سید العلماء اور حضرت خلاصۃ العلماء وغیرہ سے اکتساب علم کیا اور اعلیٰ درجات پر فائز ہوئے۔

جناب مولانا میر حامد حسین کنتوریؒ نے ساری زندگی مطالعہ میں صرف کی اور اپنے پیچھے بہت اہم اور اعلیٰ درجہ کا علمی کارنامہ ''عبقات الانوار'' چھوڑ کر دنیا سے سدھارے۔ اس کے

(۴۴۲) زبدۃ العلماء۔ تاریخ سلطان العلماء۔ ص۔ ۱۶۴

علاوہ شاہ عبدالعزیز دہلوی کی کتاب "تحفۂ اثنا عشریہ" کے دو ابواب کے جواب میں دو کتابیں بھی ایسے ہی شاندار علمی کارنامے ہیں۔ مگر افسوس کہ بقول زبدۃ العلماء وہ طبع نہیں ہوئیں۔ (۲۴۳)

میر حامد حسین صاحب طاب ثراہ اور ان کے بزرگوں اور برادر عزیز میر اعجاز حسین کنتوری اعلیٰ اللہ مقامہ وغیرہ تک ان حضرات کی زندگی کا روشن پہلو اساتذہ کا مکمل احترام، ان کے معین کردہ حدود میں کام، سلف کی قلمی خدمات کا تتبع اور احیاء، باہمی مساوات، عدم اختلاف اور اتحادِ عمل تھا جو افسوس ہے کہ بعد میں قائم نہیں رہا۔

میر حامد حسین صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ نے ۱۸ر صفر ۱۳۰۶ھ کو عالم جاودانی کی طرف سفر اختیار کیا اور اپنے اساتذہ کے جوارِ رحمت امام باڑہ غفرانمآب" میں سپردِ خاک ہوئے۔

(۱۳)　مولوی مرزا محمد بن علی محمدؒ ہندی فیض آبادی۔ مولوی آغا مہدی صاحب قبلہ طاب ثراہ کے مطابق مولوی مرزا محمد اعلیٰ اللہ مقامہ کی تصانیف سے "ریاض المواعظ" کے عنوان سے ایک قابلِ قدر مخطوطہ مکتبۂ ممتاز العلماء لکھنؤ میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ موصوف کے بعض دوسرے رسالے بھی محفوظ ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک زبردست عالم تھے۔

(۱۴)　مولوی سید محمد صاحبؒ۔ آپ وقف "ہوگلی" میں فرائضِ جمعہ و جماعت انجام دیتے تھے۔

(۱۵)　مولوی مشرف علی صاحبؒ۔ دینی خدمات میں ہمیشہ مصروف رہے۔

(۱۶)　قاضی محسن رضا صاحبؒ۔ کا نام "تذکرہ بے بہا" میں جناب سلطان العلماء کے شاگردوں میں شامل ہے۔

(۱۷)　حجۃ الاسلام مولانا سید ابوالقاسم صاحب قمی علیہ الرحمۃ: مختلف تذکرہ نگاروں نے آپ کو

(۲۴۳) زبدۃ العلماء۔ تاریخ سلطان العلماءؒ۔ ص۔ ۱۶۵

تلامذہ جناب سلطان العلماء اور جناب سید العلماء میں شمار کیا ہے اور اس حقیقت میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ مولوی سید محمد جواد صاحب، سابق مدرس، مدرسۂ شیعہ بیت المال، لکھنؤ نے بھی اپنے ایک مقالہ میں آپ کو تلامذہ سلطان العلماء میں شامل کیا۔ (۲۴۴) مولانا ابوالقاسم قمیؒ علیہ الرحمۃ نے جناب سلطان العلماء سے اجازہ عطا ہونے کے بعد لاہور میں اقامت جمعہ وجماعت شروع کی اور پنجاب میں جو اہم دینی خدمات انجام دیں وہ اظہر من الشمس ہیں۔ نوزائدہ مذہب قادیانیوں کے ابطال اور رد میں انہوں نے نہایت اہم کتابیں تصنیف وتالیف کیں۔ آپ کی اہم ترین خدمت تفسیر "لوامع التنزیل" ہے جو تیرہ (۱۳) پاروں تک تیرہ (۱۳) جلدوں میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد آپ کے فرزند ارجمند اور قابلِ فخر جانشین جناب شمس العلماء مولانا سید علی حائریؒ نے اس کی تکمیل کا بیڑہ اٹھایا۔ مولانا آغا مہدی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس تفسیر کے تعارف میں علمی دنیا کے اسناد وتوثیقات وتقریظات کے مطالعہ سے ان کی خدمات کی عظمت واضح ہوتی ہے۔ آپ کے حالاتِ زندگی "سوانح قاسمی" میں شائع ہو چکے ہیں۔

مولانا ابوالقاسم قمیؒ نے اپنے فرزند ارجمند کے علاوہ ایک عظیم کتب خانہ، گرانقدر تصنیفات وتالیفات اور بہت سے شاگرد چھوڑ کر رحلت کی۔ چند شاگردوں کے نام یہ ہیں:۔

(۱) فرزند ارجمند مولانا سید علی حائریؒ (۲) مولوی سید محمد شاہ مرحوم
(۳) مولوی حشمت علی صاحب مرحوم (۴) مولوی سید تقی شاہ مرحوم
(۵) مولوی مومن علی صاحب مرحوم (۶) منشی عبدالصمد مرحوم، اور
(۷) مولوی چراغ شاہ مرحوم (۸) حافظ عبدالوہاب
(۹) مولوی محمد علی مرحوم (۲۴۵)

جناب سلطان العلماءؒ کے مذکورہ بالا سترہ (۱۷) تلامذہ کے علاوہ جناب چودھری سبط

(۲۴۴) ریاضی جنتری ۱۹۳۶ء

(۲۴۵) زبدۃ العلماء۔ تاریخ سلطان العلماء۔ ص۔ ۱۵۸ تا ۱۶۸۔

محمد مرحوم نے مزید یہ نام لکھے ہیں:۔

(۱) مرزا جعفر علی فصیح (بہ حوالہ ''تحقیقی نوادر۔ص نمبر۔۲۰۰)

(۲) مولوی عبدالعلی مرحوم

چودھری صاحب مرحوم کی فہرست میں ''حکیم مولوی سید حسین صاحب کا نام درج نہیں ہے۔

اسی طرح جناب سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ کی فہرست کے گیارہ ناموں میں سے جناب ''مفتی نواب میرزا'' صاحب مرحوم کا نام نامی نہ مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ طاب ثراہ کی فہرست میں ہے نہ چودھری سبط محمد صاحب مرحوم کی فہرست میں۔

علاوہ ان شاگردوں کے جناب سلطان العلماء کے سب برادران عزیز بھی ان کے تلامذہ میں شامل تھے۔ حضرت غفرانمآبؒ کی علالت کے دنوں میں جناب سلطان العلماء ہی سب بھائیوں کو تعلیم دیتے تھے جیسا کہ ان کے برادر خرد سید العلماء مولانا سید حسین صاحب علیین مکان نے فرمایا ہے:۔

''میں نے اپنی تعلیم کی ابتداء و انتہاء دونوں میں اپنے والدِ ماجد غفرانمآبؒ کی خدمت میں پڑھا لیکن وہ جناب میرے دورانِ تعلیم میں علیل ہو گئے جس کی وجہ سے میرا درس۔۔۔ اخی معظم مجید اوحد جناب سید محمد۔۔۔ کے حوالہ کر دیا لہذا میں طویل مدت تک ان جناب کی خدمت میں علومِ عربیہ میں معانی و بیان، بعض علوم حکمیہ و فنون رسمیہ اور بعض علوم دینیہ کی تحصیل میں مشغول رہا ہے۔ جب علامہ آفاق والدِ ماجد کو مرض سے افاقہ ہوا تو پھر میرا درس ان کے یہاں ہونے لگا۔'' (۴۳۶)

(۴۳۶) تاریخ سلطان العلماء۔ص۔۲۷، اجازہ سید العلماءؒ بنام عمدۃ العلماء مولانا سید ہادی صاحب طاب ثراہ۔ ص۔۷۔ مطبع سلطانی لکھنؤ۔

فرزندان جناب سلطان العلماءؒ

جناب مولانا ہدایت حسین صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ نے فرزندان جناب سلطان العلماء کے حسب ذیل نام لکھے ہیں۔ فرماتے ہیں "واضح ہو کہ اولادِ ذکور میں دس صاحبزادے تھے منجملہ ان کے:۔

۱۔ منصف الدولہ سید محمد باقر طاب ثراہ

اکبر وارشد اولاد جناب ممدوح جناب فضائل مآب تقدس ایاب۔۔ جناب سید محمد باقر صاحب تھے"

"مرافعہ شرعیہ کے قیام کے بعد عدالت دیوانی کا محکمہ آپ کے سپرد ہوا تو حکومت کی طرف سے شریف الملک اور منصف الدولہ کے خطاب عطا ہوئے۔

اولادِ منصف الدولہ:

(الف) آپ کے ایک صاحبزادے جناب سید محمد جعفر صاحب نہایت ذکی الطبع اور صاحب ذہن ثاقب تھے۔ اپنے وقت کے نامور شاعر تھے اور اساتذہ میں شمار تھا۔ اُمیدؔ تخلص تھا۔ تلفظ "م" مشدد دبا لفتح۔ آپ اعلیٰ پایہ کے مرثیہ نگار بھی تھے۔

(ب) حضرت امیدؔ کے ایک فرزند تھے جن کا نام سید محمد کاظم اور تخلص جاویدؔ تھا۔ مرثیہ نگاری میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا اور اپنے وقت کے ان پانچ عظیم ترین مرثیہ نگاروں میں شامل تھے جنھیں "پنجتنِ پاک ایمانِ سخن" کہا گیا۔ ہم نے ان دونوں حضرات کا ذکر تفصیل سے اپنے تحقیقی مقالہ "خانوادۂ اجتہاد کے مرثیہ گو" میں کیا ہے۔ (۲۳۷)

(۲۳۷) ساحر لکھنوی۔ "خانوادۂ اجتہاد کے مرثیہ گو" ص۔ ۱۳۷ اور ۲۸۱

۲۔ سلطان العلماءؒ کے دوسرے فرزند جناب سید محمد صادق طاب ثراہ:۔

آپ علم و فضل و زہد و تقویٰ میں ممتاز تھے۔ عالمِ شباب میں تکمیلِ علم کی۔ مزاج میں مناظرانہ ذوق بدرجۂ اتم تھا۔ صاحب تصنیف تھے۔ مصائب امامِ مظلوم پر بے حد گریہ کرتے تھے۔ آپ نے ۴ رجب ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۲ اگست ۱۸۴۲ء رحلت فرمائی۔ شاعر نے تاریخ کہی:۔

بہر تاریخ رحلتش کلک ناظم زد رقم　　"قابل و دانا جوانے ہمچو گل برباد رفت"

یہ قطعۂ تاریخ "تاریخ سلطان العلماء میں درج ہے۔ اس شعر کا مصرع اولیٰ ساقط الوزن ہے۔ تاریخ سلطان العلماء کی کتابت اور طباعت قدرے ناقص ہے۔ معلوم نہیں اصل مصرع کیا تھا۔

مولانا سید محمد صادق صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کی کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی، آپ کی نسل اولادِ اناث سے چلی جس میں شاعرِ اُمّی جناب سید صادق علی عرف چھنگا صاحب المتخلص "حسین" بر وزن "زمین" اور جناب مجاور حسین صاحب المتخلص "تمنا" بڑے بلند پایہ شاعر گزرے ہیں چھنگا صاحب حسیںؔ مرثیہ گو شاعر تھے۔ ہمارے مذکورہ مقالہ میں ان کا ذکر بھی تفصیل سے ہے۔(۴۲۸)

۳۔ سلطان العلماءؒ کے تیسرے فرزند فضائل مآب خلاصۃ العلماء سید مرتضیٰؒ طاب ثراہ:۔

آپ کو علوم عقلیہ نقلیہ میں دستگاہِ تام حاصل تھی۔ وہ علم و حکمت میں فی الحقیقت سید مرتضیٰؒ (علم الہدیٰ) تھے۔ سلطان العلماء ان کو روزانہ دو وقت پڑھاتے تھے اور اوقات طعام میں ان کو درس دیتے تھے۔

سید مرتضیٰؒ طاب ثراہ بلند پایہ محقق، ادیب اور ماہر السنہ شرقیہ تھے۔ فرائض منصبی کو عالی

(۴۲۸) ساحر لکھنوی۔ "خانوادۂ اجتہاد کے مرثیہ گو" ص۔ ۴۴۳

دماغی اور بلند تدبیری سے انجام دیتے رہے۔

آپ علم و فضل و شرف میں آبائی کمالات کا قابلِ فخر نمونہ تھے۔ عنفوانِ شباب میں تحصیلِ علم کی تکمیل کی۔ شمشیر زنی میں بھی باکمال تھے اور اس فن میں اپنے وقت کے استاد مانے جاتے تھے۔ مرافعہ شرعیہ کے مختلف شعبوں میں سے پولیس کا شعبہ آپ کے تحت تھا۔ اس شعبہ کی ذمہ داریوں کے ساتھ درس و تدریس میں مشغولیت نے تصنیف و تالیف کا موقع نہ دیا۔ صرف ایک آدھ تصنیف کا ذکر ملتا ہے۔ حواشی و تعلیقات کتب درسیہ پر تحریر فرمائے ہیں۔

خلاصۃ العلماء کے تلامذہ میں جناب ناصر الملت ؒ کے والدِ گرامی حضرت مولانا سید حامد حسین کنتوری اعلیٰ اللہ مقامہ صاحب عبقات الانوار نیز ملک العلماء مولانا سید بندہ حسین صاحب طاب ثراہ جو آپ کے برادرِ خرد تھے، نیز مفتی نواب مرزا صاحب ایسی جلیل القدر ہستیاں تھیں۔

جناب سید قاسم بحرینی مدیر "العوارف" نے میر حامد حسین صاحب کو تلامذۂ سلطان العلماء میں بھی شامل کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے زیادہ وقت جناب سید العلماء علیین مکان ؒ کی مجلسِ درس میں گزارا۔ (۲۴۹)

تاج العلماء مولانا سید علی محمد صاحب قبلہ طاب ثراہ فرماتے تھے کہ خلاصۃ العلماء ثانی علم الھدیٰؒ تھے اور ان کے پیدا کیے ہوئے شبہات کا جواب صرف وہی دے سکتے تھے۔ (۲۵۰)

خلاصۃ العلماءؒ کی تاریخ رحلت:

تاریخ سلطان العلماء میں (صفحہ ۱۰۲) پر ۱۸ رمضان المبارک ۱۲ھ لکھا ہے۔ ۱۲ کے بعد کا عدد کتابت اور طباعت کی خامی کی نذر ہو گیا۔ "شجرۂ طیبہ" میں تاریخ رحلت لکھی ہی نہیں ہے۔ البتہ قطعہ تاریخ وفات سے (جو آگے درج کیا جائے گا) ۱۲۶۰ھ کا استخراج ہوتا ہے۔ چونکہ قطعہ تاریخ کے مادۂ تاریخ والے مصرع میں کوئی اشتباہ نہیں ہے، اس لئے ہم نے اسے صحیح

(۲۴۹) رسالہ "العوارف"۔ جنوری/فروری 1915ء۔ ص۔ ۷

(۲۵۰) زبدۃ العلماء۔ "تاریخ سلطان العلماء"۔ ص۔ ۱۰۳

سمجھتے ہوئے تقویم سے ۱۸ رمضان ۱۸۶۰ء کا ہجری سنہ اور عیسوی تاریخ کی تحقیق کی تو ۱۸ رمضان ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۹ اپریل ۱۸۶۰ء کی تاریخیں محقق ہوئیں۔ رحلت کی ہجری اور عیسوی یہی تاریخیں صحیح ہیں لیکن یہاں ایک اور اشتباہ پیدا ہو رہا ہے کہ جناب سید عبداللہ کی تاریخ رحلت بھی ۱۸ رمضان لکھی ہے اور جناب خلاصۃ العلماء کی بھی یہی تاریخ اور مہینہ لکھا ہے۔ لہذا ہو سکتا ہے کہ دونوں میں سے ایک کی تاریخ ۱۸ رمضان درست نہ ہو مگر اس کی تحقیق کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ البتہ جناب سید عبداللہ کی تاریخ ۱۸ رمضان عیسوی تاریخ سے مطابقت رکھتی ہے لہذا وہ بہر حال صحیح ہے۔

خلاصۃ العلماء کی تدفین حسب روایت آپ کے جد امجد حضرت غفرانمآب کے تعمیر کردہ امام باڑہ (لکھنؤ) میں ہوئی۔ آپ کے کرامات سے یہ ہے کہ تدفین کے بعد تین روز تک قبر سے تلاوت قرآن پاک کی آواز آتی رہی۔ سارے شہر میں خبر بجلی کی طرح پھیل گئی۔ مومنین جوق در جوق قبر پر آنے لگے۔ برکت کے لئے لوگ مٹھی مٹھی قبر کی مٹی بھی لے جاتے۔ کئی مرتبہ قبر بھری گئی۔ جناب سلطان العلماء کو اس کی خبر ہوئی تو قبر پر تشریف لائے فاتحہ پڑھ کے اپنے اس صاحب کرامت فرزند کو مخاطب کر کے فرمایا: کہ "سید مرتضیٰ، تم جانتے ہو کہ تمھارے جد حضرت غفرانمآب نے قبر پرستی کے خلاف کتنی جدوجہد کی اور کن دشواریوں سے صوفیت کو شیعیت سے الگ کیا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ تمھاری قبر پوجی جانے لگے اور اس پر چادریں چڑھائی جائیں۔ بس اب تلاوت کی آواز قبر سے باہر نہ آنے پائے۔ سلطان العلماء کے اس ارشاد کے بعد قبر سے تلاوت کی آواز آنا بند ہو گئی۔ (۲۵۱)

ہم نے یہ واقعہ دو تین مآخذ کے بیانات کو یکجا کر کے اپنے لفظوں میں لکھا ہے۔ مختلف تذکرہ نویسوں نے مختلف لفظوں میں اسے لکھا ہے۔

حضرت زبدۃ العلماء نے کسی شاعر کا قطعۂ تاریخِ وفات درج کیا ہے مگر کتابت اور

---

(۲۵۱) تاریخ سلطان العلماء، ص۔ ۳۔۱۰۲

طباعت کی خامیوں کی وجہ سے صحیح صحیح پڑھا جانا ممکن نہیں۔ حتی الامکان اسے پڑھنے کی کوشش کے بعد ہم ذیل میں درج کر رہے ہیں۔

نورِ نگاہ حضرتِ سید محمد مجتہد — آں قدوۂ اربابِ یقین کعبۂ عالی مکاں
رفت از جہانِ اہل غم در ہیجدہ ماہِ صیام — "آلِ محمدؐ ہائے سید مرتضیٰ قبلہ جواں"

۱۸۶۰ء

اس قطعہ تاریخ کی فنی خامیوں کو اہلِ نظر خوب سمجھ سکتے ہیں۔ شاعر اس طرح کی غلطیاں نہیں کرسکتا۔ بہر حال اس سے رحلت کا سنہ عیسوی ۱۸۶۰ء برآمد ہوتا ہے۔ جبکہ دوسری جگہوں پر ۱۸۳۸ء لکھا ہے۔

جیسا کہ ہم گذشتہ سطور میں لکھ چکے ہیں کہ چونکہ مصرع تاریخ ہر طرح درست ہے اور اس میں کوئی اشتباہ نہیں ہے اس لئے ہم اسی کو درست سمجھتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں ۱۸۳۸ء کو غلط قرار دیتے ہیں۔

مولانا آغا مہدی صاحب طاب ثراہ فرماتے ہیں کہ خلاصۃ العلماء سے ان کی سگی چچازاد بہن منسوب تھیں جو غفرانمآبؒ کے تیسرے فرزند جناب سید حسن صاحب قبلہ طاب ثراہ کی دخترِ نیک اختر تھیں انہوں نے خلاصۃ العلماء کے سامنے لاولد انتقال کیا اور کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ (۲۵۲)

جناب نجم العلماء کے مطابق جناب خلاصۃ العلماء کی اولاد میں تین فرزندانِ ارجمند تھے جن میں:-

(الف) مولوی سید سبط محمد صاحب مرحوم جو ریاست محمود آباد میں پیش نمازی پر مامور تھے۔

(ب) سید محمد سجا عرف مٹن صاحب مرحوم اور

(ج) سید محمد مصطفیٰ صاحب عرف لڈن صاحب المتخلص خورشید تلفظ "ش" بالفتح۔ (۲۵۳)

آپ نہایت بلند پایہ شاعر تھے اور لکھنؤ میں اس وقت کے ان چار استادانِ سخن میں

---

(۲۵۲) تاریخ سلطان العلماء۔ ص ۱۰۳،

(۲۵۳) نجم العلماء۔ شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۵۹

شامل تھے جن کی رائے اس فن میں حرف آخر سمجھی جاتی تھی۔ آپ کا بھی مفصل تذکرہ ہم نے اپنے تحقیقی مقالہ ''خانوادۂ اجتہاد کے مرثیہ گو'' میں لکھا ہے۔ (۳۵۳)

(۴) سلطان العلماء کے چوتھے صاحبزادہ۔ جناب مولانا سید عبداللہ اعلیٰ اللہ مقامہٗ:۔

آپ بڑے صاحب کمال اور علم وعمل کے پیکر اور زہد و اخلاق کا مجسمہ تھے۔ جناب سلطان العلماءؒ کی خصوصی توجہات نے ان کو معراج کمال پر پہنچا دیا تھا۔ تالیف وتصنیف وعبادات میں عمر گزاری۔ آپ کتاب ''روضۃ الاحکام'' کی تصنیف کے محرک تھے۔ سید العلماء طاب ثراہ سے بہت اختصاص رکھتے تھے۔ چنانچہ سید العلماء نے ''روضۃ الاحکام'' کے دیباچہ میں ان کا ذکر فرمایا ہے۔

۱۸ر رمضان ۱۲۶۴ھ مطابق ۱۹ر اگست ۱۸۴۸ء کو شام ہوتے ہوتے مرض کی سختی بڑھی۔ وہ رات مولائے متقیان علی علیہ السلام کی آخری رات تھی۔ اس شب کو ایک مختصر وصیت نامہ لکھا۔ ۱۹ر رمضان کو زوال کے وقت سفرِ آخرت اختیار کیا۔ سلطان العلماء پر کوہ الم ٹوٹ پڑا۔ قطعہ تاریخ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:۔

سید خوش نہاد عبداللہ مجتہد زادۂ خجستہ سرشت
در تصانیف او ہم عالی قدر سعیہا کرد و تخم نیکی کِشت
(او) شب ضربتِ جناب امیرؑ چند حرفے وصیتے (ب) نوشت
روز دیگر بوقت نصف نہار جامۂ (زندگی) دریدو۔۔۔۔؟

سال او گفتم از سرِ افسوس
''بود آں سرو جویبار بہشت''

۱ +۱۲۶۳ = ۱۲۶۴ھ

اس مصرع تاریخ سے ۱۲۶۳ھ کا استخراج ہوتا ہے۔ شاعر نے صنعت تعمیہ تدخلہ سے

---

(۳۵۳) خانوادۂ اجتہاد کے مرثیہ گو۔ ص۔ ۲۰

کام لے کر مصرع اولیٰ میں "از سرِ افسوس" کہہ کر "افسوس" کے الف کے ایک عدد کا تدخلہ کر کے مطلوبہ اعداد ۱۲۶۳ پورے کئے۔

قطعہ تاریخ کے دوسرے شعر کا مصرع اولیٰ، تیسرے شعر کے دونوں مصرعے، کتابت کی غلطیوں کا شکار ہیں۔ تیسرے شعر کے دونوں مصرعوں کو درست کرنے کے لئے ہم نے قوسین میں لکھے ہوئے حروف کا اضافہ کر دیا۔ چوتھے شعر کے مصرع کا قافیہ پڑھنے میں نہیں آتا۔ اس مصرعے کو ویسے ہی چھوڑ دیا ہے۔ غنیمت ہے کہ مادۂ تاریخ والا آخری شعر صحیح چھپا ہے۔

تصانیف کے بارے میں مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ نے لکھا ہے، "تالیفات کے مکمل اسماء درج کرنے سے ہم قاصر ہیں۔ ایک علمی یادگار "بستان الواعظین" بزبانِ اردو ہے۔ دوسری کتاب "خلاصۃ الاعمال" اوراد و وظائف کی بہترین کتاب ہے۔ اس کا ذکر صاحبِ شجرۂ طیبہ نے بھی کیا ہے۔

جناب سید عبداللہ کی کوئی اولادِ نرینہ نہ تھی۔ صرف ایک صاحبزادی تھیں۔

۵۔ جناب سلطان العلماء کے پانچویں صاحبزادہ مولوی سید غلام حسین صاحب:۔

آپ کی بھی کوئی اولادِ نرینہ نہیں تھی۔ آپ نے بھی جناب سلطان العلماء کے سامنے رحلت کی۔ (۲۵۵)۔ آپ کی تاریخ رحلت کہیں درج نہیں ہے اور تحقیق کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

۶۔ جناب سلطان العلماء کے چھٹے صاحبزادے فضائل مآب سید عبدالحسین صاحب

آپ نے سلطان العلماء کی زندگی میں مجاورتِ کربلائے معلیٰ اختیار کی اور سلطان العلماءؒ کے انتقال کے بعد لکھنؤ تشریف لائے۔ پیرانہ سالی میں اپنے والد ماجد سے بہت مشابہ تھے۔ لکھنؤ میں ایک مدت تک قیام کرنے کے بعد پھر کربلائے معلیٰ تشریف لے گئے اور وہیں انتقال کیا۔

---

(۲۵۵) شجرۂ طیبہ۔ حاشیہ۔ ص۔ ۶۰

جناب عبدالحسین صاحب کے تین فرزند اور ایک دختر تھیں۔

ایک فرزند جناب سید محمد جواد صاحب تھے۔ انہوں نے اپنے والدِ ماجد کی حیات میں ایک فرزند سید علی میاں صاحب اور ایک دختر کو چھوڑ کر انتقال کیا۔

دوسرے فرزند سید محمد ذکی صاحب اور تیسرے فرزند سید محمد شفیع صاحب تھے۔ (۲۵۶)

۷۔　<u>ساتویں فرزند جناب سلطان العلماء:۔</u>

جناب ملک العلماء مولانا سید بندہ حسین صاحب سلطان العلماءؒ کے ساتویں فرزند تھے۔ آپ کا تفصیلی تذکرہ اگلے صفحات پر آئے گا۔

۸۔　<u>جناب سلطان العلماء کے آٹھویں (۸) صاحبزادہ:۔</u>

جناب ڈپٹی سید علی اکبر صاحب جناب سلطان العلماءؒ کے آٹھویں فرزند تھے۔ یہ نہایت ذکی الطبع اور وسیع النظر اور صاحب علم و ہنر تھے۔ آپ نے اکثر رسائل تصنیف فرمائے۔

آپ کو علاوہ علوم عربیہ کے قانون انگریزی میں بھی مداخلت تامہ تھی۔ ہمیشہ بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے۔ منصف (جج) کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔ ڈپٹی علی اکبر صاحب کے نام سے مشہور تھے۔

جناب سید علی اکبر صاحب کی اولاد ذکور میں:۔

(الف) جناب سید علی غضنفر صاحب

(ب)　جناب سید ابو جعفر صاحب

(ج)　جناب سید علی مظفر صاحب

---

(۲۵۶) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۶۰

(د) جناب سید علی گوہر صاحب تھے۔

جناب سلطان العلماء کے نویں صاحبزادے:۔

جناب سید محمد علی صاحب سلطان العلماء کے نویں (۹) فرزند تھے۔ جناب ہدایت حسین صاحب طاب ثراہ نے آپ کا تاریخی نام بھی آغا میر لکھا ہے (۲۵۷)۔ اس سے آپ کی تاریخ ولادت ۱۲۵۲ھ معلوم ہوئی۔

سلطان العلماء کے دسویں (۱۰) صاحبزادے اکرم العلماء والاعلام افضل الفقہاء جناب سید علی محمد صاحب۔

آپ کا تفصیلی تذکرہ اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمایئے:۔

جناب سلطان العلماء کے دو فرزندان ارجمند:

ہم لکھ چکے ہیں کہ:۔ جناب سلطان العلماء کو اللہ نے دس فرزند عطا فرمائے تھے جن میں سے چار اور بروایتے پانچ ان کے سامنے ہی رحلت فرما گئے تھے جس کا ذکر "جناب سلطان العلماء کے مصائب" کے عنوان کے تحت آچکا ہے۔ جو فرزند آپ کی رحلت کے بعد بھی زندہ رہے ان میں کی اگرچہ ہر فرد عالم و فاضل تھی مگر دو فرزند جناب ملک العلماء مولانا سید بندہ حسین صاحب طاب ثراہ جو ساتویں (۷) فرزند تھے اور تاج العلماء مولانا سید علی محمد صاحب طاب ثراہ جو دسویں (۱۰) اور سب بھائیوں سے چھوٹے تھے مگر علم و فضل میں یگانۂ روزگار اور عدیم المثال تھے۔ یہاں ہم ان دونوں فرزندانِ ارجمند کا تذکرہ قدرے تفصیل سے لکھیں گے۔

---

(۲۵۷) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۶۰

۱۔ ملک العلماء مولانا سید بندہ حسین صاحب طاب ثراہ ابن سلطان العلماءؒ

سلطان العلماء کی جانشینی کی بحث میں جناب ملک العلماء کے بارے میں جناب نجم العلماء مولانا سید ہدایت حسین صاحب طاب ثراہ کا بیان درج کیا جا چکا ہے۔ وہ مختصر بیان ہم ان کے تفصیلی تذکرہ میں زیرِ نظر رہنے کے لئے یہاں بھی درج کر رہے ہیں۔ یہ تکرار قارئینِ کرام کو بار بار ورق گردانی سے بچانے کے لئے ضروری ہے جس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔

جناب نجم العلماء تحریر فرماتے ہیں:۔

۱) ''ساتویں صاحبزادے جناب سلطان العلماء کے جناب مستطاب معلیٰ القاب صاحب المناقب العلیہ والمحامد السنیہ مروجِ شریعتِ حضرتِ ختم المرسلینؐ موئدِ ملت و دین قدوۃ الفضلاء عمدۃ الکملاء مجتہد العصر وحید الدھر۔۔۔ جناب سید بندہ حسین صاحب اعلی اللہ مقامہ تھے کہ جمیع علومِ عقلیہ و نقلیہ میں اکمل و اعلم تھے۔ چنانچہ اجازۂ سلطان العلماء دلیلِ ساطع اور جواب مسئلہ لندن کا جو چھپ کر شائع ہو چکا ہے جودتِ طبع و حدتِ ذہن پر برہانِ قاطع ہے اور یہ جناب بعدِ سلطان العلماء باتفاق آرائے اکابر خاندان و امرائے عالیشان قائم مقام و جانشین قرار دیے گئے اور خطاب من عند السلطان ملک العلماء عطا ہوا۔ چنانچہ عبارت مہر خطابی یہ تھی:۔(۲۵۸)

''ملک العلماء تاج الاتقیاء افسر المومنین، رئیس المسلمین عرش کلاہ مورد تفضلات بہ عنایات حضرت واجد علی شاہ مجتہد العصر والزماں نائب حبیب ایزد منان مولانا سید بندہ حسین صاحب۔''

آپ شرف حج سے مشرف ہوئے۔ بعد فراغ حج ایسا علیل ہوئے کہ زیارتِ مدینہ منورہ سے فائز نہ ہو سکے اور طرف بلدۂ لکھنؤ کے مراجعت فرمائی اور اسی بیماری میں بعد چند ماہ کے انتقال کیا''۔(۲۵۹)

(۲۵۸) نجم العلماء۔ شجرۂ طیبہ۔ ص۔۶۰

(۲۵۹) نجم العلماء شجرۂ طیبہ۔ ص۔۶۱

زبدۃ العلماء مولانا آغا مہدی صاحب طاب ثراہ فرماتے ہیں:۔

"ملک العلماء مولانا سید بندہ حسین مرحوم و مغفور"

"قبلہ و کعبہ (سلطان العلماء) نے اپنی زندگی میں انتظام جائیداد کے لئے قائم مقام کیا تھا۔ اور وہ سلسلۂ روایت جو خاندانی تھا تحریری اجازہ کے ذریعہ آپ تک پہنچایا۔ (۳۶۰) بادشاہ کی طرف سے آپ کو ملک العلماء کا خطاب حاصل ہوا۔ مہر خطابی کی عبارت پرانے کاغذات میں مجھے اس طرح نظر آئی:۔

(یہاں جناب زبدۃ العلماء نے وہی عبارت تحریر فرمائی ہے جو جناب نجم العلماء نے تحریر فرمائی)۔ دینی خدمات میں ان کی ذات آباء و اجداد کی طرح مصروف رہی۔ درس و تدریس، اقامتِ جماعت اور مسائل دستخط کرنے کے ساتھ قلمی خدمات میں بھی شہرت حاصل کی اور زبانِ اردو کو فروغ دینے میں وہ کامیاب حصہ لیا جو شعراء بھی نہ لے سکے تھے۔ چنانچہ جن مصنفات کا آپ کی خامہ فرسائی میں پتہ چلتا ہے وہ کُل عربی و فارسی کے بجائے اردو تھے۔

(۱) ترجمۂ قرآن بزبانِ اردو معہ حواشی بڑی تقطیع حنائی کاغذ پر چھپا جس میں حقائقِ مذہب اور معارفِ اسلام کو بڑے سلیقہ سے اپنی مادری زبان میں ڈھالا۔ یہ صحیفہ "بی شیریں" ایک متمول خاتون کے سرمائے سے طبع ہوا۔ میرے ابتدائی مطالعہ کے اقتباسات "ذوائب" جلد اول میں موجود ہیں۔ مولانا میر سید علی صاحب قبلہ، آپ کے حقیقی چچا کی تفسیر "توضیح المجید" کے بعد یہ پہلا شاہکار تھا جو اردو میں منظرِ عام پر آیا۔ افسوس ہے کہ رف کاغذ نے اوراق کو عمرِ طبعی سے پہلے بوسیدہ کرنا شروع کیا اور آج کسی کتب خانہ میں یہ ترجمہ نظر نہیں آتا۔ (۳۶۱)

---

(۳۶۰) زبدۃ العلماء۔ تاریخ سلطان العلماء۔ ص۔۱۷۰۔۱۷۱

(۳۶۱) مولانا آغا مہدی صاحب طاب ثراہ "تاریخ سلطان العلماء۔ ص ۱۷۱۔۱۷۰

(۲) قواعد المواریث:

اس موضوع پر مسائلِ میراث سب سے پہلے اردو میں ممتاز العلماء فخر المدرسین لکھ چکے تھے جس کی ایک بنیادی حیثیت تھی۔ آپ نے کافی شرح وسط سے قلم اُٹھایا اور بڑی تقطیع کے سترہ صفحات پر ان دقیق مسائل کو اردو کا جامہ پہنادیا جو میراث سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس داغ بیل کی تتمیم دوسرے ایڈیشن کی شکل میں آپ کی اولاد کے ہاتھ سے ہوئی اور اب قواعد المواریث میں تقریباً میراث کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں جو موجود نہ ہو۔ کتاب طبع ہو چکی ہے۔

گمان ہے کہ "۱۷ صفحات" کی تعداد شاید درست نہ ہو اس لئے کہ جب "شرح وسط" سے قلم اٹھایا اور "اب" "قواعد المواریث" میں تقریباً میراث کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں جو موجود نہ ہو۔" تو کتاب کے صفحات کی تعداد صرف ۱۷ کیسے ہو سکتی ہے۔ غالباً ۱۷۰ صفحات ہوں گے جو کتابت کی غلطی کی نذر ہو گئے ہوں یا ستر صفحات ہوں۔

(۳) "کتاب الخطب"

عربی کا شاہکار ہے جس میں عیدین اور جمعہ کے خطبہ بڑے ادق الفاظ میں موجود ہیں اس عظیم شاہکار کی نقل میرے پاس موجود ہے۔

(۴) مواعظ:

ایک بسیط سلسلہ رشحات افکار کا تھا جو زمانہ کی ناقدری سے یکجا نہیں ہو سکا۔ چند صفحات میرے پاس موجود ہیں جن سے اندازِ گفتگو، اسلوبِ نگارش اور طریقِ استدلال واضح ہوتا ہے۔

کاش جملہ مسائل دستخط کئے ہوئے یکجا ہوتے تو فقہ جعفری کا اردو میں ایک ذخیرہ ہوتا۔ یہ موتی تھے جو تسبیح کے دانوں کی طرح گم ہو گئے۔ (۳۶۲)

---

(۳۶۲) زبدۃ العلماء۔ تاریخ سلطان العلماء، ص ۱۷۱

زبدۃ العلماء مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ نے محض تین کتابوں کا ذکر فرمایا مگر مولانا مرتضی حسین صاحب فاضل اعلی اللہ مقامہ نے چند مزید کتابوں کے نام تحریر فرمائے ہیں جو حسب ذیل ہیں:۔

(۱) تفسیر شیریں (اردو) مطبوعہ لکھنؤ۔ (۲) رسالہ مختصرہ در طعام اہل کتاب۔

(۳) فتاویٰ۔ کئی مجلدات (۴) رسالۃ الخلیلیہ۔ (۵) تحفۃ السالکین مقطوع الید۔

(۶) السراط السوی (۷) نہج السواد۔

ان کے علاوہ جناب آل محمد بلگرامی نے ملک العلماء نیز جناب سید ابراہیم صاحب اور جناب میر آغا صاحب کے ایک ہزار دو سو اڑتیس (۱۲۳۸) فتوے "ظہیر المومنین" کے نام سے جمع کئے۔ یہ کتاب اردو میں چھپ چکی ہے۔ نظر بہ تحفظ آثار قدیمہ۔ ایک نکاح نامہ بعض اعیانِ لکھنؤ کا درج ذیل ہے۔ جس سے معلوم ہوگا کہ حضرت ملک العلماء جناب رضواں مآب (سلطان العلماء) کی حیات ہی میں خدماتِ دین اور فرائضِ منصبی میں مصروف تھے۔ (۲۶۳)

نکاح نامہ فارسی میں ہے اور بخوفِ اختصار ہم یہاں درج نہیں کر رہے ہیں۔

جناب نجم العلماء نے جناب ملک العلماء کے تصانیف کا ذکر نہیں فرمایا ہے۔

اولاد جناب ملک العلماء:

(۱) جناب ملک العلماء کی اولاد میں چار صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں:۔

سب سے بڑے فرزند جناب فضائل مآب حاوی فروع واصول جامع معقول ومنقول مرجع انام مروج شریعت حضرت خیر الانام جناب سید محمد حسین صاحب المعروف جناب سید علن صاحب تھے جن کا لقب "بحر العلوم" تھا۔ علاوہ شہرۂ علم وکمال کے ذاکری کو آپ نے نیا رنگ و

(۲۶۳) مولانا مرتضی حسین صاحب فاضل اعلی اللہ مقامہ۔ "مطلع انوار"۔ ص۔ ۴۰

آہنگ دیا تھا جو بہت مقبول ہوا اور طرزِ ذاکری میں اس سے تبدیلی آئی۔ ان کے بیان سے جودتِ طبع حدت ذہن اور وسعتِ نظر عیاں ہوتی تھی اور خواص وعوام سب ان کے مداح تھے۔

آپ اپنے بھائی ملاذ العلماء سید ابوالحسن صاحب عرف بچھن صاحب قبلہ کی رحلت کے بعد اپنے پدرِ بزرگوار حضرت ملک العلماء کی مسندِ شریعت پر رونق افروز ہوئے۔

مولوی علن صاحب قبلہ طاب ثراہ کو علم طب میں بھی کمال حاصل تھا۔ زیاراتِ عتباتِ عالیات کے شرف سے بھی مشرف ہو چکے تھے، اکثر رسائل بھی تصنیف فرمائے تھے۔

(۲) <u>ملک العلماء کے دوسرے صاحبزادے:</u>

جناب فضائل مآب مستغنی عن الالقاب صاحب ملکات قدسیہ جامع علوم عقلیہ ونقلیہ جناب مولانا سید ابوالحسن صاحب المعروف بہ سید بچھن صاحب قبلہ طاب ثراہ تھے۔ یہ بھی مجتہد العصر اور وحیدِ دہر تھے۔ اور اپنے والدِ بزرگوار کے قائم مقام و جانشین ہوئے تھے۔ خطاب عند السلطان ملاذ العلماء اور ملکہ برطانیہ کی طرف سے شمس العلماء عطا ہوا تھا۔

آپ عینِ شباب میں مرض وبائی میں مبتلا ہوئے اور ۱۷ صفر ۱۳؟؟ ہجری میں انتقال فرمایا۔ جناب نجم العلماء کی تحریر میں سنہ ہجری کے پورے اعداد نہیں درج ہیں صرف ۱۳ ہجری لکھا ہوا ہے۔

(۳) <u>ملک العلماء کے تیسرے صاحبزادہ</u>

سید محمد مسیح عرف نواب صاحب تیسرے صاحبزادے تھے۔

(۴) ملک العلماء کے چوتھے صاحبزادے مولوی سید رضا حسین صاحب تھے جو مرتبہ پیش نمازی پر فائز ہوئے۔

جناب ملک العلماء کی رحلت

جناب ملک العلماء مولانا سید بندہ حسین صاحب طاب ثراہ نے ۲۹ رجمادی الآخر ۱۲۹۴ھ کو اس دار فانی سے سوئے عالم جاودانی رحلت فرمائی۔ (۲۶۳)

مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ طاب ثراہ فرماتے ہیں:۔

''ذیل میں جو قطعہ تاریخ نقل کر رہا ہوں وہ بزبانِ غیر ان کے کمالات اور خدمات کی تصویر ہے۔

قطعۂ تاریخ نتیجۂ فکر سید محمد ہاشم انصاری

عالی جناب مجتہد العصر والزماں
پرہیز گار و زاہد و ابرار و متقی
فخر ـــــ حضرت بندۂ حسین
آنکہ ذاتش نمود پنجہ دینِ مبیں قوی
طبعش کہ بود صیقلِ آئینۂ علوم
کرد(او) بدہر صورت دین نبیؐ جلی
بودہ رواج شرع بدورانش انچناں
(معتوب) در جہاں شدہ ہر ناصب و شقی
فرمودہ تازہ باغ حدیث و اصولِ فقہ
ذاتش کی شد بہ جملہ کمالات ـــــ؟

(۲۶۳) زبدۃ العلماء ''تاریخ سلطان العلماء۔ ص۔۱۷۳

۲۔ جناب تاج العلماء مولانا سید علی محمد صاحب قبلہ طاب ثراہ ابن سلطان العلماءؒ

جناب تاج العلماءؒ حضرت سلطان العلماء کے سب سے چھوٹے مگر سب سے زیادہ جلیل القدر مجتہد وفقیہ فرزند ہوئے۔ آپ کو ''تاج العلماء'' کا خطاب اودھ کے معزول بادشاہ واجد علی شاہ نے مٹیا برج کے قیام کے دوران دیا تھا۔ شاہانِ اودھ خاندانِ اجتہاد کے علماء و مجتہدین کے سب سے زیادہ قدر دان تھے۔

تاریخ ولادت باسعادت:

جناب تاج العلماء کی تاریخِ ولادت نہ جناب نجم العلماءؒ نے لکھی نہ جناب زبدۃ العلماءؒ نے۔ جناب مرتضیٰ حسین صاحب فاضل مرحوم نے ''مطلع انوار'' میں شوال ۱۲۶۲ھ لکھی ہے۔ ''تکملۂ نجوم السماء'' میں جمعہ شوال ۱۲۶۴ھ لکھی ہے۔

میر بادشاہ علی لقا نے مندرجہ ذیل شعر کے مصرع ثانی سے تاریخ نکالی:۔

ہاتف این از رہ بشارت گفت : ''خلق شد نایب امامِ امم''

اس مصرع تاریخ سے نہ ۱۲۶۲ھ نہ ۱۲۶۴ھ بلکہ ۱۲۶۰ھ کا استخراج ہوتا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر موصوف نے صنعتِ تعمیہ تدخلہ سے دو (۲) عدد کا اضافہ کیا ہے مگر یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ انہوں نے مصرع اولیٰ میں ''از رہِ بشارت'' کی جگہ ''از روئے بشارت'' کہا ہو۔ اس سے تعمیہ تدخلہ کا اشارہ ملتا ہے کہ ''بشارت'' کے ''ب'' کے دو عدد مصرع تاریخ میں داخل کیے گئے ہیں۔ یقیناً مصرع اسی طرح ہوگا اور کتابت کی غلطی یا کاتب کی اصلاح سے ''از روئے بشارت'' کی جگہ ''از رہِ بشارت'' لکھا گیا ہوگا۔

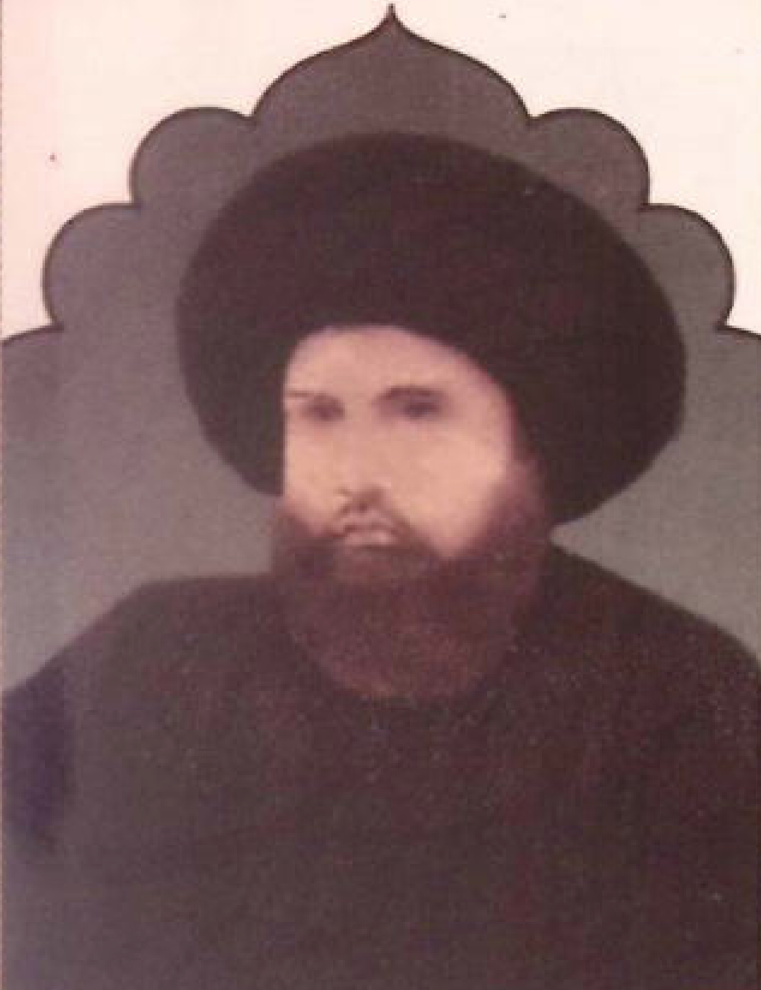
ہمارے اس نقطۂ نظر کے مطابق ''مطلعِ انوار'' کی تاریخ درست ہوگی اور ''تکملۂ نجوم السماء'' کی تاریخ غلط ہوگی۔ مگر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ''تکملہ نجوم السماء'' جناب تاج العلماء کے زمانہ سے نزدیک تر ہے جبکہ ''مطلع انوار'' نہ صرف یہ کہ بہت بعد کی تالیف ہے بلکہ نجوم السماء،



اکرم العلماء والاعلام افضل الفقہاء والفخام

اجتہاد مآب تاج العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ حضرت سید علی محمد صاحب قبلہ

خلف الرشید حضرت سلطان العلماء



اکرم العلماء والاعلام افضل الفقہاء والفخام

اجتہاد مآب تاج العلماء آیۃ اللہ العظمٰی حضرت سید علی محمد صاحب قبلہ

خلف الرشید حضرت سلطان العلماء

تکملۂ نجوم السماء، تاریخ العلماء اور تذکرۂ بے بہا وغیرہ صاحب "مطلع انوار" کے ماخذ ہیں تو پھر تردد ہوتا ہے کہ کس تاریخ کو صحیح تسلیم کیا جائے۔ بہر حال مصرع تاریخ میں تعمیۂ تدخلہ کے پیشِ نظر ۱۲۶۳ھ ہی صحیح تاریخ ولادت ہو سکتی ہے۔

جناب نجم العلماء مولانا سید ہدایت حسین صاحب طاب ثراہ نے جناب تاج العلماء کا تعارف ان لفظوں میں کروایا ہے:۔

"جناب اجتہاد مآب مستغنی عن الالقاب ذوالملکات الملکیہ والمقاماتِ القدسیہ اکرم العلماء الاعلام افضل الفقہاء الفخام السید السند الاوحد جناب سید علی محمد۔" (۲۶۵)

جناب تاج العلماء کی تعلیم وتدریس:

جناب زبدۃ العلماء مولانا آغا مہدی صاحب طاب ثراہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل اپنے پدر شفیق (جناب سلطان العلماءؒ) کی بارگاہ سے کی۔ اجازہ حاصل ہونے سے پہلے جناب رضواں مآب کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ خاندانی سلسلۂ روایت حاصل کرنے کے لئے جناب مفتی محمد عباس صاحب طاب ثراہ سے ان کی بعض تالیفات پڑھ کر اجازہ حاصل کیا جو ایک رسالہ کی صورت میں بسیط تحریر ہے۔ عراق میں حجۃ الاسلام مرزا علی نقی حائریؒ اور آقائی شیخ زین العابدین مازندرانیؒ کے درس میں شرکت کی۔
علم وعمل کے لحاظ سے عظیم الشان شخصیت اور بحر العلوم کہے جانے کے مستحق تھے۔ عبرانی زبان کے بھی ماہر تھے۔" (۲۶۶)

صاحب "مطلع انوار" کے مطابق والد علام اور معاصر اکابر علماء سے علومِ دین حاصل

---

(۲۶۵) نجم العلماء مولانا ہدایت حسین صاحب طاب ثراہ۔ شجرۂ طیبہ۔ ص۔۶۳

(۲۶۶) ریاضی جنتری ۱۹۲۹ء۔ ص۔۴۱

کئے۔ یہود و نصاریٰ کی رد کے لئے عبرانی زبان بھی سیکھی۔ جناب سلطان العلماء کی وفات کے بعد آپ عراق تشریف لے گئے۔ اس وقت آیۃ اللہ شیخ زین العابدین مازندرانی آیۃ اللہ سید محمد ترک، آیۃ اللہ ملا محمد حسین اردکانی، آیۃ اللہ حسین شہرستانی، آقائی آیۃ اللہ سید علی طباطبائی وغیرہم نے ۱۲۸۵ھ میں پندرہ (۱۵) اجازے عطا کئے۔ ہمارے خیال میں کسی بھی دوسرے شخص کو اتنی بڑی تعداد میں اجازے حاصل نہیں ہوئے ہوں گے۔

جناب تاج العلماء نے عراق میں صرف ایک رات میں ایک استدلالی رسالہ لکھ کر علمائے عراق کے سامنے امتحان دیا تھا۔ یہ بھی ایک انتہائی غیر معمولی کارنامہ تھا۔

کچھ عرصہ کے بعد آپ حج و زیارات کے لئے دوبارہ گئے۔ اس سفر میں وہاں کے اکابر علماء سے دوبارہ ملاقات کی۔ (۲۶۷)

اجتہاد:۔

تاج العلماء واقعی تاج العلماء تھے۔ ان کی حیثیت مجتہد اعظم کی تھی اور اجتہاد ان کی ذات پر ختم ہو گیا تھا۔ آپ کی مہر کا نقش "علی مع الحق والحق مع علی" تھا۔ آپ نے قول و عمل سے سفر و حضر میں جتنی خدمات انجام دیں، اس کا موقع ان کے معاصرین کو نہیں ملا۔ انہوں نے اپنی عالی دماغی سے ایسے ایسے مشکل مسائل حل کئے جنہوں نے مملکتِ علم میں ان کا ڈنکا بجا دیا۔ پٹنہ اور جونپور میں تبلیغی خدمات بہت اہم تھیں۔ آپ نے عارضی قیام میں جونپور کو مرکز تشیع بنا دیا تھا۔

تاج العلماء تحقیق، مناظرہ کے فن اور حاضر جوابی میں بے مثل تھے۔ ایک دفعہ حیدرآباد دکن میں حسام الاسلام سید نثار حسین صاحب سے شیخ محمد علی شمسی کا مناظرہ ہوا۔ دکن والوں نے علمائے لکھنؤ سے جواب مانگے اور وہ جواب نجف و کربلا بھیجے گئے۔ وہاں کے علماء نے جناب تاج العلماء سید علی محمد صاحب قبلہ کی بہت تعریف لکھی۔

---

(۲۶۷) زبدۃ العلماء۔ تاریخ سلطان العلماء۔ ص۔۱۷۴

مناظروں میں لطائف اور برجستہ جوابات:

تاج العلماء مزاج کی شگفتگی کے ساتھ ساتھ بہترین مناظرانہ صلاحیتوں اور چھوٹے چھوٹے لطیف جملوں سے بڑے بڑے اعتراضات کو رد کر دینے کی مہارت میں اپنے پدر بزرگوار جناب سلطان العلماء کے ہم مزاج تھے۔ ان کو یہ صلاحیتیں اپنے والدِ گرامی سے ورثہ میں ملی تھیں جن پر ان کی اعلیٰ علمی منزلت نے اور جلا کر دی تھی۔ آپ کے چند برجستہ اور لطیف جوابات اور خاموش کن مباحثات میں سے چند واقعات ہم "تذکرۂ بے بہا" سے اپنے لفظوں میں نقل کر رہے ہیں۔

(۱) ایک کتے کے مالک انگریز سے گفتگو:

ایک دن تاج العلماءؒ ریل سے سفر کر رہے تھے۔ راستہ میں ایک انگریز بھی سوار ہوا جس کے ساتھ کتا بھی تھا۔ اُس وقت فرسٹ یا سیکنڈ کلاس میں بہت کم لوگ سفر کرتے تھے۔ آپ والے ڈبہ میں بھی دو تین ہی افراد تھے۔ یہ انگریز صاحب تاج العلماء کے سامنے ہی کی جگہ پر بیٹھے، آپ کو دیکھ کر شوخی پر اتر آئے اور کتے سے کھیلنے لگے۔ آپ اس کتے کی اچھل کود سے پریشان ہو رہے تھے۔ آخر وہ جب خوب کھیلتے کھیلتے تھک گیا تو کتے کو گود میں بٹھا لیا۔ اب تاج العلماء اس سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ آپ جیسے نفیس مزاج شخص سے یہ بعید ہے کہ کتے کو اس طرح ساتھ رکھیں۔ اس نے کہا کہ حفاظت کے خیال سے رکھتے ہیں اس لئے کہ جہاں کتا ہوتا ہے وہاں فرشتے نہیں آتے تو ملک الموت بھی نہیں آئیں گے پھر ہماری روح کون قبض کرے گا۔ آپ نے فرمایا کیا کتے نہیں مرتے۔ اس نے کہا مرتے تو ہیں۔ آپ نے فرمایا جو کتوں کی روح قبض کرتا ہے وہی تمھاری روح بھی قبض کرے گا۔ وہ صاحب بہادر اس مسکت جواب کے بعد کچھ نہ کہہ سکے۔

تاج العلماء عیسائیوں سے بکثرت مناظرے فرماتے تھے۔ عیسائی پادری آپ کی علمیت اور حسنِ اخلاق کے معترف تھے۔ ایک مرتبہ آپ علیل ہوئے۔ ایک پادری فادر فکس

عیادت کو آئے اور مزاج پرسی کے ساتھ ہی کہا "اگر آپ خدا کے بیٹے پر ایمان لے آئیں تو سب بیماریوں سے نجات پا جائیں۔ تاج العلماء نے فرمایا کہ اگر ایسا ہوتا تو آپ لوگ نہ بیمار ہوتے نہ مرتے۔ پھر ان سے کہا کہ جب ہم نے باپ (خدا) کا ساتھ اختیار کر لیا تو "بیٹے" (حضرت عیسیٰ) کے ہاتھ میں ہاتھ کس منہ سے دیں۔

۳۔ اس زمانہ میں عیسائیوں کی تبلیغ شباب پر تھی اور اسلام کے خلاف زبردست پروپیگنڈا کیا جا رہا تھا کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا ہے۔ کم فہم مسلمان اس پروپیگنڈہ سے مرعوب ہو رہے تھے اور اہلِ علم اس سے صرفِ نظر کرنے ہی میں عافیت سمجھتے تھے۔

ایک دن پادری "منگی صاحب" تاج العلماء سے ملنے کے لئے آئے۔ باتوں باتوں میں پادری صاحب نے کہا اسلام میں یہ بہت بے انصافی ہے کہ لوگوں کو جبراً مسلمان کر لیتے ہیں۔ چنانچہ جہاد کو فرض سمجھتے ہیں حالانکہ عقل اسے ناروا جانتی ہے۔ جناب تاج العلماء اس بات کو ٹال گئے اور ادھر ادھر کی باتیں کرتے کرتے ہندوؤں کی "ستی" کی رسم پر آ گئے۔ انگریز بڑا فخر کرتے تھے کہ یہ منحوس رسم انہوں نے ختم کی۔ پادری صاحب نے کہا کہ اب یہ نامعقول رواج ختم ہو گیا ہے۔ حکامِ وقت نے اس پر بڑی سخت سزائیں دی ہیں۔ تاج العلماء نے فرمایا، دنیا کا ستی ہونا تو آپ کو ایسا ناگوار ہوا کہ آپ نے حاکمانہ اور جابرانہ دخل دیا۔ اب آپ ہی سوچیئے کہ آنحضرتؐ ہمیشہ کے لئے کفار کا ستی ہونا کیسے گوارا کر لیتے اور کیوں نہ حاکمانہ انداز میں ان کو روکتے۔ پادری صاحب لاجواب ہو گئے۔

دہریت، عیسائیت اور یہودیت کے اعتراضات کے جوابات اور ان کی کتابوں پر مہارت کے ساتھ آپ کی دسترس آپ ہی پر ختم تھی۔ صحفِ سماویہ کے حافظ اور اسلام کے عظیم محافظ تھے۔ میدانِ مناظرہ میں آپ ایک زبردست متکلم کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کی زبان مخالفین کے مقابلے میں کبھی رکی نہیں۔ عیسائیوں اور دہریوں کے مقابلہ میں آپ کے مناظرے یادگار

ہیں جن میں آپ نے مخالفین کو ہمیشہ شکستِ فاش دی۔ صاحب "ریاضی جنتری" کا کہنا ہے کہ "شمشیرِ قلم اور سیف لسان ان دو تلواروں سے آپ نے کفر و شرک کی بستیاں اجاڑ کر مبدءِ فیاض سے "الضارب فی السیفین کا خطاب لینا چاہا" ۔آپ کے صدہا مناظرے اور احتجاج آپ کی تصانیف میں موجود ہیں۔ (۳۶۸)

مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ کا ارشاد ہے کہ "احتجاجِ علوی" آپ کے مناظروں اور مخالفین سے سوال و جواب کا مکمل ذخیرہ ہے جو زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوا۔" (۳۶۹)

اردو زبان کی خدمت:

یوں تو خاندانِ اجتہاد میں اردو زبان کی خدمت اور سرپرستی کا آغاز سید المفسرین مولانا سید علی صاحب قبلہ طاب ثراہ خلف الرشید حضرت غفرانمآبؒ نے اردو زبان میں قرآن مجید کی تفسیر لکھ کر شاندار طریقہ سے کر دیا تھا۔ ان کے بعد جناب ملک العلماء اور تاج العلماء نے اردو زبان کے فروغ میں انتہائی اہم عملی حصہ لیا۔ تاج العلماءؒ نے محسوس کر لیا تھا کہ مواعظ کو آسان اور سلیس زبان میں پیش کرنا بہت ضروری تھا تا کہ لوگ آسانی سے اور اچھی طرح سمجھ سکیں۔ اپنے برادرِ بزرگ جناب ملک العلماءؒ کے ترجمۂ قرآن کے بعد تاج العلماء نے بھی قرآن مجید کا ترجمہ اردو میں کیا اور بقول زبدۃ العلماءؒ اس ترجمہ کی نظیر آج تک پیدا نہ ہو سکی۔ آپ اپنی کتابوں کے نام بھی اردو میں رکھتے تھے، جیسے "چودھویں رات کا چاند" "صبح کا تارہ" اور "کلنک کا ٹیکہ" وغیرہ۔

وعظ:

تحریر کے علاوہ وعظ و تقریر میں بھی آپ آسان اردو الفاظ استعمال فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ وعظ کو دلچسپ بنانے پر بھی توجہ دی۔ کبھی اردو کی کسی ضرب المثل سے دلچسپی پیدا کر دی۔ کبھی پھبتیاں بھی کسیں۔ آپ کی تقریر میں وہ تمام دلچسپیاں ہوتی تھیں جن کو سامعین کے دل

---

(۳۶۸) ریاض جنتری ۱۹۲۹ء ۔ص۔۴۱

(۳۶۹) مولانا آغا مہدی صاحب طاب ثراہ۔ تاریخ سلطان العلماءؒ۔ص۔۱۷۵

ڈھونڈتے تھے اور اشتیاق سماعت منتظر رہتا تھا۔ سننے والے گوشِ دل سے سن کر لوحِ دل پر نقش کر لیتے تھے۔ صاحب "ریاضی جنتری" کے مطابق اس رنگ کے موجد آپ ہی تھے اور فی زمانہ دنیا جتنی بھی ترقی کرے وہ آپ کا اتباع ہے۔" (۲۷۰)

خراج تحسین

صاحب "مطلع انوار" تحریر فرماتے ہیں:۔

ا۔ "فقہ واصول اس گھر کا موروثی علم اور حدیث وتفسیر میں کمال نا قابلِ تعجب امر تھا، لیکن فلسفہ وحکمت اور مناظرہ میں جو یدِ طولیٰ آپ نے حاصل کیا، اس کی نظیر مشکل سے کسی اور کی سوانح عمری میں ملے گی۔ شبہات پیدا کر کے اعتراضات کا ایجاد کرنا اور پھر ان کو دفع کرنا آپ کی طبیعت ثانیہ تھی۔ چنانچہ جس قدر نصرت دین آپ نے فرمائی ہے اور جس جس طرح سے دہریوں اور عیسائیوں کو جواب دیکر اسلام کو سرخرو کیا ہے یا عزاداری کی ترویج میں مذہب کی قلمی امداد فرمائی ہے وہ آپ کے مختصات سے ہے۔" (۲۷۱)

اس حوالہ سے مولانا آغا مہدی صاحب فرماتے ہیں:۔ "ان کے ملفوظات اور کلمات طیبہ پڑھنے سے بالغ نظر اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ دہریت کی رو میں جن شبہات کے جواب دیئے گئے ہیں وہ آج کل کی پیداوار ہے۔ عیسائیوں سے مناظرے اور نواصب سے چھیڑ چھاڑ ان کی حکمت افروز اور علم نواز زندگی کے اہم باب ہیں"۔

مفتی میر محمد عباس طاب ثراہ کا ارشاد ہے:

"وہ (تاج العلماء) سب سے زیادہ اولاد میں سلطان العلماء کو محبوب تھے۔ ان سے سب سے زیادہ مشابہ بھی تھے اور بھائیوں پر سب سے زیادہ شفیق اور سب کی نسبت مجھ سے زیادہ خصوصیت رکھتے تھے اور میری طرف سب سے زیادہ مائل تھے۔ شہرِ علم وحکمت کے انوار سے اقتباس کرنے والے اور آثار اہلبیتِ عصمت وطہارت کے ترویج دینے والے۔ اپنے زمانہ میں واحد و یکتا۔

---

(۲۷۰) ریاض جنتری ۱۹۲۹ء۔ ص۔ ۳۱ / تاریخ سلطان العلماء۔ ص۔ ۱۷۵

(۲۷۱) مولانا مرتضیٰ حسین صاحب فاضل لکھنوی۔ "مطلع انوار" زبدۃ العلماء۔ تاریخ سلطان العلماء۔ ص۔ ۱۷۵

قرآن مجید میں خوف کی آیات پڑھتے وقت رونے والے اور رحمت و غفران کی آیتوں کو سن کر میدان رجاء میں قدم رکھنے والے حکیموں کے سردار۔"

(۳) مولف "سبیکۃ الذہب" اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:۔(ترجمہ)

"بیشک وہ جناب مجد و کمال کے دوست، تالیف و تصنیف میں بلند مرتبہ اور موقفِ تحریر میں کامل الرائے تھے۔ قریوں اور شہروں میں بندوں کے لئے ہدایت اور آخرت کا ذخیرہ تھے۔ آنجناب کے متعدد تالیفات اور بہترین مختصر رسالہ میں آپ نے حدودِ کوشش و اجتہاد کو طے کیا یہاں تک کے سب سے بہتر شہر میں داخل ہوئے اور خانۂ خدا کا طواف اور مدینہ و بقیع میں جو بڑی جگہیں ہیں، ان کی زیارت کی اور ائمہ معصومین کے مشاہد کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا۔" (۲۷۲)

سیرت مبارکہ کا ایک رخ:

زبدۃ العلماء فرماتے ہیں کہ خدمتِ خلق کا جذبہ ان کے رگ و پے میں تھا۔ لکھنؤ میں جب قیام کرتے تو وزیر گنج میں مکان مسکونہ تھا اور کوٹھے پر تشریف رکھتے تھے۔ طلباء اور مستفیض تحصیل علم و استفسار مسائل میں حاضر رہتے تھے۔ دفعتاً آپ نیچے تشریف لے آئے اور جب سبب پوچھا تو فرمایا کہ آنے والوں کو کوٹھے پر چڑھنے میں تکلیف اور مجھ تک پہنچنے میں دیر ہوتی ہے، اس لئے نیچے قیام کیا۔

فیل پا کا مرض آپ کو آخر حیات تک رہا اور بیماری کی سختیاں خندہ پیشانی سے اٹھاتے رہے۔ (۲۷۳)

تاج العلماء کی رحلت:

یہ آفتابِ فضل و کمال دنیائے علم و اجتہاد کو اپنی تابانی، درخشانی اور ضوفشانی سے منور کرتا ہوا اور اپنے سفرِ حیات کی منزلیں طے کرتا ہوا بالآخر چار (۴) ربیع الثانی ۱۳۱۲ھ کو اپنے جدی امام باڑہ "امام باڑہ غفرانمآب" کی ایک قبر میں بروز جمعہ غروب ہو گیا۔ ملک الشعراء عباس حسن فصاحت نے قطعہ تاریخ وفات میں خراجِ عقیدت یوں پیش کیا:۔

---

(۲۷۲) سبیکۃ الذہب (بحوالہ ریاض جنتری) ۱۹۲۹ء۔ ص۔۳۹

(۲۷۳) زبدۃ العلماء "تاریخ سلطان العلماء" ۔ ص۔۱۷۵

آہ از مرگ قبلہ و کعبہ ہمہ ہستند دل ملول و حزیں
عالمِ باعمل، فقیہہ و ادیب ناصرِ ملت و مُروجِ دیں
اسم سید علی محمد بود ذی شرف اہلِ علم باتمکیں
چارمی از ربیع آخر بود رفت پیشِ نبیؐ بخلدِ بریں
گشت مدفوں بجمعہ وقتِ غروب شد نہاں آفتاب زیرِ زمیں
کن نہادیم سربزانوئے فکر ہاتفِ غیب گفت بہرِ سنین

اے فصاحت بہ بنیات و زبر
کن رقم، اوفتاد رکن دیں (۲۷۴)
۱۳۱۲ھ

جناب تاج العلماء کی تصانیف وتالیفات:

جناب تاج العلماء کثیر التصانیف تھے جیسا کہ لکھا جا چکا ہے، جناب مولوی سید رضا محمد نقوی رضا جائسی نے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ جناب تاج العلماء کی تصانیف میں چھ سو اٹھارہ (۶۱۸) کتب ورسائل شامل ہیں (۲۷۵)

دیگر تذکرہ نگاروں نے تصانیف کی کم سے کم تعداد تین سو (۳۰۰) لکھی ہے۔ ان کی تصانیف وتالیفات علم وہدایت کے ایسے روشن چراغ ہیں جنہوں نے جہل وباطل کے اندھیروں کو دور کر دیا اور طالبانِ حق کو صراطِ مستقیم کا راستہ واضح کر کے دکھا دیا۔

ہم یہاں حضرت تاج العلماء کی ان تصانیف وتالیفات کی فہرست پیش کر رہے ہیں جو مختلف مصادر سے دستیاب ہو سکیں۔ ملاحظہ ہو:۔

---

(۲۷۴) زبدۃ العلماء۔ تاریخ سلطان العلماء۔ ص۔ ۱۷۶

(۲۷۵) مولوی سید رضا محمد نقوی رضا جائسی۔ "خاندان اجتہاد کی علمی وادبی خدمات"

۱ احسن القصص "تفسیر سورۂ یوسف" مطبوعہ
۲ "ایقاظ الراقدین"
۳ ارشاد اللبیب ۔ شرح تہذیب ۔ نحو
۴ انوار الانظار ۔ شرح سورۂ نور
۵ اجوبہ تحفۃ الاحباب
۶ احتجاج علوی
۷ ارشاد الصائمین
۸ اذانیہ
۹ تحقیق عجیب فی عدم ضمان الطبیب
۱۰ تعلیقۂ نتائج الافکار
۱۱ تعلیقۂ زبدۃ الاصول
۱۲ ترجمۂ قرآن مجید☆
۱۳ تنبیہ الاطفال
۱۴ ترجمہ دعائے عدلیہ
۱۵ تنقید جدید
۱۶ ترجمۂ رسالۂ خطاب فاصل
۱۷ تدقیق وتحقیق (تقیہ)
۱۸ تصدیق واصدق ۔ (منطق)
۱۹ ترجمۃ الصلوٰۃ
۲۰ تحفۃ الواعظین
۲۱ جوہرۂ عزیزہ شرح وجیزہ
۲۲ جواب مسئلہ ہندیہ مشتمل بر نجاست اہل کتاب
۲۳ حجۃ اللہ الواقیہ
۲۴ جوہر فرد (عربی)
۲۵ چودھویں رات کا چاند
۲۶ حواشی قرآن (رد سرسید احمد خان)
۲۷ خطاب فاصل
۲۸ خلق عظیم (عربی)
۲۹ خلاصۃ الدعوات
۳۰ خلق محمدی
۳۱ خلق حسنی
۳۲ خدائی راہ کا سودا
۳۳ خلاصۂ دعائے سمات
۳۴ دُرِّ ثمین
۳۵ دُرِّ بے بہا
۳۶ رسالۂ جہادیہ (اردو)

☆ اس ترجمہ کو جناب ناصر الملت طاب ثراہ نے یوں داد دی ہے کہ یہی وہ ترجمہ ہے جو تمام تفاسیر اہلبیت کا جامع ہے۔

۳۷ رسالۂ مہدیہ (اردو)
۳۸ رسالۂ تحیہ
۳۹ رسالہ در دفع ایراداتِ شرح دعائے صباح
۴۰ رحیقِ مختوم در واقعہ غدیر
۴۱ رسالہ در علم اخلاق
۴۲ رسالۂ سمِ یہودیہ
۴۳ رسالہ در رد مولوی عنایت علی
۴۴ رسالۂ جمعہ
۴۵ رسالہ در علمِ تجوید
۴۶ زادِ قلیل
۴۷ زبدۃ الحساب
۴۸ زعفران زار
۴۹ سلسلۃ الذہب۔ شرح کبیر رسالۂ وجیزہ
۵۰ سوانح عمری (فارسی)
۵۱ ساقیہ معروف بہ تہذیب الصرف
۵۲ شرح زبدہ مقدس اردبیلیؒ
۵۳ شرح صغیرہ وجیزہ
۵۴ شرح حدیث عقل
۵۵ شرح الشرح قاضی مبارک
۵۶ شرح اخلاق ناصری ☆
۵۷ صولۃ علویہ للنحب عن الملۃ المحمدیہ (فارسی)
۵۸ ضربۂ علویہ (رد نیچری)
۵۹ طیبہ متن لطیف (عربی)
۶۰ طریق اثنا عشری
۶۱ طرائف الطرائف
۶۲ عماد الاجتہاد۔ شرح تبصرۃ المتعلمین (تین (۳) مجلدات)
۶۳ عدیم المثال در جوازِ تصویر کشی
۶۴ علالۂ رائعہ
۶۵ عروضیہ
۶۶ عماد الدین و فلاح المومنین (رد نصاریٰ)
۶۷ غیث اللہ المدرار
۶۸ فرائض الفوائد
۶۹ فصل الخطاب در حلّیتِ شرب قلیان
۷۰ فتاویٰ علویہ
۷۱ قولِ فیصل۔ مناظرہ مسئلہ قلیان
۷۲ قاسمیہ در جواز استماع روایت عروسی قاسم

☆ (کراچی یونیورسٹی میں اصل نسخہ موجود ہے (مولانا آغا مہدی صاحبؒ)

۷۳ قیدِ مکرر
۷۴ قال اقول رد اہلسنت
۷۵ کتاب جلد اول در علم رجال
۷۶ کلنک کا ٹیکہ شرح خطبہ شقشقیہ
۷۷ کتاب القصاص
۷۸ گوہرِ شب چراغ
۷۹ لحنِ داؤدی
۸۰ مقامات علیہ فی المنامات العلویہ
۸۱ مواعظ حسنہ
۸۲ منطقیہ
۸۳ معرکہ آراء
۸۴ موعظہ اکبر پور
۸۵ موعظہ عظیم آباد۔ شرح زیارت ناحیہ
۸۶ ما السبب
۸۷ مسئلہ ربانیہ
۸۸ مثنوی غزہ
۸۹ موعظۂ جوادیہ
۹۰ موعظۂ یونیہ
۹۱ متنِ متین
۹۲ نصر المومنین
۹۳ نور کا تڑکا
۹۴ وقایۃ الزمار
۹۵ ہزار مسئلہ شرح الفیہ (از عبائر الانوار)
۹۶ نغمہ طنبوری۔ ایک پادری سے مناظرہ
۹۷ ابشارۃ العلویہ

مندرجہ بالا اور دیگر کتب کے علاوہ جناب تاج العلماء نے کثرت سے دوسرے اہلِ علم، تلامذہ اور معاصرین کی کتابوں پر تقریظیں بھی تحریر فرمائیں۔ ایسی چند کتابوں کے نام جو جناب زبدۃ العلماء کے مطالعہ میں آئیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) منہج الوصول فی علم الاصول۔ از مولوی علی حسین مرحوم طبع ۱۳۰۲ھ اثنا عشری پریس لکھنؤ
(۲) الدوحۃ الطوبیٰ مولوی علی حسین صاحب مرحوم کی دوسری کتاب (عربی منظوم) مطبع

بستانِ مرتضوی۔ لکھنؤ۔

(۳) نخبۃ الاخبار۔ از مولوی سید ظفر مہدی جرولی۔ طبع ۱۸۹۸ء

(۴) قولِ مختوم از مولوی کرار علی صاحب

(۵) نہر المصائب از اخوند مرزا ہاشم علی مرحوم۔ طبع نول کشور۔ دوم ایڈیشن

(۶) عین الیقین

(۷) اعلان الہدیٰ ردِ اسرار الہدیٰ از شیخ احمد دیوبندی۔ طبع ۱۳۱۱ھ اثنا عشری پریس لکھنؤ

(۸) کتاب العجیب فی اخبار سید الذبیح شفاءالدولہ فیض آبادی۔ طبع ۱۳۹۱ھ اثنا عشری پریس لکھنؤ

(۹) جامع النوائب۔ مصنفہٗ شفاءالدولہ۔ ضخامت پانچ سوسات (۵۰۷) صفحات۔ طبع ۱۹۰۸ء بسیط تقریظ اور براعۃ استہلال اور ادب عرب کا اعلیٰ نمونہ (زبدۃ العلماء)

(۱۰) زین المتقین از مولوی سید محمد تقی سرسوی

(۱۱) ریاض العباد۔ مولفہٗ علامہ ہندی سید احمد صاحب قبلہ جو ۱۳۶۰ھ میں طبع ہوئی۔ (۲۷۶)

تلامذۂ جناب تاج العلماء:

جناب مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ فرماتے ہیں کہ تلامذہ میں اہم نام مسٹر ہارڈے کا ہے جنہوں نے آپ سے عربی پڑھی تھی اور جوڈیشل کمشنر ہوئے۔ (۲۷۷)

دوسرے منابع و مصادر میں آپ کے تلامذہ کے حسب ذیل نام ملتے ہیں۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد کثیر تھی مگر بہت مختصر نام دریافت ہو سکے۔ ملاحظہ ہوں:۔

(۱) مسٹر ہارڈے کا نام اوپر آچکا ہے۔

---

(۲۷۶) زبدۃ العلماء۔ تاریخ سلطان العلماء۔ ص۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷

(۲۷۷) زبدۃ العلماء۔ تاریخ سلطان العلماء۔ ص۔ ۱۷۸

(۲) سید الفقہاء والمجتہدین مولانا کلب باقر جائسی کربلائیؒ طاب ثراہ۔

(۳) قدوۃ العلماء والمجتہدین مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ طاب ثراہ۔

(۴) زبدۃ المتورعین مولانا میر سید علی محدث طاب ثراہ۔

(۵) قدسی القاب مولوی امام بخش خاں صاحب پیش نماز۔ جونپور۔

(۶) حاجی نواب محمد حسین خاں عرف نواب پیارے صاحب خلف مہدی قلی خاں بہادر۔

(۷) مولانا باقر مہدی صاحب (جرول) اعلی اللہ مقامہ۔

(۸) فاضل جلیل مولوی مہدی علی خاں عرف پیارے صاحب لکھنوی مرحوم۔

(۹) عمدۃ المحدثین مولانا سید محمد عباس عرف ججن صاحب اعلی اللہ مقامہ۔

(۱۰) ملک التحریر حکیم محمد ممتاز حسین عثمانی۔

(۱۱) الاجل الافخم مولانا مولوی سید ابوالحسن صاحب کشمیری طاب ثراہ۔

(۱۲) اعلم العلماء فردوس مقام مولانا سید محمد تقی صاحب خلفِ اکبر سید العلماءؒ السید محمد ابراہیم صاحب طاب ثراہ۔

(۱۳) مولانا مولوی سید محمد تقی صاحب مولف "مجالس شیعہ"۔

(۱۴) شاہ حسین مرزا صفوی طوسی۔

(۱۵) فاضل جلیل مولوی ظفر مہدی جرولی۔

(۱۶) نواب زوار علی خاں۔

(۱۷) عمدۃ العلماء مولانا مولوی علی حسین صاحب زنگی پوری۔

(۱۸) فاضل جلیل منشی احمد حسین صاحب۔

(۱۹) منشی بے بدل چراغ علی صاحب۔

(۲۰) مولوی بھگو خاں صاحب۔

(۲۱) فاضل اجل مولانا سید محمد حسین صاحب جونپوری۔

(۲۲) سید مرحمت حسین صاحب۔

(۲۳) مولانا میر علی صغیر صاحب۔

(۲۵) مولوی حماد صاحب۔

(۲۶) مغفرت مآب معلی القاب بادشاہ نواب صاحب رئیسِ اعظم پٹنہ عظیم آباد۔

(۲۷) مولوی سید عسکری صاحب لکھنؤ۔

(۲۸) مولوی سید مہدی صاحب لکھنؤ۔

(۲۹) مولوی سید باقر صاحب پیش نماز لکھنؤ۔

(۳۰) مولوی سید احمد حسین صاحب۔

(۳۱) حکیم سید محمد ہادی صاحب۔

(۳۳) علامہ ہندی مولانا سید احمد صاحب طاب ثراہ اجتہادی لکھنوی۔

(۳۴) مولوی سید مکرم حسین صاحب جلالوی۔

(۳۵) مولوی سید زین العابدین صاحب۔

(۳۶) مولوی عمار مہدی صاحب۔

(۳۷) مولانا غلام علی صاحب۔

(۳۸) مولوی سید گلزار علی صاحب۔

(۳۹) مولوی سید کلب رضا صاحب جائسی۔

(۴۰) مولوی سید جواد شاہ صاحب۔

(۴۱) مولوی سید سرفراز حسین صاحب۔

(۴۲) مولوی سید محمد حسین صاحب محدث۔

(۴۳) سید محمد عسکری صاحب کشمیری۔

(۴۴) مولوی سید عابد حسین صاحب سہارنپوری۔

(۴۵) اعلم العلماء مولانا سید سبط حسین صاحب مجتہد لکھنوی۔

(۴۶) مولوی سید سبط محمد صاحب۔

(۴۷) طبیب حاذق حکیم سید مظفر حسین صاحب قبلہ(۲۷۸)

---

(۲۷۸) ریاض جنتری ۱۹۲۹ء

یہ معجزہ تھا انہیں کا جہانِ اردو میں
زبانِ وحی کو ڈھالا زبانِ اردو میں

حضرت غفرانمآبؒ کے دوسرے فرزند ارجمند

عظیم محسنِ اردو جناب سید المفسرین مولانا سید علی صاحب قبلہ طاب ثراہ

یہ تذکرہ ہے اس عظیم المراتب مجتہد وفقیہ کا جنھوں نے تالیفاتِ دین میں عربی زبان کے غلبہ کے خلاف اردو زبان کی خدمت کی داغ بیل ڈالی۔

اسم اقدس : جناب سید علی صاحب قبلہ طاب ثراہ

لقب : سید المفسرین

نسب : سید علی ابنِ مولوی سید دلدار علی صاحب غفرانمآبؒ

آپ کا سلسلہ نسب چوبیس (۲۴) واسطوں سے ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کے دسویں امام، امام علی نقی علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔

ولادت : اٹھارہ (۱۸) شوال ۱۲۰۰ھ (۲۷۹)

مطابق ۱۴ راگست ۱۷۸۶ء (۲۸۰)

مقامِ ولادت : لکھنؤ

تعارف:

جناب نجم العلماء مولانا سید ہدایت حسین صاحب قبلہ نے آپ کے تعارف میں مندرجہ ذیل الفاظ تحریر فرمائے ہیں جو آپ کی علمی عظمت ومنزلت کے آئینہ دار ہیں:۔

"جناب فضیلت مآب تقدس انتساب کی وصی رسولؐ سلالہ احفاد بتولؑ ذوالاخلاق الجمیلہ والاوصاف النبیلہ ذی فروع واصول جامع معقول ومنقول الالمعی اللوذعی

---

(۲۷۹) نجم العلماء شجرۂ طیبہ۔ص۔۶۳

(۲۸۰) ڈاکٹر رضوی۔ج۔۲۔ص۔۱۳۳

جناب سید علی صاحب علیہ الرحمۃ اللہ الواہب"۔ آپ درجۂ اجتہاد پر فائز تھے۔" (۲۸۱)

حسن صوت ولحن: پروردگار عالم نے علم وفضل وجلال کے ساتھ حسن صوت ودرازی آواز عطا فرمائی تھی جیسے لحنِ داؤدی ہو کہ ہر شخص وعظ سن کر محو ہو جاتا تھا اور جب مسجد تحسین (چوک۔ لکھنؤ) میں وعظ بیان فرماتے تھے تو چوک میں ہر شخص سنتا تھا جیسے آجکل لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ دور دور تک آواز پہنچتی ہے۔

صفتِ شجاعت: جناب سید علی صاحب قبلہ چونکہ ہمنام جناب حیدرِ کرّار تھے تو صفتِ شجاعت سے بھی متصف تھے۔ زمانہ سابق میں مسجد تحسین پر مخالفینِ مذہب کا قبضہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ ایک دن آپ اپنے چند رفقاء واصحاب کے ساتھ مسلّح ہو کر تشریف لے گئے اور مسجد میں اذان واقامت کے بعد نماز باجماعت پڑھی اور مسجد پر قبضہ فرما لیا۔

مسجد پر آپ کے قبضہ کے بعد ان مخالفین نے شاہ اودھ حضرت محمد علی شاہ طاب ثراہ سے فریاد واستغاثہ کیا۔ چونکہ اُس عہد میں وزیر ونائب وجمیع ارکانِ دولت سوائے رفیق الدولہ بہادر کے، اہلسنت تھے، اس لئے ان لوگوں کی سعی وسفارش سے بادشاہ نے اس مسجد کو اہلسنت کے سپرد فرما دیا۔ یہ خبر ولیعہد بہادر حضرت محمد امجد علی شاہ طاب ثراہ کو معلوم ہوئی۔ وہ ہمیشہ سے عابد وزاہد ودیندار پابندِ شریعت اور مؤید مذہب ائمہ اطہارؑ تھے۔ یہ خبر سن کر بادشاہ سلامت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسجد کی تولیت اہلِ تشیع کو دینے پر اصرار کیا۔ بادشاہ عالی جاہ نے فرمایا کہ اب تو میں حکم لکھ چکا۔ یہ امر آدابِ حکومت کے منافی ہے کہ اب اس حکم کے خلاف کیا جائے۔ مگر ولی عہد بہادر نے اس بارے میں انتہائی رنج وغم کا اظہار کیا تو بادشاہ جمجاہ نے شفقتِ پدری سے مجبور ہو کر فرمایا کہ دربار میں اراکینِ دولت کی موجودگی میں اس امر پر اصرار کرنا۔ پھر جو تدبیر مناسب ہوگی

---

(۲۸۱) نجم العلماء۔ شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۶۳

وہ کی جائے گی۔ چنانچہ ولی عہد بہادر نے دربار میں اس مسئلہ کو اٹھایا اور بے حد اصرار کیا تو بادشاہ نے ارکینِ دولت سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں تو یہ مسجد تمھیں دے چکا مگر ولی عہد بہادر اسے طلب کر رہے ہیں۔ اب تم لوگوں کی کیا مرضی ہے۔ اس صورتِ حال میں ارکینِ دولت کو انکار کا موقع نہ تھا۔ فوراً سب نے عرض کیا کہ ہم لوگ بھی تابعدار ہیں اور یہ مسجد بھی حاضر ہے۔ اس طرح اس مسجد پر اہلِ تشیع کا قبضہ پھر بحال ہو گیا۔

تحصیلِ علم اور علمی منزلت: جناب سید علی صاحب قبلہ طاب ثراہ نے ابتداء سے آخر تک تحصیل علم اپنے والدِ بزرگوار حضرت غفرانمآبؒ سے کی۔ علومِ عقلیہ و نقلیہ میں مہارت حاصل کر کے کم عمری ہی میں درجۂ اجتہاد پر فائز ہو گئے۔ علم قراءت و تجوید میں تو کوئی ان کا مثل و نظیر نہ تھا۔ جناب مولانا اعجاز حسین کنتوریؒ نے آپ کو "الامام الھمام اور السید السند" جیسے عظیم اور گرانقدر الفاظ لکھنے کے بعد مزید یوں خراجِ تحسین پیش کیا:۔

"کَانَ عَالِماً فَاضِلاً خبیراً بالمَعَانی وَ البَیَان وَ اَقْضَا عَلَیٰ الفُرُوع و تَفْسِیرِ القُرآنِ قارِیاً صَالِحاً مُتَدیناً".

(وہ عالم فاضل فن معانی و بیان سے واقف، احکام فقہ پر مطلع اور تفسیر قرآن کے ماہر فنِ تجوید و قراءت میں کامل اور صلاح و دیانت کے جوہروں سے آراستہ تھے۔ (۲۸۲)

جناب مولانا مرتضیٰ حسین فاضلؒ نے جناب سید علی صاحب طاب ثراہ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا:۔

"عالم و قاری و مفسر، عابد و زاہد و مقدس، خطیب و واعظ مصنف و مولف اور امام جمعہ و جماعات۔

سیرت و کردار: فضل و ورع و تقدس کا خاص شہرہ تھا ان صفات میں یکتائے روزگار تھے۔

---

(۲۸۲) مولانا سید محمد جواد صاحب قبلہ۔ شعاعِ عمل۔ نومبر ۲۰۰۷ء۔ ص۔ ۱۱

وعظ و نصیحت میں بہت دلچسپی تھی۔ خوش بیانی کے ساتھ موعظہ موثر ہوتا تھا اور دلوں پر اثر کرتا تھا۔ ہمیشہ مواعظ و ہدایتِ خلائق اور امامتِ جمعہ و جماعت میں مصروف رہتے تھے۔ جود و سخا اور صلاح و مروت ان کے خاص جوہر تھے۔ علامہ اعجاز حسین کنتوریؒ نے بھی آپ کے علم و فضل کا درجۂ کمال پر ہونے کا اعتراف کیا ہے (۲۸۳)

سفرِ عراق و ایران: جناب سید علی طاب ثراہ نے دو مرتبہ ایران و عراق کا سفر کیا۔ پہلی دفعہ ۱۲۳۵ھ میں تشریف لے گئے۔ جلالت خاندانی اور جوہرِ ذاتی کی وجہ سے وہاں کے علمائے اعلام خاص عزت و اکرام کے ساتھ پیش آئے۔ خصوصاً فاضل سید کاظم رشتی نے ان کی بہت تعظیم و تکریم کی اور ان کے ذاتی کمالات کو دیکھ کر ان کو اجازہ دیا جس میں ان کے مدح و فضائل بھی درج کیے۔ (ترجمہ) (۲۸۴)۔ وہاں ایک سال قیام کر کے ۱۲۳۶ھ میں مراجعت فرمائی۔

دوسری مرتبہ ۱۲۵۲ھ میں ایک جماعت ساتھ لے کر ایران تشریف لے گئے۔ راہ میں بہت صعوبتیں اٹھائیں۔ پہلے ایران پہونچے مشہدِ مقدس وغیرہ کی زیارات سے مشرف ہو کر کربلائے معلیٰ گئے جہاں سے واپسی ممکن نہ ہوئی۔ بقولِ مولانا سید محمد جواد صاحب قبلہ جوارِ حسینؑ کے اُنس نے ہمیشہ کے لئے دل میں رکھ لیا۔

مولانا سید محمد جواد صاحب کے مضمون میں جناب سید علی صاحب قبلہ طاب ثراہ کے دوسرے سفرِ ایران و عراق کی تاریخ ۱۲۵۲ھ لکھی ہے جو درست نہیں معلوم ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کربلائے معلیٰ میں آپ کا انتقال ۱۲۵۹ھ میں ہوا۔ اگر روانگی کی تاریخ ۱۲۵۲ھ ہو تو ایران و عراق میں قیام کی مدت تقریباً سات سال ہوگی۔ اس سفر میں ایران و عراق میں اتنے طویل قیام کے بارے میں کسی تذکرہ نویس نے نہیں لکھا۔

---

(۲۸۳) مولانا اعجاز حسین کنتوری۔ "شذور العقیان"

(۲۸۴) جناب مرزا محمد علی۔ نجوم السماء۔ ص۔ ۴۰۳

دوسرے یہ کہ آپ کی تفسیر کی پہلی اشاعت لکھنؤ میں آپ کی موجودگی میں شاہ تجباہ امجد علی شاہ کے حکم سے مطبع سلطانی میں ۱۲۵۷ھ میں ہوئی اور بادشاہ موصوف نے اسے مومنین کے لئے وقف کردیا جیسا کہ اس کے قطعہ تاریخ سے ثابت ہے جو آگے درج کیا جائے گا۔

اس سے بھی یہ ثابت ہے کہ ۱۲۵۳ھ میں آپ لکھنؤ میں تھے۔ مزید تحقیق پر معلوم ہوا کہ حضرت عزیز لکھنوی نے "تجلیات" میں آپ کے دوسرے سفر ایران و عراق کی تاریخ ۱۲۵۶ھ لکھی ہے۔ (۲۸۵) حالات کے مطابق حضرت عزیز کی دی ہوئی تاریخ ہی صحیح ہے۔ بظاہر جناب سید محمد جواد صاحب کے مضمون میں کتابت کی غلطی سے ۱۲۵۲ھ لکھا گیا ہوگا۔

تصانیف وتالیفات:

اگرچہ آپ کو زمانہ نے مہلت نہیں دی اور سفروں کی وجہ سے فرصت نہیں ہوئی مگر تصنیف وتالیف اور حمایتِ دین و مذہب میں اپنے فرائض سے غفلت نہیں برتی۔ اکثر کتب و رسائل تصنیف فرمائے جو شائع نہ ہونے کی وجہ سے استدادِ زمانہ کی نذر ہوگئے۔ فہرست کتب میں مندرجہ ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں۔

۱۔ آپ کا سب سے زیادہ اہم اور عظیم کام اردو زبان میں تفسیر قرآن مجید ہے جس پر ہم بعد میں گفتگو کریں گے۔ اس کے علاوہ:۔

۲۔ رسالہ در بحث فدک

۳۔ رسالہ در اثبات متعہ

۴۔ رسالہ در تجوید

۵۔ رسالہ دیگر در اثبات متعہ

---

(۲۸۵) حضرت عزیز لکھنوی۔ تجلیات ؍ مضامین عزیز۔ ص۔ ۳۲۱

۶۔ رسالہ در رد اخباریین

۷۔ رسالہ در اثبات و جواز عزائے سید الشہداء علیہ السلام۔ (۳۸۵۔الف)

جناب مولانا سید محمد جواد صاحب قبلہ کا ارشاد ہے کہ عزاداری کے اثبات میں ایک مستقل کتاب لکھی تھی جو واقعی دندان شکن جوابوں پر مشتمل تھی جس کے بعد (اس امر میں) کوئی شبہہ باقی نہیں رہ سکتا تھا۔ رسالہ بحث فدک اور رسالہ اثبات متعہ اور رسالہ تجوید اور رسالہ در رد اخباریین وغیرہ نایاب لئالیِ علیہ تھے۔ علم کے یہ گوہرِ نایاب اب دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔ (۳۸۶)

تفسیر قرآن مجید بزبان اردو:

ہمارے نزدیک جناب سید المفسرین کا سب سے بڑا کارنامہ اردو میں ان کی تفسیرِ قرآن ہے جو بحمد اللہ اب بھی موجود ہے۔ اس تفسیر کا نام "توضیح المجید فی تنقیح کلام اللہ الحمید" ہے۔ راقم الحروف نے عرض کیا ہے۔

پسر تھے دوسرے سید علی علم شعار　　تھا جن سے گلشنِ علم و عمل میں جوشِ بہار
بڑھایا آپ نے اردو کا اس جہاں میں وقار　　اسی زبان میں تفسیر لکھ کے پہلی بار

یہ معجزہ تھا انہیں کا جہانِ اردو میں
زبانِ وحی کو ڈھالا زبانِ اردو میں (۳۸۷)

اس کے علاوہ ایک خاص حوالہ سے اس تفسیر کو "تفسیرِ زبر و بینہ" بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی وضاحت آگے آئے گی۔

۱۔ ہم نے تقریباً چودہ سال پہلے اس تفسیر کے حوالہ سے ایک مضمون لکھا تھا جو لاہور کے

(۳۸۵۔الف) (۱) مولوی مرتضیٰ حسین صاحب فاضل۔ مطلع انوار۔ ص۔ ۳۳۶۔ (۲) عبدالحی۔ نزہۃ الخواطر۔ (۳) مولانا محمد حسین نوگانوی۔ تذکرۂ بے بہا فی تاریخ العلماء۔ (۳۸۶) مولانا سید محمد جواد صاحب قبلہ۔ تذکرہ فرزندانِ غفرانمآب۔ شعاعِ عمل۔ نومبر ۲۰۱۰ء ص۔ ۱۷۔
(۳۸۷) ساحر لکھنوی۔ مرثیہ "علم اور علماء"۔

ایک ماہنامہ "خیر العمل" اور پشاور کے ایک پندرہ روزہ اخبار "ذوالفقار" میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں ہم نے اس حقیقت کا اظہار کیا تھا کہ یہ اردو زبان میں پہلی مکمل تفسیر ہے۔ اس مضمون کی اشاعت کے بعد لوگوں کی توجہ اس موضوع کی جانب مبذول ہوگئی اور جواباً مضامین لکھے گئے جن میں سے بعض مضامین میں ذاتی لاعلمی اور غیر محقق باتوں کی بنیاد پر ایسے اعتراضات اور ایسے خیالات سامنے آئے جن سے اس تفسیر "توضیح المجید" کا وقار اور اعتبار مجروح ہوتا تھا۔ میں نے اُن مضامین کے جواب میں مضامین لکھے تا کہ ان منفی آراء اور اعتراضات کی رد کی جاسکے۔ یہ منفی آراء اور شکوک واعتراضات حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ جناب مولانا مرتضیٰ حسین صاحب فاضل لکھنوی نے "اردو تراجم وتفاسیر" کے عنوان کے ذیل میں "توضیح المجید" کے کوائف درج فرماتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

"یہ تفسیر کتابت وطباعت واغلاط کے لحاظ سے کبھی قابلِ توجہ نہیں سمجھی گئی۔ مزید لکھتے ہیں" عارفانہ وموالیانہ قسم کی تفسیر ہے، حسابِ جمل سے فضائلِ اہلبیتؑ کے اثبات اور اشارات پر گفتگو کی ہے"۔ (۳۸۸)

۲۔ حضرت زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ طاب ثراہ کے حوالہ سے ڈاکٹر عسکری بن احمد مرحوم نے اپنے ایک مضمون میں لکھا:۔

"غیر شیعہ پریس میں چھپنے سے یہ تفسیر تحریف کی زد میں آگئی"۔

۳۔ یہ تفسیر جناب سید علی صاحب قبلہ طاب ثراہ کی نہیں ہے۔ ان کا صرف ترجمہ ہے۔ تفسیر مُلّا فتح اللہ کاشانی کی فارسی تفسیر "منہاج القرآن" (صحیح نام منہج الصادقین) کے خلاصہ "خلاصۃ المنہج" کا ترجمہ ہے۔

---

(۳۸۸) مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی۔ "اردو تراجم وتفاسیر"۔ ص۔۴۲

۴۔ یہ بھی ہوا کہ مولانا عمار علی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کی تفسیر "عمدة البیان" کو زمانی اعتبار سے توضیح المجید پر ترجیح دے کر اولیت کا سہرا اس کے سر سجا دیا گیا۔ مولانا عمار علی صاحب قبلہ طاب ثراہ حضرت ممتاز العلماء سید محمد تقی صاحب قبلہ خلف الرشید سید العلماء مولانا سید حسین صاحب طاب ثراہ ابن حضرت غفرانمآبؒ کے شاگرد رشید تھے۔

۵۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ تفسیر اتنی غیر معروف ہے کہ شاید ہی کوئی شخص اس تفسیر "توضیح المجید" سے واقف ہو۔ لوگ اپنی ذاتی لاعلمی کو کائناتی سچ یا حقیقت سمجھ لیتے ہیں۔ یعنی ہم نہیں جانتے تو کوئی نہیں جانتا۔

یہاں ہم تفصیل سے اس موضوع پر گفتگو کریں تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا۔ مختصراً یہ کہ:۔

۱۔ اردو، فارسی اور عربی تک کے تذکرہ نگاروں نے "توضیح المجید" کا ذکر کیا ہے۔ جس سے یہ قول غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ شاید ہی کوئی شخص توضیح المجید سے واقف ہو۔

۲۔ خوش قسمتی سے یہ تفسیر اب بھی برصغیر کے متعدد کتب خانوں میں موجود ہے۔ یہاں پاکستان میں "مکتبۃ العلوم" (لائبریری)، ناظم آباد، کراچی میں دو مجلدات میں موجود ہے۔ جس کو ہم نے خود دیکھا ہے۔ ہم اس کے ایک دو صفحات کی عکسی نقول اس کتاب میں انشاء اللہ شامل کریں گے۔ امید ہے کہ اس کے علاوہ کراچی کے ایک دو اور شیعی کتب خانوں میں موجود ہوگی۔ "مکتبۃ العلوم" کے نگرانِ اعلیٰ جناب مولوی مرزا محمد جعفر لکھنوی نے حضرت علامہ نصیر الاجتہادی سے کہا تھا کہ وہ اس تفسیر کو اس دور کی اردو میں منتقل کر دیں تاکہ پڑھنے والوں کو پڑھنے اور سمجھنے میں آسانی ہو۔ ہم نے اپنے جہل کے باوجود مولوی مرزا محمد جعفر صاحب سے یہ کہا تھا کہ یہ کام میں انجام

دے سکتا ہوں۔ انہوں نے خوشی کے ساتھ مجھ کو اس کی اجازت دے دی۔ مگر میرے ساتھ بھی وہی مسئلہ تھا جو علامہ موصوف کے ساتھ تھا۔ یعنی وقت و فرصت کی کمی۔ میں دفتر سے اٹھ کر شام کو گھر جاتے ہوئے کبھی کبھی اس لائبریری میں چلا جاتا تھا۔ شام کو لائبریری بھی جلدی بند ہو جاتی تھی۔ اتنے بڑے کام کے لئے یا تو میں تفسیر کے مجلدات گھر لے کے آتا جس کی اجازت نہ تھی یا لائبریری میں کم از کم چار پانچ گھنٹہ روزانہ بیٹھ کر کام کرتا جو ملازمت کی وجہ سے ممکن نہ تھا۔

مولوی مرزا محمد جعفر صاحب قبلہ نے لائبریری میں اپنی فرصت کے اوقات میں "توضیح المجید" کا لفظاً لفظاً مطالعہ کیا تھا۔ وہ اس تفسیر کے بیحد مداح تھے اور مجھ سے کئی مرتبہ کہا تھا کہ اُس زمانہ کو چھوڑیں، آج کوئی ایسی تفسیر لکھ کر دکھا دے۔

میں نے مرزا صاحب موصوف سے اس میں تحریف وغیرہ کے بارے میں بھی بات کی تھی لیکن انہوں نے کسی بات کی تصدیق نہیں فرمائی۔

البتہ مولانا سید محمد جواد صاحب قبلہ نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ اس کی تصحیح حسب مراد نہ ہو سکی تھی جس کی وجہ سے کثیر اغلاط رہ گئے۔ یہ نہیں معلوم کہ جناب مولانا سید محمد جواد صاحب قبلہ نے اس تفسیر کا خود مطالعہ کر کے اغلاط کی بات کی ہے یا دوسروں کی رائے تحریر فرمائی ہے۔ یہ بات ہم نے اس لئے عرض کی کہ یہ تفسیر کم از کم تین مختلف شہروں میں مختلف اوقات میں شائع ہوئی۔ کم از کم لکھنؤ میں جہاں مطبع سلطانی جیسے اہم ادراہ سے جناب سید علی صاحب قبلہ طاب ثراہ کی موجودگی میں شائع ہوئی اور بادشاہ جمجاہ امجد علی شاہ کے مطالعہ میں آئی اور ان کے حکم سے مومنین کے لئے وقف کی گئی کہ اہلِ علم کو مفت پیش کی جائے، تو کیسے ممکن ہے کہ کتابت لاپروائی سے کی گئی ہو اور پروف ریڈنگ پر بھی توجہ نہ دی گئی ہوحتیٰ کہ دو چار یا دس بیس نہیں بلکہ کثیر

اغلاط رہ گئے۔ مزید یہ کہ بعد میں شائع ہونے والے نسخوں میں بھی کسی نے اغلاط کو درست کرنے کی کوشش نہیں کی۔ حضرت بحر العلوم مولوی علّن صاحب قبلہ نے جیسا کہ ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی نے لکھا ہے، صرف ترجمہ شائع کیا اور حاشیہ پر "خلاصۃ المنہج" کا ترجمہ جلی حروف میں دیا جس سے بعض حضرات کو یہ اشتباہ ہوا کہ تفسیر جناب سید علی صاحب" کی نہیں ہے۔ ان کا صرف ترجمہ ہے۔ تو کیا حضرت بحر العلوم نے بھی اغلاط پر توجہ نہ دی ہوگی۔ کیونکہ جب انہیں یہ کتاب چھاپنا تھی تو پہلے نسخہ کی کتابت کی غلطیوں کی اصلاح کر کے تفسیر کو چھپوانا انہیں زیادہ ضروری محسوس ہوتا۔

اب تک کی بحث میں یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ تفسیر کے تینوں جگہ چھپے ہوئے نسخوں میں سب غلطیاں موجود ہیں یا صرف کسی ایک نسخہ میں ہیں۔

"توضیح المجید" کے بارے میں مندرجہ منفی آراء کا جائزہ:

ا۔ مولانا مرتضیٰ حسین صاحب فاضل اعلیٰ اللہ مقامہ کا ارشاد کہ یہ تفسیر کتابت وطباعت و اغلاط کی وجہ سے کبھی قابلِ توجہ نہیں سمجھی گئی، اس کے بارے میں عرض ہے کہ:۔

(الف) لکھنؤ سے لے کر ایران و عراق تک کے علمائے کرام نے اپنی تحریروں میں "توضیح المجید" کا تذکرہ کیا ہے۔ اگر یہ تفسیر قابلِ توجہ نہ ہوتی تو علمائے کرام اور تذکرہ نویس اس کی طرف کیوں متوجہ ہوتے اور اس کے بارے میں کیوں لکھتے۔

(ب) اعیان الشیعہ، نزہۃ الخواطر، نجوم السماء اور تذکرۂ بے بہا وغیرہ میں بھی کسی نے نہیں لکھا کہ یہ تفسیر قابلِ توجہ نہیں سمجھی گئی۔ خود مولانا مرتضیٰ حسین صاحب فاضل طاب ثراہ نے بھی اپنی بعد کی تالیف "مطلع انوار" میں یہ جملہ نہیں لکھا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے پہلے کسی وجہ

سے ان کا وہ تاثر رہا ہو جو بعد میں اس کے مطالعہ یا اور دوسرے تذکروں کے مطالعہ کے بعد زائل ہو گیا ہو جس کی بناء پر انہوں نے ''مطلع انوار'' میں اُس منفی رائے کا اعادہ نہیں فرمایا۔

(ج) اگر یہ تفسیر قابلِ توجہ نہ ہوتی تو مختلف اوقات میں مختلف مقامات، لکھنؤ، آگرہ اور بمبئی وغیرہ سے مختلف مجلدات میں یہ کیوں شائع کی جاتی۔ مطابع ایسی کتاب نہیں چھاپتے جس کے بارے میں منفی آراء مشہور ہوں اور اس وجہ سے ان کی فروخت کا امکان نہ ہو۔

۲۔ جناب مظاہر حسین نقوی جو افسوس ہے کہ مرحوم ہو چکے ہیں، خداوندِ کریم ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند کرے۔ آمین۔ ان کے اس ارشاد کا کہ شاید ہی کوئی ''توضیح المجید'' سے واقف ہو، جواب اوپر کے جوابات میں آگیا ہے۔

جہاں تک عوام کی ناواقفیت کی بات ہے تو ظاہر ہے کہ تفاسیر عام لوگوں کے ذوق کی چیز نہیں ہوتیں۔ وہ صاحبانِ علم کے لئے ہوتی ہیں اور اُن پڑھے لکھے عام لوگوں کے لئے بھی دلچسپی کی چیز ہوتی ہیں جو تفسیر جیسی کتابوں کے مطالعہ کا ذوق بھی رکھتے ہوں۔

۳۔ <u>کیا یہ تفسیر ''توضیح المجید'' تحریف کا شکار ہوگئی:</u>

حضرت زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ طاب ثراہ کا یہ ارشاد کہ یہ تفسیر غیر پریس میں چھپنے کی وجہ سے تحریف کا شکار ہوگئی، بہت اہم تھا جس کو اس تفسیر کے مخالفین نے استعمال کیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ جناب زبدۃ العلماء کا اپنا قول نہیں۔ یہ بات انہوں نے ''تذکرۃ العلماء'' کے حوالہ سے لکھی تھی۔ غالباً اسی لئے انہوں نے تحریف کے بارے میں کوئی صراحت نہیں فرمائی کہ تحریف کی نوعیت کیا تھی اور تفسیر میں کہاں کہاں تحریف ہوئی۔ تذکرۃ العلماء کے مصنف محترم جناب مولانا سید مہدی ابنِ نجف علی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ وہ شخص تھے جو ان

عظیم المرتبت شخصیات کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔ ان کا فرمایا ہوا مستند ہوگا مگر اس وقت تذکرۃ العلماء ہمارے پیش نظر نہیں ہے اس لئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس میں تحریف کے بارے میں کیا لکھا ہے۔ دوسرے یہ کہ "تذکرۃ العلماء" کے علاوہ کسی تذکرہ میں تحریف کی بات نہیں لکھی گئی۔ اس لئے زیادہ سے زیادہ ہم اس کو صاحب "تذکرۃ العلماء" کی کسی غلط فہمی کا نتیجہ سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن ان کی اس اہمیت کے پیشِ نظر کہ وہ خود سید المفسرینؒ وغیرہ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے یہ خیال بھی نامناسب ہے کہ انہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔

مزید یہ کہ صاحب "تذکرۃ العلماء" نے تحریف کا سبب یہ لکھا ہے کہ مفسرِ علام کی عدم موجودگی، وفات اور غیر شیعہ پریس میں چھپنے سے تحریف ہوئی۔ آیئے، اس کا جائزہ لیں:۔

سید المفسرینؒ جناب سید علی صاحب قبلہ طاب ثراہ کا انتقال ۱۲۵۹ھ میں ہوا۔ تفسیر مذکورہ کی اشاعتیں ان کی زندگی ہی میں ہوئیں۔ ایک ۱۲۵۲ھ میں دوسرے ۱۲۵۳ھ میں اور تیسری ۱۲۵۷ھ میں۔ اسی سے یہ بات غلط ثابت ہوجاتی ہے کہ یہ تفسیر مفسر علام کی وفات کے بعد شائع ہوئی۔

جہاں تک سید المفسرینؒ کی عدم موجودگی میں طباعت کا تعلق ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ مولانا سید علی صاحب قبلہ پہلی مرتبہ ۱۲۳۵ھ میں زیارات عتبات عالیات کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ اس وقت تک یہ تفسیر معرضِ وجود میں آئی ہی نہیں تھی۔ وہاں سے مراجعت کے بعد اور دوبارہ سفرِ ایران و عراق در ۱۲۵۶ھ کے درمیان لکھی گئی۔ دوسرے سفر سے واپسی نہ ہوسکی اور انہوں نے ۱۲۵۹ھ میں کربلائے معلیٰ میں انتقال کیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دو مرتبہ یہ تفسیر ان کی موجودگی ہی میں چھپی۔

مزید یہ کہ جناب زبدۃ العلماء نے جن کے حوالہ سے تحریف کی بات کی گئی "سوانح حیات حضرت غفرانمآب" میں لکھا ہے کہ "توضیح المجید" عہد شاہی میں دو ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی۔ یوں بھی اس کی اشاعت مفسر علام کی زندگی ہی میں ثابت ہے۔

یہ بھی ہے کہ جناب سید المفسرین نے یہ تفسیر ولی عہد سلطنت اودھ ثریا جاہ امجد علی خان کے حکم پر لکھی تھی، جو اپنے پدر بزرگوار محمد علی شاہ کی رحلت کے بعد اودھ کے بادشاہ ہوئے۔ انہی شاہ جمجاہ کے حکم پر سب سے پہلے یہ تفسیر "مطبع سلطانی لکھنؤ میں چھاپی گئی اور مومنین کے لئے وقف کر دی گئی۔ اس کے ثبوت میں یہ قطعہ تاریخ ملاحظہ کیجئے۔

"توضیح مجید تفسیر فرقان حمید بزبان اردو عام فہم"

قطعہ تاریخ وقف تفسیر ہندی

حامی مذہب ائمہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین مجتہد العصر والزمان اعنی جناب سید علی صاحب کہ بہ فرمائش آیۂ رحمتِ ذوالجلال سورۂ فتح واقبال ابوالظفر ثریا جاہ سپہر شکوہ بہادر دام اقبالہٗ تصنیف فرمودہ بودند در ۱۲۵۷ھ حلیہ طبع پوشیدہ بر مومنان وقف شد۔

ولی عہد فیاض زماں است
نمود اکثر کتب بر اہلِ دین وقف
چو ایں تفسیر مطبوعِ جہان است
لہذا گشت بر اہلِ زمیں وقف
چو خاص و عام از وے بہرہ یابند
جہاں خوشنود شد از ہم چنیں وقف

ز امداد حسین ایں امر خیر است
شد از تحریک او ایں طبع و ایں وقف
قبولؔ از بہر سال وقف بنویس
"بود تفسیر بہر طالبیں وقف"
۱۲۵۷ھ

اس قطعہ تاریخ کے دوسرے شعر میں کہا گیا ہے کہ چونکہ یہ تفسیر مطبوع جہاں ہے اس لئے اس کو اہلِ زمین کے لئے وقف کر دیا گیا ہے۔ یہ اس کی عام پسندیدگی کی سند ہے۔ جس سے ان باتوں کی تردید ہوتی ہے کہ شاید ہی کوئی اس تفسیر سے واقف ہو اور یہ کہ کتابت کی غلطیوں کی وجہ سے یہ کبھی قابلِ توجہ نہیں رہی ہوگی۔

قطعہ تاریخ نواب مقبول الدولہ قبولؔ کا ہے، جو مطبع سلطانی کے ناظم تھے۔ ان کے قطعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نواب امداد حسین خاں کی تحریک پر جو اودھ کے وزیر اعظم بھی رہے ہیں، ولی عہد سلطنتِ نواب ثریا جاہ امجد علی خاں نے یہ تفسیر مطبع سلطانی میں چھپوا کے وقف قرار دی تھی اور بغیر کسی قیمت کے ارباب علم کو تقسیم کی گئی تھی۔

لہذا غیر پریس میں چھپنے اور تحریف ہونے کی بات محلِ نظر ہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ کتابت کی غلطیوں اور تحریف کی باتیں یکسر غلط ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ مختلف مقامات سے اس کی اشاعتوں میں سے کسی ایک اشاعت میں یہ خامیاں حقیقتاً موجود ہوں مگر یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی کہ اس کی ہر اشاعت میں اغلاط اور تحریف پائی جاتی ہو۔

مزید یہ کہ اصل مسودہ سے مطبوعہ نسخے کے تقابل کے بغیر تحریف کا سراغ لگانا مشکل

ہے اور یہ تقابل اب اصل مسودہ دستیاب نہ ہونے کے باعث ممکن نہیں مگر پھر بھی جن صاحبانِ علم نے تفسیر کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ان کی نظر میں ایسے مقامات آسکتے ہیں جہاں تحریف کا گمان ہوسکے۔ ہمارے جاننے والوں میں جناب مولوی مرزا محمد جعفر صاحب وہ واحد شخصیت ہیں جنہوں نے یہاں اس تفسیر کا لفظاً لفظاً مطالعہ کیا ہے۔ میں نے ان سے کئی مرتبہ اس تفسیر کے بارے میں گفتگو کی۔ انہوں نے اس میں تحریف کا قطعاً کوئی تاثر یا کوئی اشارہ تک نہیں دیا برخلاف اس کے وہ اس تفسیر کی تعریف و توصیف میں ہمیشہ رطب اللسان رہے۔

۴۔ کیا تفسیر ''توضیح المجید'' جناب سید المفسرین سید علی صاحب قبلہ طاب ثراہ کی تصنیف نہیں بلکہ فارسی تفسیر ''منہاج القرآن'' (صحیح نام منہج الصادقین) کا ترجمہ ہے؟

اس تفسیر کے بارے میں سب سے اہم اور سب سے زیادہ تشویشناک بات یہ کہی گئی ہے کہ یہ جناب سید علی صاحب قبلہ'' کا کارنامہ نہیں بلکہ مُلّا فتح علی کاشانی کی تفسیر منہج الصادقین بلکہ ''خلاصۃ المنہج'' کا ترجمہ ہے۔ یہ بات ایک مجلّہ ''فکر و نظر'' اور ''سیارہ ڈائجسٹ'' کے قرآن نمبر کے حوالہ سے کہی گئی ہے۔

اس دعوے کی تصدیق یا تردید صرف دو صورتوں سے ہوسکتی ہے۔

(۱) تذکرہ نویسوں نے اس تفسیر کو جناب سید علی صاحب قبلہ کے تراجم میں شمار کیا ہے یا تصانیف میں؟

(۲) اس تفسیر کے کسی حصہ کا فارسی تفسیر ''منہج الصادقین'' یا ''خلاصۃ المنہج'' سے تقابل کرکے دیکھ لیا جائے کہ یہ اس کا ترجمہ ہے یا نہیں۔

(ا) تذکرہ نویس حضرات کی تحریریں:

اس حوالہ سے تحقیق ملاحظہ ہو:۔

(الف) اس عہد کے ماہر علم رجال آیۃ اللہ العظمیٰ السید محسن الامین عاملی اپنی معروف کتاب "اعیان الشیعہ" میں جناب سید علی صاحب قبلہ طاب ثراہ کے بارے میں لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"لہ من التصانیف:(ا) (ا) بحث فی فدک۔ (۲+۳) رسالتان فی المتعۃ۔
(۴) رسالۃ التجوید (۵) رسالۃ فی اقامۃ عزاء الحسین۔
(۶) التوضیح المجید فی تفسیر کلام اللہ الحمید مجلدان۔" (۲۸۹)

اس فہرست میں آقائی محسن الامین عاملی نے اس تفسیر "توضیح المجید" کو جناب سید علی صاحب قبلہ کی تصانیف میں شامل کیا ہے۔

(ب) صاحب "نجوم السماء" جلد اول میں سید المفسرینؒ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"از جملہ تصانیف اوست رسالہ در مبحث فدک و دو رسالہ در باب متعہ و رسالہ در علم قراءت و رسالہ در رد اخباریین و رسالہ در جواز تعزیہ داری جناب سید الشہداء علیہ السلام و تفسیر کلام مجید بعبارت ہندی در دو مجلد۔ (۲۹۰)

(ج) مولانا مرتضیٰ حسین صاحب فاضل طاب ثراہ اپنی وقیع تصنیف "مطلع انوار" میں مولانا سید علی صاحب قبلہؒ کے ذکر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"تصانیف: ترجمہ و تفسیر قرآن مجید "التوضیح المجید" دو (۲) جلدوں میں مطبوعہ ۱۲۵۲ھ۔ (۲۹۱)

---

(۲۸۹) آقائی السید محسن الامین عاملی۔ "اعیان الشیعہ" ۔ص۔۲۵۳، (۲۹۰) مرزا محمد علی۔ "نجوم السماء"۔ج۔ا، ص۔۳۳

(۲۹۱) مولانا مرتضیٰ حسین صاحب فاضل۔ "مطلع انوار"۔ ص۔۳۳۶

(د) مقتدرۂ قومی زبان ''اسلام آباد (پاکستان) کی ایک محققانہ کتاب ''کتابیات اردو تفاسیر'' میں ہے'' پہلا اردو ترجمہ بقلم ایک شیعہ عالم۔ بمبئی (ممبئی) مطبع حیدری۔ ترجمہ تفسیر ۱۲۵۲ھ چار جلد (۲۹۱۔الف)۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ تفسیر مطبع حیدری ممبئی سے چار جلدوں میں چھپی۔

مندرجہ بالا تحریروں میں کسی بھی تذکرہ نویس یا مصنف نے ''توضیح المجید'' کو کسی تفسیر کا ترجمہ قرار نہیں دیا ہے۔سب نے اسے سید المفسرینؒ کے تصانیف میں شمار کیا ہے۔اس سے یہ دعویٰ غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ ''توضیح المجید'' ملا فتح اللہ کاشانی کی تفسیر ''منہج الصادقین'' یا ''خلاصۃ المنہج کا ترجمہ ہے۔

(۲) توضیح المجید کا منہج الصادقین سے تقابلی مطالعہ:

یہ کام میری گزارش پر محترم مولانا سید محسن مظفر صاحب نے انجام دیا۔تفاسیر کے تقابلی مطالعہ کے بارے میں انہوں نے بعض امور کو مدِنظر رکھنے کی ضرورت پر زور دیا ہے جو حسب ذیل ہیں:۔

(ا) مذہب اہلبیت میں چونکہ تفسیر بالرائے حرام ہے اس لئے قرآن مجید کی تفسیر میں آیاتِ قرآنی ہی سے مدد لینی چاہئے یا پھر ان روایات پر اعتماد کرنا چاہیئے جو ائمہ اہلبیت سے ہم تک پہنچی ہیں۔

اس کے بہترین نمونے تفسیر المیزان از علامہ محمد حسین طباطبائی اور تفسیر تبیان طوسیؒ ہیں جبکہ روایات سے تفسیر کی بہترین مثالیں تفسیر البرہان، نور الثقلین اور تفسیر قمی وغیرہ ہیں۔

(۲۹۱۔الف) مقتدرہ قومی زبان۔کتابیات اردو تفاسیر۔

تفسیر مجمع البیان لغت اور روایات سے بحث کرتی ہے جبکہ تفسیر منہج الصادقین میں لغت پر کم اور روایات ومطالب پر زور زیادہ ہے۔ اسی طرح تفسیر ابو الفتوح رازی اقوالِ مفسرین کی جامع ہے۔

(ب) صحیح روایات کی بنیاد پر کی گئی تفسیر کو کتب امامیہ میں فوقیت حاصل ہے اور علماء پابند ہیں ان روایات کو اخذ کرنے کے جن کے مآخذ دو ہیں (۱) کتب تفسیر اور (۲) کتب احادیث۔

اس لئے ہر اس تفسیر میں جس میں نقل روایات کا اہتمام کیا گیا ہو اور اس کے مطالب پر بنیاد رکھی گئی ہو، ان میں روایات ومطالب کی تکرار مل جائے گی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تمام تفاسیر ایک دوسرے کا چربہ یا ترجمہ ہیں۔

(ج) آیۃ اللہ مولانا سید علی صاحبؒ نے توضیح المجید میں روایات ائمہ علیہم السلام پر نہ صرف یہ کہ اعتماد کیا ہے بلکہ وہی ان کا مدار المہام ہیں اور ان روایات کو وہ بالالتزام درج فرماتے ہیں۔ جبکہ مولانا عمار علی صاحب قبلہؒ نے مطلب تو ظاہر ہے کہ تفاسیر سے ہی لئے ہیں لیکن کسی روایت کا حوالہ نہیں دیا ہے۔

ان امور کو مدِ نظر رکھتے ہوئے نمونہ کے طور پر سورۂ والناس کی تفسیر کا توضیح المجید اور منہج الصادقین کے تقابلی مطالعہ سے جناب مولانا محسن مظفر صاحب قبلہ نے جو نتائج اخذ کئے ان کے متعلق وہ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

''ہمارے سامنے منہج الصادقین کا جو مطبوعہ نسخہ موجود ہے وہ '' کتاب فروش اسلامیہ۔ چاپ دوم ۱۳۴۴ شمسی کا مطبوعہ ہے اور آیۃ اللہ مرزا ابوالحسن شیرانی کے حواشی وتصحیح کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ اس سورہ (والناس) کی تفسیر میں پہلی روایت علامہ کاشانی نے حضرت عیسیٰؑ کی دی

ہے۔ دوسری روایت اثنائے تفسیر آنحضرت کی بروایت انس بن مالک دی ہے۔ تیسری روایت حضرت ابوذر غفاریؓ سے ہے۔ ایک تفسیری نکتہ کاشفی سے لیا ہے۔ تفسیر عیاشی کے حوالہ سے ابان بن تغلب کی روایت از امام محمد باقر علیہ السلام از رسولؐ خدا درج کی ہے۔

جبکہ توضیح المجید میں پہلی روایت فضل بن یسار کی ہے جو منہج میں موجود نہیں۔ البتہ حضرت عیسیٰؑ کی روایت اور لفظ ناس کی تکرار کے بارے میں نکتہ دونوں میں مشترک ہے۔ مگر ابوذر غفاریؓ، مالک ابنِ انس، کاشفی کا نکتہ اور ابان بن تغلب کی روایت کچھ بھی توضیح میں موجود نہیں۔ منہج میں حکیم سنائی کے شعر پر تفسیر والناس ختم ہو جاتی ہے جبکہ توضیح میں اس کے بعد تقریباً دو صفحے مزید ہیں جو منہج سے بالکل مختلف ہیں۔

ان واضح حقائق کے بعد کون دعویٰ کرسکتا ہے کہ "التوضیح" ترجمہ ہے "منہج" کا۔

"توضیح المجید" کو "منہج الصادقین" کا ترجمہ سمجھنے کا امکانی سبب:

ہم نے اس پر بہت غور کیا کہ "توضیح المجید" کو "منہج الصادقین" کا ترجمہ کیوں قرار دیا گیا تو یہ انکشاف ہوا جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے، حضرت سید علی صاحب قبلہ طاب ثراہ کے برادر بزرگ حضرت سلطان العلماءؒ کے پوتے بحر العلوم مولانا سید محمد حسین صاحب قبلہ عرف مولوی علّن صاحب اعلی اللہ مقامہ نے سید علی صاحب قبلہ طاب ثراہ کا ترجمہ قرآن مجید ۱۳۰۸ھ میں اس طرح شائع کیا کہ اس کے ساتھ حاشیہ پر ملا فتح اللہ کاشانی کی "خلاصۃ المنہج" کا ترجمہ بھی شامل کر دیا۔ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی نے بھی ایک مضمون میں یہ تحریر کیا ہے۔ (۲۹۳)

لہٰذا عین ممکن ہے کہ تفسیر "توضیح المجید" کا مطالعہ کرنے والوں نے حضرت بحر العلومؒ ہی

---

(۲۹۳) ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی۔ "تفسیر ز بردونیہ"۔ شعاع عمل

کا نسخہ دیکھا ہو اور سید المفسرینؒ کے ترجمۂ قرآن کے ساتھ "خلاصۃ المنہج" کا حاشیہ پر ترجمہ دیکھ کر "توضیح المجید" کو ملا فتح اللہ کاشانی کی تفسیر "خلاصۃ المنہج" کا ترجمہ قرار دے دیا ہو۔ خود جناب سید المفسرینؒ کی زندگی میں چھپنے والے "توضیح المجید" کے نسخوں تک ان کی رسائی نہ ہوئی ہو۔ چونکہ توضیح المجید" کو "خلاصۃ المنہج" کا ترجمہ قرار دینے والوں کے بیان میں یہ نہیں ملتا کہ انہوں نے اس کا کون سا نسخہ دیکھا، مطبع سلطانی کا مطبوعہ یا بمبئی (ممبئی) وغیرہ کے مطبوعہ نسخے۔ اس لئے یہی صحیح ہو سکتا ہے کہ انہوں نے جناب بحر العلومؒ کا شائع کردہ ترجمۂ قرآن کا نسخہ جس میں حاشیہ پر "خلاصۃ المنہج" کا ترجمہ شامل ہے وہی دیکھ کر "توضیح المجید" کو ملا فتح اللہ کاشانی کی فارسی تفسیر کا ترجمہ قرار دے دیا۔

تفسیر زبر و بینہ:

"توضیح المجید" کا یہی شرف نہیں ہے کہ حقیقی معنوں میں وہ اردو زبان میں پہلی مکمل تفسیر قرآن ہے بلکہ اس کا شرف یہ بھی ہے کہ یہ تفسیر "زبر و بینہ" ہے۔ کسی اور زبان کا تو ذکر کیا، بظاہر فارسی اور عربی میں بھی شاید ہی اس صنعت (زبر و بینہ) میں کوئی تفسیر لکھی گئی ہو۔ یہ حقیقت تو خود اس بات کی ناقابلِ تردید دلیل ہے کہ "توضیح المجید کسی بھی تفسیر کا ترجمہ ہرگز نہیں" "منہج الصادقین" صنعت زبر و بینہ میں تو نہیں لکھی گئی۔

"زبر و بینہ" کیا ہیں، اس کی وضاحت ہم نے اپنے تحقیقی مقالہ "فنِ تاریخ گوئی کا تنقیدی جائزہ" میں کی ہے۔ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی نے جن کو جناب مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ نے سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب طاب ثراہ کے شاگردانِ رشید میں شمار

کیا ہے، اپنے ایک مضمون میں بھی اختصار کے ساتھ اس کی صراحت کردی ہے اور مذکورہ تفسیر سے اس کی متعدد مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ چونکہ یہ تفسیر اس وقت ہمارے پیش نظر نہیں ہے، اس لئے ہم یہ مثالیں اور اس تفسیر کے بارے میں بعض دیگر معلومات بھی ڈاکٹر صاحب موصوف کے اس مضمون سے اقتباس کر کے یہاں درج کریں گے۔ (۲۹۳)

تفسیر کی ضخامت:

یہ تفسیر پہلے زمانہ کی اس طرح کی کتابوں کے بڑے سائز کے دو ہزار چار سو سینتالیس (۲۴۴۷) صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ مطبع سلطانی لکھنؤ سے دو جلدوں میں شائع ہوئی تھی۔ بعد میں یہ چار جلدوں اور سات جلدوں میں شائع ہوئی جن کی تفصیل یہ ہے:۔

جلد اول:	سورۂ بقرہ سے سورۂ النساء تک	تعداد صفحات ۶۸۲
جلد دوم:	سورۂ المائدہ سے سورۂ توبہ تک	تعداد صفحات ۳۰۴
جلد سوم:	سورۂ یونس سے سورۂ نحل تک	تعداد صفحات ۳۰۸
جلد چہارم:	سورۂ بنی اسرائیل سے سورۂ فرقان تک	تعداد صفحات ۲۹۳
جلد پنجم:	سورۂ الشعراء سے سورۂ یٰسین تک	تعداد صفحات ۲۱۸
جلد ششم:	سورۂ صافات سے سورۂ حجرات تک	تعداد صفحات ۲۰۰
جلد ہفتم:	سورۂ ق سے سورۂ والناس تک	تعداد صفحات ۴۴۲
کُل صفحات:		۲۴۴۷

(۲۹۳) ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی۔ مضمون "تفسیر ذرہ؟" ۔ شعاع عمل۔

تفسیر کی تصنیف:

اس تفسیر بے نظیر کے بارے میں جناب سید المفسرین خود نواب امجد علی شاہ بہادر، شاہ اودھ کی تعریف وتوصیف میں بہترین القاب لکھ کے فرماتے ہیں:۔

"ان ایام خجستہ انجام میں کہ سنہ ہزار و دو صد و پنجاہ و سہ ہجری ہے۔ اس خاکسار کو کہ زائر ابن زائر یعنی سید علی بن فخر المجتہدین وقدوۃ المتکلمین سید دلدار علی ابن سید محمد معین النقوی اعلیٰ اللہ فی فرادیس الجنان مقامہما ارشاد ہوا کہ قبل ازیں تفسیر کلام اللہ کہ زبان اردوئے ہند میں تالیف ہوئی اور سیزدہ (۱۳) جزو مرتب ہو کر بہ سبب بعضے موانع کے اتمام کو نہ پہنچی، اس ہنگام میں اختتام کو پہونچا۔ برایں دیباچہ اس تفسیر کو بنام نامی ملازمین مزین کر کے مشغول اتمام ہوا اور اس تفسیر کا "توضیح المجید فی تنقیح کلام اللہ الحمید" نام رکھا۔" (۲۹۳)

اس تحریر سے یہ انکشاف ہوا کہ جناب سید علی طاب ثراہ نے ۱۲۵۳ھ سے بہت پہلے یہ تفسیر لکھنا شروع کر دی تھی اور اس کے تیرہ (۱۳) جزو مکمل کر لئے تھے۔ مگر بعض وجوہ سے اس پر کام رک گیا اور بادشاہ جنجاہ امجد علی شاہ کے ارشاد کے مطابق ۱۲۵۳ھ میں دوبارہ اس پر کام شروع ہوا۔ اور اسی سال مکمل بھی ہوئی اور شائع بھی ہوگئی۔

تفسیر بہ صنعت "زُبر بیّنہ"

یہ صنعت خود بہت مشکل ہے اور عام لوگوں کا اس کو سمجھنا محال ہوتا ہے۔ اس کی مثال شاعر اعظم خدائے سخن حضرت مرزا دبیر اعلیٰ اللہ مقامہ کی خدائے سخن میر انیس علیہ الرحمۃ کے انتقال پر کہی ہوئی تاریخ رحلت ہے جو اسی صنعت میں کہی گئی تھی۔

---

(۲۹۳) ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی۔ مضمون "تفسیر بہ زبر و بیّنہ"۔ شعاع عمل

''طور سیناء بے کلیم اللہ منبر بے انیسؔ''

اس مصرع کے زبر بینہ کے قاعدہ سے مرزا دبیرؔ نے میر انیسؔ کے سال رحلت ۱۲۹۱ھ کے اعداد کا استخراج کیا۔ انیسیوں نے اس تاریخ کو غلط قرار دیا اور مرزا صاحب کی ذاتِ اقدس کے خلاف خاصہ شور و غوغا کیا۔ مرزا دبیرؔ نے فرمایا کہ جو لوگ اعتراض کر رہے ہیں وہ زبر و بینہ کے قاعدہ سے واقف ہی نہیں ہیں۔ پھر انہوں نے پورے شعر سے عام قاعدہ کے مطابق تاریخ کہی اور ایسی بے مثال کہ تاریخ گوئی کی تاریخ میں اس کا جواب نہیں۔

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ قاعدہ بہت مشکل ہے اور جب آیاتِ قرآنی کے حروف کے اعداد اس طریقہ سے جمع کیے جائیں اور پھر انہی اعداد کے مطابق مدح معصومینؑ میں احادیث کے جملے تلاش کیے جائیں یا خود مدح کے جملے تصنیف کیے جائیں تو یہ کس قدر مشکل کام ہوگا، اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اس صنعت پر مکمل گرفت رکھتے ہوں اور مبدء فیاض نے ایسی بھرپور صلاحیت بھی عطا کی ہو کہ وہ اس صنعت سے قرآن مجید کی تفسیر لکھ دیں۔ ہمارا خیال ہے کہ جملہ مفسرین قرآن مجید میں یہ شرف صرف سید المفسرین ہی کو پروردگار عالم اور اس کے بندگان خاص علیہم الصلوٰۃ السلام کی طرف سے عطا ہوا۔

ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی صاحب لکھتے ہیں:۔

''مولانا سید علی مرحوم کی یہ بدقسمتی ہے کہ انہوں نے اپنی تفسیر میں صنعت زبر و بینہ سے کام لے کر ایک بڑی جدت و قدرت پیدا کی لیکن ان کی تفسیر پر لوگوں نے توجہ نہیں کی اور یہ معرکہ آراء ادبی علمی و دینی شاہکار آج گمنامی کا شکار ہے''۔

مولانا سید علی صاحب نے اپنی اردو تفسیر میں اس صنعت سے بے پناہ کام لیا اور

اس اعتبار سے انہوں نے اردو کے ادبی ذخیرہ میں بھی ایک زبردست اضافہ فرمایا۔

ہمارا خیال ہے کہ لوگوں کا اس تفسیر میں دلچسپی نہ لینا بعد کے زمانہ کی بات ہے اور اس کا سبب یہی ہے کہ جناب سید علی صاحب قبلہ بلکہ جناب بحرالعلوم مولانا علّن صاحب قبلہ کے بعد جتنا جتنا وقت گزرتا گیا، زبان وادب کو زوال ہوتا گیا اور لوگ ایک ایسی مشکل صنفِ ادب کو سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہوتے گئے۔ ورنہ بحرالعلوم کے زمانۂ اشاعتِ تفسیر ۱۳۰۸ھ اور اس کے فوراً بعد کے زمانہ تک یہ تفسیر اہلِ علم وادب اور اہلِ نظر حضرات میں بہت مقبول رہی ہوگی ورنہ خود مفسر موصوف کی زندگی میں لکھنؤ، ممبئی اور آگرہ وغیرہ سے کہیں دو مجلدات میں، کہیں چار اور کہیں سات مجلدات میں اور اس کے بعد حضرت بحرالعلوم کی طرف سے اس کی اشاعت کیوں ہوتی۔ ہم اس مضمون میں کہیں پر لکھ چکے ہیں کہ مطابع ایسی کتابیں نہیں چھاپتے جن کی فروخت کا امکان نہ ہو۔ مختلف مقامات سے مختلف اوقات یا زمانوں میں اس کی متعدد اشاعتیں اُس زمانہ میں اس کی مقبولیت پر شاہد ہیں۔

اب یہاں سے ہم جناب ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی کے مضمون سے سیدالمفسرین کے ترجموں کی بعض مثالیں نقل کر رہے ہیں اس لئے کہ فی الحال تفسیر "توضیح المجید" ہمارے پیش نظر نہیں ہے اور مکتبۃ العلوم ناظم آباد (کراچی) تک جانا اور سیڑھیاں چڑھ کے اس تک پہنچنا ہماری جسمانی تکالیف کی وجہ سے ممکن نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کے مضمون سے استفادہ کرنے کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

اب تراجم کی مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

ملاحظہ ہو سورۂ حمد کا ترجمہ:

"ابتدا کرتا ہوں ساتھ نام خدا کے کہ رحمٰن و رحیم ہے۔ تمام شکر ثابت ہے واسطے خدا کے کہ پالنے والا عالموں کا ہے، رحمٰن ہے، رحیم ہے، مالک روز قیامت کا ہے، تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں ہم، ہدایت کر ہم کو راہ راست کو کہ راہ ان لوگوں کی ہے کہ انعام کیا ہے تو نے اوپر ان کے، نہ راہ ان لوگوں کی کہ غضب کیا گیا ہے اوپر ان کے اور نہ راہ گمراہوں کی۔"

سورۂ انا انزلنا کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

"بدرستیکہ نازل کیا ہم نے اس کو بیچ شب قدر کے، اور کیا جانا تو نے کہ کیا ہے شب قدر؟ شب قدر بہتر ہے ہزار مہینے سے، نازل ہوتے ہیں ملائکہ اور جبرئیل بیچ اس کے ساتھ حکم پروردگار اپنے کے ہر امر سے سلامتی ہے اس شب میں تا اینکہ صبح طلوع ہو۔"

سورۂ فلق کا ترجمہ:

"کہہ تو پناہ مانگتا ہوں ساتھ پروردگار سفیدۂ صبح کے شر اس چیز سے کہ پیدا کیا اور بدی شب تاریک سے جس وقت آئے تاریکی اس کی اور شر پھونکنے والی عورتوں سے جو بیچ گرہ کے اور ہر حسد کرنے والے سے جب حسد کرے۔

سورۂ والناس کا ترجمہ:

"کہہ تو پناہ مانگتا ہوں میں ساتھ پروردگار آدمیوں کے بادشاہ مردمان کے معبود مردمان کے شر سے دیو وسوسہ کرنے والے کے ایسا کہ وسوسہ ڈالتا ہے بیچ سینہ ہائے

آدمیوں کے جنات اور آدمیوں سے۔"

سورۂ توحید کا ترجمہ:

اب ہم سورۂ قل ھواللہ کا ترجمہ مع تفسیر کے نقل کر رہے ہیں جس سے نہ صرف یہ کہ مصنف کے اندازِ تفسیر پر روشنی پڑتی ہے بلکہ ان کا اندازِ تحریر بھی ہمارے سامنے آتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"شروع کرتا ہوں ساتھ نام اللہ کے، بخشنے والے بڑے مہربان کے، کہہ تو وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہیں پیدا کیا کسی کو اور نہ پیدا کیا گیا کسی سے اور نہیں ہے واسطے اس کے ہمتا کوئی"۔

ابی بن کعب سے نقل ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو یہ سورہ پڑھے گویا کہ اس نے ثلث قرآن پڑھا اور دس گنے اس شخص سے کہ جو ایمان لائے ساتھ خدا اور رسولؐ اور ملائکہ اور کتب اور قیامت کے حسنہ واسطے اس کے لکھے جاتے ہیں اور ابی درداؔ نے سیدِ انبیاء سے نقل کی ہے کہ فرمایا کوئی تم لوگوں میں ایسا نہیں ہے کہ بیچ ایک شب کے ثلث قرآن پڑھے، کہا میں نے یا رسولؐ اللہ کون پڑھ سکتا ہے؟ فرمایا کہ قل ھواللہ پڑھو کہ ثواب اس کا مثل ثواب ثلث قرآن پڑھا گیا ہو اور اگر تین بار پڑھو تو سب قرآن پڑھا ہو۔ اور جو شخص کہ اپنے گھر میں جائے اور اس سورۂ کو پڑھے تو فقر اور احتیاج اس گھر سے باہر جاوے اور تونگری و فراخی بیچ اس گھر کے آوے۔ انس بن مالک نے رسولؐ اللہ سے نقل کیا ہے کہ جو ایک بار اس سورہ کو پڑھے حق تعالیٰ برکت دے اس کو بیچ نفس اور مال کے اور جو دو مرتبہ پڑھے اس کو اور اہل اس کے کو برکت دے

اور جو تین مرتبہ تلاوت کرے برکت دے واسطے اس کے اور ہمسایہ اس کے کے اور اگر بارہ مرتبہ پڑھے تو بارہ قصر بیچ بہشت کے واسطے اس کے بنا کرے اور فرشتوں کو کہے کہ آؤ تا قصرہائے برادر اپنے کو دیکھو کہ کیونکر بنا کیا ہے۔ اور اگر سو مرتبہ پڑھے تو گناہ پچپن برس کے اس کے بخشے جائیں سوائے خونِ ناحق اور غصب اموال کے، اگر چار سو مرتبہ پڑھے تو گناہ چار سو برس کے اس کے بخشے جاویں اور اگر ہزار مرتبہ پڑھے تو نہ مرے جب تک کہ جگہ اپنی بیچ بہشت کے نہ دیکھے یا اور آدمی اس کی جگہ کو دیکھیں۔ سہل بن ساعدی نے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ ایک مرد نزدیک پیغمبرؐ کے آیا اور فقر و فاقہ اور ـــــــــــــــــ بیچ گھر اپنے کے جائے تو سلام کر تو کسی کو دیکھے نہ دیکھے تو اور ایک مرتبہ قل ھواللہ پڑھ، اس مرد نے ساتھ اس عمل کے اقدام کیا اور حق سبحانہ تعالیٰ نے روزی اس کے اوپر فراخ کی تا آن کہ ہمسایہ کو بھی اپنے اس نے محفوظ کیا۔ سکونی نے ابی عبداللہ علیہ السلام سے نقل کی کہ جس وقت سعد بن معاذ نے وفات کی پیغمبر صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم نے نماز اوپر اس کے پڑھی اور فرمایا کہ جبرئیل نے ساتھ ستر ہزار فرشتہ کے نماز پیچھے میرے اوپر سعد کے پڑھی۔ کہا لوگوں نے یارسولؐ اللہ سعد نے یہ فضیلت کس چیز سے پائی، فرمایا قل ھواللہ کو اس نے ورد کیا تھا اور ہمیشہ اُٹھتے اور بیٹھتے اور سوار اور پیادہ اور آتے جاتے پڑھتا تھا۔ انس نے روایت کی ہے کہ ایک روز ساتھ رسول خدا صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم کے بیچ تبوک کے تھا میں، اس روز آفتاب طالع ہوا ساتھ ایسے نور اور شعاع کے کہ مثل اس کا ہرگز نہ دیکھا تھا میں نے، کہا میں نے یارسولؐ اللہ یہ کیا نور ہے کہ اوپر آفتاب کے غالب ہوا، آنحضرت متفکر ہوئے، جبرئیل نازل ہوئے اور کہا یارسولؐ اللہ معاویہ لیثی بیچ مدینے کے فوت ہوا تھا، حق تعالیٰ نے ستر ہزار فرشتے بھیجے کہ اس پر نماز پڑھیں۔ حضرت صلعم نے پوچھا کہ یہ مرتبہ کہاں سے پایا؟ کہا کہ ساتھ ورد قُـــل

هُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ کے کہ اس کو بیٹھے اور کھڑے اور چلتے اور پھرتے اور گاہ و بیگاہ پڑھتا تھا۔ کہا اے جبرئیل مجھ کو یہ آرزو ہے کہ اوپر اس کے نماز پڑھوں میں۔ پس طئی ارض ہوئی اور آنحضرت تبوک سے طرف مدینہ کے آئے اور ساتھ فرشتوں کے نماز پڑھی، اور ابو عبداللہ سے منقول ہے کہ جو شخص ایک روز اور ایک شب کی پانچوں نماز یومیہ میں قل ھو اللہ نہ پڑھے، تو اس کو کہتے ہیں کہ اے بندۂ خدا تو نماز پڑھنے والوں میں نہیں ہے اور اسحٰق بن عمار سے نقل ہے کہ ابی عبداللہ نے فرمایا کہ جس کو ایک جمعہ گزرے اور بیچ اس کے قل ھو اللہ نہ پڑھے اور مرے تو دین ابولہب پر مرے گا۔ اور انہیں حضرت سے مروی ہے کہ جو ایمان بخدا اور روزِ قیامت کے رکھے چاہئے کہ قرأت قل ھو اللہ کو بیچ نماز کے ترک نہ کرے، کس واسطے کہ جو قرأت اس کی کرے خیر دنیا اور آخرت کو جمع کرے، اور بخشے اللہ تعالیٰ اس کو اور ماں باپ اور فرزند اس کے کو اور عبداللہ بن حجر نے روایت کی ہے کہ امیر المومنینؑ سے سنا میں نے کہ فرمایا کہ جو بیچ عقب نماز صبح کے گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ پڑھے بیچ اس روز کے کوئی گناہ اس سے صادر نہ ہوگا اور شیطان کو ذلیل و خوار رکھے گا۔ اور ابی الحسن سے روایت ہے کہ جو نزدیک سلطان جبار و قہار کے جاتا چاہے اور اس سے خائف ہو تو قل ھو اللہ اوپر منہ اور چپ و راست اور پیچھے اپنے کے دم کرے تو حق تعالیٰ خیر اس سلطان کو اوپر اس کے پہنچا دے اور شر اس کے کو دفع کرے اور امیر المومنینؑ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو قل ھو اللہ سوتے وقت پڑھے حق تعالیٰ اس کے پچاس برس کے گناہ بخشے۔ ابن عباس سے نقل ہے کہ عامر بن طفیل اور ارید بن ربیعہ برادر لبید نزدیک رسول اللہ کے آئے، عامر نے کہا اے محمد ہم کو ساتھ کس کے دعوت کرتا ہے تو فرمایا: تم کو ساتھ خدا کے کہ مجتمع جمیع صفات کمال کا ہے دعوت کرتا ہوں میں، کہا کہ ہم سے وصف اس کا بیان کرو کہ وہ طلا سے ہے یا نقرہ سے یا آہن سے

یا چوب سے، یہ سورہ نازل ہوا۔ انہوں نے نہ مانا۔ پیچھے ان کے صاعقہ آیا اور اربد کو جلایا۔ اور عامر بھاگا۔ اتفاقاً نیزہ اوپر پہلو اس کے کے لگا۔ اور ہلاک ہوا اور معلوم نہ ہوا کہ کہاں سے آیا۔

بیچ معالم التنزیل کے ہے کہ یہودان نے کہا کہ یا ابوالقاسم وصف خدا کا کرتا کہ ساتھ تیرے ایمان لاؤں میں، کس واسطے کے وصف اس کے بیچ توریت میں دیکھے ہیں ہم نے، کہو تو کیا چیز ہے اور کیا کھاتا ہے اور کیا پیتا ہے اور کس سے میراث لی ہے اور میراث اس کی کون لے گا، پس یہ سورہ اترا۔ قَوْلُهٗ. قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ.

کہہ تو اے محمدؐ اس سے کہ تجھ کو پوچھتا ہے کہ وہ خدائے مجتمع صفاتِ کمال ہے اور یگانہ ہے یعنی متوحد ہے ساتھ ذات کے اور منفرد ہے ساتھ صفات کے اور اکثر مفسر اوپر اس کے ہیں کہ ضمیر شان ہے یعنی شان اور امرِ عظیم یہ ہے کہ خدا ایک ہے اور اس کا ثانی نہیں ہے، بیچ اُلوہیت اور قِدمیت کے۔ ابوجعفر علیہ السلام سے روایت ہے کہ امیرالمومنینؑ نے فرمایا کہ معنی اللہ کے معبود کے ہیں، ایسا معبود کہ گرویدہ ہوں طرف اس کے اور متحیر ہوں بیچ صفات اس کے تمام عالم اور پوشیدہ ہو دریافت کرنے بینائی سے اور محجوب ہو وہم اور خطرات سے، بعد اس کے فرمایا کہ معنی کلام امیرالمومنینؑ کے یہ ہیں کہ اللہ معبود ہے کہ بندے والہ اور متحیر اور سرگردان ہیں دریافت ماہیت اس کی سے اور اس کا نظیر اور مثل نہ ہو بیچ ذات اور صفات کے۔

قَوْلُهٗ. اَللّٰهُ الصَّمَدُ

معبود بحق پناہ سب محتاجوں اور نیازمندوں کا ہے اور بے نیاز ہے غیر اپنے سے، پس نہ کھاتا ہے اور نہ پیتا ہے برخلاف اس کے جو زعم یہودیوں کا ہے، اور بیچ تفسیر ماوردی کے لکھا ہے کہ صمد وہ ہے کہ جو چاہے کرے اور بیچ عین المعانی کے امام علی بن موسیٰ الرضاؑ سے نقل کیا ہے کہ صمد

وہ ہے کہ عقلیں دریافت کیفیت اس کی سے ناامید ہوں۔ امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ باپ میرے زین العابدینؑ نے اپنے باپ حسینؑ بن علیؑ سے روایت کی ہے کہ صمد وہ ہے کہ اس کو خوف نہ ہو اور صمد وہ ہے کہ نہ کھائے اور نہ پئے اور صمد وہ ہے کہ خواب نہ کرے، یعنی ایسا زندہ کہ ساتھ تینوں حاجتوں بشری کے محتاج نہ ہو اور صمد سید مطاع ہے کہ اوپر اس کے حکم کرنے والا اور منع کرنے والا نہ ہو۔ اور محمد حنفیہ سے نقل کی ہے کہ صمد قائم بنفسہ ہے۔ اور غنی بالذات اپنی سے اور کون وفساد سے متعالی اور غیر موصوف ہو ساتھ نظائر اور امثال کے اور علی بن زین العابدینؑ نے فرمایا کہ صمد وہ ہے کہ اس کے شریک نہ ہوں اور پیچ رنج کے نہ ڈالے اس کو نگاہ رکھنا کسی چیز کا اور پنہاں نہ ہو اس سے کوئی چیز اور وہب سے نقل ہے کہ صمد وہ ہے کہ جس وقت ارادہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا کرے ساتھ لفظ کن کے ایجاد اور ابداع اس کا کرے اور بہ اضداد و اشکال اور اوضاع مختلفہ احداث اس کا کرے اور منفرد ہو ساتھ وحدت کے اور اس کا ضد اور مثل نہ ہو۔ امام جعفر صادقؑ سے معنی صمد کے پوچھے فرمایا کہ تفسیر صمد وہ ہے کہ بعد اس کے فرماتا ہے لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ نہیں جنا۔ یعنی نہیں نکلی اس سے کوئی چیز کثیف کہ وہ ولد ہے اور سب اشیاء کثیف کہ مخلوق سے پیدا ہوتی ہے۔ اور نہ چیز لطیف کہ مانند نفس کے اور منبعث نہ ہو اس سے کوئی عوارض مانند نوم اور خطر اور غم اور حزن اور بہجت اور ضحک اور بکا اور خوف اور رجا اور رغبت اور شامتہ اور جوع اور شبع اور سوا اس کے یعنی متعالی ہے کہ متولد ہو اور باہر آئے اس سے اشیاء کثیفہ اور لطیفہ اور پیدا نہیں کیا گیا یعنی باہر نہ آیا ہو کسی چیز سے جیسے کہ اجزائے کثیفہ باہر آتے ہیں عناصر سے جیسے حیوان سے اور نبات زمین سے اور پانی چشموں سے اور اثمار درختوں سے جیسے کہ اشیائے لطیفہ کہ مرکز اپنے سے باہر آتی ہیں، مانند بینائی آنکھ سے اور سمع کان سے اور سونگھنا ناک سے، اور مزہ منہ سے

اور کلام زبان سے اور معرفت اور تمیز قلب سے اور آگ پتھر سے۔ بلکہ وہ صمد ہے، ایک ہے کہ لَا مِنْ شَیءٍ ہے اور لَا فِیْ شَیءٍ وَلَا عَلٰی شَیءٍ ہے اور مبدع اشیاء اور منشی امور بہ قدرت اور فنا کرنا اس کا ساتھ مشیت کے اور باقی رکھنا اس کا ساتھ مصلحت کے۔

قَولُهٗ . وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ.

اور نہیں ہے اور نہ تھا واسطے اس کے ہمتا اور مماثل کوئی، یعنی اس کا مثل و نظیر اور شبہ بیچ ذات اور صفات کے نہیں ہے، بعد اس کے فرمایا کہ جان (لو) کہ لَمْ يَلِدْ رد اس جماعت کی ہے کہ عزیر اور مسیح کو بیٹے خدا کے کہتے تھے۔ اور لَمْ يَلِدْ رد نصاریٰ کی ہے کہتے تھے کہ مسیح خدا ہے اور لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ رد مجوس اور مشرکین ہے کہ کہتے تھے کہ اس کے شریک اور انباز ہیں، اور بعضے کہتے ہیں کہ نزدیک معطلہ کے عالم کا کوئی صانع نہیں ہے اور فلاسفہ اوپر اس کے ہیں کہ ایک صانع ہے۔ لیکن نام اور صفت نہیں ہے اور مذہب مثنویان وہ ہے کہ شریک رکھتا ہے اور معتقد مشبہ کی دو ہے یعنی مانند ہے اس کا خلق میں اور یہود و ترسا کہتے ہیں کہ زن و فرزند ہیں، اور اعتقاد مغان کا یہ ہے کہ کفو رکھتا ہے کہ جب بندہ مومن کہتا ہے کہ تعطیل سے بیزار ہوا اور جس وقت اللہ کہا گفتار فلاسفہ سے پھرا۔ اور جس وقت احد کہا روش مثنویہ سے علیحدہ ہوا۔ هُوَ اللّٰهُ الصَّمَدُ کہا مذہب مشبہ سے دور ہوا اور جس وقت لَمْ يَلِدْ اور وَلَمْ يُوْلَدْ کہا یہود اور ترسا سے بیزاری کی اور جب وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ کہا معتقدِ مغان سے مبرا ہوا"۔

زُبرو بیّنہ کا قاعدہ اور اس کے مطابق تفسیر کی مثالیں:

ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی فرماتے ہیں:۔

تفسیر توضیح المجید کو تفسیر زبر و بینہ بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ تفسیر میں سینکڑوں آیات قرآنی کی تفسیر اعداد زبر و بینہ کی مدد سے کی گئی ہے۔ قبل اس کے کہ میں تفسیر سے زبر و بینہ کی مثالیں پیش کروں، میں یہ ضروری تصور کرتا ہوں کہ چند جملوں میں زبر و بینہ کی تشریح کر دوں اس لئے کہ شاید بعض حضرات اس سے واقف نہ ہوں۔

واقعہ یوں ہے کہ حروف ابجد کے اعداد دو طریقوں سے نکالے جاتے ہیں۔ ایک طریقہ زبر کہلاتا ہے اور دوسرا بینہ۔ زبر حرف ابجد کی خطی صورت ہے اور بینات انہیں حروف کی ملفوظی شکل کی اس صورت کو کہتے ہیں کہ جس میں سے زبر کو ساقط کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً ا ب ج د ہ و وغیرہ زبر ہیں۔ انہیں حروف کی ملفوظی شکل یہ ہوگی۔ الف با جیم دال ھا واؤ اب اس ملفوظی شکل میں سے زبر ساقط کر دیجئے تو لف ا یم ال ا اور او باقی رہ جاتا ہے اور اسے بینہ کہتے ہیں۔

اب ہم حروف ابجد کے زبر و بینات اور ان کے اعداد کا چارٹ درج کر رہے ہیں جن سے اس تفسیر کی مخصوص صنعت کو سمجھنا آسان ہوگا۔

زبر	ا	ب	ج	د	ہ	و	ز	ح	ط	ی	ک	ل	م	ن
اعداد	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۲۰	۳۰	۴۰	۵۰
بینات	لف	ا	یم	ال	ا	او	ا	ا	ا	ا	الف	ام	یم	ون
اعداد	۱۱۰	۱	۵۰	۳۱	۱	۷	۱	۱	۱	۱	۸۱	۳۱	۵۰	۵۶
زبر	س	ع	ف	ص	ق	ر	ش	ت	ث	خ	ذ	ض	ظ	غ
اعداد	۶۰	۷۰	۸۰	۹۰	۱۰۰	۲۰۰	۳۰۰	۴۰۰	۵۰۰	۶۰۰	۷۰۰	۸۰۰	۹۰۰	۱۰۰۰
بینات	ی ن	ی ن	ا	او	الف	ا	ی ن	ا	ا	ا	ال	او	ا	ی ن
اعداد	۶۰	۶۰	۱	۵	۸۱	۱	۶۰	۱	۱	۱	۳۱	۵	۱	۶۰

اب تفسیر کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔ واوین میں مصنف کی عبارت ہے اور قوسین میں میں نے اعداد دے کر اس کی تشریح کی ہے تاکہ عام قارئین بھی مستفید ہو سکیں۔

(۱) الٓمّٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ ج فِیْهِ ج هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ o الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ o

”تفصیل اس کی یہ ہے کہ الْکِتٰب چھ حروف ہیں۔ عدد اس کے بہ حساب زُبر چار سو چون ہیں۔ مطابق اس کے یہ عبارت پیدا ہوتی ہے عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰهِ هُوَ اِمَامُ الْحَقِّ“

(تشریح

ا ل ک ت ا ب

۱ ۳۰ ۲۰ ۴۰۰ ۱ ۲ = ۳۵۴

عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰهِ هُوَ اِمَامُ الْحَقِّ“

ع ل ی و ل ی ل ل ا ہ ہ

۷۰ ۳۰ ۱۰ ۶ ۳۰ ۱۰ ۳۰ ۳۰ ۱ ۵ ۵

و ا م ا م ا ل ح ق

۶ ۱ ۴۰ ۱ ۴۰ ۱ ۳۰ ۸ ۱۰۰ = ۳۵۴)

’الکتٰب“ عدد اس کے بہ حساب بیّنات تین سو چوالیس ہوتے ہیں خارج ہوتی ہے مطابق اس عدد کے یہ عبارت عَلِیٌّ هُوَ اِمَامُ الْحَق“

(تشریح: ا ل ک ت ا ب کے بیّنات درج ذیل ہیں:

ل ف ا م ا ف ا ل ف ا

۳۰ ۸۰ ۱ ۴۰ ۱ ۸۰ ۳۰ ۸۰ ۱ = ۳۴۴

ع ل ی ہ و ا م ا م ب ا ل ح ق

(۷۰ ۳۰ ۱۰ ۵ ۶ ۱ ۴۰ ۱ ۴۰ ۲ ۱ ۳۰ ۸ ۱۰۰ = ۳۴۴

''اور لِلْمُتَّقِیْنَ سات حرف ہیں اور عدد اس کے بہ حساب زبر چھ سو ساٹھ ہیں، مطابق اس کے یہ عبارت پیدا ہوئی لِمَوَالِی الْاَئِمَّۃِ وَحُبِّہِمْ وَلِمَوَالِی آلِ نَبِیِّ وَالْاَشْیَاعِ''

(تخریج: لِلْمُتَّقِیْنَ

ل ل م ت ق ی ن

۳۰ ۳۰ ۴۰ ۴۰۰ ۱۰۰ ۱۰ ۵۰ = ۶۶۰

ھُدًی لِمَوَالِی الْاَئِمَّۃِ وَحُبِّہِمْ

ہ د ل م و ا ل ی ا ل ا ا م ت و

۵ ۴ ۳۰ ۴۰ ۶ ۱ ۳۰ ۱۰ ۱ ۳۰ ۱ ۱ ۴۰ ۴۰۰ ۶

ح ب ہ م

۸ ۲ ۵ ۴۰ = ۶۶۰

لِمَوَالِی آلِ نَبِیِّ وَالْاَشْیَاعِ''

ل م و ا ل ی ا ل ن ب ی

۳۰ ۴۰ ۶ ۱ ۳۰ ۱۰ ۱ ۳۰ ۵۰ ۲ ۱۰

و ا ل ا ش ی ا ع

۶ ۱ ۳۰ ۱ ۳۰۰ ۱۰ ۱ ۷۰ = ۶۶۰)

"اور زُبر لِلْمُتَّقِیْنَ سے یہ عبارت بھی پیدا ہوتی ہے:

لِمَوَالِی عَلِیٍّ وَصِیِّ الرَّسُوْلِ"

(تشریح: اس عبارت کے عدد درج ذیل ہیں:

ل م و ا ل ی ع ل ی و ص ی ا

۳۰ ۴۰ ۶ ۱ ۳۰ ۱۰ ۷۰ ۳۰ ۱۰ ۶ ۹۰ ۱۰ ۱

ل ر س و ل

۳۰ ۲۰۰ ۶۰ ۶ ۳۰ = ۶۶۰)

"اور عدد لِلْمُتَّقِیْنَ کے بہ حساب بینات دو سو اکہتر ہوتے ہیں، مطابق اس کے یہ عبارت پیدا ہوتی ہے:

ھٰؤُلَاءِ مُحِبُّوْ عَلِیٍّ وَاَوْلَادِہٖ جِدًّا اور وَھُمْ مُحِبُّوْا عَلِیٍّ وَاَوْلَادِہٖ "

(تشریح: لِلْمُتَّقِیْنَ کے بینات درج ذیل ہیں:

ا م ا م ی م ا ا ف ا و ن

۱ ۴۰ ۱ ۴۰ ۱۰ ۴۰ ۱ ۱ ۸۰ ۱ ۶ ۵۰ = ۲۷۱

ھٰؤُلَاءِ مُحِبُّوْ عَلِیٍّ وَاَوْلَادِہٖ جِدًّا۔

ہ ا و ل ا ا ح ب و ع ل ی

۵ ۱ ۶ ۳۰ ۱ ۱ ۸ ۲ ۶ ۷۰ ۳۰ ۱۰

و ا و ل ا د ہ ج د ا

۶ ۱ ۶ ۳۰ ۱ ۴ ۵ ۳ ۴ ۱ = ۲۷۱

وَهُمْ مُجِبُّوْا عَلِيَّ وَاَوْلَادِهٖ

و ہ م م ح ب و ا ع ل ی و ا و ل ا د ہ

۶ ۵ ۴۰ ۴۰ ۸ ۲ ۶ ۱ ۷۰ ۳۰ ۱۰ ۶ ۱ ۶ ۳۰ ۱ ۴ ۵ = ۲۷۱

"اور یہ عبارت بھی بینات سے پیدا ہوتی ہے:

هُمْ مَوَالِی عَلِيِّ وَ اَحِبَّاؤُهٗ

(تشریح: اس عبارت کے اعداد یہ ہوتے ہیں:

ہ م م و ا ل ی ع ل ی و ا ح ب ا و ہ

۵ ۴۰ ۴۰ ۶ ۱ ۳۰ ۱۰ ۷۰ ۳۰ ۱۰ ۶ ۱ ۸ ۲ ۱ ۶ ۵ = ۲۷۱)

"اور عدد اَلْغَیْبُ کے پانچ حرف ہیں بہ حساب زبر ایک ہزار تینتالیس ہیں۔ مطابق اس کے یہ عبارت پیدا ہوتی ہے۔

وَاَجَاءَ النَّاسَ وَانْبِسَاطُهُمْ وَ قِيَامُ الْمَهْدِيِّ وَالْهُدٰى وَاِحْيَاءُ مَوَالِيْهِ قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ "

(تشریح: الغیب کے اعداد بہ حساب زبر درج ذیل ہیں:

ا ل غ ی ب

۱ ۳۰ ۱۰۰۰ ۱۰ ۲ = ۱۰۴۳)

وَاَجَاءَ النَّاسَ وَانْبِسَاطُهُمْ وَ قِيَامُ الْمَهْدِيِّ وَالْهُدٰى وَاِحْيَاءُ مَوَالِيْهِ قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ "(۱۰۴۳)

"اور زبر الغیب سے یہ عبارت بھی پیدا ہوتی ہے:

اَلْخَلَفُ الصَّالِحُ الْمَهْدِیُ ’اَلْهَادِیُ

(تشریح: اَلْخَلَفُ الصَّالِحُ الْمَهْدِیُ ’اَلْهَادِیُ کے اعداد درج ذیل ہیں:

ا ل خ ل ف ا ل ص ا ل ح ا ل

۱ ۳۰ ۶۰۰ ۳۰ ۸۰ ۱ ۳۰ ۹۰ ۱ ۳۰ ۹۰ ۱ ۳۰ ۸ ۱ ۳۰

م ہ د ی ا ل ہ ا د ی

۴۰ ۵ ۴ ۱۰ ۱ ۳۰ ۵ ۱ ۴ ۱۰ = ۱۰۴۳)

”اور عدد الغیب کے بہ حساب بینات دو سو تیرہ ہوتے ہیں اور مطابق اس کے یہ عبارت پیدا ہوتی ہے:

هُوَ ابْنُ الْحَسَن “

تشریح: الغیب کے عدد بہ حساب بینات ۲۱۳ ہوتے ہیں۔

ل ف ا م ی ن ا ا

۳۰ ۸۰ ۱ ۴۰ ۱۰ ۵۰ ۱ ۱ = ۲۱۳

هُوَ ابْنُ الْحَسَن کے عدد بھی ۲۱۳ ہوتے ہیں۔

ملاحظہ ہو:

ہ و ا ب ن ا ل ح س ن

۵ ۶ ۱ ۲ ۵۰ ۱ ۳۰ ۸ ۶۰ ۵۰ = ۲۱۳

اور وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُوْنَ سترہ حرف ہیں۔ عدد اس کے بہ حساب زبر سات سو چھیاسی ہیں۔ مطابق اس کے یہ عبارت پیدا ہوتی ہے: وَمِمَّا عَلَّمْنَا كَلَامَنَا يَقْرَؤُنَ. “

(تشریح: وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ کے اعداد یہ ہیں:

و م م ا ر ز ق ن ا ہ م ی ن ف ق و ن

۶ ۴۰ ۴۰ ۱ ۲۰۰ ۷ ۱۰۰ ۵۰ ۱ ۵ ۴۰ ۱۰ ۵۰ ۸۰ ۱۰۰ ۶ ۵۰ =۷۸۶

وَمِمَّا عَلَّمْنَا كَلَامَنَا يَقْرَؤُنَ.

و م م ا ع ل م ن ا ک ل ا م ن ا

۶ ۴۰ ۴۰ ۱ ۷۰ ۳۰ ۴۰ ۵۰ ۱ ۲۰ ۳۰ ۱ ۴۰ ۵۰ ۱

ی ق ر و ن

۱۰ ۱۰۰ ۲۰۰ ۶ ۵۰ = ۷۸۶)

"اور تائید کرتی ہے اس کی وہ روایت کہ ذکر کیا اس کو علی بن ابراہیم نے پدر سے اپنے اور اس نے محمد بن ابی عمر سے اور اس نے جمیل بن صالح سے اور اس نے مفضل سے اور اس نے جابر سے اور اس نے ابی جعفر علیہ السلام سے کہ فرمایا ان حضرت نے الم اور جو حرف کہ قرآن میں ہے قطع کی گئی ہیں اسمِ اعظم اللہ سے اور ترکیب دی ہے اس کی رسولؐ نے یا امام علیہ السلام نے پس اگر کوئی دعا بحق اس حرف کے طلب کرے البتہ مقرون اجابت ہوتی ہے۔

(۲) "اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاءِ ذِى الْقُرْبٰى.

العدل پانچ حرف ہیں، زبر اس کے ایک سو پینتیس ہوتے ہیں۔ نکلی اس سے یہ عبارت:

اَحْمَدُ الْاُمِّیْ"

(تشریح: العدل:

ا ل ع د ل

۱ ۳۰ ۷۰ ۴ ۳۰ = ۱۳۵

اَحْمَدُ الْاُمِّی

ا ح م د ا ل ا م ی

۱ ۸ ۴۰ ۴ ۱ ۳۰ ۱ ۴۰ ۱۰ = ۱۳۵

"الاحسان سات حرف ہیں۔ زبر اس کے ایک سے اکاون ہوتے ہیں، نکلی اس سے یہ عبارت علی الھادؑ"

(تشریح:

ا ل ا ح س ا ن

۱ ۳۰ ۱ ۸ ۶۰ ۱ ۵۰ = ۱۵۱

عَلِیٌّ الْھَادِ.

ع ل ی ا ل ہ ا د

۷۰ ۳۰ ۱۰ ۱ ۳۰ ۵ ۱ ۴ = ۱۵۱

"اَھْلُ الذِّکْرِ آٹھ حرف ہیں۔ بینات اس کے چار سو سولہ ہوتے ہیں۔ مطابق اس کے یہ عبارت نکلی اَلْمُصْطَفیٰ وَابْنُ اَبِی طَالِبٍ وَّاٰلِہٖ "

تشریح: اھل الذکر کے بینات درج ذیل ہیں:

ل ف ا ا م ل ف ا م ا ل ا ف ا

۳۰ ۸۰ ۱ ۱ ۴۰ ۳۰ ۸۰ ۱ ۴۰ ۱ ۳۰ ۱ ۸۰ ۱ = ۴۱۶

اَلْمُصْطَفٰی وَابْنُ اَبِی طَالِبٍ وَآلِہٖ

ا ل م ص ط ف ی و ا ب ن

۱ ۳۰ ۴۰ ۹۰ ۹ ۸۰ ۱۰ ۶ ۱ ۲ ۵۰

ا ب ی ط ا ل ب و ا ل ہ

۱ ۲ ۱۰ ۹ ۱ ۳۰ ۲ ۶ ۱ ۳۰ ۵ = ۴۱۶

"کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ نو حرف ہیں۔ بینات اس کے ایک سو ستانوے ہوتے ہیں۔ نکلی اس سے یہ عبارت

ھی محمد الامی جداً"

کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ کے بینات درج ذیل ہیں:

ا ف ی ن ی م ا ا ا ا ا ا

۱ ۸۰ ۱۰ ۵۰ ۱۰ ۴۰ ۱ ۱ ۱ ۱ ۱ ۱ = ۱۹۷

ھِیَ مُحَمَّدُ الْاُمِّیُّ جِدًّا کے اعداد ملاحظہ ہوں:

ہ ی م ح م د ا ل ا م ی ج د ا

۵ ۱۰ ۴۰ ۸ ۴۰ ۴ ۱ ۳۰ ۱ ۴۰ ۱۰ ۳ ۴ ۱ = ۱۹۷

"وَفَرْعُھَا چھ حرف ہیں۔ بینات اس کا ایک سو اٹھتی، نکلی اس سے یہ عبارت:

ھُوَ عَلِیُّ الْھَادِی جِدًّا

(تشریح: وَفَرْعُهَا کے بینات

ا و ا ا ی ن ا ل ف

۱ ۶ ۱ ۱ ۱۰ ۵۰ ۱ ۳۰ ۸۰ = ۱۸۰

هُوَ عَلِیُّ الْهَادِی جِدًّا کے اعداد

ہ و ع ل ی ا ل ہ ا د ی ج د ا

۵ ۶ ۷۰ ۳۰ ۱۰ ۱ ۳۰ ۵ ۱ ۴ ۱۰ ۳ ۴ ۱ = ۱۸۰

(۵) اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ.

''الکوثر چھ حرف ہیں۔ زبر اس کی سات سو ستاون ہوتے ہیں۔ نکلی اس سے یہ عبارت نَهْرٌ فِی الْجِنَانِ لِحَبِیْبِ اللّٰهِ وَوَلِیِّهٖ وَاَوْلَادِهِمَا جِدًّا. اور بینات اس کی دو سو اکتالیس ہوتی ہیں اور مجموع انہیں دونوں کی نو سو اٹھانوے ہوتے ہیں، نکلی اس سے یہ عبارت نَهْرٌ فِی الْجِنَانِ لِاٰلِ الْعِبَا وَلَیْسَ لِاَحَدٍ فِیْهِ حَقٌّ" ''

(تشریح: الکوثر کے اعداد

زبر سے:

ا ل ک و ث ر

۱ ۳۰ ۲۰ ۶ ۵۰۰ ۲۰۰= ۷۵۷

بینات سے

ل ف ا م ا ف ا و ا ا

۳۰ ۸۰ ۱ ۴۰ ۱ ۸۰ ۱ ۶ ۱ ۱ = ۲۴۱

مجموع زبر و بینات = ۹۹۸

نَهْرٌ فِي الْجِنَانِ لِحَبِيْبِ اللّٰهِ وَوَلِيِّهٖ وَاَوْلَادِهِمَا جِدًّا کے اعداد

ن ہ ر ف ی ا ل ج ن ا ن ل ح

۵۰ ۵ ۲۰۰ ۸۰ ۱۰ ۱ ۳۰ ۳ ۵۰ ۱ ۵۰ ۳۰ ۸

ب ی ب ا ل ل ہ و و ل ی ہ و ا

۲ ۱۰ ۲ ۱ ۳۰ ۳۰ ۵ ۶ ۶ ۳۰ ۱۰ ۵ ۶ ۱

" وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ " نو حرف ہیں۔ زبر اس کے چار سو ایک ہوتے ہیں۔ نکلی اس سے یہ

عبارت: عَلِیٌّ الْوَلِیُّ سَیِّدُ الْاَوْصِیَاءِ.

(تشریح: وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ کے عدد درج ذیل ہیں۔:

و ط و ر س ی ن ی ن

۶ ۹ ۶ ۲۰۰ ۶۰ ۱۰ ۵۰ ۱۰ ۵۰ = ۴۰۱

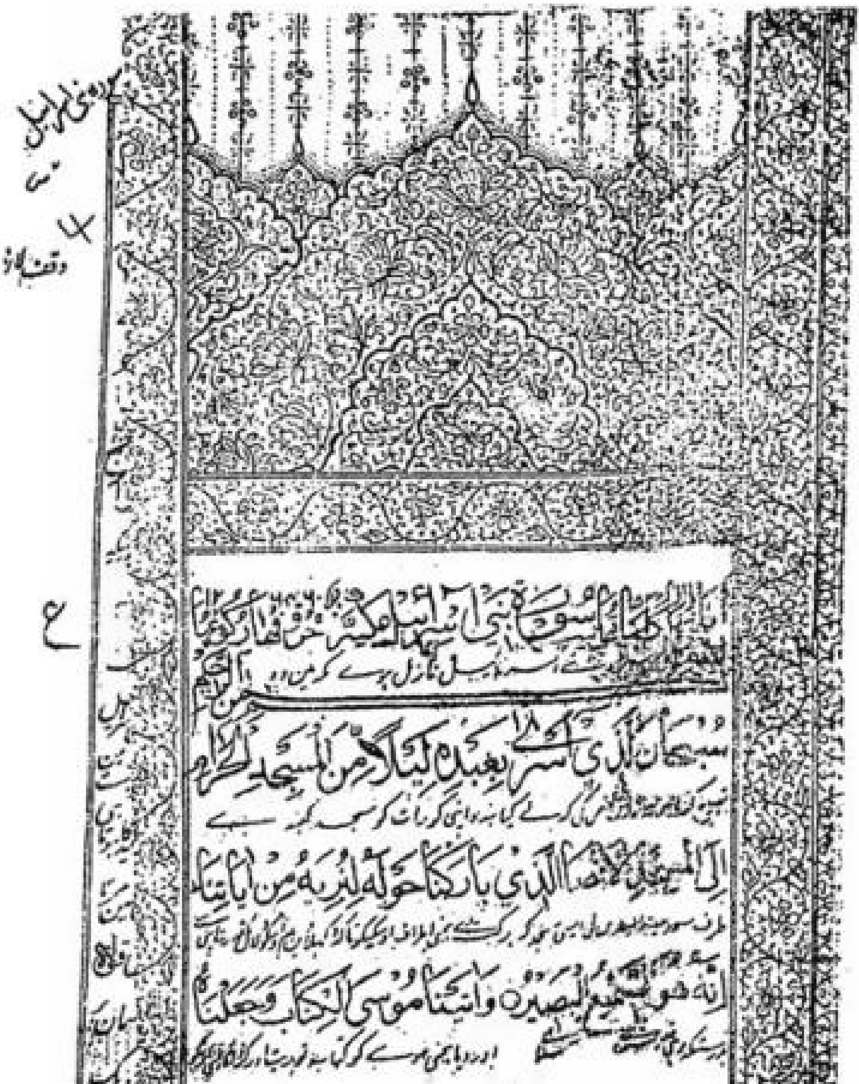
عَلِیٌّ الْوَلِیُّ سَیِّدُ الْاَوْصِیَاءِ. کے اعداد درج ذیل ہیں:

ع ل ی ا ل و ل ی س ی د ا ل ا و ص ی ا ا

۷۰ ۳۰ ۱۰ ۱ ۳۰ ۶ ۳۰ ۱۰ ۶۰ ۱۰ ۴ ۱ ۳۰ ۱ ۶ ۹۰ ۱۰ ۱ ۱ = ۴۰۱

تفسیر کے بعض صفحات کی عکسی نقول:

اب ہم یہاں قارئین کرام کے ملاحظہ اور تفسیر مذکور کے دیدار کی مسرت حاصل کرنے کے لئے اس کے ایک دو صفحات کی عکسی نقول اگلے صفحات پر پیش کر رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔


بسم اللہ الرحمن الرحیم

سبحان الذی اسرٰی بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام

الی المسجد الاقصا الذی بارکنا حولہ لنریہ من اٰیاتنا

انہ ھو السمیع البصیر واٰتینا موسی الکتاب وجعلنا

هُدًى لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ أَلَّا تَتَّخِذُوا مِن دُونِي وَكِيلًا ذُرِّيَّةَ

راہ نما بندہ واسطے فرزندان یعقوب کی یہ کہ نہ لو تم سوائے میری کسی چیز کو کارساز ذریت

مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ۝ وَقَضَيْنَا

ان شخصوں کی کہ اٹھایا ہم نے ساتھ نوح کے بہ تحقیق وہ تھا نوح بندہ شکر گزار اور وحی کی ہم نے

إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ

طرف بنی اسرائیل کے بیچ توریت کی کہ البتہ فساد کرو گے تم بیچ زمین کی دو مرتبہ

وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ۝ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا

اور تکبر کرو گے تکبر بڑا پس جس وقت کہ آوے وعدہ عذاب اول ان دو فسادوں کا بھیجیں گے ہم

عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ

اوپر تمہاری اپنے بندے جنگجو سخت لڑائی والے پس تلاش کریں گے دشمن بیچ گھروں تمہاری کی

وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ

اور ہے وعدہ پورا کیا ہوا پھر پھیر دیں گے ہم واسطے تمہاری غلبہ اوپر ان کی

وَأَمْدَدْنَاكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ۝

اور مدد کریں گے ہم تمہاری ساتھ مالوں اور اولاد کی اور کریں گے ہم تم کو زیادہ مددگار

إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا فَإِذَا

اگر نیکی کی تم نے نیکی کی تم نے واسطے نفسوں اپنے کی اور اگر بدی کی تم نے پس واسطے انہی کے ہے پس جب

جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ

آوے وعدہ عذاب دوم کا تاکہ بدنما کر دیں وہ چہرے تمہاری کو تاکہ داخل ہوں بیچ مسجد اقصیٰ کی



بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب المربوبین الرحمن علی العالمین

جمیع شکر و ثنا ہے واسطے خدا کے کہ مربی ہے مخلوقات کا رحمت کنندہ ہے اوپر عالمین کے

الرحیم علی المؤمنین تبارک اللہ احسن الخالقین

احسان کنندہ ہے اوپر مومنین کے بزرگ ہے خدا کہ بہتر خالقوں کا ہے

الواحد الفرد الصمد الذی لم یکن له کفوا احد

ایک ہے تنہا ہے سردار ہے بے نیاز ہے ایسا کہ نہیں ہے واسطے اوسکے مانند کوئی چیز

اعوذ به من شر حاسد اذا حسد ومن شر النفاثات فی

پناہ مانگتا ہوں ساتھ اوسکے بدی حسد کنندہ کی جسوقت حسد کرے اور بدی زنان جادو کنندہ کی بیچ

العقد وصلی اللہ علی خیر خلقه محمد المبعوث علی

گرہوں کی اور درود نازل کرے اللہ اوپر بہتر مخلوق اپنی کے محمد ہیں کہ مرسل ہیں اوپر

۳

حسین ہی یعنی کہ جنکو اقصا کہتے ہیں یہ ہی کہ وہ مسجد بیت المقدس کی ہی یعنی وہ مسجد ہی کہ برکت دی
ہمنی اوس میں کو فرمایا یعنی شام میں ہی نور مراد برکت سی یہ ہی کہ وہ مسجد کہ جای نزول
وحی انبیا تھی اور اشجار کثیر اور نہرہای بسیار اور فراوانی معیشت کی بہت تھی اور
اکثر علما اہل یمن کہ معراج حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر ہم بعثت واقع ہوئی
اور مشہور ہی ... تعجب ہی اور جانا اون حضرت کا کہ سی بیت المقدس کی طرف ... ثابت
ہوا ہی اور منکر اسکا کافر ہی اور بقول اکثر جمہور عروج آنحضرت کا بجسد اور بروح حالت
حالت بیداری میں واقع ہوا ہی شہابی نقل کرتی ہیں کہ شب معراج حضرت رسالت صلی اللہ
علیہ وآلہ اسی گھر میں تھی جب کہ نماز عشا سی فارغ ہوئی ... نماز عشا پڑہی اور سو رہی
اور وہ حضرت کی صبح نماز کی ... خواب ... غالب ... صبح ہوئی بیدار کیا
فرمایا کہ او شہابی ... کہ تمسی ایک حدیث عجیب بیان کروں ... کہتی ہیں
اور نماز صبح پڑہی فرمایا حضرت نی کہ آگاہ ہو کہ شب جبرئیل ایک سیر ... آئی اور کہا کہ ...
اور غسل کیا اور وضو کیا ... اوسی طرح ... لایا میں اور اکثر روایت میں ہی کہ ...
باب ... کہ لائی کہ ... غسل اور وضو کیا بعد اسکی منزل سی باہر آیا میں
... کہ ... اتنی ... اور وہ ... اور خچر ... اور ...
... آدمی کی ... اور اوسکی ... اور ... اور ...
سم ... اور ... اور ایک ... پہنا ہوا ... ہی ... سی
رکہا ہوا تہا اور اوسکی ... اوس کی ... کو اوسکی ... اور کہا کہ
سوار ہو ... ہی تہا ... جناب نبوی قیامت میں

حی

۱۹

غالب ہوگیا اور یہہ مشتق الٰہ سے ہے یعنی معبود کی اور الرحمٰن الرحیم یہہ دونوں اسم ہیں کہ وضع کئی گئی ہیں واسطے مبالغہ کی اور مشتق رحم سے ہیں مثل غضبان کی غضب سے اور علیم کی علم سے اور معنی رحمت کی لغت میں رقت قلب کے ہیں اور عطوفت کی واسطے جسکے تفضل اور احسانکو مقتضی ہو اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ والہ سے مروی ہے کہ سورہ فاتحہ شفا ہے جمیع درد کا ہے اور ابو سلمان نے روایت کی ہے کہ ہمراہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی کسی جنگ کو گئی تھے ہم کہ ناگاہ ہم میں سے ایک شخصکو صرع عارض ہوئی ایک صحابی نے سورہ فاتحہ اوسکی کوش میں پڑہا وہ شخص اوٹھہ کھڑا ہوا اور صرع اوس سے زایل ہوگئے اس قصہ کو عرض حضرت سے کیا فرمایا کہ یہہ سورۃ اصل قرآن ہے اور شفا جمیع امراض اور درد کا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ابتدا کرتا ہوں ساتھ نام خدا کے کہ رحمن ہے رحیم ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ

تمام شکر ثابت ہے واسطے خدا کے کہ پالنے والا عالموں کا ہے رحمن ہے رحیم ہے مالک روز قیامت کا ہے

اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ

تیری ہی عبادت کرتے ہیں ہم اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں ہم ہدایت کر ہمکو راہ راست کی

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ

راہ اون لوگوں کی کہ انعام کیا ہے تو نے اوپر انکے نہ اون لوگوں کی کہ غضب کیا ہے اوپر انکے اور نہ گمراہوں کی

مسلم ابن حجاج نے صحیح اپنی میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ سے روایت کی
فرمایا کہ حقتعالی فرماتا ہی کہ میں نے سورہ فاتحہ کی قسمت کی ہی درمیان اپنی اور
بندونکی نصف اپنی واسطی اور نصف بندونکی واسطی ہرگاہ بندہ کہتا ہے
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ حقتعالی فرماتا ہی کہ بندی میری نے ابتدا کے
ساتھ نام میری کی مجکو واجب ہی کہ تمام کارہای دنیا اور آخرت کو سرانجام
کروں اور اوسکے مال میں برکت دوں اور جس وقت کہ کہتا ہی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ
رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ حق سبحانہ تعالی فرماتا ہی کہ بندی میری نے ثنا وستائش
میری کی اور ہرگاہ کہ بندہ کہتا ہی اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ جانب خدا سے خطاب آتا ہے
کہ بندہ میرا ثنا وستائش میری کہتا ہی اور مدح میری ورد زبان کرتا ہی اور
ہرگاہ کہ بندہ کہتا ہی مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ حقتعالی فرماتا ہے کہ بندہ میرا
بزرگواری میری یاد کرتا ہی اور ہرگاہ کہ بندہ کہتا ہی اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ
اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ حقتعالی فرماتا ہی یہ ہے درمیان میرے اور بندی میرے کے
اور یہہ وہ عہد ہی کہ روز الست میں اوس سے لیا تھا یعنی اور یہہ صفات کہ
مذکور ہوئی مخصوص میری ہیں اور ہرگاہ بندہ کہتا ہی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ
الْمُسْتَقِيْمَ سے تا آخر سورہ حق سبحانہ تعالی فرماتا ہی کہ یہہ صفات بندی میری کے
ہیں واجب ہی مجکو کہ میں اوسکو راہ راست بتاؤں اور جمیع حاجات اوسکے
روا کروں **توضیح** معلوم کرو کہ ہرگاہ بسم اللہ الرحمن الرحیم افتتاح ہر امر
منعم حقیقی ہی اور اعتراف سائر الوہیت اوسکی کی اور یہہ باعث ہی مشغول

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا
سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ
لَمَجْنُوْنٌ وَّمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ
لِّلْعٰلَمِيْنَ

كافة الجن والبشر المؤيد من معجزة القرآن الذي هو كلام

جمیع جن اور بشر کی ہیں اور ایسی کہ مدد کی گئی ہیں معجزہ قرآن سے وہ قرآن کہ وہی کلام

خالق الاعز الاكبر وآله الذين اذهب الله عنهم

خالق کا ہے کہ عزیز ہے کبیر ہے اور اوپر آل ان کی ایسی کہ دور کیا ہے اللہ نے ان سے

الرجس وطهرهم تطهيرا لاسيما على ابن عمه علي المرتضى

نجاست کو اور پاک کیا ہے ان کو جیسا کہ حق ہے طہارت کا خصوصاً اوپر بیٹے عم کے اپنے کہ وہ علی مرتضیٰ ہیں

الذي حبه جنة من نار اللظى وبغضه اعني الضلالة وهو

ایسے کہ محبت ان کی سپر ہے آتش دوزخ سے اور عداوت ان کی موجب ہے بیشی گمراہی اور ہلاکت کے

حل لغات

الحمد وہ ثنا کرنا ہے ساتھ نیکی کی بنا بر قصد تعظیم کی۔ الربُّ لغت میں اوس کے کئی معنی ہیں ایک یہ معنی خدا المالک کو کہتے ہیں ایک تربیت کنندہ کو اور بمعنی سید اور مصلح کے اور تعلیم کنندہ اور رحمت دہندہ اور صاحب کے ہیں اور معنی الرحمٰن کی یہ ہیں کہ بہت بڑا مہربان ہے مستحق بخشا ہے دنیا و دین کا احسان کرنے کا اور نیکی کے اور معنی الرحیم کی یہ ہیں کہ خدا مہربان ہے بہت تعظیم کرنا ہی اور معنی تبارک کی برکت کی ہیں اور منفعت کی اور عظمت کے اور وسعت رحمت کی اور کثرت نعمت کے ہیں اور معنی الواحد کی یکتا اور تنہا کی ہیں کہ نہ فرزند رکھتا ہے نہ زوجہ اور معنی

سید المفسرین کی رحلت:

ہم لکھ چکے ہیں کہ ایران و عراق کے دوسرے سفر پر سید المفسرین جناب سید علی صاحب قبلہ طاب ثراہ ۱۲۵۶ھ میں کثیر التعداد رفقاء کے ساتھ روانہ ہوئے اور شدت وصعوبات منازل اور مختلف تکالیف جھیلتے ہوئے مشہدِ مقدس پہنچے۔ وہاں سے کربلائے معلیٰ زیارت کو تشریف لے گئے۔ یہیں سے ۱۸ ماہ رمضان المبارک ۱۲۵۹ھ/۱۲ر اکتوبر ۱۸۴۳ء کو اٹھاون سال گیارہ ماہ کی عمر میں آخری منزل عالمِ جاودانی کی طرف کوچ کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ کربلائے معلیٰ ہی میں حجۃ الاسلام آقا سید مجاہد سید محمد خلف حضرت سید علی طباطبائی "صاحب "شرح کبیر" کی قبر کے پہلو میں دفن ہوئے۔ اس حوالہ سے مولانا محمد جواد صاحب قبلہ کا یہ خوبصورت جملہ ملاحظہ فرمایئے:۔

"جوار، حسینؑ کے اُنس نے ہمیشہ کے لئے دل میں رکھ لیا۔"

سید المفسرین کی رحلت کا اثر:۔

جناب مولانا سید محمد جواد صاحب قبلہ تحریر فرماتے ہیں کہ جناب سید علی صاحب طاب ثراہ کے انتقال کا عراق میں یہ اثر ہوا تھا کہ مدرسے بند ہو گئے تھے اور تمام کاروبار چھوٹ گئے تھے۔ بعض فضلائے عراق نے لکھا:۔

"فلم یریٰ ذالک الیوم اِلّا باک او باکیۃ وناع و ناعیۃ حتیٰ قبل قامت قیامۃ اھل الطف." (۲۹۶۔الف)

اس دن کوئی ہنستا (ہوا) نہ دکھائی دیتا تھا جو تھا وہ رو رہا تھا۔ اسی ذکر میں مصروف تھا۔

(۲۹۶۔الف) مولانا محمد جواد صاحب قبلہ۔ ماہنامہ شعاع عمل۔ نومبر ۲۰۱۰ء۔ ص۔۱۹

معلوم ہوتا تھا کہ کربلائے معلی میں قیامت برپا ہے"

اکثر علمائے عراق نے مراثی نظم کئے اور جناب سلطان العلماءؒ اور سید العلماءؒ کی خدمت میں بھیجے۔

جناب مولانا سید محمد جواد صاحب قبلہ فرماتے ہیں کہ جب عراق کا یہ عالم تھا تو ہندوستان میں اس خبرِ وحشت اثر کا جتنا بھی اثر نہ ہوتا کم تھا، خصوصاً جناب سلطان العلماءؒ اور جناب سید العلماءؒ کو بھائی کے مرنے کا رنج بے حد تھا۔

جناب مفتی محمد عباس شوستری طاب ثراہ نے قطعۂ تاریخ نظم کیا جو حسب ذیل ہے:۔

قطعۂ تاریخ وفات سید المفسرین جناب سید علی صاحب قبلہ طاب ثراہ خلفِ حضرت غفرانمآبؒ

سید علی آں سید و سردار جہاں — واں شیفتۂ حسینؑ و ہمنام علیؑ

از ہند بکر بلا سفر کرد و رسید — از دارِ فنا سوئے سرائے باقی

بے او شدہ رنج و غم عیان و با او — علم و عمل و جود و سخا گشت خفی

گفت ایں پئے تاریخ وفاتش سید

''مہمان حسینؑ ابن علیؑ گشت علی''

اس مصرعۂ تاریخ سے صرف ۱۲۵۷ عدد حاصل ہوتے ہیں جبکہ جناب سید علی صاحبؒ کی رحلت ۱۲۵۹ھ میں ہوئی تھی۔ یہ کتابت کی غلطی ہو سکتی ہے۔ صحیح مصرع یہ ہوگا:۔

مہماں بحسینؑ ابنِ علیؑ گشت علی (۱۲۵۹ھ)

اس مصرعہ میں حسینؑ کے ساتھ ''ب'' کا اضافہ کرنے سے صحیح تاریخ سالم الاعداد برآمد ہو جائے گی۔

حضرت غفرانمآبؒ کے تیسرے صاحبزادے

فقیہہ اہلبیتؑ جناب مولانا سید حسن صاحب قبلہ طاب ثراہ:

حضرت غفرانمآبؒ کے تیسرے فرزندِ ارجمند کا اسمِ گرامی صاحب شجرۂ طیبہ نے اس طرح تحریر فرمایا ہے:-

"جناب فضائل مآب محققِ فاضل مدققِ کامل منبع الجود والمنن جناب سید حسنؒ" (۲۹۵)

ولادت: ۲۱ ذی قعدہ ۱۲۰۵ھ مقام لکھنؤ (۲۹۶)

جناب نجم العلماء نے جناب سید حسن صاحب طاب ثراہ کا تذکرہ بہت مختصر لکھا ہے جو حسب ذیل ہے۔

"یہ جناب بھی جمیع علومِ عقلیہ ونقلیہ پر فائز اور نہایت مقدس ومتورع اور علم تجوید وقراءت میں بھی کامل تھے۔ لیکن بسبب کثرت خضوع وخشوع وخوفِ خدا اور صَرفِ قوت دماغیہ کے مباحثِ علمیہ میں، انجام کار امراضِ دماغیہ اور ضعفِ قلب میں مبتلا ہو گئے۔ بعد ایک مدت کے جب صحت ہوئی تو اس وقت سے اس جناب نے درس دینا چھوڑ دیا۔ اور اگر اتفاق بھی ہوتا تھا تو کچھ اردو کے رسائل پڑھا دیتے تھے۔ نہایت سخی وحلیم اور منکسر مزاج تھے جب وعظ فرماتے تھے تو باوجود قدرتِ اجتہاد کے مسائل حسب فتوائے جناب سید العلماءؒ بیان فرماتے تھے اور ارشاد کرتے تھے کہ میں اپنے چھوٹے بھائی کا مقلد ہوں اور مقتضائے احتیاط سے فرماتے تھے کہ اس مسئلہ میں مجھ کو ان کا فتویٰ اس طرح یاد پڑتا ہے مگر حضرات خود بھی دریافت فرمالیں، شاید مجھ

---

(۲۹۵) نجم العلماء۔ شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۲۶

(۲۹۶) نجم العلماء شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۲۶

سے سہو ہو گیا ہو۔

یہاں ایک شرعی مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ مجتہد پر دوسروں کی تقلید حرام ہوتی ہے۔ پھر جناب سید حسن صاحب قبلہ اپنے برادر خرد کی تقلید کیسے کر سکتے تھے۔ ہم نے اس مسئلہ پر غور کیا تو یہ سمجھ میں آیا کہ آپ اپنے ذاتی مسائل میں تقلید نہیں کرتے ہوں گے مگر دوسروں کو فتوے دینے سے احتراز فرماتے ہوئے انہیں اپنے برادر خرد جناب سید العلماء کے مطابق مسائل کا حل اور استفسارات کے جوابات بتا دیتے ہوں گے۔

آخر عمر میں پھر اسی مرض کا عود ہوا کہ اسی میں انتقال فرمایا، مگر بعنایتِ الٰہی قریب وفات ہوش و حواس صحیح ہو گئے یہاں تک کہ جمیع اعزاء و احباب سے وداع ہوئے اور وصایا فرمائے"۔ (۲۹۷)

حضرت غفرانمآبؒ کے پانچوں فرزندانِ ارجمند فقیہ و مجتہد تھے جیسا کہ صاحب "شجرۂ طیبہ" نے لکھا ہے۔ جناب سید حسن طاب ثراہ آپ کے تیسرے فرزند تھے۔ علم و فضل و کمال میں اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح بے مثل و نظیر تھے مگر اپنے ذاتی مزاج اور رجحانات میں انتہائی منکسر مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ خوفِ خدا سے بکثرت خضوع و خشوع اور عبادات میں حد درجہ کی مشغولیت تھی۔ قائم اللیل و صائم النہار تھے۔

امورِ دین میں اس حد کی احتیاط کہ مجتہد ہوتے ہوئے خود کو صاحب فتویٰ نہیں کہتے تھے۔ فرماتے تھے کہ میں اپنے چھوٹے بھائی حضرت سید العلماء سید حسین صاحب طاب ثراہ کا مقلد ہوں۔ انکسار کی اس حد کی وجہ سے خود آپ کے برادرانِ عزیز پر بھی آپؒ کے علم و فضل کی

(۲۹۷) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۶۷

منزلت نہیں کھلتی تھی۔ چنانچہ ان کے برادر خرد جناب سید العلماءؒ فرماتے ہیں کہ:۔

جناب سید حسن مرحوم کثیر الحیاء، عظیم الغنا اور جمیل البہا تھے۔ شروع شروع میں قلتِ کلام اور حیا کی زیادتی کے باعث جناب کا جودتِ بیان ظاہر نہیں ہوتا تھا یہاں تک کہ مجھ کو بعض کلامی مسائل میں جناب سے مباحثہ کرنے کا موقع ملا اور اس وقت جناب کا سن انیس (۱۹) سال تھا اور اثباتِ ذات واجب کے استدلال سے متعلق اشکالات کو تحریر کرنا شروع کیا تھا۔ جناب (سید حسن صاحب طاب ثراہ) نے ایک وافی و کافی اور نہایت متانت و فصاحت سے اس مضمون کو تحریر فرمایا۔ اس طرح ان کی علوِ شان مجھ پر ظاہر ہوئی۔ (۲۹۸)

تحصیلِ علم: جناب سید حسن صاحب قبلہ طاب ثراہ نے بھی اول سے آخر تک تحصیل و تکمیلِ علم اپنے پدرِ بزرگوار حضرت غفرانمآبؒ اور برادرِ بزرگ جناب سلطان العلماء طاب ثراہ سے کی اور کم عمری میں درجہ اجتہاد پر فائز ہو گئے۔ آپ کے علم کا کمال و جمال اس سے ظاہر ہے کہ زمانۂ طالب علمی میں ہی آپ نے محققِ طوسی علیہ الرحمۃ کی کتاب ''اصل اقلیدس'' پر تعلیقات اور حواشی تحریر فرمائے جو آپ کے لطائفِ تحقیقات میں سے ہے۔ مشیتِ الٰہی سے تعلق کے سلسلہ میں ایک رسالہ بھی آپ کے افادات میں سے ہے۔

جناب مولانا سید محمد جواد صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

''جناب غفرانمآبؒ طاب ثراہ کے زیرِ سایہ تربیت پانا شروع کی۔ تحصیل معقولات و منقولات اپنے والدِ ماجد اور برادرِ محترم جناب سلطان العلماء طاب ثراہ کی خدمت میں کی اور اکثر علوم میں مہارت حاصل کی''۔ (۲۹۹)

جناب مرتضیٰ حسین صاحب فاضل لکھنوی تحریر فرماتے ہیں:۔

---

(۲۹۸) جناب سید مہدی ابن نجف علی۔ تذکرۃ العلماء شعاعِ عمل۔ مارچ ۲۰۰۹ء۔ ص۔۳۳، (۲۹۹) مولانا سید محمد جواد صاحب۔ شعاعِ عمل۔ نومبر ۲۰۱۰ء۔ ص۔۱۷۔۱۸،

"ابجد خوانی کے بعد مقدمات درسِ نظامی کا آغاز ہوا۔ ذہانت اور محنت کی بدولت تھوڑے دنوں میں برادرِ بزرگ (سلطان العلماء) اور والدِ نامدار (حضرت غفرانمآبؒ) کے درس میں حاضر ہونے لگے۔ چند دن کے بعد حضرت غفرانمآبؒ کے تلامذہ میں شہرت پاگئے" (۲۹۹۔الف)

سیرت و کردار: جناب سید حسن صاحب طاب ثراہ کا تقویٰ و زہد، مروت و حلم انکسار و مکارم اخلاق میں مثل و نظیر نہ تھا۔ فقراء کی پوشیدہ اعانت فرماتے تھے۔

مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھتے ہیں:۔

"نوجوانی کا زمانہ، حیاء کا عالم مگر قوی ایسے کہ پتھر کی چوکی جس کا وزن تین من سے زیادہ ہوگا، تنہا اٹھا کر حوض میں ڈال دی۔ مگر مسلسل ریاضت کی بناء پر کمزور ہوگئے تھے۔ (۲۹۹۔ب)

صاحب تذکرۃ العلماء تحریر فرماتے ہیں:۔

(آیۃ اللہ سید حسن طاب ثراہ) عالمِ عامل، فاضلِ کامل، فقیہِ باوقار اور ورع عالی مقدار تھے"۔

اس کے بعد جناب سید العلماء سید حسین صاحب قبلہ طاب ثراہ کے اجازۂ اجتہاد برائے عمدۃ العلماء جناب سید محمد ہادی صاحب طاب ثراہ سے حسب ذیل اقتباس پیش کرتے ہیں:۔

"میں اور میرے بھائی جناب مکرم و معظم فاضل متورع مقدس عالم عاملِ ماجد حاوی مکارم و محامد جناب سید حسن افاض اللہ علیٰ روحہ اکثر اوقات جناب مستطاب عالم المعی، مقدس لوذعی میرے بھائی سید مہدی مرحوم کے ہمراہ اپنے والدِ ماجد جناب غفرانمآبؒ

(۲۹۹۔الف) جناب مرتضیٰ حسین فاضل۔ مطلع انوار۔ ص۔ ۱۸۰

(۲۹۹۔ب) جناب مرتضیٰ حسین فاضل۔ مطلع انوار۔ ص۔ ۱۸۰۔

کی خدمت میں علم کے حصول کے لئے شریک رہتے تھے اور دونوں بھائی کم سنی کے باوجود اس زمانہ میں حدتِ ذہن میں ایک دوسرے کے برابر تھے۔ بلکہ میدانِ علم و فضل کے شہسوار تھے اور میں چونکہ ان میں سب سے چھوٹا تھا، ان کی اتباع کرتا تھا۔ میرے بھائی سید مہدی علیہ الرحمۃ علم وکمال اور دقتِ نظر میں ہم تینوں بھائیوں میں ممتاز تھے اور اس معیار میں سب سے پرانے ہونے کی وجہ سے جناب کی خدمت میں قراءت درس میں مقدم وممتاز تھے۔ کچھ لوگوں نے میرے بھائی سید حسن مرحوم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ سن کے اعتبار سے سید مہدی سے بڑے ہیں لیکن اس کے باوجود استماع قراءت اور درس میں شرکت کے سلسلہ میں کیوں ان کا اتباع کرتے ہیں۔ جناب سید حسن مرحوم نے غایتِ ورع اور تقویٰ کی وجہ سے جواب دیا کہ علم وفہم کے درجے اللہ تعالیٰ کے مواہب وعطایا میں سے ہیں۔ میرا بھائی اگرچہ سن کے اعتبار سے مجھ سے چھوٹا ہے لیکن عنایتِ الٰہی کے باعث علم وفہم سے مکمل طور پر بہرہ مند ہے۔ پس میرے لئے کہاں جائز ہے کہ میں ان کے درس میں مشارکت سے اعراض اور غرور کی وجہ سے جاہلانہ غیرت وشرم پر عمل کروں اور حق سے غافل ہو جاؤں۔ جناب غفرانمآبؒ نے ان کے اس کلام کو سراہا اور ان کے خصالِ حمیدہ کو پسند فرمایا۔(۳۰۰)

جناب مولانا سید مہدی بن نجف علی الحسینی الرضوی عظیم آبادی صاحب ''تذکرۃ العلماء'' بذاتِ خود حضرت مولانا سید حسن صاحب قبلہ طاب ثراہ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ ان سے بہتر حالات کا جاننے والا کون ہو سکتا ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

---

(۳۰۰) تذکرۃ العلماء شعاع عمل۔ مارچ ۲۰۰۹ء ص۔ ۴۳

"بے شک جناب مرحوم (مولانا سید حسن صاحب قبلہ طاب ثراہ) نہایت فضل و کمال کے باوجود شکستہ نفسی، انکسارِ نفس اور حیا کی وجہ سے اپنے علم کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ یہ حقیر پُر تقصیر اکثر اوقات اس فیضِ رحمت کی خدمت میں حاضر رہتا تھا اور جناب کو تواضع وحلم، زہد و مروت، محاسنِ اخلاق، سکونِ قلب، وقار اور مستحبہ آداب کی پابندی میں قلیل النظیر پایا۔ بہت ہی مقدس، رحیم، کریم، رقیق القلب اور کم سخن تھے۔ اپنی عمر کے آخری حصہ میں ایک لمبے عرصہ سے اکثر لوگوں سے ملنا جلنا بند کر دیا تھا۔ جب اپنے مکان خانۂ فیض کاشانہ سے برآمد ہوتے تھے تو دو حال سے خالی نہیں تھا۔ یا تو نماز کے لئے مسجد تشریف لے جاتے تھے یا مومنین کی حاجت روائی کے لئے جناب سید العلماء کی خدمت میں تشریف لے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ گوشۂ عزلت سے بہت کم قدم باہر نکالتے تھے اور اپنے دن رات کے اکثر حصہ میں خود کو عبادتِ الٰہی میں مصروف رکھتے تھے۔

سن میں اپنے سے چھوٹے ہونے کے باوجود سید العلماء کا بہت پاس و لحاظ رکھتے تھے اور شوق ورغبت سے ان کی اقتداء میں نمازِ جماعت پڑھنے کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ اگر خود جناب (سید العلماء) سے پہلے پہنچ جاتے تو پہلے جناب کا انتظار فرماتے تھے۔ اگر سید العلماء نہیں آتے تھے تو خود نمازِ جماعت پڑھانے کے لئے آگے بڑھتے تھے۔ اور اگر اتفاق سے جناب مرحوم کے بعد داخل ہوتے تھے اور نماز ابھی شروع نہیں ہوئی ہوتی تو مرحوم (جناب سید حسن صاحب قبلہ) سید العلماء کو اصرار والحاح تمام سے خود پر مقدم رکھتے تھے۔ اگر نماز شروع ہو چکی ہوتی تھی تو جناب مولانا کمالِ فروتنی سے پیچھے

کی صفوں میں کھڑے ہوکر سید العلماء کی اقتداء کرتے تھے اور نماز کے بعد جناب، بہت معذرت خواہی کرتے اور جناب (مولانا حسن صاحب قبلہ) مولانا (سید العلماءؒ) کی علوِ منزلت اور اپنی عدم لیاقت کو شکستہ نفسی کی وجہ سے ظاہر کرتے تھے اور (یوں) دونوں لوگ کلماتِ تواضع وانکسار بیان کرتے تھے"۔

یہ حقیر فقیر ساحر لکھنوی عرض کرتا ہے کہ پانچوں بھائیوں میں سب سے بڑے حضرت سلطان العلماءؒ کی بھی بالکل یہی سیرت تھی کہ اپنے چھوٹے بھائیوں کے علم وفضل کو نمایاں کرنے کے لئے کبھی کسی بھائی کی اقتداء میں نماز پڑھ لی کبھی کسی دوسرے بھائی کی اقتداء کی۔ مزاجوں کا یہ انکسار اور یہ کسرِ نفسی تو پانچوں بھائیوں کے خصوصیات میں سے تھی۔ لیکن اب صاحب "تذکرۃ العلماء" کا یہ بیان بھی ملاحظہ کیجئے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

"اوصافِ حمیدۂ آنجناب علیہ الرحمہ والغفران زیادہ از آں است کہ در ایں مقام ذکر تواں نموود"۔ (۳۰۱)

خلاصہ یہ کہ جناب علیہ الرحمۃ کے اوصافِ حمیدہ اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ یہاں نقل کئے جاسکیں۔

غریبوں پر رحم کرنے والے تھے اور مومنین کے حق میں لطف ومحبت رکھتے تھے۔ ضرورت مندوں کی چھپ کر مدد کرتے تھے اور اکثر امورِ خیر کو اس طرح انجام دیتے تھے کہ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ کوئی متوجہ ہو (کسی کو خبر ہو) حیا کی شدت کی وجہ سے ہمیشہ زمین پر نظر رہتی تھی (آنکھیں نیچی جھکائے رکھتے تھے)۔

(۳۰۱) جناب سید مہدی بن نجف علی۔ تذکرۃ العلماء۔ شعاع عمل مارچ ۲۰۰۹ء ص۔ ۳۶

ذوقِ عبادت:

تذکرہ نگاروں نے جناب مولانا سید حسن صاحب قبلہ طاب ثراہ کو کثیر الذکر اور طویل الرکوع والسجود اور قائم الیل وصائم النہار لکھا ہے۔

آپ ہر نماز کے لئے تجدیدِ وضو کرتے تھے جس کو صیغہ نذر کے ذریعہ اپنے اوپر واجب قرار دیا تھا۔ طہارت اور دیگر امور میں بہت احتیاط کرتے تھے۔ روزانہ نمازِ ظہر وعصر کے لئے مسجد تشریف لے جاتے تھے اور رات دیر تک عبادت وذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔

نماز کے بعد دعا کرتے وقت اکثر مومنین کی مغفرت اور حاجت روائی کے لئے نام لے لے کر دعا کرتے تھے۔ اسی طرح نمازِ وتر کے قنوت میں چالیس مومنین کے لئے نام لے لے کر دعا کرتے تھے۔ ہمیشہ حج بیت اللہ اور روضات ائمہ انام علیہم السلام کی زیارت کی تمنا دل میں رہتی تھی۔ ہر نماز کے قنوت میں خضوع وخشوع کے ساتھ اس نعمتِ عظمٰی کو طلب فرماتے تھے۔ نمازِ ظہر وعصر کیلئے مسجد تشریف لے جانے کے بعد رات کو دیر تک عبادت اور ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ نمازِ عشاء سے فراغت کے بعد اگر کچھ مومنین کو مسجد میں بیٹھا ہوا پاتے تھے تو ان کا حال چال پوچھتے تھے اور نہایت لطف ومہربانی سے اپنے وعظ ونصیحت اور اللہ کی رضا جوئی کی ترغیب کے ذریعہ ان کو مستفیض فرماتے تھے اور اگر لوگ مسجد سے جا چکے ہوتے تھے تو تعقیبات اور دعا وتضرع وعبادت واذکار میں مشغول ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنے وقت پر مسجد سے خانہ اقدس کی طرف مراجعت فرماتے تھے۔

قناعت وصبر، لذاتِ دنیوی سے عدم رغبت اور مقاماتِ اخروی کی یاددہانی اور دیگر

صوری و معنوی فضائل میں اعلیٰ مرتبہ رکھتے تھے۔"

جناب مولانا مرتضیٰ حسین صاحب فاضل بھی تحریر فرماتے ہیں:۔

"طہارت باطن، عرفان و تقویٰ اور زہد و تواضع میں ضرب المثل تھے۔ عموماً روزے رکھتے تھے۔ رات رات بھر جاگ کر عبادت کرتے۔ نوافل و زیارت امام حسینؑ ترک نہ کرتے تھے۔ عارف کامل، متقی و محبوب خدا تھے۔ (۳۰۱۔ الف)

جناب مولانا سید حسن صاحب قبلہ طاب ثراہ کے فضل و کمال و تقدس و ورع کی الہامی سند:

صاحب "تذکرۃ العلماء" لکھتے ہیں:۔

"ایک روز جناب کی اقتدا میں نماز جماعت سے فراغت کے بعد اس حقیر کے ذہن میں یہ بات آئی کہ کیا آنجناب کے پیچھے نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے یا مولانا سید العلماء دام ظلہ العالی کے عقب میں نماز پڑھنے کا۔ اس رات خواب میں دیکھا کہ گویا ایک شخص کہہ رہا ہے "الحسن فی الجنان والحسین فی الجنان" وہ شخص بار بار یہ کہتے ہوئے میری طرف متوجہ تھا اور کہہ رہا تھا کہ اس کے معنی بتاؤ۔ اس کی ہیبت اور اس کا رعب مجھ پر بہت غالب آگیا اور میں ترساں و لرزاں حیرت میں تھا کہ کیا معنی بتاؤں مگر یہ حدیث میرے ذہن میں تھی کہ "الحسنؑ والحسینؑ سید اشباب اہل الجنۃ"۔ پس اسی حالت میں مجھ پر الہام ہوا کہ بیشک یہ دونوں جنت میں ہوں گے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے چاہنے والے اور ان کے پیرو بھی اہل جنت ہیں۔ جب خواب سے بیدار ہوا تو سمجھ میں آیا کہ یہ اس ضعیف العباد کے لئے ان دونوں بزرگوں کے مابین جو

(۳۰۱۔ الف) مولانا مرتضیٰ حسین صاحب فاضل۔ مطلع انوار۔ ص۔ ۱۸۰

دو ائمۂ عالی مقام کے ہمنام تھے ترجیح کے سلسلے میں تنبیہ تھی۔ لہٰذا ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کے سلسلے میں سوچنا غلط ہے اور ان میں کسی کی بھی اقتداء حصولِ مدارجِ عالیہ کا باعث ہے۔ اس عالم مقدس و معظم کی سبط اکبر کے اس دار فانی سے رحمتِ جاودانی کی طرف کوچ کرنے سے پہلے میں نے اس خواب کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا"۔

اگرچہ جناب مستطاب سید حسن صاحب طاب ثراہ کے بے حد ذوقِ عبادت اور اس سے بڑھ کر انتہا درجہ کے انکسار کی وجہ سے آپ کے فضل و کمال پر پردہ پڑا رہ گیا جس کی وجہ سے لوگ آپ کے فضل و کمال سے آگاہ نہ ہو سکے اور جناب سید العلماء کے مقابلہ میں آپ کے فضل و کمال کو کم تر سمجھنے لگے حتیٰ کہ صاحب "تذکرۃ العلماء" کے دل میں بھی یہ خیال گزرا جس کی وجہ سے نماز کی اقتدا کے بارے میں ترجیح کا سوال پیدا ہوا اور یہ اچھا ہی ہوا کہ ان کے جواب میں خواب اور الہام نے جناب مستطاب آیۃ اللہ سید حسن صاحب قبلہ طاب ثراہ کے فضل و کمال کو ظاہر کر دیا اور ترجیح کے خیال کو غلط قرار دے دیا۔

تصانیف و تالیفات:۔

ہمارے نزدیک آیۃ اللہ سید حسن صاحب قبلہ طاب ثراہ کی سب سے اہم تصنیفِ لطیف علم کلام میں ان کی کتاب "باقیات الصالحات" ہے۔

اس کی اہمیت یہ ہے کہ آپ کے برادر بزرگ حضرت سید المفسرین مولانا سید علی

صاحب قبلہ طاب ثراہ کی طرح جیسے انہوں نے اردو میں قرآن مجید کی تفسیر کی ضرورت کا احساس کیا اور اس زبان میں پہلی مکمل تفسیر ''توضیح المجید'' لکھی اسی طرح آپ جناب کو بھی اردو زبان میں علم کلام کی کتاب کی ضرورت کا احساس ہوا اور آپ نے اس زبان میں سب سے پہلی کتاب ''باقیات الصالحات'' کے نام سے تصنیف فرمائی۔ یہ حقیر فقیر عرض کرتا ہے۔

پھر ان کے بعد وہ سید حسن بہشت مآب گلِ ریاضِ شریعت، خلیلِ باغِ صواب
لکھی ہے آپ نے علمِ کلام میں وہ کتاب کہ جس سے پہلے تھا اردو میں یہ سخن نایاب

ہے ایک ساغرِ قند و نبات اردو میں
کہ صالحات کے ہیں باقیات اردو میں (۳۰۲)

آپ نے علمِ کلام میں یہ کتاب لکھ کر اردو نوازی کے اس جذبہ کو اور فروغ عطا کیا جس کی داغ بیل برادرِ بزرگ نے قرآن مجید کی اردو میں تفسیر لکھ کر ڈالی تھی۔ پھر آپ کے بعد آپ کے بھتیجے اور جناب سلطان العلماء کے فرزندانِ ارجمند جناب ملک العلماء اور جناب تاج العلماء نے اردو نوازی کی اس روایت کو بھرپور طریقہ سے آگے بڑھایا اور اپنی بیشتر تصانیف کے نام تک اردو میں رکھنا شروع کر دیے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس زمانہ میں علماء عربی کے علاوہ کسی زبان میں لکھنا اپنی توہین سمجھتے تھے اس زمانہ میں اردو زبان کی اہمیت سمجھ کے اس میں تصانیف و تالیفات کا آغاز کر کے خاندانِ اجتہاد کے علماء نے اردو زبان کی جو خدمات انجام دیں وہ کسی بھی دوسرے خاندان یا افراد نے آج تک انجام نہیں دیں۔

''باقیات الصالحات'' کے علاوہ آپ کی دیگر تصانیف و تالیفات درج ذیل ہیں جو نہایت گرانقدر ہیں:۔

---

(۳۰۲) ساحر لکھنوی۔ مرثیہ ''علم اور علماء''

۱۔ حواشی علم اقلیدس جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

۲۔ رسالہ "در تحقیق معنی انشاءاللہ"

۳۔ رسالہ در احکام اموات

۴۔ رسالہ در علم قرات و تجوید

۵۔ تذکرۃ الشیوخ والشبان

۶۔ وعظ کے موضوع پر ایک رسالہ

صاحب تذکرہ لکھتے ہیں کہ آپ کے یہ تصانیف آپ کے "بحر العلوم" ہونے پر گواہ ہیں۔ "باقیات الصالحات" کے بارے میں وہ وضاحت فرماتے ہیں کہ:۔

"اصول دین پر ہندی زبان (اردو) میں ضخیم کتاب جو فوائد جلیلہ اور مطالب نبیلہ پر مشتمل ہے جس کے ضمن میں صنائع و بدائع اور پند و نصائح وغیرہ پر مشتمل حکایاتِ لطیف بیان ہوئے ہیں۔ جناب کا ارادہ تھا کہ اگر اجل مہلت دے تو اس کا ترجمہ فارسی اور اس کے بعد عربی میں بھی کریں اور اس کی تکمیل کی وصیت بھی فرمائی تھی"۔

جب آنجناب کی وفات ہوئی تو اگر چہ کتاب مکمل ہو چکی تھی مگر ابھی مسودے کی صورت میں تھی اور بعض جگہیں بغیر لکھی رہ گئی تھیں۔ لہذا جناب مستطاب استاذ مکرم عمدۃ العلماء جناب محمد ہادی دام ظلہ العالی کتاب کی چھوٹی ہوئی عبارتوں کی تبییض و تکمیل کی طرف متوجہ ہوئے۔ (۳۰۳)

اولادِ آیۃ اللہ سید حسن صاحب قبلہ طاب ثراہ:

آپ کے دو (۲) فرزندانِ ارجمند اور ایک دختر بلند اختر تھیں۔ فرزندانِ ارجمند میں:۔

---

(۳۰۳) مولانا سید مہدی عظیم آبادی۔ "تذکرۃ العلماء" ، شعاع عمل۔ مارچ ۲۰۰۹ء ص۔ ۴۷۔۴۸

۱۔ جناب سید حسن ثمیؒ اعلیٰ اللہ مقامہ، اور

۲۔ جناب سید حسن مہناؒ اعلیٰ اللہ مقامہ تھے۔

۳۔ دختر نیک اختر حضرت سلطان العلماء کے فرزندِ ارجمند خلاصۃ العلماء جناب سید مرتضیٰ طاب ثراہ سے منسوب تھیں۔

رحلت آں عالمِ مقدس و معظم کی سبطِ اکبر سید عالم آیۃ اللہ سید حسن صاحب قبلہ طاب ثراہ:۔

آپ نے ماہِ شوال کی گیارھویں (۱۱) تاریخ ۱۲۶۰ھ کو اپنے برادرِ بزرگ سید المفسرین مولانا سید علی صاحب قبلہؒ کے رحلت (۱۲۵۹ھ) کے ایک سال کے بعد اس عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف سفر اختیار کیا۔ رحلت کے وقت آپ کا سنِ شریف چون (۵۴) سال دو (۲) مہینہ اور بیس دن تھا۔(۳۰۴) تذکرۃ العلماء کے مضمون کے ترجمہ میں شعاع عمل میں رحلت کا سال ۱۲۶۰ھ کے بجائے ۱۲۰۶ھ لکھا ہے جو یقیناً کتابت کی غلطی ہے۔

جناب سید مہدی بن نجف علیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

آنجناب کی وفات کے دن یہ دیکھنے میں آیا کہ فضلائے عظام و صلحائے فخام، طلبائے علوم اور سادات کرام وغیرہ کی ایک خلقِ کثیر جناب رحمت مآب کے مشایعتِ جنازہ کے لئے حاضر تھی۔ وہ سب دیدۂ حق بیں سے اشکِ حسرت بہا رہے تھے اور آنجناب کی ان صفاتِ قدسیہ کو یاد کر کے جو آپ کی ذاتِ اقدس سے مخصوص تھیں، آپ کی رحلت پر کفِ افسوس مل رہے تھے۔ خصوصاً جناب مولانا و مقتدیان مجتہد العصر والزمان حضرت سلطان العلماء علیہ رحمۃ اور جناب مولانا سید العلماء علیہ الرحمۃ پر بہت زیادہ حزن والم طاری تھا۔ جناب سلطان العلماءؒ نے اکابرو اصاغر کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ جو حاضر تھے آنجناب کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

---

(۳۰۴) شجرۂ طیبہ بر تذکرۃ العلماء، شعاع عمل۔ مارچ ۲۰۰۹ء۔ ص۔ ۴۸

تدفین:

آنجناب اپنے پدر بزرگوار کے بناء کردہ امام باڑہ غفرانمآبؒ۔ لکھنؤ میں ان کے مدفنِ منور کے قریب اپنے برادرِ خرد جناب آیۃ اللہ سید مہدی طاب ثراہ کی قبر کے پہلو میں دفن ہوئے۔

قطعاتِ تاریخِ وفات:۔

جہاں تک ہمارا خیال ہے، مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ جناب مفتی میر محمد عباس شوستری طاب ثراہ نے کہا تھا۔ مگر صاحب تذکرۃ العلماء لکھتے ہیں کہ آنجناب کے بنی اخوان کے افاضل میں سے کسی نے یہ قطعۂ تاریخ نظم کیا۔ ہم اپنے خیال پر صاحب تذکرۃ العلماء کے ارشاد کو ترجیح دیتے ہیں۔

قطعۂ تاریخ وفات

سید حسن، آں سید عبادِ زمن
درخلدِ بریں رفت، بگلگشتِ چمن
معنی حدیث از سرِ الہام بخواں
"سردارِ جوانانِ جناں است حسن"

۱+۱۲۵۹=۱۲۶۰ھ

شاعرِ موصوف نے تعمیہ تدخلہ کے ساتھ بڑی خوبصورت تاریخ کہی۔ مصرعِ تاریخ کے اعداد ۱۲۵۹ تھے ایک عدد مطلوبہ اعداد سے کم تھا۔ آپ نے "سرِ الہام" یعنی لفظِ الہام کے پہلے الف کے ایک عدد کے اضافہ کے ساتھ مطلوبہ تاریخ حاصل کی۔ اس طرح مشہور حدیث رسول

"یعنی "حسنؑ و حسینؑ دونوں جوانانِ جنت کے سردار ہیں" کے حوالہ سے حضرت سید حسن صاحب طاب ثراہ کے اسمِ اقدس کی رعایت سے یہ نہایت خوبصورت تاریخ کہی ہے۔

جناب مولانا سید محمد جواد صاحب قبلہ نے جناب مفتی محمد عباس صاحب قبلہ طاب ثراہ کا کہا ہوا حسب قطعہ تاریخ درج کیا ہے۔

قطعہ تاریخ وفات آیۃ اللہ سید حسن صاحب طاب ثراہ

از مفتی محمد عباس صاحب شوستریؒ

یا رب چہ شیون است کہ در عالمے فتاد — فریاد از غمے کہ دل مرد و زن گرفت
سید حسن کہ سید عباد عصر بود — برخواست از جہاں و جناں را وطن گرفت
در مسجدِ شریف کہ خالیست جائے او — محراب و طاق صورت بیت الحزن گرفت
چوں نعشِ پاک او زسرِ کوچہا گزشت — ہر کس کہ دید بر سر و صورت زدن گرفت
سید بارتحال رقم کرد سالِ فوت
"زہد و ورع عزائے جناب حسن گرفت" (۳۰۵)
۱۲۶۰ھ

(۳۰۵) مولانا سید محمد جواد "تذکرۂ فرزندانِ غفرانمآبؒ"۔ شعاعِ عمل۔ نومبر ۲۰۱۰ء ص۔ ۱۸

ہے علم عطر، معطر گلاب ہیں علماء   ہے علم بارشِ رحمت، سحاب ہیں علماء
رہیں جہاں میں تو عالی جناب ہیں علماء   اٹھیں یہاں سے تو جنت مآب ہیں علماء
ہمیں نجات کا رستہ وہی دکھاتے ہیں
انہیں کے نقشِ قدم تا بہ خلد جاتے ہیں

حضرت غفرانمآبؒ کے چوتھے فرزندارجمند آیۃ اللہ سید مہدی صاحب قبلہ طاب ثراہ:

یہ تذکرہ ہے اس عظیم المرتبت شخصیت کا جس کے تعارف میں صاحب شجرۂ طیبہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"جناب مہر سپہر عزو علا سرخیل اذکیاء و اتقیاء الافضل الاعلم الاعبد والاکمل الازھد الامجد النحریر اللوذعی و الجبر الالمعی الہادی المہدی"(۳۰۶)

یہ حقیر فقیر عرض کرتا ہے۔

جناب سید مہدی وہ گوہرِ نایاب — سدھارے خلدِ بریں جو بہ عنفوانِ شباب
تھی ان کی موت پہ فطرت بھی اس طرح بیتاب — گہن میں آ گیا تھا آفتابِ عالمتاب
وہ خود جوان نہ تھے، علم کا شباب تھے وہ
شباب میں بھی فقیہوں میں لاجواب تھے وہ (۳۰۷)

ولادت : بائیسویں (۲۲) ذالحجہ ایک ہزار دو سو آٹھ ہجری ۱۲۰۸ھ (۳۰۸)

مقام ولادت : لکھنؤ

تحصیلِ علم : اپنے والدِ علام حضرت غفرانمآبؒ اور برادر بزرگ حضرت سلطان العلماء سے تمام علومِ عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل کی اور کم عمری میں درجۂ اجتہاد پر فائز ہو گئے۔

فضل و کمال:

"ورثۃ الانبیاء میں حضرت علامہ ہندی آیۃ اللہ سید احمد صاحب قبلہ طاب ثراہ نے "نجوم السماء" سے اس کے مولف جناب مرزا محمد علیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:۔

---

(۳۰۶) نجم العلماء۔ شجرۂ طیبہ۔ ص۔۶۷، (۳۰۷) ساحر لکھنوی۔ مرثیہ "علم اور علماء"۔ بند نمبر۔۶۹

(۳۰۸) نجم العلماء۔ شجرۂ طیبہ۔ ص۔۶۸

''فاضل ذکی اور عالم المعی جناب سید مہدی مرحوم قوتِ قدسیہ اور نفسِ ملکیہ کے مالک اور فضائل جلیلہ کے جامع تھے۔ کم سنی کے باوجود حدتِ ذہن، جودتِ طبع، ذکاوت، علم وعرفان، صلاح وتقویٰ میں اپنے ساتھیوں سے گوئے سبقت لے گئے۔'' (۳۰۹)

جناب مولانا سید اعجاز حسین کنتوری طاب ثراہ تحریر فرماتے ہیں:۔

''ان کے بھائی (یعنی) سید العلماء طاب ثراہ مولانا محمد ہادی کے اجازہ میں المولی الکامل والفقیہ الباذل ذی المجد والبھاء والفضل والذکاء، فخر العلماء والسادۃ، صاحب القریحۃ الوقادۃ والفطنۃ النقادہ مولانا سید مہدی افاض اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

میں اور میرے بھائی جناب مکرم ومعظم فاضل متورع مقدس عالم عامل ماجد حاوی مکارم ومحامد جناب سید حسن افاض اللہ علی روحہ سوابق المنن اکثر اوقات جناب مستطاب عالم المعی، مقدس لوذعی میرے بھائی جناب سید مہدی مرحوم کے ہمراہ اپنے والد ماجد جناب غفرانمآب کی خدمت میں علم کے حصول کے لئے شریک رہتے تھے اور دونوں بھائی کم سنی کے باجود اس زمانہ میں حدت ذہن میں ایک دوسرے کے برابر تھے بلکہ میدانِ علم وفضل کے شہسوار تھے اور میں جو کہ ان میں سب سے چھوٹا تھا ان کی اتباع کرتا تھا۔

میرے بھائی سید مہدی علیہ الرحمہ علم وکمال اور دقتِ نظر میں ہم تینوں بھائیوں میں ممتاز تھے اور اس میدان میں سب سے پرانے ہونے کی وجہ سے جناب کی خدمت میں قراءت درس میں مقدم وممتاز تھے''۔ (۳۱۰)

جناب مولانا سید محمد جواد صاحب فرماتے ہیں:۔

''بچپنے ہی میں ذہن وذکاوت خداداد اور طبیعت وجودت بے مثل تھی۔ اس کا اثر تھا کہ کمسنی میں اپنے امثال واقران سے بلند ہو کے امتیازی شان حاصل کر لی''۔ (۳۱۱)

---

(۳۰۹) جناب مرزا محمد علی۔ ''نجوم السماء'' شعاع عمل۔ اپریل ۲۰۰۹ء۔ ص۔۳۲۔ (۳۱۰) آیۃ اللہ علامہ ہندی طاب ثراہ ''ورثۃ الانبیاء'' شعاع عمل۔ اپریل ۲۰۰۹ء ص۔۳۳۔ (۳۱۱) سید محمد جواد صاحب قبلہ۔ شعاع عمل۔ نومبر ۲۰۰۱ء۔ ص۔۱۹۔

نجم العلماء جناب مولانا سید ہدایت حسین صاحب طاب ثراہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ جناب (سید مہدی صاحب طاب ثراہ) بھی درجۂ اجتہاد پر فائز اور حدتِ ذہن و اشتعالِ فہم وصفائی قریحہ میں وحید عصر و نظیرِ جناب سید مہدی صاحب طباطبائی" تھے۔ اکثر اوقات جناب رضواں مآب" سلطان العلماء ارشاد فرماتے تھے کہ سید مہدی و سید حسین تو فردِ ذکاء اور صلح واتقاء میں سب بھائیوں پر فوق لے گئے ہیں۔" (۳۱۲)

مولانا مرتضیٰ حسین صاحب فاضل تحریر فرماتے ہیں:۔

"اپنے والد اور معاصر اساتذہ سے تعلیم پائی۔ کم سنی کے باوجود بے حد ذہین، ذکی اور متقی تھے۔ غفرانمآب" اثنائے درس میں عموماً آپ ہی کو مخاطب کرتے تھے۔ جناب سید العلماء" سے پڑھا بھی تھا اور اجازہ بھی لیا تھا۔ (۳۱۲۔الف)

یہاں جناب فاضل اعلیٰ اللہ مقامہ نے جو تحریر فرمایا ہے کہ "معاصر اساتذہ سے تعلیم حاصل کی، ہم بصد معذرت کہیں گے کہ غفرانمآب" کے سب فرزندانِ ارجمند نے خود حضرت غفرانمآب" اور اپنے برادرِ بزرگ جناب سلطان العلماء سے تعلیم حاصل کی۔ اور دوسرے بھائیوں سے بھی استفادہ کیا۔ معاصر اساتذہ کی بات درست نہیں ہے۔

رحلت:

جناب سید العلماء سید حسین صاحب قبلہ طاب ثراہ جناب عمدۃ العلماء سید ہادی صاحب قبلہ طاب ثراہ کے اجازہ میں اپنے برادرِ مکرم جناب سید مہدی صاحب قبلہ طاب ثراہ کے ذکر میں ان کی رحلت کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

"ناہنجار زمانہ نے ہماری جماعت میں تفرقہ ڈال دیا اور اس (سید مہدی صاحب طاب ثراہ) کو شدید مرض میں مبتلا کر دیا اور عنفوانِ شباب میں موت کا نقارہ بجا دیا۔ اواخرِ ذی الحجہ ۱۲۳۱ھ میں ان کی وفات ہوئی اور ان کا آفتابِ حیات غروب ہو گیا۔

---

(۳۱۲) نجم العلماء شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۶۷

(۳۱۲۔الف) مطلع انوار۔ ص۔ ۶۲۸ / ورثۃ الانبیاء۔ ص۔ ۵۵

جناب کی عمر شریف تیس (۳۳) برس تھی۔" (۳۱۳)

جناب سید مہدی طاب ثراہ کی وفات کا جو شدید اثر جناب غفرانمآبؒ پر ہوا تھا، اس کا ذکر ان کے تذکرہ میں آچکا ہے۔ مختصر یہ کہ جناب سید مہدیؒ کے غم میں خود بھی مدقوق ہو کر انتقال فرمایا۔ "شجرۂ طیبہ" میں پانچ اشعار کا فارسی میں قطعہ تاریخ وفات درج ہے۔ اس کا آخری شعر جس کے مصرع ثانی سے تاریخ وفات برآمد ہوتی ہے حسب ذیل ہے:۔

از بہر سال فوت آں شمع حریم علم و فضل　　تحریر کردہ خامہ ام "رفتست مہدی ہائے ہائے"

۱۲۳۱ھ

مولانا سید محمد جواد صاحب قبلہ نے مندرجہ ذیل مصرع تاریخ وفات درج فرمایا ہے۔

گفتہ: "ز خلق مہدی ہادی نہاں شدہ" (۳۱۴)

۱۲۳۱ھ

جناب غفرانمآبؒ نے اس فرزند عزیز کی رحلت پر "مسکن القلوب عند فقد المحبوب" نامی کتاب تحریر فرمائی۔۔

آفتاب کو گہن لگنا:

تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ آپ کی رحلت پر خلاف معمول آفتاب کو گہن لگ گیا تھا جیسا کہ ہم نے مرثیہ کے اس بند میں لکھا ہے جو اس مضمون کی ابتداء میں درج کیا جا چکا ہے۔

تصنیفات:

آپؒ کو زمانہ نے تصنیف و تالیف کی مہلت ہی کہاں دی۔ صرف تیس (۳۳) سال کی زندگی ملی جس میں بعض حواشی اور تحقیقاتِ مسائلِ متفرقہ خصوصاً حاشیہ تحریر اقلیدس اور رسالۂ معنی انشاء ان کمالات پر گواہ ہیں۔

---

(۳۱۳) آیۃ اللہ علامہ ہندی طاب ثراہ "ورثۃ الانبیاء" رشحاع عمل اپریل ۲۰۰۹ء ص۔ ۳۳

(۳۱۴) مولانا سید محمد جواد صاحب مدیر شعاع عمل۔ نومبر ۲۰۱۰ء۔ ص۔ ۱۹

فرزند جناب آیۃ اللہ سید مہدی صاحب طاب ثراہ:

آپ کے صرف ایک فرزند ارجمند تھے جن کا اسم اقدس جناب سید محمد ہادی اور خطاب عمدۃ العلماء (اول) تھا، کوائف درج ذیل ہیں۔

اسمِ اقدس : جناب سید محمد ہادی

خطاب : عمدۃ العلماء

نسب : سید محمد ہادی ابن آیۃ اللہ سید مہدی صاحب طاب ثراہ ابنِ حضرت غفرانمآب "پچیس (۲۵) واسطوں سے امام علی نقی علیہ السلام تک آپ کا سلسلۂ نسب منتہی ہوتا ہے۔

ولادت ووفات : تاریخ ولادت ووفات کی تحقیق نہیں ہو سکی۔ البتہ "نجوم السماء" میں لکھا ہے کہ آپ کے پدر بزرگوار آیۃ اللہ سید مہدی صاحب طاب ثراہ کی وفات کے وقت آپ کی عمر صرف دو (۲) سال کی تھی۔ جناب سید مہدی صاحب قبلہ کی رحلت آخر ماہ ذی الحجہ ۱۲۳۱ھ کو ہوئی۔ اس اعتبار سے جناب سید ہادی صاحب قبلہ طاب ثراہ کی ولادت آخر ۱۲۲۹ھ یا ابتدائے ۱۲۳۰ھ میں ہوئی ہوگی۔

جناب نجم العلماء مولانا ہدایت حسین صاحب آپ کے تعارف میں تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ جناب (سید محمد ہادی صاحب طاب ثراہ) نہایت مقدس واعلم واورع اور درجۂ اجتہاد پر فائز تھے اور بخطاب عمدۃ العلماء سے ممتاز تھے۔ صاحبزادی جناب سلطان العلماء" سے منسوب تھے"۔ (۳۱۵)

فرزندان عمدۃ العلماء:

جناب عمدۃ العلماء آیۃ اللہ سید ہادی صاحب طاب ثراہ کے دو فرزندانِ ارجمند تھے اور دونوں قابلِ فخر تھے۔

---

(۳۱۵) نجم العلماء۔ شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۶۸۔ ۶۹

(۱) ایک فرزندِ ارجمند کا اسمِ اقدس جدِ بزرگوار کے نام پر جناب سید محمد مہدی تھا۔ آپ درجۂ اجتہاد پر فائز تھے اور نہایت ذکی و ذہین تھے مگر عنفوانِ شباب میں انتقال فرمایا۔

(۲) دوسرے صاحبزادے کا تعارف صاحب شجرۂ طیبہ یوں فرماتے ہیں:۔

"جناب مستطاب معلی القاب زبدۃ فقہائے کرام مرجع خواص و عوام مروجِ شریعت غرا مویدِ ملتِ بیضا مجتہد العصر والزماں جناب سید مصطفیٰ صاحب المعروف بجناب میر آغا صاحب قبلہ دلمۃ برکاتہٗ ہیں کہ جمیع علومِ عقلیہ و نقلیہ میں اکملِ جہاں خصوصاً فقہ و اصولِ فقہ میں وحیدِ زماں ہیں۔ ولادت باسعادت ۱۲۵۲ھ میں واقع ہوئی۔ چنانچہ اعداد لفظ "میر آغا" سے تاریخ ولادت ظاہر ہے۔ شرف زیارات عتبات عالیات سے بھی مشرف ہو چکے ہیں۔" (۳۱۶)

جناب میر آغا صاحب طاب ثراہ "شجرۂ طیبہ" کی تصنیف کے وقت ۱۳۱۶ھ تک زندہ وسلامت تھے۔ اس وقت ان کی عمرِ مبارک چونسٹھ سال تھی۔

رحلت: روزِ پنجشنبہ ۱۱ رمضان ۱۳۲۳ھ (۳۱۶۔الف)

تدفین:

حضرت عمدۃ العلماء (اول) مولانا سید ہادی صاحب طاب ثراہ کے فرزندانِ ارجمند جناب سید محمد مہدی صاحب طاب ثراہ اور جناب عماد العلماء سید مصطفیٰ عرف میر آغا صاحب ثراہ کی تدفین بھی آپ کے جدِ بزرگوار کے بناء کردہ "حسینیہ غفرانمآب" "لکھنؤ میں ہوئی۔

جناب عمدۃ العلماء آیۃ اللہ سید ہادی صاحب طاب ثراہ اور جناب عماد العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ جناب سید محمد مصطفیٰ عرف میر آغا صاحب طاب ثراہ کے تذکرے تفصیل طلب ہیں مگر ہم وقت کی کمی اور صفحات کو محدود رکھنے کے سبب سے تفصیلی تذکرے لکھنے سے فی الحال معذور ہیں۔

---

(۳۱۶) نجم العلماء۔ شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۶۹

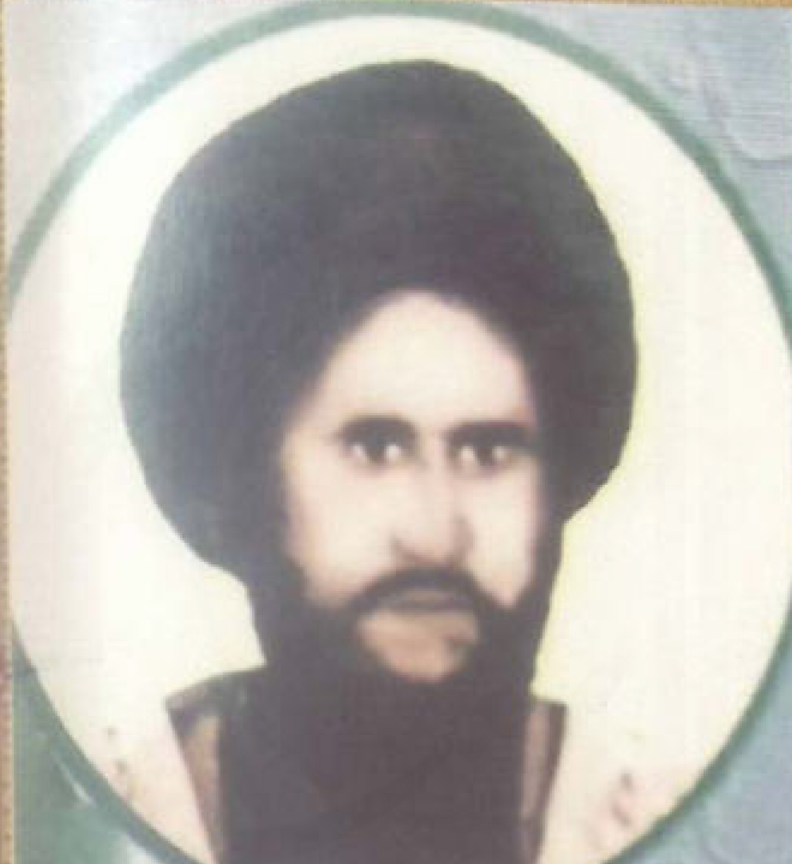
(۳۱۶۔الف) مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل اعلی اللہ مقامہ مضمون۔ شعاع عمل۔ فروری ۲۰۰۲ء۔ ص۔ ۶۶



سید الفقہا والمجتہدین قدوۃ المتکلمین سمیِ خامسِ آلِ عباؑ

سید العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ

حضرت سید حسین علیین مکاں علیہ الرحمۃ



سید الفقہا والمجتہدین قدوۃ المتکلمین سمیِ خامسِ آلِ عباؑ

سید العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ

حضرت سید حسین علیین مکاں علیہ الرحمۃ

جناب سید العلماء سید حسین صاحب علیین مکان

یہ اس عظیم المرتبت شخصیت کا تذکرہ ہے جس کی اس دنیا میں آمد کی خبر سید الشہداء امام حسین علیہ السلام نے ان کے پدر بزرگوار حضرت غفرانمآبؒ کو خواب میں خود بہ نفسِ نفیس دی تھی اور اپنا اسمِ اقدس و مبارک غفرانمآبؒ سے یہ کہہ کر عطا فرمایا تھا کہ "اپنے اس فرزند کا نام میرے نام پر رکھنا"۔ اللہ اللہ یہ عظمت اور کسے نصیب ہوئی۔ آیئے اس عظیم المرتبت ہستی کے کچھ کوائف کا مطالعہ کرتے ہیں۔

اسم اقدس	:	سید حسین
عرفیت	:	میرن صاحب
خطاب منجانب بادشاہِ اودھ	:	سید العلماء
لقب بعدِ رحلت	:	علیین مکاں
نسب	:	خلف الرشید جناب مولانا سید دلدار علی نقوی غفرانمآبؒ۔ آپ چوبیس واسطوں سے سلسلہ ائمہ اثنا عشر کے دسویں امامِ برحق امام علی نقیؑ کی اولادِ نرینہ میں سے ہیں۔
رحلت	:	۱۷ر صفر ۱۲۷۳ھ مطابق ۱۸ را کتوبر ۱۸۰۶ء
تدفین	:	امام باڑہ غفرانمآبؒ

جناب سید العلماء سید حسین صاحب قبلہ علیین مکان کے امتیازات خاص، ایک نظر میں:۔

۱۔ جناب سید العلماء اپنے پدرِ بزرگوار حضرت غفرانمآبؒ اور برادرِ بزرگ سلطان العلماءؒ کی طرح صاحبِ کرامات روحانی شخصیت تھے۔

۲۔ جناب سید العلماء کے اہم ترین امتیازات میں سے ایک نہایت اہم امتیاز یہ تھا کہ حضرت سید الشہداء امام حسینؑ نے اس فرزند کی ولادت باسعادت سے کوئی تین سال پہلے ایک خواب میں حضرت غفرانمآبؒ کو آپ کی ولادت کی بشارت دے دی تھی۔

۳۔ دوسرا عظیم شرف یہ تھا کہ امام حسینؑ نے اس خواب میں اپنا اسمِ اقدس آپ کو عطا فرمایا اور حضرت غفرانمآبؒ سے فرمایا کہ "اس مولود کا نام میرے نام پر رکھنا"۔

۴۔ حضرت سید العلماء علم و فضل میں اپنے پدرِ بزرگوار حضرت غفرانمآبؒ اور برادرِ معظم حضرت سلطان العلماء کی طرح عدیم النظیر تھے۔

۵۔ جناب غفرانمآبؒ نے جیسے کوفہ سے نجفِ اشرف تک نواب آصف الدولہ بہادر کی مالی امداد سے نہرِ آصفی تعمیر کروائی تھی اسی طرح جناب سید العلماء نے کربلائے معلیٰ میں "نہرِ حسینی" تعمیر کروائی۔ افسوس کہ دونوں نہریں اب بے نام و نشان ہیں۔

۶۔ حضرت غفرانمآبؒ اور ان کے فرزندانِ ارجمند نے نجفِ اشرف اور کربلائے معلیٰ میں روضہ ہائے مقدس کی تعمیر و مرمت وغیرہ اور زائرین و طلباء کی فلاح و بہبود کے لئے جتنے کام کئے ان میں سب سے زیادہ حصہ سید العلماء کا تھا۔

۷۔ لکھنؤ میں شیعی دینی تعلیمات کی سب سے پہلی درس گاہ جناب سلطان العلماءؒ کی تحریک اور تجویز پر مدرسہ سلطانیہ کے نام سے سید العلماءؒ کی کوششوں سے قائم ہوئی۔

۸۔ سید العلماء کی دینی، ملی اور علمی و ادبی خدمات بے حساب ہیں۔ آپ نے ساری زندگی انہی کاموں میں صرف کی۔

(۱) **تاریخ ولادت:**

۱۴ ربیع الثانی ۱۲۱۱ھ   تاریخی لقب: ''خورشید کمال''

(۲) **بشارت ولادت:**

نجم العلماء جناب سید ہدایت حسین صاحب قبلہ خلد مکاں مصنف ''شجرۂ طیبہ'' (نجوم تواریخ) لکھتے ہیں:۔

''لفظ'' ''خورشید کمال'' ساتھ سنہ ولادت کے اتفاقات حسنہ سے ہے کہ گویا ایک فالِ نیک ہے کہ فی الواقع وہ جناب خورشید کمالِ فلک شریعت ہوئے اور کیونکر ایسا نہ ہوتا، کہ ولادت اس جناب کی اشاراتِ غیبیہ سے ہے، اس لئے کہ جناب غفرانمآبؒ نے خواب میں ملاحظہ فرمایا تھا کہ حضرت خامس آلِ عباء علیہ التحیۃ والثناء تشریف لائے اور فرماتے ہیں کہ تم نے کسی فرزند کا میرا نام نہیں رکھا۔ پس غفرانمآبؒ نے عرض کی کہ میں نے تو بالترتیب معصومینؑ پر اپنی اولاد کے نام رکھے۔ چنانچہ پہلے فرزند کا نام سید محمد، دوسرے کا نام سید علی اور تیسرے کا نام سید حسن رکھا مگر جب چوتھے فرزند کی ولادت ہوئی تو مجھے یہ خیال ہوا کہ شاید یہ آخری اولاد ہو، اس وجہ سے امامِ آخرالزماں علیہ السلام کا نام رکھ دیا۔ پس حضرت نے ارشاد فرمایا، ایسا نہیں ہے۔ بلکہ عنقریب ایک فرزندِ ذکی اور پیدا ہوگا اس کو ہمنام میرا کرنا۔ پس اس باعث سے جب یہ جناب متولد ہوئے تو اسمِ اقدس حسب حکمِ امامؑ کے ''سید حسین'' رکھا گیا۔ (۳۱۷)

جناب ہدایت حسین صاحب مزید لکھتے ہیں کہ ''یہی سبب ہے باوجودیکہ جمیع صاحبزادگان غفرانمآبؒ اعلم واکمل واورع زماں ہوئے لیکن اکبر اولاد یعنی جناب سلطان العلماء سید محمد صاحب اور اصغر اولاد یعنی جناب سید العلماء سید حسین صاحب دونوں بزرگوار یکتائے زمانہ بالاتفاق اور مشہورِ آفاق ہوئے کیونکہ انہی دونوں حضرات کے باب میں بشارتِ غیبی ہوئی تھی۔ (۳۱۸)

---

(۳۱۷) نجم العلماء مولانا سید ہدایت حسین طاب ثراہ۔ شجرۂ طیبہ۔ ص ۷۲۔۷۱

(۳۱۸) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۷۲۔

(۳) فضائل ومحامد:

حضرت سید العلماء سید حسین صاحب طاب ثراہ کے فضائل ومحامد کثیر ہیں۔ مفتی محمد عباس شوستری اعلیٰ اللہ مقامہ' نے جو آپ کے ارشد تلامذہ سے تھے، آپ کے فضائل ومحامد، اوصاف حمیدہ وخصائلِ پسندیدہ کے بارے میں اپنی مشہور کتاب ''اوراق الذہب'' تحریر فرمائی اور بقول مولانا ہدایت حسین صاحب اگرچہ یہ رسالہ چودہ پندرہ جزو میں ہے پھر بھی جناب سید العلماء کے محامدِ شریف کے حصر واحصاء میں اعتراف عجز فرمایا ہے۔(۳۱۹)

(۴) فضیلتِ علم:

سید العلماء سید حسین صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہ' تمام علوم عقلیہ ونقلیہ میں اکملِ دوراں اور یکتائے زماں تھے۔ منطق وحکمت، حساب وہیئت، ادب عربیت، تجوید و قراءت، علمِ کلام و حدیث، تفسیر وفقہ واصولِ فقہ میں یدِ طولیٰ وقوت قدسیہ اور ملکۂ ملکیہ حاصل تھا۔

ابتداً اپنے والدِ بزرگوار کی خدمت میں تحصیلِ علم میں مشغول رہے اور جناب غفرانمآبؒ کی حیات میں باوجودیکہ سنِ شریف چوبیس سال کا تھا، درجۂ کمال پر فائز ہو چکے تھے۔ اس کی تصریح کتاب ''آئینۂ حق نما'' میں کی گئی ہے جو بعض اہلِ خبر کے نزدیک خود حضرت غفرانمآبؒ کی تصنیف ہے اگرچہ اسے ان کے کسی شاگرد کی تصنیف کہا جاتا ہے۔ اس میں تحریر ہے کہ سید العلماء بحسب سن بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے لیکن بہ اعتبارِ علم وکمال اکثر پر فوقیت و بزرگی رکھتے تھے۔ جمیع علوم وفنون و مدارج دینیہ و دنیویہ میں مراتب کمال پر فائز تھے۔ شب وروز تصنیف وتدریس میں مشغول رہتے تھے، اس کے باوجود دنیاوی معاملات میں بھی بخوبی دخل تھا۔(۳۲۰)

سید العلماء نے حضرت غفرانمآبؒ کی علالت کے دوران اپنے برادرِ بزرگ حضرت سلطان العلماء سے بھی استفادۂ علم فرمایا تھا۔(۳۲۱)

---

(۳۱۹) شجرۂ طیبہ، ص۔۷۲، (۳۲۰) شجرۂ طیبہ۔ص۔۷۳

(۳۲۱) شجرۂ طیبہ۔ص۔۷۳،

جناب مفتی محمد عباس شوستریؒ نے "اوراق الذہب" میں تحریر فرمایا ہے:۔

(خلاصہ ترجمہ)

"اس جناب (سید العلماءؒ) کے تبحر اور قوتِ اجتہاد کی یہ کیفیت تھی کہ کثرتِ کار کے باوجود آپ کے پاس ہزارہا مسائلِ دقیقہ اور مباحثِ انیقہ آیا کرتے تھے اور آپ بہ استعجال جوابِ شافی وکافی عنایت فرماتے تھے اور ہر مسئلہ کو اس طرح حل فرماتے تھے کہ اگر تمام مفکر و مدبر اپنی تمام عمر فکر و تدبیر میں صرف کرتے تو بھی سوائے اس کو تسلیم کرنے کے اور کوئی سبیل نہ ہوتی۔"

ایک واقعہ:

ایک اہلسنت عالم کا کہنا تھا کہ جس زمانے میں وہ علمائے اہلسنت سے "شمس بازغہ" کا درس لیتے تھے تو اس کتاب کا ایک مقام اُن کی سمجھ میں نہیں آیا۔ متعدد علماء کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر مسئلہ کسی سے حل نہ ہوا۔ آخر سید العلماء کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے رواروی میں اس کتاب "شمس بازغہ" میں دیکھا اور فرمایا کہ اگرچہ ایک طویل عرصے سے آپ کا اقلیدس سے سروکار نہیں رہا، مگر اس کتاب میں اس مقام پر شاید واؤ (و) کتابت سے رہ گیا ہے۔ اس وجہ سے مطلب خبط ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ کے ارشاد کے مطابق اس جگہ واؤ کا اضافہ کیا تو فوراً سارا مطلب سمجھ میں آگیا اور مسئلہ حل ہوگیا۔" (۳۲۲)

جب علمائے اہلسنت میں کتبِ درسیہ میں اختلاف ہوتا تو آپ (سید العلماءؒ) کو حَکم قرار دیتے تھے اور جو کچھ آپ فرماتے، فریقین اس کو تسلیم کرتے تھے، (۳۲۳)

دوسرا واقعہ:

لکھنؤ کا معروف خاندان علمائے اہلسنت جو "علمائے فرنگی محل" کہلاتے تھے اور ہیں،

(۳۲۲) شجرۂ طیبہ۔ ص۔۷۳۔۷۵

(۳۲۳) شجرۂ طیبہ۔ ص۔۷۵

ان میں سے ایک عالم نے منطق پر ایک کتاب لکھی۔ وہ روز سید العلماء کو یہ کتاب سنانے آتے اور آپ سن کر جو کچھ فرماتے اس کے مطابق کتاب میں ترمیم و تنسیخ کرتے جاتے۔ ایک روز ان عالم نے جب کتاب کا ایک حصہ سید العلماء کو سنایا تو آپ نے کوئی ترمیم و تنسیخ تجویز نہیں فرمائی۔ مگر سید العلماء کے ایک شاگرد شیخ علی اظہر صاحب نے جو بہت ذی استعداد تھے مگر مزاج میں جلد بازی تھی، فوراً ان عالم کو ٹوکا مگر انہوں نے کوئی توجہ نہ دی۔ اظہر صاحب نے پھر کہا آپ سماعت نہیں کر رہے ہیں۔ یہ مقام غلط ہے۔ اسے درست کیجئے۔ اب ان عالم نے کہا کہ اگر غلطی ہوتی تو جناب خود ارشاد فرماتے۔ تم کیوں مداخلت کرتے ہو۔ اس کے علاوہ یہ تہذیب کے خلاف بھی ہے کہ استاد نے تو کوئی تعرض نہیں کیا اور تم ان کے سامنے غلطی ثابت کرتے ہو۔ اگر تم کو علم کا دعویٰ ہے تو میراث کا ایک سوال پوچھتا ہوں، اس کا جواب دو۔ انہوں نے جلدی میں جواب لکھا۔ ان عالم نے دیکھ کر کہا، ابھی تم بچے ہو۔ ابھی سیکھو۔ شیخ اظہر صاحب نے کہا، ہاں دھوکہ ہو گیا۔ اور دوسرا جواب لکھنا شروع کیا۔ سید العلماءؒ کو اس بات سے صدمہ پہنچا اور ان سے فرمایا کہ جلدی کیا ہے پھر اطمینان سے جواب لکھ کر بھیج دینا۔ مگر انہوں نے دوسرا جواب بھی غلط لکھا۔ اس پر پھر ان عالم نے اعتراض کیا۔ شیخ صاحب نے گھر جا کر پھر تیسرا جواب لکھا اور سید العلماء کو دکھائے بغیر ان عالم کے پاس بھیج دیا۔ ان عالم نے اس جواب کی رد لکھ کر ملازم کو دی کہ شیخ صاحب کو دے آؤ۔ وہ ملازم اتفاق سے سید العلماء کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے وہ رد ملاحظہ فرمائی تو بہت صدمہ ہوا۔ اس کے بعد آپ نے خود اس کا جواب لکھ کر شیخ صاحب کو دیا کہ اس کو صاف کر کے (یعنی اپنے ہاتھ سے) لکھ کر بھیج دو۔ جب یہ جواب ان عالم کے پاس پہنچا تو انہوں نے یہ لکھا کہ یہ جواب باصواب ایسا ہے کہ جس کی وجہ سے مجھ کو اس مسئلہ کے حل کی جو فکر تھی اور تمام عمر میں اس کو سمجھ نہیں سکا تھا، وہ اب حل ہو گیا۔ مگر یہ جواب جن جناب نے عنایت فرمایا ہے یہ انہی کا کام

ہے۔تم میں اس قدر قوت اور صلاحیت نہیں ہو سکتی۔(۳۴۴)

۳۔ سلطان العلماء اور سید العلماءؒ کی منزلت علم کا اعتراف:

''مندرجہ ذیل واقعہ ہم جناب سلطان العلماء کے تذکرہ میں لکھ چکے ہیں۔ چونکہ اس کا تعلق جناب سید العلماء سے بھی ہے اس لئے یہاں بھی اسے درج کر رہے ہیں:۔''

مولوی تراب علی صاحب اور دیگر مشاہیر علمائے اہلسنت باوجود مذہبی اختلاف کے، واضح الفاظ میں اعتراف کرتے تھے کہ ہندوستان میں ان دونوں حضرات، جناب سلطان العلماءؒ اور جناب سید العلماءؒ کی قدر و منزلت کسی نے نہیں جانی۔ اگر ہمارا اختیار ہوتا تو ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ مکان میں رکھتے اور تصنیف و تالیف کے علاوہ انہیں کوئی کام نہ کرنے دیتے۔ کیونکہ یہ دونوں حضرات جس فن میں جو کچھ افادہ فرمائیں گے، وہ نہ کسی سے ہوا ہے نہ ہوگا اور باوجودیکہ یہ ہم لوگوں پر ردو طعن کرتے ہیں مگر ان کی تحریروں سے اور ان کے ساتھ مناظرہ اور مباحثہ کرنے سے جو لطف حاصل ہوتا ہے، وہ آج تک کسی کی تحریر و تقریر میں نہیں پایا گیا۔(۳۴۴۔الف)

طاعات و عبادات:

۱۔مفتی میر محمد عباس شوستری طاعات و عبادات کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

''میں نے خود بعض فضلائے عامہ کو سنا کہ جب وہ حاضر خدمت ہوئے اور آپ کے عبادات و علم اور حلم کا مشاہدہ کیا تو متحیر ہوئے اور انہوں نے کہا کہ بے شک یہ جناب مثل حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے ہیں۔ (۳۴۵)

۲۔سید العلماءؒ ایک سال پورے ماہ شعبان میں علیل رہے۔ رمضان آیا تو کچھ افاقہ ہوا مگر قوت و طاقت بحال نہیں ہوئی آپ نے اطباء کی ممانعت کے باوجود روزے رکھے۔ کئی روزوں کے بعد طبیعت زیادہ خراب ہوگئی اور بخار پلٹ آیا۔ ہر روز یہ فرماتے تھے کہ مجھے روزوں سے نقصان کا خدشہ نہیں ہے بلکہ شاید یہ بخار بہ سبب، غذا کی زیادتی یا قبض یا بیداری وغیرہ کی وجہ سے ہے۔

---

(۳۴۴) شجرۂ طیبہ ص ۷۶ تا ۷۷، (۳۴۴۔الف) شجرۂ طیبہ۔ص۔۷۷

(۳۴۵) شجرۂ طیبہ ص۔۷۸

ایک روز وعظ ارشاد فرماتے ہوئے بخار بہت زیادہ بڑھ گیا تو مکدر الحواس ہوکر منبر سے اترے۔ اتفاق سے ایک جنازہ نماز کے لئے آیا ہوا تھا۔ آپ نے طبیعت کی خرابی میں شدت کی وجہ سے نماز پڑھانے سے معذرت کی۔ مگر بعض مخالفین نے میت کے ورثاء سے کہا کہ اگر کسی رئیس و امیر کا جنازہ ہوتا تو کبھی عذر نہ ہوتا۔ آپ کو اس بات سے بہت صدمہ ہوا اور بدقت تمام نماز جنازہ پڑھ کر مکان کے اندر تشریف لے گئے۔" (۳۲۶)

اس طرح پورے ماہِ صیام میں طبیعت کبھی بہتر ہوتی اور کبھی خراب مگر جمعہ و جماعت اور وعظ و ہدایت اور روزوں اور عبادات میں برابر مصروف رہے۔

یہاں تک کے رمضان ختم پر آیا اور آپ نے صحیفۂ کاملہ سے دعائے وداع شروع فرمائی اور باآواز بلند اس قدر بکاء فرمائی کہ ریشِ مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی کہ جس قدر آج حال تغیر اور حزن و ملال پایا جاتا ہے، اور کسی سال نہیں دیکھا۔ اس سال اس شدت سے گریہ و بکا کا کیا سبب ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میں نے جس بیماری کی حالت میں روزے رکھے ہیں، مجھے شک ہے کہ شاید یہ روزے بے محل ہوں اور حق تعالیٰ قبول نہ فرمائے۔ چنانچہ بعد رمضان آپ نے پھر ماہِ صیام کے روزوں کی قضا بھی انجام دی۔ (۳۲۷)

جود و سخا:

اس صفت میں آپ سحاب باراں اور بحرِ ذخار کی طرح تھے کہ ہر شخص سیر و سیراب ہوتا۔ یتیموں پر باپ کی طرح اور بچوں اور بوڑھوں پر بھی ایسی ہی شفقت فرماتے اور مرنے والوں کی تجہیز و تکفین میں اعانت فرماتے تھے۔ محتاجوں اور سائلوں کا ہجوم ہوتا اور وہ دامن سے لپٹ جاتے۔ اس پر بھی آپ ناگواری کا اظہار نہ فرماتے اور سوال کے مطابق عطا کرتے۔ کسی حاضر ہونے والے کو دربان دروازہ پر روکتے نہیں تھے۔ (۳۲۸)

---

(۳۲۶) شجرۂ طیبہ۔ ص ۷۸۔۷۹۔ (۳۲۷) شجرۂ طیبہ۔ ص ۔۷۹

(۳۲۸) شجرۂ طیبہ۔ ص ۷۹۔۸۰

اس موضوع کے حوالے سے زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"بذل وایثار میں بھی آپ اپنے عہد میں عدیم النظیر تھے۔ عراق وایران سے سائلین کے سوال پہنچتے تھے اور آپ انہیں پورا فرماتے تھے۔ بسا اوقات سوال کرنے کے لئے آنے والے فقراء و مساکین تشدد پر اتر آتے مگر آپ انہیں کچھ نہیں کہتے تھے۔ ایک مرتبہ گھر سے باہر دو فقیروں نے گھیر لیا اور کچھ مانگا۔ آپ اس وقت مجبور تھے۔ انہیں دینے کے لئے آپ کے پاس کچھ نہیں تھا۔ آپ نے عذر کیا کہ اس وقت کچھ موجود نہیں ہے۔ اس پر ان دونوں نے آپ کی ردا آپ کی گردن میں باندھ کر کھینچنا شروع کی۔ قریب تھا کہ گلا گھٹنے لگے۔ آپ کے فرزند جناب سید علی نقی صاحب یہ دیکھ کر دوڑ کے آئے، دونوں فقیروں کو مار کے ہٹایا اور ردا گردن سے کھولی۔ اس بات پر آپ اپنے اس فرزند سے عرصہ تک ناراض رہے کہ ان فقیروں کو مارا کیوں۔ بعد میں کسی طرح ان فقیروں کی حاجت پوری کی۔ (۳۲۹)

یہ بھی آپ کی سیرتِ مبارک کا ایک نمایاں رخ تھا کہ جس سے جو وعدہ فرماتے تھے اسے ہر حال میں پورا کرتے حتیٰ کے بعض لوگ دروغ گوئی کرتے اور جھوٹ بول کر یہ کہہ دیتے کہ آپ نے ہم سے یہ وعدہ کیا تھا، تو آپ اُن کو بھی اُن کے سوال کے مطابق عطا فرماتے۔

اخلاص، نیت فی العمل اور تقرب الی اللہ:

سید العلماءؒ کے اکثر حالات وعادات اس طرح کے تھے جن میں اخلاصِ نیت اور قصدِ قربت جمیع اعمال وافعال میں دلیل ساطع تھے۔

---

(۳۲۹) عزیز لکھنوی۔ تجلیات رضامین عزیز۔ ص۔ ۳۳۱ + مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ۔ تاریخ سید العلماء (قلمی)

مفتی صاحب " تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز انہوں نے دیکھا کہ ایک خط مکہ معظمہ سے آیا ہے۔ جناب اس کو مخفی طور پر پڑھ کر مسرور ہو رہے ہیں۔ مفتی صاحب نے حال دریافت کیا تو پتہ چلا کہ آپ نے پوشیدہ طور پر وہاں کچھ روپیہ روانہ فرمایا تھا کہ کوئی شخص آپ کا نائب ہو کر حج میقاتی ادا کر دے۔ اس خط میں یہ اطلاع تھی کہ حسبِ خواہش حج ادا کر دیا گیا۔ (۳۳۰)

مفتی صاحب ہی کا یہ ارشادِ گرامی بھی ہے کہ آپ کبھی علوئے شان و قدر و منزلت، حمد و ستائش اور رفعتِ مکاں کو اپنے لئے پسند نہیں فرماتے تھے بلکہ انکسار و فروتنی اور گمنامی وغیرہ ان کی سیرت میں فطری اور طبعی صفات تھیں، یہاں تک کہ ان کے والد بزرگوار حضرت غفرانمآب " یہ فرماتے تھے کہ معلوم نہیں ان کا امر کیونکر ظاہر ہوگا اور کس طرح لوگ انہیں پہچانیں گے۔

نجم العلماء مولانا ہدایت حسین صاحب لکھتے ہیں کہ چونکہ خداوندِ تعالیٰ کو انکسار پسند ہے، اس لئے خود اپنی رحمتِ کاملہ سے اسم اقدس و علم و کمال اور جمیع فضائل و محامد کو جنوب و شمال اور غرب و شرقِ عالم میں مشہور و آشکار " کالشمس رابعۃ النہار " فرمایا۔ (۳۳۱)

روز کے معمولات:

سید العلماء " دوشنبہ اور پنجشنبہ کو نمازِ صبح کی رکعتِ اول میں سورۂ دہر اور رکعتِ دوم میں سورۂ غاشیہ کی تلاوت فرماتے تھے۔ مولانا آغا مہدی صاحب " تحریر فرماتے ہیں کہ یہ سیرت حضرت امام رضا علیہ السلام پر عمل تھا۔ آخر شب سے مسجد میں تشریف لے جاتے تھے۔ نمازِ شب اور فریضۂ صبح کے بعد دیر تک تعقیبات میں مشغول رہتے بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہوا ہو لیکن ایسا اتفاق بہت کم ہوتا تھا بلکہ اکثر اسی وقت سے اہلِ احتیاج، صاحبانِ غرض اور ضرورتمند جمع ہو جاتے تھے اور اپنی اپنی حاجتیں عرض کرتے تھے جبکہ آپ تسبیح میں مشغول ہوتے تھے۔ ایسا بہت ہوتا تھا کہ آپ بارگاہِ

(۳۳۰) شجرۂ طیبہ۔ ص۔۱۰۳،۱۰۲

(۳۳۱) شجرۂ طیبہ۔ ص۔۱۰۳ ۔ ۱۰۵

خالقِ کُل میں دستِ دعا بلند فرماتے تھے اور اس وقت بھی لوگ آپ کے ہاتھوں سے چپٹے جاتے تھے اور طالبِ عطا ہوتے تھے۔ اس حالت میں بھی آپ ہر ایک کو جواب باصواب دیتے جاتے تھے اور پھر اپنی دعا کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ دعا وذکر و سجدۂ شکر کے بعد زیارت پڑھتے تھے۔ اکثر بین المغربین درس دیتے تھے۔ پھر جا کر طعام نوش فرماتے۔ پھر باہر تشریف لا کر ایک تہائی رات تک درس و اضافۂ احکام اور افادۂ مسائل حلال وحرام میں مشغول رہتے۔ (۳۳۲)

درس و تدریس کا آغاز نمازِ صبح سے پہلے کر دیتے تھے۔ ایک سبق کے بعد مسجد میں تشریف لے جاتے۔ افق دیکھ کر نماز کے وقت کا تعین فرماتے۔ اگر زکواۃ و خمس کی تقسیم کا وقت ہوا تو مومنین کی یلغار، بیماروں کی عیادت، خاندانی مراحل، گھریلو معاملات۔ ظہرین کے بعد پھر گھر پر آنے والوں کا ہجوم۔ زندگی بھر آرام کا موقع نہ ملا اور ان خدمات میں جبیں پر شکن تک نہ آتی۔ جسم فطری طور پر لاغر تھا۔ کام کی کثرت ان تفصیلات سے ظاہر ہے۔

جب نمازِ ظہرین سے فارغ ہوتے تو ہر روز اپنے برادرِ بزرگ حضرت سلطان العلما ؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اسی طرح ان کا ادب ولحاظ فرماتے تھے جیسے باپ کے لیے اولا پر فرض ہوتا ہے۔ (۳۳۳)

مفتی صاحب ؒ کا کہنا ہے کہ قسم بخدائے لاشریک کہ علم وعمل میں کوئی شخص آپ کا مثل و نظیر نہیں ہے۔ اگر کسی دوسرے شخص کو یہ مراتبِ جلیلہ اور مدارجِ عالیہ حاصل ہوتے تو غالباً وہ کبر و عُجب سے بری نہ رہتا۔ لیکن جس قدر حق تعالیٰ آپ کا درجہ بڑھاتا جاتا ہے اسی قدر کسرِ نفسی زیادہ ہوتی جاتی ہے اور جوامر عزتِ ظاہری کا آپ کے واسطے ہوتا ہے، آپ اس کو اپنے نزدیک ذلتِ باطنی سمجھتے ہیں۔

---

(۳۳۲) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۸۷ عزیز لکھنوی۔ تجلیات رضامین عزیز۔ ۳۳۲

(۳۳۳) عزیز لکھنوی۔ تجلیات رضامین عزیز۔ ص۔ ۳۳۲

سیرت و کردار:

سید العلماءؒ کی سیرت و کردار کا ایک زمانہ معترف تھا۔ دوست دشمن سب تعریف کرتے تھے۔ اپنے وقت کے معروف قصیدہ نگار شاعر، ادیب، صحافی، واقعہ نگار لسان الہند حضرت عزیز لکھنوی لکھتے ہیں:۔

"جناب سید العلماءؒ مجسم صفاتِ کامل تھے۔ ان کی زندگی سیرتِ ائمہؑ کا نمونہ تھی۔ ہمیشہ معمولی لباس پہنتے تھے اور معمولی سے معمولی غذا کھاتے تھے۔ لذائذِ دنیا سے ہمیشہ محترز رہتے تھے۔ اکثر بوسیدہ لباس زیب تن رہتا تھا۔ عرصہ تک کوئی گھر اپنی سکونت کے لئے نہیں لیا۔ زہد کی حالت یہ تھی کہ ایک رات کو دیر سے گھر میں تشریف لائے۔ اس وقت خادمہ کو کھانا لانے کی زحمت دینا نامناسب معلوم ہوا۔ خود طعام کی جستجو فرمائی۔ ایک مقام سے روٹی ملی۔ ایک جگہ ایک پیالہ رکھا تھا۔ آپ نے خیال کیا کہ اس میں شوربا ہے۔ چنانچہ اس کے ساتھ روٹی نوش فرمائی۔ صبح کو خادمہ ایک بچے کی دوا تلاش کرتی ہوئی آئی۔ آپ نے پوچھا دوا کہاں رکھی تھی۔ خادمہ نے وہی جگہ بتائی جہاں سے آپ نے پیالہ اُٹھایا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اسے شوربہ سمجھ کر میں نے روٹی سے کھالی (۳۳۴)۔ یہ واقعہ اور بھی تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے۔

اخلاقیات و حسنِ خُلق:

خوش اخلاقی کی یہ حالت تھی کہ دشمنوں سے بھی دل میں کینہ نہ رکھا۔ حتیٰ کہ تشدد پر اتر آنے والے سائلین سے بھی۔ دوسروں کی عزتِ نفس کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ اگر کوئی اپنی کتاب یا اور کوئی تحریر اصلاح کے لئے پیش کرتا، جس طرح ایک عالم اہلسنت نے منطق پر اپنی

(۳۳۴) عزیز لکھنوی۔ "تجلیات" رمضامینِ عزیز۔ ص۔۳۳۱

کتاب پیش کی تو آپ کو جہاں غلطی نظر آتی، وہاں یہ کہہ کر نہیں ٹوکتے تھے کہ یہ آپ نے غلط لکھا ہے یا یہاں غلطی کی ہے بلکہ یہ فرماتے تھے کہ اگر اس جگہ اس طرح سے ہو تو کیسا رہے گا۔

سید العلماءؒ اپنے برادر بزرگ حضرت سلطان العلماء کو باپ کی طرح سمجھتے تھے اور اس سلسلے کے ہر اہلِ علم کی ان کی نظر میں وقعت تھی۔ چنانچہ اجازات میں مولوی حمد اللہ سندیلوی کو آپ نے مولیٰ کے لفظ سے یاد کیا۔ مولوی حمد اللہ کی مجلسِ درس میں جن (جنات) بھی شریک ہوتے تھے۔ اس کا انکشاف اُس وقت ہوا جب کسی ناممکن الحصول شے کی انہیں ضرورت پیش آئی تو ایک طالبِ علم نے وہیں مجلسِ درس میں بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھا کر اسی وقت استاد کو پیش کر دی۔ مولوی حمد اللہ کو زبدۃ العلماء مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ طاب ثراہ نے حنفی لکھا ہے مگر یہ بھی لکھا ہے کہ وہ بظاہر حنفی تھے لیکن گمان غالب یہ ہے کہ وہ اپنے گرد و پیش میں حنفی بنے رہے حقیقتاً وہ شیعہ تھے۔

اکثر مریضوں کی عیادت کو تشریف لے جاتے اور اُن کی تیمارداری کرتے۔ مفتی صاحب اعلی اللہ مقامہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے بچشمِ خود دیکھا کہ ایک مردِ غریب میرے ہمسایہ میں علیل ہوئے۔ ہیضہ کا مرض عارض ہوا۔ ان کے پاس کوئی خادم بھی نہ تھا۔ آپ عیادت کو تشریف لائے۔ خود بہ نفسِ نفیس اُن کے واسطے کھرل میں دوا حل فرمائی اور اپنی دولت سرا سے گلاب وغیرہ منگوایا جب انہوں نے انتقال کیا تو تجہیز و تکفین کا انتظام کیا اور نمازِ جنازہ پڑھ کر ان کے تابوت کو ان کے وطن روانہ فرمایا اور ان کی اولاد کے ساتھ حسنِ سلوک اور مواسات فرمائی۔ (۳۳۵)

آپ کے حسنِ اخلاق کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی آپ سے کلام کرتا تو اس کی طرف اتنا التفات فرماتے کہ دوسرے حاضرین اس کو مخصوصینِ احباب میں سے سمجھتے تھے حالانکہ آپ کا فضل و خُلق سب کے ساتھ یکساں تھا۔

---

(۳۳۵) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۸۸

آپ کی عادات میں سے یہ بھی تھا کہ کسی شخص کو کچھ عطا فرماتے تو اس کو ہر ایک سے پوشیدہ رکھنے میں نہایت اہتمام فرماتے۔ یہاں تک ایک دوست دوسرے دوست اور ایک عزیز دوسرے عزیز کے حال سے واقف نہ ہوتا تھا کہ ان کو کچھ عطا ہوا بھی ہے کہ نہیں اور اگر ہوا تو کتنا۔

استجابت دعا اور کرامات:

جناب سید العلماء اپنے پدر بزرگوار حضرت غفرانمآبؒ اور برادر معظم حضرت سلطان العلماء کی طرح صاحب کرامات تھے۔

مولانا ہدایت حسین صاحب کا کہنا ہے کہ آپ کی دعائیں سنگین حالات میں بھی بارگاہِ احدیت میں قبول ہوتی تھیں۔ چنانچہ مفتی صاحب نے لکھا کہ ایک دفعہ ان کے بھائی کی طبیعت بہت خراب ہوگئی اور حکیم نے بحرانی کیفیت میں مسہل دے دیا جس سے ان کی حالت غیر ہوگئی اور زندگی کی امید نہ رہی۔ والدِ ماجد جناب کی خدمت میں نہایت اضطراب کی حالت میں حاضر ہوئے۔ آپ فوراً تشریف لائے۔ خاکِ شفا کھلائی اور دعا فرمائی۔ اسی وقت خاکِ شفا اور دعا کی برکت سے افاقہ ہوگیا۔(۳۳۶)

دوسرا واقعہ:

ایک سال بارش نہیں ہوئی۔ زراعت اور درختوں کی شاخیں تک خشک ہوگئیں۔ آثار قحط ظاہر ہوئے۔ سید العلماءؒ نمازِ استسقاء کے لئے صحرا میں تشریف لے گئے۔ خطبہ کے دوران اس قدر بارش ہوئی کہ تمام تالاب اور راستے (سڑکیں) تک پانی سے بھر گئے جب آپ اس صحرا سے تشریف لائے تو اس علاقے کے تمام باشندے اور کسان وغیرہ آپ کے قدموں پر آنکھیں مل رہے تھے اور کہتے تھے کاش ایسے متبرک لوگ ہر روز اس طرف آیا کریں۔(۳۳۷)

---

(۳۳۶) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۹۱

(۳۳۷) شجرۂ طیبہ۔ ص۔۹۲

اپنے فرزند کے لئے دعا:

اپنی کتاب ''وجیز الرائق'' میں اپنے فرزند سید محمد تقی صاحب کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ آپ کی دعا کے مطابق حق تعالیٰ نے آپ کے فرزند جناب سید محمد تقی صاحب قبلہ کو متقی و پرہیزگار اور مجتہد وحید روزگار بنادیا۔

فرزند کی شدید ترین علالت:

آپ کے فرزند زبدۃ العلماء مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ بہت شدید بیمار ہو گئے۔ علاج سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ یہاں تک کے حالت احتضار تک پہنچی۔ سوئے تنفس کی یہ کیفیت ہوئی کہ سانس کی آواز مکان کے باہر تک جاتی تھی۔ آپ نہایت بیتاب اور بیقرار ہو کر دعا میں مصروف ہو گئے۔ دعا کی برکت سے آپ کے دل میں القاء ہوا کہ کھٹے انار کا شربت دیا جائے اطباء نے سختی سے مخالفت کی کہ اس حالت میں کھٹے انار کا شربت ہرگز مناسب نہیں ہے۔ مگر آپ نے یہ فرمایا کہ اب ان میں کچھ بھی نہیں رہ گیا ہے۔ اگر یہ شربت انہیں نہ دیا جائے گا تو مجھے حسرت رہ جائے گی۔ آخر اللہ پر توکل کر کے شربت پلانے کا فیصلہ کیا۔ مریض کے دانت جم گئے تھے۔ شربت حلق تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس لئے شربت کو دانتوں پر ملا جس سے کچھ منہ کھلا تو کئی تولہ شربت پلا دیا جس سے فوراً سانس کی تکلیف ختم ہو گئی اور صحت وقوت حاصل ہو گئی۔ (۳۳۸)

کرامات:

جناب مفتی میر محمد عباس صاحب طاب ثراہ نے ''اوراق الذہب'' میں اور جناب نجم العلماء مولانا ہدایت حسین صاحب طاب ثراہ نے ''نجوم تواریخ'' ''شجرۂ طیبہ میں آپ کے

---

(۳۳۸) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۹۲

کرامات کے ذیل میں استجابتِ دعا کے واقعات کے علاوہ کچھ اور واقعات بھی لکھے ہیں جو آپ کے صاحبِ کرامات ہونے پر دلیل ہیں۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں:۔

جناب مفتی صاحب طاب ثراہ نے ''اوراق الذہب'' میں تحریر فرمایا ہے کہ جب شاہ جمجاہ امجد علی شاہ، بادشاہِ اودھ کے عہد میں ایک دن مالِ زکواۃ مستحقین میں تقسیم کے لئے آیا تو میں (مفتی صاحب طاب ثراہ) نے ایک فرد میں اسمائے مستحقین اس ترتیب سے لکھے کہ جو زیادہ مستحق تھا اس کو پہلے لکھا اور کم مستحق تھا اس کو بعد میں لکھا۔ فہرست مکمل ہونے کے بعد اور اشخاص آئے جو سب سے زیادہ مستحق تھے۔ چونکہ وقت تنگ تھا اس لئے از سرِ نو فہرست لکھنا ممکن نہ ہوا۔ مجبوراً اسی فہرست کے آخر میں ان کے نام لکھ دیئے۔ اور وہ فہرست جناب سید العلماء کی خدمت میں پیش کر دی۔ چنانچہ آپ نے اسمائے سابقین کے تحت حسبِ ترتیب فہرست جس کا نام پہلے تھا اس کے لئے زیادہ رقم تحریر فرمائی اور جس کا نام بعد میں تھا اس کے لئے کم تجویز فرمایا۔ اسی طرح ایک کے بعد دوسرے میں کمی فرماتے گئے یہاں تک کہ آخر میں جب نام ان لوگوں کے آئے کہ جو فہرست کے آخر میں مجبوراً لکھ دیئے گئے تھے حالانکہ وہ زیادہ مستحق تھے۔ تو فہرست کی ترتیب کے برعکس دوسروں کی نسبت آپ نے زیادتی فرما دی یعنی رقم میں خود اضافہ کر دیا۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ بڑی عجیب بات تھی۔ (۳۳۹)

دوسرا واقعہ:

جناب سید العلماءؒ نے ایک خط بعض طلاب کی مدد کے لئے بعض عاملین کو تحریر فرمایا۔ مکتوب الیہ نے وہ خط آپؒ کی توہین کے ارادہ سے زمین پر پھینک دیا۔ اس بے ادبی کی وجہ سے اسی وقت ایک شدید درد میں مبتلا ہوا اور اسی ہفتہ میں مر گیا۔ (۳۴۰)

---

(۳۳۹) شجرۂ طیبہ۔ص۔۹۳،

(۳۴۰) شجرۂ طیبہ۔ص ۹۳

تیسرا واقعہ:

عراق کے عظیم المرتبت مجتہد جناب سید ابراہیم حائری نے ایک طولانی خط میں جناب سید العلماءؒ کو تحریر فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے "میں نے دو عدد نسخے "دلائل الاحکام" کے آپ کی خدمت میں روانہ کئے تھے مگر وہ سمندر میں تلاطم کی وجہ سے پانی میں غرق ہو گئے۔ جب مجھے یہ خبر معلوم ہوئی تو میں نے ارادہ کیا کہ آپ کو نئے نسخے بھیج دوں۔ اس اثناء میں ایک جلیل القدر شخص کا خط مسقط کی بندرگاہ سے میرے پاس آیا۔ اس میں لکھا ہے کہ دونوں مذکورہ جلدیں صحیح سالم مچھلی کے پیٹ سے برآمد ہوئیں اور سوائے پانی کے اثرات کے اور کسی قسم کی خرابی کاغذ اور حروف (کتابت) میں نہیں آئی۔ لہٰذا مناسب ہوا کہ میں انہی دونوں جلدوں کو آپ کے پاس روانہ کردوں تا کہ آپ کے مراتب عالیہ اور برکات انفاسِ قدسیہ اور کراماتِ جلیلہ ہر شخص پر واضح ہوں۔ (۳۴۱)

مفتی صاحب قبلہ نے اس خط کے بارے میں اس تحریر کے بعد یہ بھی تحریر فرمایا کہ زمانہ دراز کے بعد میں نے چاہا کہ اس خط کو کتاب "اوراق الذہب" میں درج کروں۔ لہٰذا میں نے وہ خط جناب سید العلماءؒ نے طلب کیا۔ چونکہ زمانہ بہت گزر گیا تھا، طلباء نے آپ کے ارشاد کے مطابق ہر چند وہ خط کتب خانہ میں تلاش کیا مگر دستیاب نہ ہوا۔ لہٰذا وہ جناب خود بہ نفسِ نفیس متوجہ ہوئے اور ایک کتاب نکال کے عنایت فرمائی اور کہا کہ اس میں دیکھو۔ میں نے جب اس کتاب کو کھولا تو فوراً وہ خط مل گیا۔ چنانچہ میں نے نے عرض کیا کہ یہ دوسری کرامت ظاہر ہوئی ہے۔ اسے بھی کتاب میں درج کروں گا۔ (۳۴۲)

یہ چند واقعات جناب سید العلماءؒ کے صاحب کرامت ہونے کی مستحکم دلیل ہیں۔ اور واقعات کو بنظرِ اختصار نظر انداز کر دیا ہے۔

---

(۳۴۱) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۹۳۔ ۹۴

(۳۴۲) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۹۳ تا ۹۴۔

صاحب نظر جوہری:

سید العلماء ایک صاحب نظر جوہری بھی تھے۔ جناب مرتضیٰ حسین صاحب فاضل نے اس حوالہ سے ایک واقعہ لکھا ہے:۔ "لکھنؤ میں ایک شخص موتی بیچنے آیا۔ بعض سیرت نگاروں نے موتی کے بجائے ہیرے لکھا ہے جو زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔ وہ سید العلماءؒ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ آپ نے اس کے موتی یا ہیرے بغور دیکھے۔ پھر ایک گلاس میں پانی منگوایا اور وہ اس میں ڈال دیئے۔ یہ دیکھ کر وہ تاجر گھبرا گیا اور فوراً اپنا صندوقچہ بند کرنے لگا۔ سید العلماءؒ نے اس سے فرمایا کہ تم شہر والوں کو بہت لوٹ چکے ہو۔ شہر سے نکل جاؤ اور اب یہاں واپس نہ آنا۔ سید العلماءؒ ان موتیوں یا ہیروں کو دیکھ کر سمجھ گئے تھے کہ وہ مصری یا معدنی نمک سے بنائے گئے تھے۔ اس لئے آپ نے انہیں پانی میں ڈالا تھا کہ کچھ دیر میں گھل جائیں گے۔ (۳۴۲۔الف)

تصانیف سید العلماءؒ:

جیسا کہ آپ کے حالات سے ظاہر ہے ایک طرف تو آپ کی صحت اچھی نہ تھی، فطرتاً جسم کمزور تھا اور مختلف قسم کے عوارض اور امراض لاحق ہوتے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ صدمات و آلام کا سامنا بھی ہوتا رہتا تھا۔ اس کے باوجود تصنیف و تالیف اجرائے احکام اور فتوؤں پر دستخط وغیرہ میں بھی مصروف رہتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر آپ کے سب فتوے جمع کئے جاتے تو کئی ضخیم کتابیں تیار ہو جاتیں۔ اس سب کے باوجود تصنیف و تالیف سے بھی صرف نظر نہیں فرماتے تھے۔ البتہ اس کے لئے وقت کم ملتا تھا۔

آپ کی تصانیف و تالیفات حسب ذیل ہیں:۔

ا۔ "تجزی فی الاجتہاد" یہ آپ کی پہلی تصنیف اور استدلالی رسالہ تھا جو صرف سترہ سال کی عمر میں

(۳۴۲۔الف) مطلع انوار۔ص۔۱۹۱

لکھا اور اسی کو دیکھ حضرت غفرانمآبؒ نے آپ کو اجازۂ اجتہاد عطا فرمایا:۔

۲۔ ''مناہج التدقیق و معارج التحقیق'':۔ آپ کی یہ کتاب حضرت غفرانمآبؒ کی کتاب ''عماد الاسلام'' کے ہمراہ عراق میں شیخ الفقہاء حضرت شیخ محمد حسن نجفی، صاحب ''جواہر الکلام'' کو بھیجی گئی۔ جنہوں نے دونوں کتابوں کی توصیف و مدح میں ایک طویل خط لکھا جو جناب مفتی محمد عباس شوستری نے ''اوراق الذہب'' میں درج کر دیا۔ جب شیخ عبدالوہاب (ریاست ''بلہرہ'') زیارات سے واپس آئے تو انہوں نے بیان کیا کہ مجتہدِ زماں شیخ زین العابدین مازندرانی طاب ثراہ اس کتاب کا درس دیتے تھے۔

۳۔ اصالۃ الطہارۃ''۔ یہ کتاب جب آقائی سید ابراہیم الحائری طاب ثراہ کی خدمت میں پہنچی تو آپ نے اس پر تقریظ تحریر فرما کر اپنی مہر لگائی۔ اس کے بعد ایک خط تقریظ کی تصدیق اور کتاب کی توصیف میں ارسال فرمایا۔

۴۔ رسالہ ''وجیز الرائق''

۵۔ مجلدات ''روضۃ الاحکام فی المسائل الحلال والحرام''

۶۔ ''افاداتِ حسینیہ''

۷۔ مجلدات ''حدیقۂ سلطانیہ'' مشتمل بہ عقائد ایمانیہ، معارفِ ربانیہ اصول وحیانیہ اور رموزِ ایمانیہ ہیں۔ یہ کتاب عراق کے ایک عالم جناب کاظم رشتی کے عقائد و تعلیمات کی رد میں ہے۔ اس کتاب کی تالیف کا سبب یہ تھا کہ سید العلماء کے تلامذہ میں ایک شخص ''مرزا حسن'' تھے۔ وہ اپنی تعلیم مکمل کر کے کربلائے معلیٰ گئے اور کاظم رشتی کی صحبت سے متاثر ہوئے۔ جب وہ لکھنؤ میں واپس آئے تو ان کی ہیئتِ کذائی یہ تھی کہ دونوں ہاتھ رنگِ حنا سے گلنار، دوش پر عبائے باریک

اور سر پر دستار، منابر پر بیٹھ کر حکایات منامات، ادعائے کشف و کرامات، اختراع بدعات اور ترویج طریق اہل ضلالت میں سرگرم رہتے۔ سید العلماءؒ نے بہت افہام و تفہیم فرمائی مگر وہ راہ راست پر نہ آئے۔ آپؒ کو بہت صدمہ و قلق ہوا۔ عوام بلکہ بعض خواص بھی ان کی پیروی واقتداء کرنے لگے۔ لہٰذا آپ نے یہ کتاب تصنیف فرمائی اور اس میں کاظم رشتی کے اقوال واہیہ اور نظریات کو بحث و تنقید سے رد فرمایا۔

۸۔ تعلیقات ''کتاب صوم'' اور کتاب ''ریاض المسائل'' پر۔

۹۔ تعلیقات بر شرح ہدایہ صدر الدین شیرازی اور تکلم کیا ہے ان علمائے اہلسنت سے جنھوں نے اُس زمانے میں اپنی عمر فنونِ عقلیہ اور علومِ حکمیہ میں صرف کی تھی۔ ان کے کلام کی رد فرمائی اور ان کے اوہام اور اقوال کی رکاکت اور افہام کی غلطی ظاہر کی۔ (۳۳۳)

۱۰۔ رسالہ ''معتبر العقول فی تحقیق النسبۃ بین الحقیقیۃ والمنقول''۔ اس کتاب کی تصنیف کی وجہ یہ تھی کہ علمائے اہلسنت میں سے دو علماء میں مناظرہ ہوا۔ انہوں نے پہلے اپنے علمائے کبار کی طرف رجوع کی اور اُن کو حَکَم قرار دیا۔ مگر علومِ عقلیہ اور فنونِ منطقیہ میں ان کی مہارت کے باوجود کوئی جواب شافی نہ ملا اور نزاع باقی رہی آخر ان دونوں نے آپ سے رجوع کی تو آپ نے یہ رسالہ تصنیف فرمایا جس سے نزاعی مسئلہ حل ہوگیا اور اس تحقیق اور آپ کے نقطۂ نظر کو دونوں نے تسلیم کرلیا۔

۱۱۔ ''امالی تفسیر اور مواعظ نافعہ''

۱۲۔ ''مجالس مفجعہ، ذکر مصائب سید الشہداء علیہ السلام میں۔

۱۳۔ رسالہ عربیہ میراثیہ

---

(۳۳۳) شجرۂ طیبہ۔ ص۔۱۱۵۔۱۱۶

۱۴۔ رسالہ طرد المعاندین

۱۵۔ اجازہ طولانی جو اپنے فرزندِ ارجمند جناب ممتاز العلماء سید محمد تقی صاحب کے لئے لکھا۔

۱۶۔ اجازہ جو فرزند برادر جناب عمدۃ العلماء جناب سید محمد ہادی صاحب کے لئے لکھا۔

۱۷۔ اجازہ جو مفتی میر محمد عباس شوستریؒ کے لئے تحریر فرمایا۔

۱۸۔ رسالہ عربیہ۔ اس میں منتخب اوراد و وظائف تحریر فرمائے۔

ان کے علاوہ اور کئی رسائل اور تعلیقات ہیں (۳۴۴)

مولانا مرتضیٰ حسین صاحب فاضلؔ نے مزید کئی کتابوں کے نام اپنی تصنیف لطیف "مطلع انوار" میں درج کیے ہیں۔ چند نام ملاحظہ ہوں:۔ (۱) تفسیر سورۂ حمد مفصل۔ (۲) تفسیر سورۂ بقرہ نامکمل۔ (۳) تفسیر سورۂ ہل اتی۔ (۴) تفسیر سورۂ توحید۔ (۵) تفسیر آیۂ کریمہ "کنتم خیر امۃ" (۶) ردِ اعتراضاتِ رازی۔ (۷) رسالہ در فنِ تجوید۔ (۸) رسالہ در مسئلہ شک در رکعتین اولین۔ (۹) اصولِ دین واحکام تاج۔ (۱۰) وسیلۃ النجات (۱۱) فوائد فی تنقیح العقائد۔ (۱۳) افاداتِ حسینیہ (۱۴) تعلیقات علیٰ شرح ہدایت الحکمۃ ملا صدرا وغیرہ

<u>سید العلماء کا طریقۂ تحریر تعلیقات:</u>

مفتی میر محمد عباس صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ انہوں نے خود یہ دیکھا کہ تعلیقات لکھتے وقت نہ آپ کتابیں دیکھتے تھے نہ مسودات، اور کتاب مذکور پر حواشی تحریر فرماتے رہتے تھے وہ بھی اس عالم میں کہ چاروں طرف لوگوں کا مجمع لگا رہتا تھا۔ کوئی اپنی حاجت طلب کرتا تو کوئی مسائل دریافت کرتا۔ ایک دن مفتی صاحب نے حیرت سے عرض کی کہ ایسی استدلالی کتاب جس میں مباحث ومناظرہ اور اختیارِ قول اور ردِ دیگر اقوال سے ہے، آپ بغیر فکر و تامل فی البدیہہ تحریر

(۳۴۴) شجرۂ طیبہ۔ ص ۱۱۳ تا ۱۱۶

فرماتے ہیں! سید العلماءؒ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں یہ سچ ہے مگر میں انشاء اللہ تجدیدِ نظر کرلوں گا۔ مفتی صاحب کا کہنا تھا کہ اگرچہ آپ نے نظرِ ثانی کی بات کی مگر مجھ کو اس کا گمان بھی نہیں کہ اس تحریر میں حالتِ نظرِ ثانی میں تغییر وتبدل کی کوئی ضرورت ہو۔ (۳۳۵)

<u>سید العلماء کے دینی خدمات اور شاہانِ اودھ کا تعاون:</u>

شاہانِ اودھ کی نظروں میں حضرت غفرانمآبؒ اور ان کی اولاد خصوصاً حضرت سلطان العلماءؒ اور سید العلماءؒ کی جو عظمت وجلالت اور قدر ومنزلت تھی اس کی بناء پر نواب آصف الدولہ بہادر اور ان کے بعد کے شاہانِ اودھ کے دلوں میں ایمان کی ایسی شمعیں روشن ہوگئی تھیں جن کی تجلی صرف برصغیر میں نہیں بلکہ نجفِ اشرف اور کربلائے معلّٰی تک پہنچ گئی تھی۔ انہوں نے خود کو حضرت غفرانمآبؒ اور ان کی اولاد کی دینی ہدایات کا پابند کرلیا تھا اور دینی خدمات کے لئے شاہی خزانہ کا منہ کھول دیا تھا۔ ان کی دولت بیشتر دینی خدمات اور فلاحی کاموں میں صرف ہوتی تھی۔ حضرت غفرانمآبؒ سے لے کر سید العلماء تک کی دینی خدمات کے حوالہ سے ان کی تجاویز اور سفارشات پر کس فراخدلی سے شاہانِ وقت نے رقوم فراہم کیں اس کا اندازہ مندرجہ ذیل حقائق سے ہوسکتا ہے۔ ان خدمات کا ذکر ہم حضرت غفرانمآبؒ کے تذکرہ میں کرچکے ہیں مگر چونکہ ان کا زیادہ تعلق سید العلماءؒ کی ذاتِ والا صفات سے ہے اس لئے یہاں بھی ان کی تفصیل درج کررہے ہیں۔

۱۔ کربلا میں پانی کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے غفرانمآبؒ نے ایک نہر تعمیر کروائی جس کے لئے اُس وقت کے مشہور عالمِ دین شیخ الفقہاء شیخ محمد حسن نجفی صاحبِ ''جواہر الکلام'' کو ایک خطیر رقم شاہ اودھ سے لے کر بھجوائی۔ نہر تعمیر ہوگئی تو اس کا نام نواب آصف الدولہ بہادر کے نام پر

(۳۳۵) شجرۂ طیبہ۔ ص۔۱۱۳۔۱۱۵

"نہرِ آصفی" رکھا۔

محمد اجمل الہٰ آبادی نے آصف الدولہ کی وفات پر جو مرثیہ لکھا، اس کے اک شعر میں اس کا ذکر ہے ۔

بہ مشہد☆ نہرے آرود آں یگانہ کہ باشد یادگارش در زمانہ

حضرت غفرانمآبؒ کے معاصر عماد الدین اصفہانی نے لکھا ہے کہ اس نہرِ آصفی کی بنیاد ۱۲۰۸ھ میں پڑی۔

۲۔ نہر آصفی کی تعمیر کے بعد کربلائے معلّٰی تک پانی پہنچانے کی تحریک ہوئی۔ اس کے لئے سید العلماءؒ نے شاہِ اودھ کو متوجہ کرکے ڈیڑھ لاکھ روپیہ لیا اور نہر کی تعمیر کے لئے آقائی سید ابراہیم موسوی کو بھجوایا۔ زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب اجتہادی نے لکھا ہے کہ سید العلماء کی خدمات کے اعتراف میں اس نئی نہر کا نام ان کے اسمِ اقدس "سید حسین" پر "نہر حسینی" رکھا گیا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ کربلائے معلّٰی میں نہر کا پہنچنا سرکار سید الشہداءؑ کی تشنگی کی یاد تازہ کرنے اور باقی رکھنے کے لئے اس سرزمین پر "نہرِ حسینی" ہی مناسب ترین نام تھا، اگرچہ اس کو جناب سید العلماءؒ کے نام نامی سے بھی نسبت دی گئی ہو۔

۳۔ روضۂ جناب مسلمؑ وہابیؓ کی تعمیر بھی سید العلماء کی توجہ اور کوششوں سے عمل میں آئی۔

۴۔ وہاں کے مؤذن کی تنخواہ بھی سید العلماء کی تجویز اور وساطت سے شاہی خزانے سے بھیجی جاتی رہی۔

۵۔ آصف الدولہ کے بعد نواب سعادت علی خاں شاہِ اودھ ہوئے۔ انہوں نے چاندی کی ایک ضریح جس پر جا بجا سونے کے پتر لگے ہوئے تھے اور ان پر محتشم کاشی کے مقبول اشعار نستعلیق

☆ یہاں شاعر نے لفظ "مشہد" کو لغوی معنی میں استعمال کیا ہے۔ اس سے مشہدِ مقدس (ایران) مراد نہیں ہے۔ سید اقعہ نجف اشرف کا ہے۔

میں لکھے ہوئے تھے۔ ضریح کے اندر چاندی کا تابوت تھا۔ یہ حکومت اودھ کا ہدیہ تھا (۳۳۶)

۶۔ ایوان طلاء پر سونے کا کام بھی شاہان اودھ کے پیسے سے ہوا۔ آقائی سید ابراہیم موسوی کے ایک خط میں اس کا ذکر ہے۔

۷۔ شاہ اودھ کی طرف سے ایک طلاء کار جدول روضہ میں آویزاں کیا گیا تھا جس میں آئمہ اطہارؑ کی ولادت وشہادت کی تاریخیں بہترین خط میں تحریر تھیں۔ سید العلماء کے مراسلات میں اس کا ذکر ہے۔

۸۔ جو زائرین کرام شوقِ زیارت اور محبت امام حسین علیہ السلام میں بغیر زادِ سفر کے روانہ ہو جاتے تھے اور وہاں پہنچ کر مالی مشکلات میں مبتلا ہو جاتے، ان کی مدد کے لئے بھی آقائی سید ابراہیم موسوی کو رقم بھیجی۔

۹۔ عراق میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کو وظائف دینے کا انتظام بھی کیا تھا۔ اس سلسلہ میں بہت احتیاط برتی جاتی تھی اور تحقیق وتصدیق کے بغیر کسی کو مشاہرہ نہیں ملتا تھا۔

۱۰۔ حضرت ابوالفضل العباسؑ کے حرمِ مبارک کا نقشہ عراق میں تیار کروا کے سید العلماء کو بھیجا گیا۔ سید العلماء نے شاہِ اودھ کی پسندیدگی اور منظوری حاصل کر کے تعمیر کے لئے رقم کے ساتھ واپس بھیجا۔ اسی رقم سے یہ قبۂ مبارک تعمیر ہوا۔

۱۱۔ حرمِ حضرت ابوالفضل العباسؑ میں آقائی سید ابراہیم موسوی کے ذریعہ سید العلماء نے ضیافت کا بھی انتظام کیا۔

۱۲۔ روضۂ حضرت عباسؑ کے گنبد میں شکست وریخت کے آثار نمایاں ہوئے تو آقائی موسوی نے سید العلماء کو مطلع کیا اور آپ نے شاہِ اودھ سے کہہ کر اس کی مرمت کا انتظام کیا۔

---

(۳۳۶) پرنس مرزا محمد حسن خلف صاحب عالم رضا علی خان۔ ''مقاصد الزائرین''۔ ص۔۲۰ تا ۵۰

۱۳۔ نجفِ اشرف کی بعض ضروریات کے لئے بھی آقائی موسوی نے سید العلماء کو متوجہ کیا اور آپ نے شاہِ اودھ سے مالی امداد لے کر وہاں بھجوائی۔

۱۴۔ سامرہ میں امام علی نقیؑ اور امام حسن عسکریؑ کی مقدس ضریحوں اور سرداب امام زمانہ عج کی بقا اور تاسیس کے لئے آقائی موسوی کی درخواست پر سید العلماء نے بادشاہ سے مالی امداد آقائی موسوی کو بھیجنے کا فخر بھی حاصل کیا۔ اس سلسلے میں سید العلماء نے بادشاہ کی والدہ معظمہ کو بھی متوجہ کیا۔ ملکہ عالیہ نے ایک لاکھ روپیہ کی رقم پیش کی۔

۱۵۔ مسجدِ کوفہ اور مسجدِ سہلہ کے تحفظ کے لئے بھی سید العلماء کی وساطت سے سلطنتِ اودھ کا سرمایہ حاضر کیا گیا۔ جس کے بارے میں سرکار آقائی محمد حسن نجفی، صاحب ''جواہر الکلام'' نے اپنے ایک خط میں لکھا ہے۔

۱۶۔ روضۂ جناب سلمانِ فارسیؓ کی مرمت بھی سید العلماء کی وساطت سے اودھ کے شاہی خزانہ سے ہوئی۔ آقائی سید ابراہیم موسوی نے لکھا تھا کہ اس کی مرمت پر پانچ ہزار روپیہ خرچ ہوں گے جو شاہِ اودھ نے مہیا کئے۔

۱۷۔ روضۂ حضرت مسلمؑ بن عقیل کی مرمت کی طرف صاحبِ ''جواہر'' آقائی شیخ محمد حسن نجفی نے سید العلماء کو متوجہ کیا اور آپ نے شاہِ اودھ سے مالی امداد لے کر انہیں بھجوائی۔

۱۸۔ روضۂ حضرت حرؑ کی مرمت کے لئے بھی سلاطین اودھ نے دس ہزار روپیہ کی رقم سید العلماء کے توسط سے بھجوانے کی سعادت حاصل کی۔

حضرت غفرانمآبؒ اور ان کے دونوں عظیم المرتبت فرزند حضرت سلطان العلماءؒ اور حضرت سید العلماء نے لکھنؤ میں بیٹھ کر عراق میں روضہ ہائے مقدس اور مومنین وزائرین محترم کی جو خدمات شاہانِ اودھ کے تعاون سے انجام دیں وہ ان کے لئے ایسے عظیم شرف ہیں جو تاریخ میں شاید کسی اور کو حاصل نہیں ہوئے۔ ان کے یہ شرف برصغیر پاک وہند کے شیعوں کے لئے بھی باعثِ فخر ہیں۔ (۳۴۷)

---

(۳۴۷) ڈاکٹر رضوی۔ ج۔۲، ص۔۱۴۳

سید العلماءؒ علیین مکاں کی رحلت:

سید العلماءؒ ایک تو فطرۃً جسمانی طور پر لاغر تھے۔ اس پر کثرت عبادات اور کثرت کار کی وجہ سے بے پناہ مصروفیت ضعف و ناتوانی میں مسلسل اضافہ کا باعث تھی جس کی وجہ سے متعدد امراض و عوارض بھی لاحق ہو گئے۔ بالآخر اس صورتِ حال کی تاب نہ لا سکے۔ اس پر طرہ یہ کہ اچانک اودھ کی حکومت پر انگریزوں کے قبضہ کی خبر ملی۔ شیعی حکومت کا خاتمہ، کفار و مشرکین کی عملداری اور شاہانِ اودھ کی طرف سے اہلِ حاجت کے لئے جاری کئے جانے والے تمام امورِ خیر کے بند ہو جانے کا امکان، اس غم نے اتنا اثر کیا کہ تکیہ پر سر رکھ دیا۔ کھانسی پہلے سے تھی۔ منھ سے خون آ گیا اور بخار بڑھنے لگا۔ دن بدن مرض میں اضافہ ہونے لگا۔ کھانسی کی شدت، بخار میں تیزی اور سینہ کا درد بڑھتا گیا۔ خدائے سخن مرزا دبیرؔ کے لائق و فائق شاگرد، نامور طبیب حکیم قدیرؔ سید العلماءؒ کے بے حد عقیدت مند تھے مگر اس زمانہ میں وہ دہلی گئے ہوئے تھے۔ سید العلماءؒ نے انہیں خط لکھا اور اس میں حال یہ لکھا:

"کھانسی اور بخار کی اب وہ شدت ہے کہ حرکت نہیں کر سکتا۔ ضعف بڑھ رہا ہے۔ نمازوں کے بعد مومنینِ دہلی دعا کریں۔"

شدتِ مرض کی خبر پوری دنیائے شیعیت میں پھیل چکی تھی۔ ہر طرف دعائیں ہو رہی تھیں۔ محرم گزرا۔ ماہِ صفر آیا۔ آپ کو اس ماہ میں سفرِ آخرت کا یقین تھا۔ ایسے میں یرقان کا حملہ بھی ہو گیا۔ آخر ۱۶ ؍صفر ۱۲۷۳ھ کا دن گذرا۔ تاریخ پوچھی۔ بتایا گیا کہ ۱۷ ؍صفر کی شب ہے۔ فرمایا یہ رات تو شیعوں کے لئے آہ و بکا کی ہے۔ شکر کرتا ہوں کہ امام رضاؑ کے ساتھ ہوں۔

ایک قول کے مطابق سید العلماء طاب ثراہ کی رحلت ۱۲۷۲ھ میں ہوئی جو صحیح نہیں

ہے۔ ہم نے متعدد معتبر ماخذ و مصادر سے تحقیق کی۔ قطعات تاریخ وفات کو بھی دیکھا تو سنہ وفات ۱۲۷۳ھ کی تصدیق ہوئی۔

حضرت عزیز لکھنوی لکھتے ہیں کہ شب شنبہ ۱۷ صفر ۱۲۷۳ھ مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۸۰۶ء کو باسٹھ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ (۳۳۸) تحقیق سے ثابت ہوا کہ عیسوی سنہ ۱۸۰۶ء غلط ہے۔ ۱۸۵۶ء ہونا چاہیے۔ یقیناً یہ کتابت کی غلطی ہے۔ "خزینۂ ایمانیہ" میں عمر کی مدت اکسٹھ سال، دو ماہ اور تین دن لکھی ہے۔

سید العلماء کی رحلت پر مرزا غالب نے مرثیہ لکھا۔ اس موقع پر غالب کا کہا ہوا قطعۂ تاریخِ وفات ہم نے اپنے مقالہ "فنِ تاریخ گوئی کا تنقیدی جائزہ" میں درج کیا ہے۔ (۳۳۹)

<u>مرزا غالب کا کہا ہوا قطعہ تاریخ وفات اور مرثیہ:</u>

مرزا غالب تاریخ گو شاعر نہیں تھے۔ پھر بھی انہوں نے حضرت سید العلماءؒ کی تاریخِ وفات نظم کی۔ بظاہر وہ سالم الاعداد تاریخ نہ کہہ سکے تو انہوں نے صنعتِ تعمیہ تخرجہ سے کام لیا۔ اس میں بھی اپنی جدت پسندی اور ذہانت سے تخرجہ کا ایک نیا طریقہ نکالا۔ اور اپنے ایک دوست انوار الدولہ سعد الدین خان شفق کو ایک خط میں لکھا کہ نئی طرح کا تخرجہ ان کے ذہن میں آیا جو انہیں خود تو پسند ہے مگر آپ کو کیسا معلوم ہوا۔ قطعہ ملاحظہ فرمایئے۔

قطعۂ تاریخ رحلت سید العلماءؒ از مرزا غالب

<u>حسین ابن علی</u> آبروئے علم و عمل
کہ سید العلماء نقشِ خاتمش بودے
نہ ماند و ماندے اگر بودے پنج سال دگر
"<u>غمِ حسین علی</u>" سالِ ماتمش بودے

۱۲۷۳ = ۱۲۷۸-۵

---

(۳۳۸) حضرت عزیز لکھنوی۔ تجلیات رمضامین عزیز۔ ص۔ ۳۳۵

(۳۳۹) ساحر لکھنوی۔ "فن تاریخ گوئی کا تنقیدی جائزہ"۔ ص۔ ۱۷۵۔۱۷۶

یہاں غالبؔ نے سید العلماء کے اسمِ گرامی کو ان کے پدرِ بزرگوار کے اسمِ اقدس کے ساتھ ملایا تو سید حسین ابنِ سید ولدار علی ہوا۔ اسے مخفف کر کے ''حسین ابنِ علی'' کہا۔

اسی طرح تاریخ کے جملہ ''غمِ حسین علی'' میں بھی یہی صورت اختیار کی۔ بعض دوسرے شعراء نے بھی ''حسین ابن علی'' لکھا۔

غالبؔ نے اس تاریخ کے جملہ ''غمِ حسین علی'' سے جس کے اعداد ۱۲۷۸ ہوتے ہیں سالِ رحلت حاصل کرنے کے لئے پانچ عدد کا تخرجہ یہ کہہ کر کیا کہ اگر وہ پانچ سال اور زندہ رہتے تو ''غمِ حسین علی'' سے ان کی تاریخِ رحلت حاصل ہوتی۔

مرزا غالبؔ کا مرثیہ ملاحظہ فرمایئے گا۔ ملحوظ خاطر رہے کہ ''مضامینِ عزیزؔ'' کے مطبوعہ متن میں کتابت کی متعدد غلطیاں ہیں مگر وقت کی کمی کی وجہ سے ماخذ میں اور یہاں بھی پروف ریڈنگ اور تصحیح کا موقع نہیں ملا۔ جس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔

مرثیہ سید العلماءؒ از مرزا اسد اللہ خان غالبؔ

زیں خرابی کہ در جہاں افتاد بگذر از خاک کاسماں افتاد
چشم و دل غرقِ خونِ یکدگراست زین کشاکش کہ درمیاں افتاد
می کشد بے سنان و دشنہ و تیر غم بہ احباب مہرباں افتاد
شعلہ در چرخ نا گرفت گرفت لرزہ بر عرش ناگہاں افتاد
جست از سدرہ طائرِ قدسی کش ازاں نخل آشیاں افتاد
زیں قیامت کے نے ہنگام است در حرم شور الاماں افتاد
آنچناں جوش خورد از تف غم کاپ زمزم زناں و داں افتاد

از فرازِ فلک گذار مسیح سوئے ایں پست خاک داں افتاد
مردن خواجہ چوں بہ کعبہ شنید مردہ آسا زنرد باں افتاد
خوں زغم در دل کلیم افسرد لا جرم عقدہ بر زباں افتاد
گر فرود اقتد آسماں بہ زمین با قضا در نمی تواں افتاد

گشت داغ غم حسینِ علی
تازہ در ماتم حسینِ علی

از زباں ہا بہ معرضِ آثار خوں فرو می چکد دمِ گفتار
عالمی راست در نہاں و عیاں دل غم اندوز و دیدہ دریا بار
درد ایں سو فشردہ پا در دل اشک آں سو دویدہ بر رخسار
ماجرا از خرد پژوہش رفت گفت می بیں و دم مزن زنہار
دیدہ باشی کہ خواجہ چوں مہریست لختی آں فرد فرخی یاد آر
رگ برگے از و نیافت گزند دلِ مورے ازو ندید آزار
داو تن چوں بخواب باز پسیں بادلِ شاد و دیدۂ بیدار
برد اللہ گرد مضجع او نقش بستند بر در و دیوار
می نہ سوزو ز تابِ شعلہ و شمع بال پروانۂ چراغ مزار
مرگ سید حسین آساں نیست دہر آرد چنیں کسے دشوار
از صفر روز رفت چوں دہ و ہفت شب شنبہ بزاد روزِ شمار

ماہ و تاریخ کز امام رضاست
ماہ و تاریخ سیّدالعلماء ست

آں امام ہمام یزداں داں — قہرمانِ قلمرو ایماں
آن کہ گر نطق او نشاں نہ دہد — نہ رسد کس بہ معنی قرآں
آں کہ گردوں بدیں توانائی — باشدش گوے درخم چوگاں
آنکہ بادے بہشت و دوزخ را — چارہ نبود ز بردن فرماں
صفتِ ذات دے بشرطِ وجوب — ور نہ گنجد بہ حیث از امکاں
جوہرش را عرض بود اسلام — ایں نباید اگر نباشد آں
از اولی الامر ثامن و ضامن — کہ نجات نفوس راست ضماں
حسب دعوت بماسن ماموں — گشت میر سپہر دیں مہماں
آں ستم پیشہ راہبی بایست — کہ کند خدمت از بن و دنداں
بہ ریا و نفاق و خدعہ و زرق — کرد لطف و مروت و احساں
بہ ولی عہدیش فریفت مگر — می ندانست پایۂ سلطاں

خیرہ سر بین کہ در حمایت عہد
پادشہ را دہد ولایت عہد

گفت ماموں شبے بچند غلام — کہ ہمیدوں دریں شبا ہنگام
پائے از سر کنید و بشتابید — سوئے بنگاہ قبلہ گاہ انام
کہ بود در فراز زود از دو — باید آمد فرود از رو بام
پس بداں پائے کش صدا بنود — جانب خوابگہ کنید حرام
یکسرہ برسرش فرود آرید — تیغہائے برآمدہ زنیام
اہرمن گوہران تیرہ دروں — خانہ زادِ سوادِ ظلمتِ شام
شاہ را یافتند تا جستند — صحن و ایوان آں فجستہ مقام

بود آندم درون حُجرۂ خاص برنہالی برخت خواب امام
اوصیا راست از نہایت قرب جامۂ خواب جامۂ احرام
تیغہا برسرش فرود آمد ہمچناں کز خدا درود و سلام
ہمہ باز آمدند و دانستند کار ماہِ تمام گشت تمام

بستر از خونِ پاک نم نہ گرفت
برتنش ہیچ موئے خم نہ گرفت

پیکر خواجہ بود چشمۂ نور چشم بد باد از نکویاں دور
نور دیدے شود بہ تیغ دو نیم خوں شنیدی چکدز رخشاں ہور
تو یزداں بود چنیں پیکر در خور زخم دشنہ و ساطور
نہ پیمبر گزاشت در گیتی اہل بیت و کلام رب غفور
پایۂ اہلبیت تا دانی ہست توام بہ ایزدی منشور
گر نہ خفاش تیرہ روز ستے روز ماندے از و چرا مستور
کہ فروز و ظہور نور دلش آنکہ وزدونگہ زنور ظہور
دیدہ باشی کہ نور در سر سام بر نتابد طبیعتِ رنجور
حاسداں را ازیں مشاہدہ شد سینہ ہا ریش و نیشہا ناسور
در خلافِ خلافت از رہ کیں بود چوں کشتنِ امام ضرور
عاقبت میزبان مہماں کش شاہ را زہر داد در انگور

زائراں را کنوں بہ مشہدِ طوس
آسماں آید از پے پابوس

قصۂ سینہ سوز و زہرہ گداز گفت آمد بہ شیوۂ ایجاز

ناز پروردهٔ نیازی ہست عجز من در گذارش اعجاز
من بداں سوختن نساختہ ام کہ توانم شناخت سوز از ساز
زاسمانم شکائیست عظیم بر زبانم حکائیست دراز
نیست آشوب دل ز خوں پُرکن انیت رنج تن از رواں پرواز
مرد سیّد حسین و بُرد غمش از دلم تاب و از لبم آواز
تا چہا با رسول بودش روے تا چہا با خدے بودش راز
خاست در حاملانِ عرشِ عظیم شور و شیون زشہپر پرواز
پایۂ عرش ہشتہ اند زدست تا گذارند برجنازہ نماز
در جہان مثال وارندش میہماں برسماط نعمت و ناز
بہر احیای رسم جہد و جہاد خواجہ ہمپاۓ مہدی آید باز
آفریں بررواںِ پاکش باد
مہر از ذرہ ہاۓ خاکش باد
دگر اے دل بخوں شناور باش آشنا روۓ دیدۂ تر باش
کمتر از شمع در شمار نہ پاۓ بر جا در آب و آذر باش
خویشتن راگفن در آتش تیز گر نہ پروانہ سندر باش
تا نیائی ز لاغری بنظر تارے از تار ہاۓ بستر باش
گر گریباں زدست چاکش کن در رگ جاں زدست نشتر باش
واحسنیا بگوۓ و در گفتن بضغاں آے و شور محشر باش
دیدہ را گرد و خار و پیکاں شو سینہ را تیر و تیغ و خنجر باش

غم میر اجل غم دیفست غالبؔ از غصہ خاک بر سر باش
گفتہ باشی کہ زارو غمزدہ ام لختے از خویشتن فزوں تر باش
خیز و گرد مزار خواجہ بگرد با سپہر بریں برابر باش
بیتے از خود بسینہ می غلدم می کنم مویہ گو مکرر باش

گشت داغ غم حسین علی
تازہ در ماتم حسین علی (۳۵۰)

اس مرثیہ کا مندرجہ بالا آخری شعر بہت مشہور ہے جو اکثر تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے۔

گشت داغ غم حسین علیؑ
تازہ در ماتم حسین علی

اس شعر کے پہلے مصرع میں امام حسینؑ ابن علیؑ کے غم کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے مصرع میں سید العلماء سید حسین صاحب ابن مولانا سید دلدار علی صاحب اعلی اللہ مقامہ مراد ہیں۔ غالبؔ کا یہ مرثیہ ماہنامہ ''الواعظ'' مجلۂ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کے شمارہ بابت اکتوبر ۱۹۲۴ء مطابق ربیع الاول ۱۳۴۳ھ میں حضرت عزیزؔ لکھنوی نے شائع کیا اور زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ اجتہادی نے تاریخ ''سید العلماء'' (قلمی) میں نقل فرمایا (۳۵۱)

غالبؔ کے علاوہ حکیم قدیرؔ اور میاں مشیرؔ نے بھی مرثیے لکھے۔ شعراء نے عربی فارسی اور اردو میں بے شمار قطعات تاریخ کہے۔ ان میں سب سے نمایاں نام آپ کے شاگرد خاص مفتی میر محمد عباس شوستری کا ہے جنہوں نے عربی میں بھی قطعہ تاریخ لکھا۔

عیسیٔ دوراں مسیح زماں اعتماد الدولہ حکیم سید محمد علی خاں بہادر قدیرؔ تلمیذ شاعر اعظم مرزا دبیرؔ

---

(۳۵۰) ماہنامہ ''الواعظ'' لکھنؤ۔ شمارہ اکتوبر ۱۹۲۴ء

(۳۵۱) ڈاکٹر مسعود حسن رضوی۔ مضامین عزیزؔ۔ ص ۳۲۵ تا ۳۳۰

علیہ الرحمۃ کا لکھا ہوا مرثیہ جامع مسجد (شیعہ) دہلی کی مجلسِ فاتحہ خوانی میں پڑھا گیا اور "مطبع نور" دہلی میں طبع ہوا، اس کا مطلع ہے۔

اے مومنو، حسین کا نائب گزر گیا
ماتم کرو کہ مجتہدالعصر مر گیا

انتالیس بند کے اس مرثیہ کا مقطع یہ ہے ۔

یارو، کرے قدیر خدا سے جو اب دعا
آمین تم کہو کہ ہو مقبول التجا
یارب بحقِ احمدؐ و زہراؑ و مرتضیٰؑ
یارب بحقِ شبّرؑ و سلطانِ کربلا
رہنے کو ان کے قرب کی منزل پسند کر
درجہ تو سیدالعلماءؒ کے بلند کر

قدیرؔ نے اس سانحہ پر رباعیاں بھی لکھیں۔ ایک رباعی جو مجلسِ سوئم میں پڑھی گئی حسب ذیل ہے:۔

صدمہ جو بہم مجتہدالعصر کا ہے
سب شیعوں کو غم مجتہدالعصر کا ہے
اِک دم میں دو عالم کو ہلا دو رو کر
یارو، یہ سوئم مجتہدالعصر کا ہے

شیخ گوہر علی مشیر تلمیذ حضرت دبیرؒ نے تینتیس بند کا مرثیہ لکھنؤ میں منعقدہ مجلس سوئم میں پڑھا تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہ عظیم ہر شیہ گو شاعر مرثیہ گوئی پر بھی کتنی قدرت رکھتا ہے۔

مرثیہ کا مطلع ہے ۔

دنیائے بے ثبات کا کیا اعتبار ہے
ہستی کا باغ گلشنِ ناپائیدار ہے
گاہے خزاں ہے اور کبھی فصلِ بہار ہے
کس گُل کے واسطے نہیں تکلیفِ خار ہے
کل کچھ تھا، آج اور ہی کچھ رنگ ہوگیا
دل اس چمن سے غنچہ روش تنگ ہوگیا

اس مرثیہ میں مشیرؔ نے سید العلماءؒ کے برادرِ بزرگ حضرت سلطان العلماءؒ پر چھوٹے بھائی کی رحلت کے عظیم صدمہ اور گریہ وزاری کے حال کی طرف اشارے کئے ہیں۔ایک بند کے چوتھے مصرع میں کہتے ہیں ۔

بھائی کا داغ قہر ہے بھائی کے واسطے

اور اس کے بعد کے بند کی بیت ملاحظہ ہو ۔

آنسو رواں تھے غیرتِ الیاس کے لئے
شبیرؑ یوں ہی روئے تھے عباسؑ کے لئے

مقطع کے بند کی بیت میں حضرت سلطان العلماءؒ کی درازی عمر کی دعایوں کی ہے ۔

اب ہے دعا، یہ سوز مبدل بہ ساز ہو
عمرِ جنابِ قبلہ و کعبہ دراز ہو

مشیرؔ نے رباعیات بھی کہیں جنھیں باندیشۂ طوالت ہم نے ترک کیا۔

<u>قطعاتِ تاریخِ وفات:۔(مادۂ تاریخ کی بحث)</u>

مفتی میر محمد عباس صاحبؒ نے عربی میں مرثیہ بھی لکھا اور تاریخیں بھی۔قطعاتِ تاریخ فارسی میں بھی کہے۔مدفن کی تاریخ تعمیۂ تخرجہ سے کہی۔

گزار پائے ادب، سال فوت او برخواں۔ "مزار و مرقد پُر نور سید العلماء"

ہمارے خیال کے مطابق مفتی صاحب قبلہ نے مصرع اولیٰ میں گزار "پائے ادب" کہہ کے پورے لفظ "پائے ادب" کے اعداد کا تخرجہ کیا ہے۔ حالانکہ عام روش کے مطابق "پائے ادب" سے صرف "ادب" کی 'ب' کے ۲ عدد کے تخرجہ کا اشارا ملتا ہے۔ غالباً مفتی صاحب طاب ثراہ نے علماء کے ہمزہ بعد الف کا بھی ایک عدد شمار کیا ہے جبکہ ہمزہ کا کوئی عدد شمار نہیں ہوتا کیونکہ ہمزہ حروف تہجی میں شامل نہیں ہے۔

مزید یہ کہ مفتی صاحب قبلہ نے "پائے ادب" میں "یائے مجہول، با ہمزہ" کے غالباً بیس عدد محسوب کئے ہیں جبکہ عموماً اس کے دس عدد محسوب کئے جاتے ہیں۔ یہ مسئلہ حکیم ضامن علی جلال لکھنوی اور میر مہدی حسین آگم دہلوی کے درمیان اختلافی ہے۔ "گلبنِ تاریخ" میں آگم نے جلال سے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے اور وہ "یائے معروف با ہمزہ" کی طرح یائے مجہول یا ہمزہ کے بیس عدد شمار کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ ہم جلال کی رائے کو بہتر جانتے ہیں جو فنِ تاریخ گوئی پر جلال کی نہایت اہم کتاب "افادۂ تاریخ" سے ماخوذ ہے اور یہی طریقہ عموماً آج مستعمل ہے۔ مگر عام طریقہ سے مفتی صاحب قبلہ کے مصرع تاریخ سے صحیح تاریخِ رحلت کا استخراج نہیں ہوتا۔

اسی لئے ہم نے غور و فکر کے بعد مفتی صاحب قبلہ کے مصرع سے صحیح تاریخی مادہ کے استخراج کو مختلف طریقوں سے جانچا اور پھر اس سے صحیح تاریخ حاصل کرنے کا طریقہ زیر بحث لائے۔ مفتی صاحب قبلہؒ جیسے عظیم المرتبت عالم دین و ادب سے غلطی کی توقع بھی خطا ہے۔ اس بحث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مفتی صاحب کے زمانے میں تاریخ کے استخراج کا وہی طریقہ زیادہ

مستعمل ہوگا جو آپ نے اختیار فرمایا۔

مفتی صاحب اعلی اللہ مقامہ نے ایک سالم الاعداد تاریخ بھی ارشاد فرمائی جو بہت مشہور بھی ہے اور بہت خوب بھی، ملاحظہ فرمایئے ۔

مضمونِ حدیث گشت تاریخِ وفات
''سردارِ جوانانِ جناں است حسینؑ''

مفتی صاحب قبلہ طاب ثراہ کی اس تاریخ سے ۱۲۶۹ھ برآمد ہوتا ہے جبکہ سید العلماءؒ کی رحلت ایک قول کے مطابق ۱۲۷۲ھ میں ہوئی ۔ اگر لفظ ''است'' کو ''ہست'' سے بدل دیا جائے تو سالِ رحلت ۱۲۷۳ھ ہاتھ آئے گا ۔ بیشتر تذکروں اور تاریخ گو شعراء کے تاریخی مادّوں سے ۱۲۷۳ھ ہی برآمد ہوتے ہیں ۔ اس لئے اس مصرع تاریخ کو یوں پڑھنا چاہیے ۔

''سردار جوانان جناں ہست حسینؑ''

۱۲۷۳ھ

اب کچھ دوسرے شعراء کی کہی ہوئی تاریخیں ملاحظہ فرمایئے۔

عابد علی تمنا کہتے ہیں ۔

تاریخ یافتہ است تمنا بمصرع
''اے وا افتاد رُکنے ز ایوانِ اجتہاد''

۱۲۷۳ھ

مقبول الدولہ بہادر (کلکتہ رکول کتہ) ۔

تاریخ غم از اہلِ عزا پرسیدم
گفتند ''زوال دید خورشید کمال''

۱۲۷۳ھ

اس تاریخ میں فاضل شاعر نے سید العلماءؒ کی تاریخ ولادت پر مشتمل لقب "خورشید کمال" کو مدنظر رکھ کر "زوال دید" کہہ کر خوبصورت تاریخ کہی۔

خیرات علی تجم نے بھی یونہی تاریخ نکالی ؎

شد سال وفات با سنہ میلادش
اے تجم، زوال دید خورشید کمال

۱۲۷۳ھ

مفتی صاحب نے صنعتِ تعمیہ تخرجہ سے تاریخ نکالی ؎

تاریخِ او بخواں و بیفگن سر از الم
"اے وا جہاں سیہ شدہ در ماتم حسینؑ"

۱۲۷۳ھ = ۱-۱۲۷۴ھ

میر انیسؒ کے فرزند ارجمند میر نفیسؔ نے تاریخ کہی ؎

پئے تاریخِ سال گفت نفیسؔ
"وائے بے شمع بزم دنیا گشت"

۱۲۷۳ھ

سید العلماء کی رحلت پر ساری دنیائے شیعیت برصغیر پاک و ہند سے لے کر ایران و عراق تک مغموم و ماتم کناں تھی۔ ہر طرف سے سید العلماءؒ کے برادر بزرگ حضرت سلطان العلماء کے نام تعزیت نامے آرہے تھے۔ اودھ کے معزول بادشاہ نواب واجد علی شاہ نے مٹیا برج سے تعزیت نامہ ارسال کیا اور شہزادہ برجیس قدر بہادر کو ہدایت فرمائی کہ بہ نفس نفیس تعزیت کے لئے شریعت کدہ پر جائیں۔ مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ لکھتے ہیں کہ اس اسیر رنج و محن بادشاہ کا

تعزیت نامہ اس قابل ہے کہ قارئین ملاحظہ کریں مگر طوالت مانع ہے۔

تجہیز و تدفین:

سید العلماء کے جنازے کے ساتھ ہزارہا لوگوں کا مجمع تھا۔ امام باڑہ غفرانمآب کی وسعت اس ہجوم کے لئے قطعی ناکافی تھی۔ لہذا نماز جنازہ کے لئے آصفی امام باڑہ کا انتخاب کیا گیا جس کی وسعت اس ہجوم کے لئے بھی کافی تھی۔

چونکہ مذہب جعفری کے آئین میں ہے کہ میت کے آگے نہیں چلنا چاہئے اس لئے میت کے پیچھے ہزاروں سوگواروں کے ہجوم میں برادر بزرگ حضرت سلطان العلماءؒ جن کی حیثیت صحیح معنوں میں نائب امامؑ کی تھی، اہلِ علم کے جھرمٹ میں تھے۔ ان کے پیچھے شہزادگان و امراء و روساء تھے۔ ممکن نہ تھا کہ ایک دوسرے پر سبقت کرے۔ سلطان العلماء گریہ کرتے ہوئے بھائی کا نام لے کر فرماتے تھے کہ "تم تو کبھی میرے آگے نہ چلتے تھے۔ آج کیا ہے جو سبقت کی ہے"۔ یہ جملہ دلخراش اور قیامت خیز تھا۔ مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ فرماتے ہیں کہ جلوسِ جنازہ پر نقیب کی صدائے تلاوتِ سورۂ رحمٰن سے مجمع پر وہ اثر نہ ہوا ہوگا جو اس دلخراش جملہ سے ہوا۔

سلطان العلماءؒ نے سید العلماءؒ کے بیٹوں سے اجازت لے کر نمازِ جنازہ پڑھائی اور پدر بزرگوار حضرت غفرانمآبؒ کے امام باڑہ میں ان کے پائین پا سپرد لحد کر دیا۔

وہ جسم جس کو تپ دق کے مرض کی سختی نے زرد کر دیا تھا، جب آخری دیدار کے لئے چہرے سے کفن ہٹایا گیا تو معلوم ہوتا تھا کہ آفتاب چمک رہا ہے۔ (۳۵۲)

---

(۳۵۲) مولانا آغا مہدی صاحب طاب ثراہ۔ تاریخ سید العلماء۔ ص۔ ۸۵

تلامذۂ جناب سید العلماء:

جناب سلطان العلماء کا ارشاد تھا کہ جناب سید العلماء کے کم و بیش ایک ہزار شاگرد تھے۔ ہم یہاں کچھ خاص خاص تلامذہ کے اسمائے گرامی درج کر رہے ہیں جن کے نام مختلف تذکروں میں آئے ہیں۔

صاحب شجرۂ طیبہ لکھتے ہیں:۔

''وہ جناب استاذ الکل فی الکل تھے اور مثال اس جناب کی مثال درخت طوبیٰ کی ہے بسطِ ظل اور کثرت اُکل میں۔ ہر شخص اس جناب کے چشمۂ علم و کمال سے فیض یاب تھا۔ کوئی عالم و فاضل ایسا نہ تھا کہ اس کو آپ سے شرفِ تلمذ حاصل نہ ہو۔ اطراف و اکناف بلادِ ہندوستان میں آپ ہی کے تلامذہ منتشر ہوئے اور ببرکت افادۂ اس جناب کے جمعہ و جماعت و وعظ و ہدایتِ خلق ہوتی رہی بلکہ اکثر عرب و عجم بھی مستفید ہو کر اپنی اوطاق میں جا کر مشہور آفاق ہوئے۔ چند تلامذہ کے اسمائے شریفہ ذکر کیے جاتے ہیں:۔(۳۵۳)

۱۔ فاضل کامل سید اولاد حسین صاحب اعلی اللہ مقامہ تھے۔

۲۔ جناب مستطاب معلی القاب مجتہد العصر وحید الدہر اورع الناس جناب مفتی سید محمد عباس صاحب طاب ثراہ تھے جو صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ ادب و علم کلام و مواعظ و فقہ و اصول فقہ و حدیث و دیگر علومِ عقلیہ و نقلیہ میں کتب و رسائل نظم و نثر میں تصنیف و تالیف فرمائے۔

۳۔ جناب مستطاب مجتہد العصر وحید الدہر سرخیل علمائے کرام ناصر اسلام مروج دین مبین موئد طریقہ حقہ ائمہ معصومینؑ جناب مولوی سید حامد حسین صاحب تھے کہ جن کی علمِ کلام میں اکثر

(۳۵۳) شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۱۱۸۔۱۱۹

تصانیف ہیں خصوصاً مجلدات عبقات الانوار معرکہ آرائے جہاں اور یادگار زماں ہیں۔ جناب ممدوح نے ابتداً جناب خلاصۃ العلماء سید مرتضیٰ صاحب (خلف حضرت سلطان العلماء) اور جناب ممتاز العلماء (خلفِ حضرت سید العلماء) سے بھی استفادہ فرمایا تھا۔

۴۔　جناب مستطاب جامع معقول ومنقول قدوۃ الافاضل العلام العامل جناب مولوی سید علی حسین صاحب امامِ جمعہ وجماعت ومتوطن قصبۂ جائس ضلع رائے بریلی میں کہ جمیع علومِ عقلیہ و نقلیہ واصول وفروع میں وحید عصر اور فرید الدہر ہیں اور صاحبِ تصانیفِ کثیرہ ہیں اور جناب ممدوح نے حضرت والد علام جناب زبدۃ العلماء سے بھی استفادہ فرمایا ہے۔

۵۔　جناب مستطاب فضائل مآب العامل وفاضل کامل جناب مولوی تفضل حسین صاحب، فتحپوری تھے کہ جمیع علوم عقلیہ ونقلیہ لاسیما ریاضیہ وہندسیہ میں اکمل زماں اور وحیدِ دوراں تھے۔

۶۔　جناب مولوی سید حسین صاحب مرعشی

۷۔　جناب مولوی شیخ علی اظہر صاحب

۸۔　مولوی سید نیاز حسن صاحب امامِ جمعہ وجماعت حیدرآباد دکن اور ان کے برادر محترم یعنی:۔

۹۔　مولوی سید علی حسن صاحب، اور ان کے برادرِ خُرد یعنی:۔

۱۰۔　مولوی سید احمد حسین صاحب (حضرت والدِ علام زبدۃ العلماء مولانا سید علی نقی صاحب قبلہؒ کے تلامذہ میں سے بھی تھے)۔

۱۱۔　جناب حکیم مرزا غازی صاحب اور ان کے برادرِ محترم:۔

۱۲۔　حکیم میر محمد حسین صاحب مفتی گنجی تھے۔

۱۳۔ مولوی سید فضل علی صاحب

۱۴۔ مولوی میر سید حسن صاحب

۱۵۔ مولوی میر محمد علی صاحب

۱۶۔ مولوی میر محمد حسین صاحب

۱۷۔ جناب فضائل مآب فواضل آیاب حاوی فروع واصول جامع معقول ومنقول جناب مولوی میر سید حسین صاحب ساکن دال منڈی ہیں۔

۱۸۔ جناب مولوی مرزا احمد علی صاحب اعرج کشمیری

۱۹۔ مولوی علی حسن صاحب ساکن برست

۲۰۔ مولوی مرزا احمد صاحب کشمیری اور ان کے بھائی

۲۱۔ مولوی میر محمد حسین صاحب

۲۲۔ مولوی سید باقر حسین صاحب

۲۳۔ مولوی سیادت صاحب

۲۴۔ مولوی سید محمد عسکری صاحب

۲۵۔ مولوی سید امداد علی صاحب محدث بحر المصائب

۲۶۔ مولوی سید ہزبر علی صاحب

۲۷۔ حکیم نواب شفاء الدولہ بہادر

۲۸۔ مولوی آغا محمد صاحب

۲۹۔ مولوی ضامن صاحب

۳۰۔ مولوی مرزا محمد صاحب اخباری
۳۱۔ میر مفتی پیر انور علی صاحب
۳۲۔ مفتی احمد حسن صاحب ولید پوری
۳۳۔ مُلاّ جواد صاحب کشمیری
۳۴۔ مولوی سید جواد علی صاحب ساکن بھیرہ
۳۵۔ مولوی سید اصغر حسین صاحب
۳۶۔ مولوی پیر مہدی شاہ صاحب کشمیری
۳۷۔ مولوی شرف علی خان صاحب
۳۸۔ فضائل مآب سید علی شاہ صاحب کشمیری
۳۹۔ مولوی سید اعجاز حسین صاحب کنتوری
۴۰۔ مولوی سید سراج حسین صاحب کنتوری
۴۱۔ فضائل مآب قائم الدین مولوی مرزا محمد علی صاحب کشمیری
۴۲۔ مولوی سید غنی تقی صاحب
۴۳۔ حاج مولوی حسن بخش صاحب جو معراج جسمانی سے منکر ہو گئے تھے۔
۴۴۔ فخر العلماء مولوی میر محمد صاحب یہ بھی صوفیت اور دہریت سے متاثر ہو کر راہِ حق سے دور ہو گئے۔
۴۵۔ حکیم مرزا محمد علی صاحب
۴۶۔ مولوی میر منصب علی صاحب
۴۷۔ مولوی سید مشرف علی صاحب اور
۴۸۔ مفتی میر عباس علی صاحب ساکن اترولہ (۳۵۴)

---

(۳۵۴) نجم العلماء، شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۱۱۹ تا ۱۲۲

فرزندانِ حضرت سید العلماء آیۃ اللہ سید حسین صاحب علیین مکاں

۱۔ عضد الدین زین العلماء آیۃ اللہ جناب سید علی حسین صاحب طاب ثراہ

۲۔ ممتاز العلماء آیۃ اللہ جناب سید محمد تقی صاحب جنت مآب

۳۔ زبدۃ العلماء معین المومنین آیۃ اللہ جناب سید علی نقی صاحب طاب ثراہ

فرزندانِ جناب سید العلماءؒ

(۱) عضد الدین زین العلماء جناب مولانا سید علی حسین صاحب قبلہ طاب ثراہ

آپ حضرت سید العلماء کے فرزند اکبرؒ تھے۔ آپ کے تعارف میں صاحب شجرۂ طیبہ تحریر فرماتے ہیں:۔

''جناب مستطاب معلی القاب الحسیب النسیب الفائز من الفضل باوفر نصیب جناب سید علی حسین صاحب المخاطب بزین العلماء عضد الدین تھے۔

یہ جناب نہایت کریم الاخلاق عمیم الاشفاق منبع الفضائل والفواضل کامل الایتام والارامل تھے اور فنِ طب میں بھی مہارت تام حاصل رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے والد علام جناب سید العلماءؒ سے فقہ و اصول، تفسیر و حدیث، عقائد اور علومِ دین کی تعلیم حاصل کی۔ طب کی تعلیم مشاہیرِ طب سے حاصل کی مگر افسوس ہے کہ عین شباب میں اپنے والدِ ماجد کے سامنے مرضِ وبا میں مبتلا ہو کر ۱۲۶۴ھ میں انتقال فرمایا'' (۳۵۵)

صاحب شجرۂ طیبہ نے کسی کا عربی میں نظم کردہ قطعۂ تاریخِ مدفن سولہ اشعار پر مشتمل درج کیا ہے۔ مصرع تاریخ حسب ذیل ہے:۔

وحررت تاریخاً ''ضریح مبرد''
۱۲۶۴ء

اس مصرع میں ''ضریح مبرد'' سے تاریخ انتقال برآمد ہوتی ہے۔

کہا گیا ہے کہ خدائے سخن مرزا دبیر نے باپ بیٹے دونوں کے نام کی مناسبت سے بہت عمدہ تاریخ وفات کہی:۔

---

(۳۵۵) تاریخ ممتاز العلماء۔ ص۔ ۷، از زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب طاب ثراہ

مرگ فرزند علی واقعہ اکبر بود

"رفت زمرگ علی راحت وآرام حسین" (۳۵۶)

یہ مصرع تاریخ کا نہیں ہے۔اس کے اعداد ۲۰۴۲ ہیں۔غالباً یہ قطعہ تاریخ کا ایک شعر ہوگا۔لکھنے والوں نے بغیر اعداد کا حساب لگائے ہوئے مصرع تاریخ سمجھ کر لکھ دیا ہوگا۔

فرزندانِ جناب زین العلماء:

آپ کے چار فرزندانِ ارجمند تھے جن میں:۔

۱۔ مولوی سید باقر حسین صاحب اعلی اللہ مقامہ تھے جن کے فرزندِ ارجمند استاذ الاساتذہ نواب مولوی سید اصغر حسین صاحب المتخلص فاخرؔ تھے جو غزل میں صاحبِ دواوین تھے اور مرثیہ کے بلند مرتبہ شاعر تھے۔آپ کے شاگرد سیکڑوں کی تعداد میں تھے۔ان کے فرزندِ ارجمند نواب مولوی سید انور حسین صاحب اور ان کے فرزندِ ارجمند نواب مولوی سید اختر حسین صاحب المتخلص مصورؔ اس حقیر فقیر ساحر لکھنوی کے والدِ گرامی جنت مکانی تھے۔حضرت فاخرؔ اور ان کی اولاد در اولاد نوابین زہجی کے لقب سے مشہور تھے۔زہجی لکھنؤ کے ایک محلہ کا نام ہے جہاں ان حضرات کی سکونت تھی۔

۲۔ دوسرے فرزندِ ارجمند جناب مولوی سید صادق حسین صاحب تھے جو خوش فکر مرثیہ نگار شاعر تھے اور "عقیل" تخلص فرماتے تھے۔

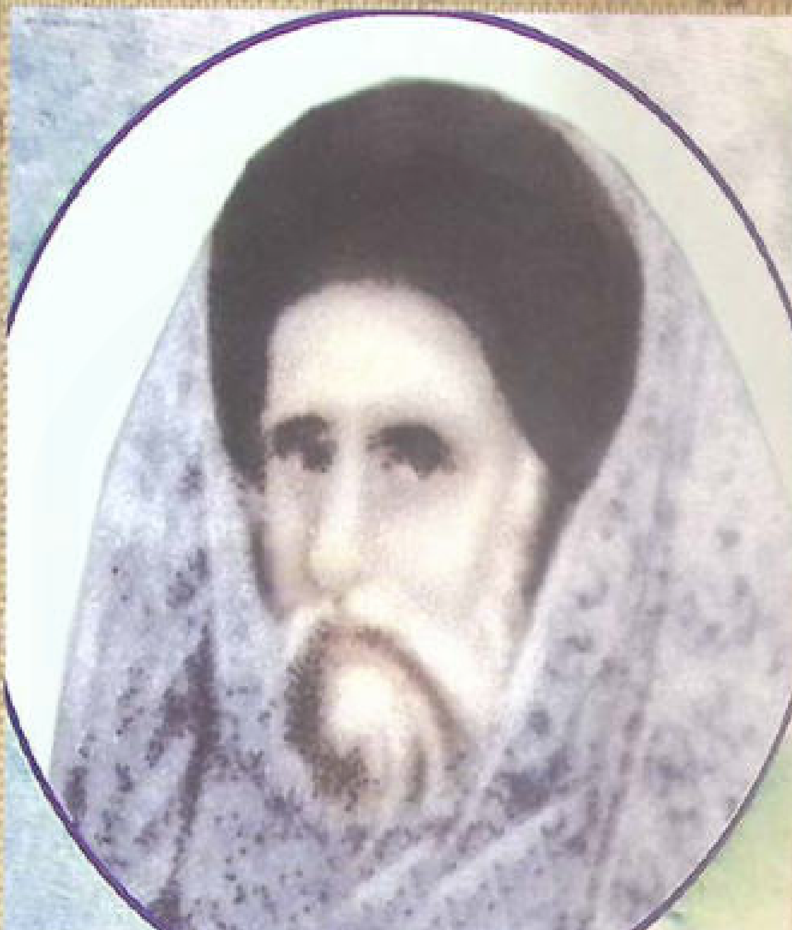
۳۔ تیسرے فرزندِ ارجمند جناب سید جعفر حسین صاحب تھے، اور

۴۔ چوتھے فرزندار جمند جناب نواب میر مہدی حسین صاحب المتخلص ماہرؔ تھے جو حقیقتاً فنِ شعر میں ماہر تھے۔غزل اور مرثیہ کے نہایت بلند پایہ شاعر تھے۔اساتذہ میں شمار تھا۔صاحبِ دیوان تھے۔آپ کی زبان اور کلام قابلِ تقلید سمجھا جاتا تھا۔لسان الہند حضرت عزیزؔ لکھنوی حضرت ماہرؔ کو خدائے سخن میر انیس کی ٹکر کا شاعر کہتے تھے۔

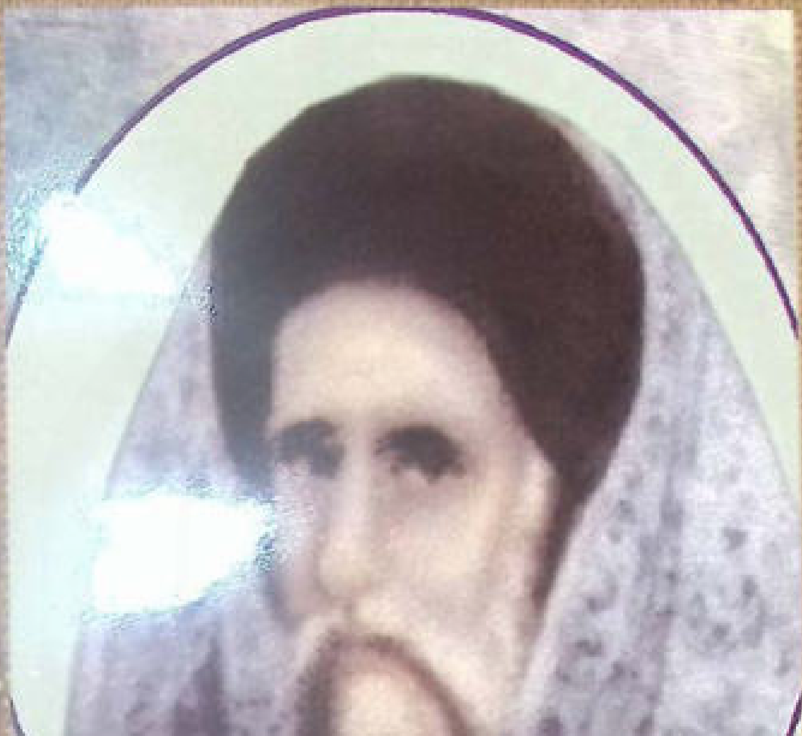
---

(۳۵۶) نزہۃ الخواطر۔ج۔۷۔ص۔۳۲۲، (۳۵۶) حیات دبیر۔ج۔۱۔ص۔۴۸۸

ایضاً مطلع انوار۔ص۔۳۵۲



ممتاز العلماء فخر المدرسین آیۃ اللہ العظمیٰ
حضرت سید محمد تقی صاحب جنت مآب
خلف حضرت سید العلماء سید حسین علیین مکاں



ممتاز العلماء فخر المدرسین آیۃ اللہ العظمیٰ
حضرت سید محمد تقی صاحب جنت مآب
خلف حضرت سید العلماء سید حسین علیین مکاں

سید العلماء کے دوسرے فرزندِ ارجمند

ممتاز العلماء فخر المدرسین مولانا سید محمد تقی صاحب قبلہ جنت مآب

نام　:　سید محمد تقی

ولادت　:　۱۶ر جمادی الاول ۱۲۳۴ھ لکھنؤ میں ۔ تاریخ ولادت محسن تخلص کے کسی شاعر نے کہی ۔　گفت سالش تفاولاً محسن　"عالم و فاضل و جواں طالع"

۱۲۳۴ھ

مولانا سید محمد جواد صاحب قبلہ نے ممتاز العلماء کے ذکر کے ذیل میں تحریر فرمایا ہے:۔

"خاندانِ اجتہاد کی تعلیم یافتہ فردیں دبدبۂ علمی سے چار دانگِ عالم میں کافی شہرت پا رہی تھیں اور دنیا کے طول و عرض میں اپنی انتھک کوششوں سے خوب خوب ہدایت کی شمعیں روشن کر چکی تھیں ۔ وہ لوگ جنھیں حلال و حرام کی شناخت نہیں تھی اب خود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر کمنے پر تیار تھے"۔(۳۵۷)

ایک خواب:

جناب سید تقی صاحب کم عمری میں ایک دن انّا کے پاس سو رہے تھے۔ ایک خواب دیکھ کر بیدار ہوئے۔ اس سے کہا کہ والدِ گرامی کے پاس لے چلو۔ خواب دیکھا ہے۔ اس کے پوچھنے پر بھی اسے نہیں بتایا۔ سید العلماء کو سوتے سے بیدار کیا گیا۔ ان سے خواب بیان کیا کہ جدِ امجد (حضرت غفرانمآبؒ) تشریف لائے ہیں۔ وہ ایک پوستین اوڑھے ہوئے تھے جو انہوں نے مجھ کو اڑھا دی۔ سید العلماء خواب سنتے ہی باغ باغ ہو گئے اور تعبیر دی کہ تم کو دادا کے علوم و کمالات ملیں گے (۳۵۸) اپنی پوستین اڑھانے کا مطلب گویا یہ تھا کہ اپنا خلعتِ علم و کمال طفولیت میں ہی پوتے کو پنھا دیا۔ بڑے ہو کے ممتاز العلماء نے خود کو واقعی اس کا اہل ثابت کیا۔

---

(۳۵۷)　مولانا سید محمد جواد صاحب عمدۃ الافاضل ۔ ریاضی جنتری ۱۹۲۹ء

(۳۵۸)　زبدۃ العلماء تاریخ ممتاز العلماء ۔ ص ۔۸

تعلیم وتربیت:

ممتاز العلماء کی ابتدائی تعلیم سے انتہائی تعلیم تک سلطان العلماء اور سید العلماء کی سرپرستی میں خاندان کے خالص علمی اور دینی ماحول میں ہوئی اور تعلیم کی تکمیل کے بعد اس درجہ پر پہنچے جو والدین اور بزرگوں کی آرزو تھی۔ چنانچہ مفتی میر محمد عباس شوستریؒ نے حالات سید العلماء علیین مکان میں لکھا ہے کہ:۔

(ترجمہ عربی عبارت) ''بھائیوں میں ممتاز العلماء بلحاظِ علم عمرو تمیز وسطی درجہ پر لیکن ہدایت کی منزل پر سب سے بڑے اور فقہ واجتہاد میں سب سے تابندہ، ان کی آراء ٹھیک اور فکر صائب، تمام افاضل اور پڑھانے والوں میں قابلِ فخر پرہیز گار اور پاکیزہ سید محمد تقی، خدا ان کے رتبہ کو بلند کرے اور خورشیدِ اقبال کو چمکائے۔ وہ ہم سب میں بلحاظِ عمر چھوٹے اور فضائل میں ہم سے سابق۔ خدا ان کو نام کے موافق پرہیز گار قرار دے۔ ان کو کمسنی میں علمی حکومت عطا ہوئی۔ وہ شیرِ اُمّ الکتاب سے پرورش پاکر بڑھے اور آغوشِ حق میں انہوں نے نمو پایا یہاں تک کہ اپنی کوشش سے پدر وجد اور چچا (سلطان العلماء) کی طرح درجۂ اجتہاد پر پہنچے اور میدانِ تصنیف وتالیف کا سامنا ہوا اور باریکیاں ناخنِ تحقیق سے ان کے آبائی کمالات کی سعادت نظر آنے لگیں حالانکہ وہ دردِ سر اور شقیقہ میں زیادہ مبتلا رہتے تھے۔ (۳۵۹)

مکتب کی ابتدائی تعلیم کے بعد طلباء اساتذہ تک پہنچتے ہیں اور درس گاہوں میں تکمیلِ علم کے بعد دروسِ خارج کی منزلیں سامنے آتی ہیں۔ ممتاز العلماء نے یہ سارے مراحل گھر میں ہی طے کئے۔ صرف ونحو، درسیات، منطق، فلسفہ، ریاضی، فقہ واصول، حدیث وتفسیر کی تحصیل میں ان

(۳۵۹) زبدۃ العلماء۔ تاریخ ممتاز العلماء

کے ارتقاء کی رفتار بہت تیز تھی۔ شباب کی منزلوں کے ساتھ درجاتِ علم طے کئے اور سلطان العلماء کی سرکار سے وہ اجازہ پایا جو ایک کتاب کے برابر ضخیم ہے۔

اجازات اجتہاد:

پہلا اجازہ جیسا کہ گزشتہ سطور میں لکھا گیا سرکار سلطان العلماء سے حاصل ہوا۔ اس میں کتب اربعہ سے روایت کی اجازت کے ساتھ تفسیر، فقہ، کلام، اصول، ادب، تجوید، رجال، فلسفہ اور حکمت میں بھی روایت کا اذنِ عام تھا جو ممتاز العلماء کی جامعیت کی دلیل ہے۔

دوسرے اجازے میں ان کو سید العلماء سے حق روایت ملا ہے یہ اجازہ بھی ایک بسیط تحریر ہے اور انشائے ادب کا ایک کارنامہ ہے جس میں سلسلہ کے مقدس افراد پر کامل بحث ہے۔

تیسرا اجازہ آیۃ اللہ شیخ محمد حسن نجفی" صاحب جواہر الکلام نے عطا فرمایا جو سید العلماء کی تحریک پر آپ کے علمی تحقیقات کو دیکھ کر تحریر کیا گیا۔ یہ اجازہ دوازدہم ذیقعدہ ۱۲۶۳ھ کا شاہکار ہے۔ شیخ موصوف نے اجازہ میں ممتاز العلماء کو کہیں پر "میرے روحانی فرزند" اور کہیں پر "میرے جلیل العلم بیٹے" لکھا ہے۔

ممتاز العلماء کے سارے اجازے کتابی صورت میں مطبع محمدی با اہتمام حاجی مولوی عبداللہ ابن حاجی دین محمد بخط نسخ شاہی پریس میں چھپے ہیں۔ یہ ایک کتاب ہے علم درایت، ادب و رجال عربی انشاء پردازی کی۔ (۳۶۰)

---

(۳۶۰) زبدۃ العلماء۔ تاریخ ممتاز العلماء

اولاد ممتاز العلماء:

خداوند تعالیٰ نے ممتاز العلماء کو متعدد اولادیں عطا کیں۔ پہلے فرزند کا نام اسمٰعیل رکھا وہ طفلی میں رحلت کر گئے۔ ۱۰ جمادی الاول ۱۲۵۹ھ کو مطابق ۹ رجولائی ۱۸۴۳ء کو دوسرا فرزند عطا ہوا۔ اس فرزند کا نام سید محمد ابراہیم رکھا گیا۔ مفتی صاحب نے تاریخ کہی۔

عباس گفت مصرع تاریخ مولدش "ایں تازہ گل دمیدہ گلزار اجتہاد"

۱۲۵۹ھ

یہ مکمل قطعۂ تاریخ "احیاء الآثار" اور تاریخ ممتاز العلماء از مولانا آغا مہدی صاحب اور حالات فردوس مکاں سید ابراہیم صاحب قبلہ میں درج ہے۔

سید محمد ابراہیم کے بعد سید حسن اور پھر ۱۲۷۱ء میں ایک فرزند سید علی کی ولادت ہوئی۔

خطابات:

ممتاز العلماءؒ اپنی خداداد صلاحیت اور علمی ریاضت سے محکمۂ تعلیم کے نگرانِ اعلیٰ قرار دیئے گئے اور شاہِ اودھ نے ان کو "مدرسۂ سلطانی" کا موسس قرار دے کر ممتاز العلماء اور فخر المدرسین کے خطابات عطا کیے۔

مدرسۂ سلطانی:

جناب سلطان العلماء کی تجویز اور فرمائش اور جناب سید العلماءؒ کی کوشش سے لکھنؤ میں دینی تعلیم کا پہلا مدرسہ قائم کیا گیا جس کو "مدرسۂ سلطانی" کا نام دیا گیا۔ مدرسہ کا قیام عہدِ امجد علی شاہ میں ہوا۔ نجم الغنی نے "تاریخ اودھ" میں مدرسہ سلطانی کے قیام کی تاریخ ۲ رجمادی الاول ۱۲۵۹ھ لکھی ہے اور لکھا ہے کہ یہ مدرسہ مجتہد العصر والزمان (سلطان العلماء) اور ان کے بھائی سید العلماء کی تحریک

پر جاری ہوا۔نواب امداد حسین خاں نے خدمت میں نمایاں حصہ لیا۔مدرسہ کے قیام کی تاریخ:۔

ع ''بیت معمور ہدیٰ مدرسۂ سلطانی''

۱۲۵۶

اس مصرع تاریخ سے ۱۲۵۶ اعداد حاصل ہوتے ہیں جبکہ نجم الغنی نے قیام کی تاریخ ۱۲۵۹ھ لکھی ہے۔

یہ مدرسہ نواب سعادت علی خاں کے مقبرہ واقع گولہ گنج، لکھنؤ میں قائم ہوا۔اس مقبرہ میں چاروں طرف حجرے اور دالان ہیں جن میں طلباء رہتے تھے اور تقریباً بیس (۲۰) مدرس تھے جن میں بڑے بڑے علماء وفضلاء اور اس عہد کے اکمل افراد مجتمع تھے۔مدرسین کی بیش قرار تنخواہیں مقرر تھیں۔طلباء کو وظائف ملتے تھے۔اکثر امجد علی شاہ ہوادار پر سوار ہو کر مدرسہ کا معائنہ کرنے آتے تھے اور چاروں طرف دورہ کرتے تھے۔امراء کے یہاں سے تقریبات میں جس قدر طعام یا تحف وہدایہ آتے تھے وہ سب طلباء کو بھیج دیئے جاتے تھے۔خاص طور پر الطاف شاہانہ ان پر مبذول تھے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس زمانہ میں تحصیل علم کا شوق لوگوں میں پیدا ہو گیا۔سلطان العلماءؒ ان امور میں برابر محرک رہتے تھے (۳۶۱)

نجم الغنی کی تفصیلات اور ''تاریخِ ممتاز العلماء'' کے مطابق مفتی میر محمد عباس صاحب قبلہ بورڈنگ کے نگران مقرر کئے گئے۔تیس (۳۰) مدرس تھے جن میں مولوی میر احمد علی، مفتی محمد عباس صاحب، شیخ اظہر علی اور مولنا حامد حسین کنتوری بھی شامل تھے۔یہ سب بہت سر برآوردہ اور متبحر عالم تھے۔

مدرسین کی تعداد میں حضرت عزیزؔ لکھنوی اور نجم الغنی معہ زبدۃ العلماء بہت فرق ہے۔

---

(۳۶۱) عزیزؔ لکھنوی۔تجلیات، مضامین عزیزؔ۔ص۔۱۷۔۲۱۶

ہوسکتا ہے کسی ایک کے یہاں کتابت کی غلطی ہو۔

صفِ اول کے مدرسین کی تنخواہ ستر (۷۰) روپیہ سے سو (۱۰۰) روپیہ تھی۔ دوسرے درجہ کے معلموں کو تیس (۳۰) سے چالیس (۴۰) روپیہ ملتے تھے۔

طلباء کو وظائف دیئے جاتے تھے۔ ابتدائی طلباء کو چار روپیہ مہینہ، وسطی درجہ کے طلباء کو چھ (۶) روپیہ اور اعلیٰ درجہ کے طلباء کو نو (۹) روپیہ ملتے تھے۔

تذکرۂ ''گلِ رعنا'' میں ہے کہ مدرسہ میں ہزار لڑکے پڑھتے تھے۔ تین برس کے بعد یہ مدرسہ آصفی امام بارگاہ میں منتقل کردیا گیا تھا۔

جناب ممتاز العلماء کو جناب سلطان العلماء اور جناب سید العلماء کی زندگی ہی میں مرجعیت حاصل ہوگئی تھی۔ حلقۂ درس وتدریس اور دستخط مسائل وغیرہ میں اتنے مصروف ہوگئے جتنے اپنے والدِ گرامی یا عمِ محترم جناب سلطان العلماء کے بعد ہوتے۔ خود تحریر فرمایا ہے کہ ایک لاکھ مسائل پر دستخط کیے تھے۔

امام باڑے کی تعمیر:

ممتاز العلماء نے مسجد تحسین علی خاں کے عقب میں امام باڑہ تعمیر فرمایا اور اس میں مجالسِ عزا قائم کیں جن میں مولانا امداد علی صاحب بحرالمصائب اور دوسرے نامور ذاکروں کی معرکہ آراء مجالس منعقد ہوئیں۔ یہ امام بارگاہ اب بھی موجود ہے اور ''سید تقی صاحب کا امام باڑہ'' کے نام سے مشہور ہے۔

مکارمِ اخلاق:

یوں تو ہر انسان کے لئے عمدہ اخلاق کا حامل ہونا ضروری ہے مگر صاحبانِ علم خصوصاً

درجۂ اجتہاد و مرجعیت پر فائز ہونے والے کے لئے تو بدرجہا اعلیٰ ترین اخلاق کا مرقع ہونا لازم ہے۔ ممتاز العلماء کے اخلاقِ کریمانہ کی تعریف و توصیف تو ایران و عراق کے علمائے اعلام نے بھی کی اور ان کی علمی اور دینی منزلت کا شاندار لفظوں میں اعتراف کیا۔ چنانچہ علامہ محمد تقی بن محمد رضا طباطبائی نے اپنے ایک خط میں لکھا:۔

"وہ علم و عمل کے دو درجوں پر حاوی اور اس بزرگ درجہ پر تھے جہاں خلل کا وجود نہیں۔"
(ترجمہ) (۳۶۲)

علامہ سید علی نقی طباطبائی حائری نے اپنے ایک خط میں ممتاز العلماء کے جو القاب لکھے ان کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

"باعمل علماء کے فخر اور مجتہدین کے صدر، نیکیوں سے موفق اور اچھائیوں پر دعوت دینے والے، سارے زمانے کے علماء میں علامہ (علامۃ علماء الدھر) اور تمام فضلا میں سے بہتر سمجھنے والے معظم۔" (۳۶۳)

ایک اور سیرت نگار نے لکھا:۔

"وہ ہر فضیلت اور خلق کے زیور سے آراستہ تھے اور ہر برائی اور بدی سے خالی تھے۔ جملہ علوم میں ان کو امتیاز تھا جو تلامذہ کے کمالات اور ہر فن میں تصانیف کے ملفوظات سے واضح ہے۔" (۳۶۴)

مختلف علوم میں آپ کا تبحر:۔

جناب ممتاز العلماء ان تمام علوم پر جن میں ایک مجتہد جامع الشرائط کو دسترس لازمی ہے، حاوی تھے۔ علمِ اخلاقیات کے ساتھ ساتھ علمِ حدیث، اصول و فقہ، فلسفہ و حکمت، ادب و معانی و بیان، علمِ ہیئت و ریاضی، تاریخ، مناظرہ، لغت عربی، علم تعبیر رویا غرضیکہ تمام علوم میں وسعتِ نظر کے ساتھ دسترس رکھتے تھے۔

---

(۳۶۲) زبدۃ العلماء۔ تاریخ ممتاز العلماء۔ ص۔۳۲، (۳۶۳) زبدۃ العلماء، تاریخ ممتاز العلماء۔ ص۔۳۲

(۳۶۴) زبدۃ العلماء، تاریخ ممتاز العلماء۔ ص۔۳۳

رحلتِ ممتاز العلماء طاب ثراہ:

دوشنبہ ۲۳؍رمضان کو دن کے وقت جناب ممتاز العلماء بالکل صحت مند تھے۔ شب قدر کے اعمال کی تھکن غالب تھی۔ زوال کے وقت طبیعت خراب ہوئی طبیب نے غلط دوا دے دی جس سے حالت بگڑ گئی۔ مقولہ ہے کہ "چوں قضا آمد طبیب ابلہ شود"۔ وہی ہوا۔ شہر کے بڑے بڑے اطباء جمع ہو گئے مگر قضا کو کون ٹال سکتا تھا۔ مرزا دبیر اعلیٰ اللہ مقامہ کے فرزندِ ارجمند مرزا محمد جعفر اوجؔ کے مطابق ایک مردِ مومن نے خواب میں دیکھا تھا کہ نصف شب کو ماہِ کامل آسمان سے ٹوٹ کر گرا۔ طبیعت کی خرابی میں آپ نے اعزاء و احباب کو اشاروں سے رخصت کیا۔ دن گزر کر رات آ گئی۔ تین گھنٹہ رات گزری تھی کہ عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت کی۔

جناب ممتاز العلماء کی تاریخِ رحلت معلوم کرنے کے لئے متعدد مآخذ چھاننا پڑے۔ جناب نجم العلماء مولانا ہدایت حسین صاحب طاب ثراہ نے "شجرۂ طیبہ" میں تیئیس (۲۳) رمضان کی شب لکھی ہے مگر سنہ نہیں لکھا۔ مفتی میر محمد عباس شوستری علیہ الرحمۃ کے نظم کردہ طویل فارسی نظم جس کو نجم العلماء نے "قطعہ تاریخ" کہا ہے، اس میں تاریخِ رحلت کا کوئی مصرع نہیں ہے۔ یقین ہے کہ مفتی صاحب قبلہ طاب ثراہ نے تاریخ ضرور کہی ہوگی مگر شاید قطعہ نقل کرتے ہوئے تاریخ کا شعر لکھنے سے رہ گیا ہو۔ مآخذ کے مطالعہ سے آخرکار مولانا مرتضیٰ حسین صاحب فاضل لکھنوی کی تصنیفِ لطیف "مطلع انوار" سے تاریخ رحلت دستیاب ہوئی۔ انہوں نے تاریخ ولادت ۱۲۳۴ھ مطابق ۱۸۱۹ء اور وفات ۱۲۸۹ھ مطابق ۱۸۷۲ء تحریر فرمائی ہے۔ (۳۶۵)

تحقیقِ مزید سے دن تاریخ سب دستیاب ہو گئے۔ تاریخ ممتاز العلماءؒ میں زبدۃ العلماء مولانا آغا مہدی صاحب طاب ثراہ نے تاریخ وفات ۲۳؍رمضان ۱۲۸۹ھ مطابق

(۳۶۵) مطلع انوار۔ مولانا مرتضیٰ حسین صاحب فاضل۔

۲۶ رنومبر ۱۸۷۲ء لکھی ہے۔ رحلت کے وقت ممتاز العلماء طاب ثراہ کی عمر پچپن (۵۵) سال تین ماہ اور چند روز تھی۔ (۳۶۶)

مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اُس سال لکھنؤ سے لے کر عراق و ایران تک سولہ (۱۶) مجتہدین دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ اس سال مومنین نے عید الفطر نہیں منائی۔

متعدد شعراء کے قطعات تاریخ بھی دستیاب ہو گئے، چند مصرعہائے تاریخ ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ مہدی علی خاں جلیس ؔ۔

تاریخ عزا جلیسؔ گفتم "در خلد بریں مقام بادا"
۱۲۸۹ھ

۲۔ امیر اللہ تسلیم ؔ۔

گفت اے تسلیمؔ بہر سال فوت "درزمیں شد آفتاب اصطفیٰ"
۱۲۸۹ھ

۳۔ شیخ محمد جان شادؔ۔

میگفت شادؔ مصرع تاریخ رحلتش "درواشدہ جماعت اسلام بے امام"

اس مصرع تاریخ سے صرف ۱۲۵۸ کا استخراج ہوتا ہے جو صحیح نہیں۔ مصرع اولیٰ میں تعمیہ کا بھی کوئی اشارہ نہیں ہے۔ اس لئے تاریخ درست نہیں۔ شاید مصرع کسی اور طرح سے ہوگا۔

۴۔ علی میاں کاملؔ۔ "بے ستوں شد کعبۂ دینِ رسولؐ"
۱۲۸۹ھ

---

(۳۶۶) زبدۃ العلماء۔ "تاریخ ممتاز العلماء"

۵۔ حکیم ضامن علی جلال۔

پرسیدم اے جلال زہاتف چو سال مرگ گفتہ "ستون کعبۂ دیں ناگہاں فتاد"

۱۲۸۹ھ

۶۔ مرزا اوج۔

نظم شد تاریخ حسب خواب دیندارے کہ دید "نیم شب بدر دجیٰ از آسماں افتاد وائے"

۱۲۸۸ھ

اس مصرع سے ۱۲۸۸ کا استخراج ہوتا ہے۔ ہمارے خیال میں اس مصرع تاریخ میں مرزا اوج نے "آسمان" کے الف ممدودہ کے دو (۲) عدد شمار کئے ہیں جو اس وقت کا قاعدہ تھا۔ بعد میں متاخرین نے نے الف ممدودہ کا بھی ایک عدد شمار کرنا شروع کیا اس لئے کہ "مد" حروفِ تہجی کا کوئی حرف نہیں ہے اس لئے اس کا کوئی عدد نہیں ہوتا بہ ایں وجہ الف ممدودہ کا بھی ایک ہی عدد شمار کرنا چاہیئے۔

۷۔ منیر شکوہ آبادی۔

بنوشتۂ منیر سالِ فوتش "افتاد ستون کعبۂ فقہ"

۱۲۸۴ھ

اس مصرع سے صرف ۱۲۸۴ عدد حاصل ہوتے ہیں جو مطلوبہ اعداد سے پانچ عدد کم ہیں۔ تعمیہ کا بھی کوئی اشارہ نہیں ہے۔ عین ممکن ہے کہ منیر نے یہ تاریخ رحلت سلطان العلماء پر لکھی ہو جن کا انتقال ۱۲۸۴ھ میں ہوا تھا۔

تدفین:

اپنے تعمیر کردہ امام باڑہ میں تدفین ہوئی۔

قائم مقام:

فرزند اکبر جناب سید ابراہیم صاحب طاب ثراہ کو آپ کا قائم مقام کیا گیا۔

فہرست تلامذہ جناب ممتاز العلماء

۱۔ مولانا برکت علی صاحب

۲۔ مولانا خورشید حسن صاحب برست

۳۔ مولانا سید علی حسین زنگی پوری

۴۔ مولانا سید محمد تقی بہاری

۵۔ مولانا ہزبر علی صاحب بجنور

۶۔ مولانا محفوظ علی صاحب

۷۔ مولانا میر عابد علی کامونپوری

۸۔ مولانا منعم خاں

۹۔ مولانا سید محمد وزیر صاحب شوستری لکھنوی

۱۰۔ مولانا سید باقر حسین صاحب لکھنوی

۱۱۔ مرزا احمد علی صاحب کشمیری لکھنوی

۱۲ سید ناصر حسین کامونپوری (م ۱۳۱۳ھ)

۱۳ سید ابوالحسن کاشمیری لکھنوی (م ۱۳۱۳ھ)

۱۴ مولانا سید حسن صاحب بہاری (م ۱۳۱۶ھ)

۱۵ بشارت علی خاں صاحب (م ۱۳۱۴)

۱۶ سید محمد حسن صاحب امروہوی (م ۱۳۱۹ھ)

۱۷ مولانا سید علی حسین ابراہیم آبادی

۱۸ شاء الدولہ ذکاء الملک افضل علی خان (م ۱۳۱۹ھ)

۱۹ سید علی میاں صاحب کامل (م ۱۳۲۲ھ)

۲۰ شیخ مظہر علی صاحب بنارسی

۲۱ عماد العلماء سید مصطفےٰ عرف میر آغا صاحب

۲۲ سید علی اکبر کاؤنٹی کلکٹر (م ۱۳۲۷ھ)

۲۳۔ سید ضامن علی (علی ضامن) م ۱۲۸۰ھ

۲۴۔ مرزا عالی جاہ لکھنوی (م ۱۲۸۱ھ)

۲۵۔ بنیاد علی صاحب فتحپوری (م ۱۲۸۷ھ)

۲۶۔ مرزا محمد اخباری (م ۱۲۸۹ھ

۲۷۔ مرزا والا جاہ (م ۱۲۸۹ھ)

۲۸۔ گلشن علی صاحب کاموپوری (م ۱۲۹۱ھ)

۲۹۔ میر حیدر صاحب لکھنؤ (م ۱۳۰۲ھ)

۳۰۔ عمار علی صاحب سونی پتی (م ۱۳۰۴ھ)

۳۱۔ مکرم حسین صاحب جلالوی (م ۱۳۰۵ھ)

۳۲۔ تفضل حسین صاحب فتحپوری (م ۱۳۰۵ھ)

۳۳۔ میر محمد شاہ صاحب لکھنوی (م ۱۳۰۵ھ)

۳۴۔ جواد علی صاحب بہیرہ (م ۱۳۰۶ھ)

۳۵ شیخ عبدالرشید صاحب (م ۱۳۲۹ھ)

۳۶ خواجہ عابد حسین صاحب سہارنپوری (م ۱۳۳۰ھ)

۳۷ مولانا علی حسن صاحب۔ م ۱۳۳۳ھ

۳۸ مولانا رضا علی صاحب (م ۱۳۳۴ھ)

۳۹ مرزا محمد جعفر اوج (م ۱۳۳۵ھ)

۴۰ جسٹس کرامت حسین (م ۱۳۳۵ھ)

۴۱ خواجہ ابراہیم پانی پتی۔۔

۴۲ نواب آغا ابو صاحب (م ۱۳۳۶ھ)

۴۳ سید مظہر حسین صاحب سہارنپوری

۴۴ علامہ سید غلام حسنین کنتوری (م ۱۳۳۷ھ)

۴۵ مولانا حکیم اکرام رضا صاحب

۴۶ سید تصدق حسین صاحب کنتوری

تصانیف وتالیفات جناب ممتاز العلماءؒ

جناب ممتاز العلماء بھی کثیر التصانیف تھے۔ان کی دوسری مصروفیات سے ان کو تصنیف وتالیف کے لئے بہت کم وقت ملتا تھا۔پھر بھی جتنا وقت بھی مل جاتا تھا وہ اس طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ذیل میں ان کی کتابوں کی ایک فہرست ملاحظہ فرمایئے:۔

۱۔ ''ارشاد المبتدین الی احکام الدین''۔ یہ علم فقہ کی ایک اہم تصنیف ہے اور طہارت و صلوٰۃ کے علمی مباحث عربی زبان میں ہیں۔یہ کتاب آپ کی زندگی میں شائع ہو چکی۔

۲۔ ''ارشاد المومنین''۔نمازِ جماعت کے فضائل فارسی زبان میں ہیں۔یہ بھی آپ کی زندگی میں ''سلطان المطابع لکھنؤ'' نے شائع کردی تھی۔

۳۔ ''حدیقۃ الواعظین''۔یہ ماہِ رمضان کے مواعظ کا غیر مطبوعہ مجموعہ ہے۔

۴۔ ''حاشیہ شرح چغمنی''۔اس میں اس کتاب کے مہتم بالشان مقامات کی تشریح فرمائی ہے

۵۔ ''دعوات فاخرہ''۔یہ دعاؤں کا مجموعہ ہے جس میں جا بجا اجتہادات فرمائے ہیں۔ غیر مطبوعہ ہے۔

۶۔ ''اسولہ واجوبہ''۔بعض مسائل کو کتابی صورت میں لاکر اس کی تدوین فرمائی۔یہ بھی غیر مطبوعہ ہے۔

۷۔ ''رسالہ فتاوئ''

۸۔ ''رسالہ جدول''۔ائمہ معصومینؑ کے حالات اور تاریخہائے سعد ونحس کے نقشے فتوؤں کے مطابق تحریر کئے۔

۹۔ ''رسالہ در جواب مسئلہ طعام اہلِ کتاب''۔ یہ آپ کی زندگی میں شائع ہو گئی تھی۔

۱۰۔ ''رسالہ در تحقیق بعض مسائلِ امامیہ فی الصلوٰۃ الجماعت''۔ یہ وہ کتاب ہے جسے علمائے عراق نے خراجِ تحسین پیش کیا۔ یہ ۱۲۶۱ھ میں شائع ہوئی۔

۱۱۔ ''رسالہ میراث''۔ یہ ایک مختصر تحریر ہے جس میں اُس وقت کی اردو زبان میں مسائل علمِ فرائض کو تحریر کیا۔ یہ کتاب مطبع نول کشور، لکھنؤ نے شائع کی۔

۱۲۔ ''سانحۂ عجیب''۔ اس رسالہ میں آپ نے اپنے جد حضرت غفرانمآب ؒ کے متروکات پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۳۔ ''سوانح عمری''۔ ادب عربی کا زبردست نمونہ ہے جس میں اپنی زندگی کے واقعات اشارۃً اور تلمیحاً لکھے ہیں۔

۱۴۔ ''شرح مقدماتِ حدائق''۔ اس کتاب کا درس مہتم بالشان سمجھا جاتا تھا۔

۱۵۔ ''ظہیر الشیعہ''۔ مسائلِ فقہ کا مبسوط ذخیرہ سوال و جواب کی صورت میں ہے۔

۱۶۔ ''عیاب من الاعراب''۔ علمِ نحو کی دقیق کتاب۔

۱۷۔ ''غنیۃ السائل''۔ مسائل فقہ کا بہترین مجموعہ ۱۲۸۳ھ میں شائع ہوا۔

۱۸۔ ''غوث الائمہ وعون العائذ''۔ مناجات کا ذخیرہ۔

۱۹۔ ''فرائد بہیہ''۔ علمِ نحو کی مشہور کتاب ''فوائد احمدیہ'' کی عربی شرح

۲۰۔ کتاب الدعوات والاستغاثات''۔ آپ کا انشاء کردہ دوسرا مجموعہ۔

۲۱۔ ''کتاب الضراعات الی قاضی الحاجات'' بقولِ مولانا آغا مہدی طاب ثراہ یہ بھی دل ہلا دینے والی ان صداؤں کا مجموعہ ہے جو آپ کی زبانِ مبارک سے نکل کر بابِ اجابت تک پہونچ چکی ہیں۔

۲۲۔ ''منہج الطاعات''

۲۳۔ ''منتخب الآثار''۔

۲۴۔ ''مرشد المومنین'' یہ مقلدین کے لئے فارسی عملیہ ہے۔

۲۵۔ مسئلہ ''قطع ید'' کا جواب

۲۶۔ ''تحفۃ الدعوات''۔ آپ کی کمسنی میں تالیف کیا ہوا رسالہ۔ ادعیہ اور تعقیبات نماز کا بیان۔

۲۷۔ ''نزہۃ الواعظین''۔ آپ کے نصیحت خیز کلام کا ذخیرہ جو واعظین کے لئے بیحد مفید ہے۔

۲۸۔ ''وسائل الی المسائل''۔ عظیم الشان مبسوط دعا جو آپ نے صرف قرآن مجید کے الفاظ سے اقتباس فرما کے انشاء کی۔

۲۹۔ ''ہدایۃ المسترشدین'' ''شرح تبصرۃ المتعلمین۔ بقول زبدۃ العلماء اصول فقہ کی تقریروں کا خزانہ ہے۔ عراق تک کے علماء نے بڑے قابلِ قدر الفاظ میں اس کی تعریف کی۔

۳۰۔ ''حاشیہ صدرا''

۳۱۔ ''ارشاد۔ فضائل دعا''۔

۳۲۔ ''تحفۃ المعجزات''۔ فارسی میں چہاردہ معصومینؑ کے خوارقِ عادات

۳۳۔ ''رسالہ در جواز امامت''

۳۴۔ ''ینابیع الانوار فی تفسیر کلام اللہ الجبار''۔ اس میں ان تمام رموز و نکات کو جمع کیا ہے جو ایک تفسیر میں ہونا چاہئیے اور اس میں مصنف علام نے حدیث، تفسیر، تاریخ، لغت ادب، کلام، تمام علوم و فنون کو جمع کر دیا ہے اور فخر الدین رازی کے تمام تخیلات کی قلع قمع کو اپنا اصلی مطمح نظر قرار دیا ہے۔ اسی وجہ سے بعض اجلہ نے اسے تفسیر کبیر سے تعبیر کیا ہے۔ یہ آپ کی زندگی کا آخری کام کلام الٰہی کی تفسیر تھی۔ ''مومن آلِ عمران'' تک دو ضخیم جلدوں میں ہے۔ مگر زندگی نے وفا نہ کی تو تفسیر مکمل نہ ہو سکی۔ آپ کے کتب خانہ لکھنؤ میں اب تک موجود ہے۔

ممتاز العلماء کے فرزند ارجمند

شمس العلماء آیۃ اللہ جناب سید ابراہیم صاحب طاب ثراہ

فرزندانِ جناب ممتاز العلماء

سید العلماء جناب سید ابراہیم صاحب طاب ثراہ:

ا۔ جناب ممتاز العلماء کے فرزندِ اکبر جناب سید محمد ابراہیم صاحب طاب ثراہ تھے۔

''شجرۂ طیبہ'' میں ان کے القاب وآداب اس طرح ہیں:۔

''جناب مستطاب مستغنی عن الالقاب ذوالفہم الثاقب والرّاء الصائب صاحب ذہن و ذکاء معدنِ علم و اتقاء مرجعِ انام مروجِ شریعتِ حضرت خیر الانامؐ الکریم ابن الکریم جناب سید محمد ابراہیم۔'' (۳۶۷)

آپ درجۂ اجتہاد پر فائز تھے اور مندرجہ ذیل علماء وفقہاء نے آپ کو اجازہ ہائے اجتہاد عطا فرمائے تھے۔

ا۔ آیۃ اللہ محمد طٰہٰ نجفی ۲۔ مولانا محمد حسین شہرستانی ۳۔ آقائی شیخ علی نجفی

۴۔ آقائی حبیب اللہ غروی ۵۔ آقائی سید محمد حسن آلِ یٰسین کاظمی ۶۔ آقائی لطف اللہ غروی مازندرانی

۷۔ آقائی محمد ابروانی غروی ۸۔ آقائی محمد حسن کاظمی ۹۔ آقائی شیخ حسن بن اسد اللہ کاظمی

۱۰۔ آقائی شیخ زین العابدین مازندرانی ۱۱۔ آقائی سید ابوالقاسم طباطبائی ۱۲۔ مجتہد ابو سلام سرکار میرزا محمد حسن نجفی

آپ علم وعقل وزہد وورع اور امورِ سیاست میں مشہورِ آفاق تھے۔ جو قضیہ اذان میں خلیفۂ بلافصل

---

(۳۶۷) نجم العلماء۔ شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۱۲۸۔۱۲۹

کا پیش ہوا تھا اس میں کمال کوشش و استقلال و جراءت سے کام لیا اور آپ ہی کی ذات سے یہ رواج باقی رہ گیا۔

اگرچہ ہم کو کتاب کی ضخامت کا لحاظ بہت ہے مگر یہ موضوع بھی اہم ہے۔ اس لئے کچھ تفصیل سے لکھنا بھی ضروری سمجھا۔

اودھ کی شاہی حکومت کے خاتمہ اور انگریزوں کی عملداری کے آغاز سے شیعوں کو مذہبی آزادی میں خلل اور مخالفین کی طرف سے جبر و تشدد اور فساد کا سامنا تھا۔ حکومت مخالفین کا ساتھ دے رہی تھی کتب مناظرہ پر پابندی اور مجالسِ عزا میں ذکرِ حسینؑ کو دلآزاری قرار دیا جا رہا تھا۔ اذان میں ''خلیفۃ بلا فصل'' کہنا ممنوع قرار دینے کا مطالبہ اور اس پر شیعوں کے خلاف تشدد اور فساد نیز گرفتاریاں اور سزائیں وغیرہ۔ حتیٰ کہ شیعی مساجد کو جبراً بند کرنا مخالفین اور حکام کے ظالمانہ رویئے تھے۔ ان حالات میں قوم کی قیادت کرنے، مذہبی روایات کو تحفظ دینے اور حکام کے رویوں کو بدلنے کے لئے جناب فردوس مکان سید ابراہیم صاحب طاب ثراہ کی جدوجہد اور خدمات ان کی اور عمومی طور پر شیعہ علماء کی سیاسی بصیرت اور تاریخ کا سنہرا باب ہیں۔ اس سلسلہ میں عمدۃ الافاضل جناب مولانا سید محمد جواد صاحب ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں۔

> ''یوں تو خاندانِ اجتہاد اپنی گذشتہ ہر فرد پر نازاں ہے اور مبدءِ فیاض سے اس پر کچھ اس طرح فیضان ہوا ہے کہ کسی دوسرے خاندان میں ڈھونڈے سے بھی ایسا نمونہ نظر نہیں آتا۔ لیکن فردوس مکانؒ کا وجود اپنے خصوصیات سے ایسا مہتم بالشان تھا کہ شیعی دنیا میں ایسا رہنما اور مذہب و ملت کا شیدا مشکل سے نظر آئے گا۔۔۔۔۔۔ ان کی دینی خدمات میں انگریزوں کے قبضہ سے مسجدِ آصفی کی واگزاری اور ''خلیفۃ بلا فصل'' کے مقدمہ میں ان کی تاریخی کامیابی اور فتح تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ جگمگاتی رہیں گی۔ (۳۶۸)

---

(۳۶۸) مضمون از مولانا محمد خواجہ صاحب قبلہ مطبوعہ ماہنامہ شعاعِ عمل۔ لکھنؤ ریاضی جنتری ۱۹۳۱ء

"خلیفۃ بلا فصل" کا مسئلہ:

اس کے حوالہ سے مختلف شیعہ مساجد پر مخالفین نے فساد کیا۔ ۶ ررجب ۱۳۰۶ھ مطابق ۹ رمارچ ۱۸۸۹ء کو بانس منڈی کی شیعی مسجد پر مخالفین نے پچاس ساٹھ آدمیوں کے ساتھ مغرب کی اذان سے پہلے قبضہ کرلیا۔ اس پر تصادم ہو گیا۔ جو شیعہ زخمی ہوئے انہیں پولیس نے گرفتار کرلیا۔ اس طرح پولیس شیعیوں کے خلاف کاروائیاں کرتی رہی۔

اس وقت کرنل نیو بری (Col. F.M. Newbery) لکھنؤ کے حاکمِ اعلیٰ تھے۔ مخالفین نے ان کو یقین دلا دیا کہ اگر فردوس مکاں سید ابراہیم صاحب چاہیں تو وہ اذان سے "خلیفۃ بلا فصل" کی لفظیں خارج کر سکتے ہیں۔ کرنل نیو بری نے فسادات ختم کرانے کے لئے اس کو مسئلہ کا حل سمجھ کے فردوس مکان کو اپنے بنگلہ پر طلب کیا۔ وہ پہلے بھی آپ سے گفتگو کر چکا تھا۔ مخالفین کے لیڈر پہلے سے وہاں پہنچ چکے تھے۔ جناب کو علم نہ تھا۔ آپ تنہا فینس میں سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ لوگوں کو خبر ہو گئی۔ جوق در جوق مومنین کرنل نیو بری کے بنگلے کی طرف روانہ ہونے لگے۔ آپ کے حامی و معتقد اقتدار الدولہ نواب مہدی علی خاں بہادر ضیغم جنگ اس خبر سے جوش میں آکر صرف ایک کرتا پہنے ہوئے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے اور نیو بری کے بنگلے میں اس کمرے کے دروازہ پر کھڑے ہو گئے جہاں وہ جناب سے گفتگو کر رہا تھا۔ انہوں نے جو گفتگو سنی وہ کچھ اس طرح تھی:۔

کرنل نیو بری: میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے اس عرصہ میں کوئی رائے قائم کی ہوگی۔

جناب فردوس مکاں: میری رائے وہی ہے جو پہلی ملاقات میں ظاہر کر چکا ہوں۔

نیو بری: کیا اس فساد کے ذمہ دار آپ ہیں؟

جناب فردوس مکاں: مجھے افسوس ہے کہ واقعہ کی نوعیت پر گورنمنٹ نے غور نہیں کیا۔ ایک مجتہد کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی فریضۂ مذہب کو ترک کرادے اور وہ ترک ہو بھی جائے۔ میرے مقلدین میں پیشہ ور اور نیچ قوم کے لوگ نہیں ہیں جنھیں جو سمجھا دیا جائے، ویسا ہی کہنے لگیں۔ مرا حلقۂ تقلید تعلیم یافتہ لوگوں سے بھرا ہوا ہے جو خود اپنے مذہبی فرائض کو اپنی عقل سے سمجھتے ہیں۔

نیو بری: ہم تو "بلافصل" سے یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے مسلمانوں کے ہادیانِ دین کی توہین ہوتی ہے۔

اس موقع پر بات کاٹ کر نیو بری نے ایک شیعہ رئیس سے کہا کہ آپ بتائیے کیا یہ رسم ہمیشہ سے جاری ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضور! میں کبیر السن ہوں۔ مجھے تو یاد نہیں آتا کہ اذان میں "بلافصل" ہمیشہ ہوا کرتا ہو"۔ اس رئیس کا یہ جواب سن کر جناب کو غیظ آگیا اور اس سے فرمایا کہ تم دین فروش ہو۔ تمھیں نہیں معلوم کہ اس کا اظہار عینِ ایمان ہے۔

نیو بری: (جناب سے) میں آپ سے کوئی چیز مانگوں تو آپ یہ سمجھ کر میری بات رکھ لیجئے کہ میں نے مانگی اور آپ نے میرا سوال رد نہیں کیا۔

جناب فردوس مکاں: آپ کو نہیں معلوم کہ جو چیز دینے کی نہیں ہوتی وہ نہیں دی جاتی۔ میرا سر حاضر ہے مگر مذہب پر آنچ نہ آنے دوں گا۔ اور گورنمنٹ بھی کسی کے مذہب کو نہ لے گی۔

نیو بری نے یہ جواب سن کر اہلسنت کے علماء اور نمائندگان سے کہا کہ میں سوال کر چکا۔ اب آپ لوگ مجتہد صاحب کو اپنا باپ سمجھ کر دامن پھیلا کر سوال کریں۔ مجھے امید ہے کہ وہ آپ کو اپنی اولاد سمجھ کر آپ کی بات نہ ٹالیں گے۔ یہ سن کر ان لوگوں نے دامن پھیلا کر جناب سے گزارش کی کہ "بلافصل" کو اذان سے نکلوا دیں۔

یہ بڑی نازک صورت حال تھی۔ ظاہر ہے کہ جناب ان کا سوال تو پورا نہیں کر سکتے تھے مگر

اس کو رد کرنا بھی خلاف مصلحت ہوتا۔ سب کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ ہم نے تو دامن پھیلا کر بھیک مانگی تھی مگر جناب نے اس کا خیال بھی نہ کیا۔ اس موقع پر جناب نے ذہانت اور تدبر سے کام لے کر یہ فرمایا کہ اچھا، اگر اہلسنت اذان سے "اشہدانّ محمدؐ رسول اللہ" خارج کر دیں تو میں "بلا فصل" نکلوا دوں گا۔

اس کے بعد نیو بری نے سختی سے کام نکالنا چاہا اور سخت دھمکی آمیز لہجے میں کہا کہ میں آپ کو دو ماہ کی مہلت دیتا ہوں اس کے بعد خود فیصلہ کروں گا لیکن یہ ملحوظ رہے کہ گورنمنٹ کے پاس توپ، بندوق اور فوج، سب کچھ ہے۔ یہ سنتے ہی نواب مہدی علی خاں فوراً کمرہ میں داخل ہو گئے اور نیو بری سے کہا کہ اگر جناب کا بال بھی بیکا ہوا تو ہندوستان میں خون کی ندیاں بہیں گی۔ میں نے یہ کرتا کفن سمجھ کر پہنا ہے۔ پھر جناب سے کہا کہ تشریف لے چلیے۔ مستقبل کا انتظار کریں گے۔

ہم بات کو مختصر کرتے ہیں اور صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس قضیہ کا حل نکالنے اور شیعوں پر سے ظلم وتشدد ختم کرانے کے لئے جناب فردوس مکان نے یہ سارے حالات لکھ کر براہ راست ملکہ وکٹوریہ کو بھیجے اور لکھا کہ مذہبی معاملات میں دخل اندازی گورنمنٹ کی پالیسی نہیں ہے اس کے باوجود ہم پر یہ ظلم کئے جا رہے ہیں۔

ملکہ وکٹوریہ نے خط کے جواب میں "بلا فصل" کے خلاف عدالت کا فیصلہ منسوخ کر کے اذان میں یہ لفظ کہنے کی عام اجازت دے دی اور کرنل نیو بری کا لکھنؤ سے تبادلہ کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ (۳۶۹) (۳۷۰) کرنل نیو بری کا لکھنؤ سے کسی دوسرے شہر میں تو تبادلہ نہیں ہو سکا مگر اس حکم کے آنے کے تین چار دن بعد ملک الموت نے اس کا تبادلہ دوسری دنیا میں کر دیا۔

مولانا سید ابراہیم صاحب قبلہ شرف حج وزیارت مشاہد مقدسہ سے مشرف ہوئے اور

---

(۳۶۹) مولانا آغا مہدی صاحب نے۔ کتاب کریم فی ترجمۃ ابراہیم

(۳۷۰) ریاضی جنتری۔ بابت ۱۹۳۱ء۔ ص۔ ۱۳ تا ۱۵

علمائے عراق و خراسان سے ملاقات فرمائی۔ بادشاہ ایران حضرت ناصر الدین شاہ نے نہایت عزت و وقعت اور تعظیم و تکریم سے اپنے دربار میں بلایا اور خطاب حجۃ الاسلام کے ساتھ خلعت اور انگشتری زبرجد سے سرفراز فرمایا اور ایک سند مزین بخاتم شریف عطا فرمائی۔ انگریزی حکومت میں بھی آپ کا نہایت اعزاز و اکرام تھا اور شمس العلماء کا خطاب عطا ہوا تھا۔

رحلت:

جناب سید ابراہیم صاحب طاب ثراہ نے بیس (۲۰) جمادی الاول ۱۳۰۷ھ کو انتقال فرمایا۔ انتقال کے بعد فردوس مکاں خطاب ہوا اور اپنے والدِ ماجد حضرت ممتاز العلماء کے پہلو میں دفن ہوئے۔ (۳۷۱)

صاحب شجرۂ طیبہ نے آپ کی تاریخ ولادت نہیں لکھی۔ "تاریخ ممتاز العلماء" اس وقت زیرِ نظر نہیں ہے۔ مگر شجرۂ طیبہ میں رحلت کے وقت آپ کی عمر انچاس سال لکھی ہے۔ اس اعتبار سے آپ کی ولادت ۱۲۵۸ھ یا اس کے آس پاس ہوئی ہوگی۔

الحمدللہ کہ تحقیق مزید سے یہ مسئلہ حل ہوگیا۔ عمدۃ الافاضل جناب مولوی سید محمد جواد صاحب قبلہ نے ایک مضمون میں آپ کی تاریخِ ولادت میں شبہہ کو رفع کر کے صحیح تاریخ ۱۰ر جمادی الثانی ۱۲۵۹ھ مطابق ۹ رجولائی ۱۸۴۳ء تحریر فرمائی ہے۔ (۳۷۲)

۲۔ باقی فرزندان ممتاز العلماء میں حسب ذیل افراد ہیں۔

۲۔ جناب سید حسن صاحب
۳۔ جناب سید علی صاحب
۴۔ جناب سید عبدالحسن صاحب
۵۔ جناب سید غلام رضا صاحب
۶۔ جناب سید ایوب صاحب
۷۔ جناب سید غلام عابد صاحب
۸۔ جناب سید ابوذر صاحب
۹۔ جناب سید نصیر الدین صاحب
۱۰۔ جناب سید یونس صاحب
۱۱۔ جناب سید صابر صاحب

---

(۳۷۱) مولانا سید محمد جواد صاحب۔ ریاضی جنتری۔ بابت ۱۹۳۰ء
(۳۷۲) " " " " "

سید العلماء کے تیسرے فرزند زبدۃ العلماء مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ معین المومنین:

سید العلماء کے تیسرے فرزندِ ارجمند جناب زبدۃ العلماء مولانا سید علی نقی صاحب طاب ثراہ تھے۔

نجم العلماء مولانا ہدایت حسین صاحب نے جو آپ کے فرزندِ ارجمند تھے آپ کے القاب وآداب اس طرح درج فرمائے ہیں:۔

"جناب فضائل مآب معلی القاب مبادی ابواب (اواب) حامی دینِ مبین معینِ سادات و مومنین قدوۃ الافاضل العامل الکامل الاکفل الایتام والارامل التاج الرا اکع الالمعی اللوذعی جناب سید علی نقی صاحب (جو لفظ پڑھنے میں نہیں آئے انہیں ترک کردیا گیا)

ولادت:

آپ کی ولادت ۴رذیقعدہ ۱۲۳۵ھ میں ہوئی۔ (۳۷۳) جناب ہدایت حسین صاحب نے اپنے والدِ بزرگوار کی تاریخِ ولادت درج نہیں فرمائی۔ ۱۲۳۵ھ کی تاریخ "تاریخ ممتاز العلماء" میں ہے۔ مگر جناب مولوی مرتضیٰ حسین فاضل طاب ثراہ نے ولادت حدود ۱۲۵۰ھ اور رحلت حدود ۲ر رمضان ۱۳۱۱ھ لکھی ہے۔ (۳۷۴)

رحلت کی یہی تاریخ مولانا ہدایت حسین صاحب قبلہ طاب ثراہ نے بھی لکھی ہے (۳۷۵)۔ آپ کی رحلت کے وقت آپ کی عمر چھیتر (۷۶) سال تھی۔ (۳۷۶) اس حساب سے آپ کی ولادت ۱۲۳۵ھ ہی میں ہوئی ہوگی۔

---

(۳۷۳) مطلع انوار تکملۂ نجوم السماء، (۳۷۴) تذکرۂ بے بہا۔ ص۔ ۲۳۵، نزہۃ الخواطر۔ ج۔ ۷۔ ص۔ ۲۳۵

(۳۷۵) مولانا ہدایت حسین صاحب۔ شجرۂ طیبہ۔ ص۔ ۱۳۹، (۳۷۶) مولانا محمد حسن نوگانوی۔ تذکرۂ بے بہا۔ ص۔ ۲۳۶

مہر خطابی:

آپ کی مہر خطابی میں یہ عبارت تھی:۔

"معین المومنین زبدۃ العلماء سید علی نقی النقوی"

آپ علوم عقلیہ و نقلیہ پر فائز خصوصا علم فرائض و حساب و ریاضی میں بے مثل و نظیر تھے اور عالی ہمتی اور سخاوت، سیر چشمی اور مروت میں یکتائے زماں تھے۔ سلطان العلماء نہایت شفقت و عنایت فرماتے تھے۔ ہر روز آخر وقت تشریف لاتے تھے یہاں تک کہ جس روز مرض الموت یعنی مرضِ وباء میں مبتلا ہوئے اس روز بھی وقت معین پر تشریف لائے اور دوسرے روز دروازہ پر سے جنازہ کا گزر ہوا۔ جب سلطان العلماء کے فرزند جناب خلاصۃ العلماء نے انتقال فرمایا اور سلطان العلماء کو یہ خبر ملی کہ زبدۃ العلماء کو بھی دست آگئے ہیں تو بیٹے کی میت چھوڑ کے عیادت کے لئے تشریف لائے۔ یہ واقعہ جناب سلطان العلماء کے حالات میں لکھا جا چکا ہے۔

جناب نجم العلماء نے تحریر فرمایا کہ یہ اکثر اوقات جناب زبدۃ العلماء ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں شکرِ خدا کرتا ہوں کہ تمامی بزرگوار مجھ سے راضی و خوشنود جانب عالمِ بقا تشریف لے گئے۔

جناب زبدۃ العلماء کو حضرت سلطان عالم محمد واجد علی شاہ سے بھی کمال اختصاص تھا۔ وہ حضرت بھی کمال محبت و شفقت فرماتے تھے۔

"مرافعہ شریعہ" کے قیام کے بعد جناب سلطان العلماءؒ نے زکواۃ کا محکمہ جناب زبدۃ العلماء کے سپرد کر دیا تھا اس لئے کہ آپ حساب و ریاضی میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

جناب زبدۃ العلماءؒ کو عمارات کی تعمیر کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ آپ نے ایک امام بارگاہ، مسجد اور کچھ مکانات وغیرہ تعمیر کروائے۔ مکانات تعمیر کروا کے حاجت مند مومنین کو عنایت فرما دیتے تھے۔

زمانہ شاہی میں خوان اور کشتی اور خوان پوش و کشتی پوش و مسند و تکیہ و خلعت و نفیس و نامدان اور دیگر بکثرت مہیا ہوتے تھے جو محتاجین و غربائے مومنین عاریۃً لے جایا کرتے تھے اور کرایہ سے محفوظ رہتے تھے۔ یوں آپ نے ہر طرح سے مومنین کی خدمت کی اور بجا طور پر آپ کا لقب "معین المومنین" ہوا۔

زبدۃ العلماء کے صفات و کمالات:

ا۔ جناب زبدۃ العلماء نے بھی اپنے عظیم المرتبت اسلاف کی طرح اعلائے کلمۃ الحق میں کبھی جھجک محسوس نہیں کی۔ چنانچہ ایک مرتبہ ریاست رامپور (یوپی۔ انڈیا) تشریف لے گئے۔ نواب حکمت علی خاں والی ریاست بڑی عزت و اعزاز کے ساتھ پیش آئے اور آپ کو اپنا مہمان کیا۔ نواب صاحب سخت اور کٹر سنی تھے۔ جب زبدۃ العلماء نواب صاحب کے یہاں اپنی قیام گاہ پر نماز پڑھتے تو اپنے ہی طریقہ سے باقاعدہ اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور نواب صاحب کو باوجود کٹر سنی ہونے کے سنی پڑتی تھی مگر دم مارنے کی گنجائش نہیں تھی۔ (۳۷۶۔الف)

اسم اعظم:

زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ کے مطابق زبدۃ العلماء مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ میں ایسے کمالات بھی پائے جاتے تھے جن کا ایک مجتہد کے علوم سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس حوالہ سے یہ واقعہ ملاحظہ فرمایئے:۔

۱۹۳۹ء کے مشہور اور تاریخی شیعہ ایجی ٹیشن، لکھنؤ میں گرفتار ہونے والوں میں جناب بابو صاحب فائق آل انیرؔ، نجم الملت کے احفاد میں مولوی سید محمد محسن صاحب، جناب سید محمد

(۳۷۶۔الف) مولانا محمد حسن نوگانوی۔ تذکرہ بے بہا۔ ص۔ ۲۳۶

صاحب خلفِ اکبر حضرت علامہ ہندیؒ، ریاست بھنوا مئو کے راجہ اقبال حسین صاحب، نیز مولانا سید محمد مہدی ادیب کے پوتے سید حسن صاحب مصطفیٰ آبادی دوسرے مومنین کے ساتھ میرٹھ کی جیل میں اسیر تھے۔ ۹ رمئی ۱۹۳۹ء کو یہ سب حضرات جیل میں نمازِ مغربین پڑھ کر باہم گفتگو اور علمی مباحث میں مصروف تھے کہ جناب زبدۃ العلماء مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ کا ذکر آ گیا۔ محمد صاحب مرحوم نے ڈاکٹر علی مظفر صاحب مرحوم کی زبانی بیان کیا کہ زبدۃ العلماء نے ایک شخص کے اصرار پر اس کو تخلیہ میں لے جا کے اسمِ اعظم بتا دیا۔ تھوڑے دنوں میں وہ تونگر ہو گیا۔ اس شخص کے احباب صرف یہ بتاتے تھے کہ وہ بادام پر عمل پڑھا کرتا تھا۔ اس نے جب وہ اسمِ اعظم ایک دوسرے شخص کو بتایا تو وہ پاگل ہو گیا۔

شہسواری: جناب زبدۃ العلماء کے زمانہ میں شہسواری اور شمشیر زنی کے فن بہت عام تھے بیشتر لوگ ان فنون میں دلچسپی رکھتے تھے۔ علماء بھی ان فنون میں مہارت رکھتے تھے۔ جناب سلطان العلماء کے ایک فرزند ارجمند جناب خلاصۃ العلماء سید مرتضیٰ صاحب قبلہ شمشیر زنی میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور اس فن میں ان کا شمار اساتذہ میں ہوتا تھا۔ ان کے بعد ان کے دوسرے بھائی بھی اس فن میں ممتاز ہوئے۔ جناب سلطان العلماء خود شہسواری میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ حربی فنون، میں بھی زبردست ماہر تھے۔ جناب زبدۃ العلماء شہسواری میں اتنی مہارت رکھتے تھے کہ ایک بار کی سواری میں سرکش سے سرکش گھوڑے کے کس بل نکال دیتے تھے اور اس کی سرکشی ختم کر دیتے تھے۔

جائے سکونت:

ہم لکھ چکے ہیں کہ جناب زبدۃ العلماء کو تعمیرات کا بہت شوق تھا۔ آپ نے غفراں مآب

" کے امام باڑہ کے قریب ایک امام باڑہ تعمیر کروایا۔ اس امام باڑہ میں سات محرم کی مجلس میں شاہ اودھ بھی تشریف لاتے تھے اور کبھی کبھی مرثیہ بھی پڑھتے تھے۔ اس امام باڑہ کے سامنے ایک بہت خوبصورت مسجد بھی بنوائی جس کے پہلو میں حمام اور حوض تھا اور اسی کی پشت پر ایک بہت عمدہ کتب خانہ تھا جس میں نہایت بیش قیمت اور نادر کتابیں تھیں۔ اس کی پشت پر آپ کا فیل خانہ اور اصطبل تھا۔ امام باڑہ کی پشت پر ایک وسیع و پر فضا باغ تھا۔ اس کے پہلو میں آپ کا مکانِ مسکونہ تھا۔ اس کے بعد دس بارہ مکان ایک دوسرے سے ملے ہوئے بنے تھے جن میں سے ایک میں شاہی زکواۃ کا دفتر تھا۔ "مرافعہ شرعیہ" کے ذکر میں ہم یہ تحریر کر چکے ہیں کہ شاہی خزانہ سے جو زکوۃ کی رقم تقریباً تین لاکھ روپیہ آتی تھی اس کی تقسیم کے لئے جناب سلطان العلماء نے جو شعبہ قائم کیا تھا اس کا سربراہ جناب زبدۃ العلماءؒ کو بنایا تھا اس لئے کہ آپ علمِ حساب و ریاضی میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ اس مکان کے برابر والے مکان میں آپ اجلاس فرماتے تھے۔ باقی مکانات میں آپ کی آل اولاد رہتی تھی۔

منظوم خراجِ تحسین:

کسی شاعر نے جناب زبدۃ العلماء کے مدح میں حسب ذیل اشعار لکھ کر آپ کو خراجِ تحسین پیش کیا تھا۔ اشعار ملاحظہ ہوں:۔

حبذا سید نقی گردوں حشم کیوانِ علم ‏ مولوی و متقی و سید و سلطانِ علم
عارفِ باری تعالیٰ کاشفِ حکمِ خدا ‏ ناصرِ شرعِ نبیؐ و حافظِ قرانِ علم
علم و عقل و دین و شرع شد ز نورِ اجتہاد ‏ گشت چوں بر اہلِ عالم شہرہ و اعلانِ علم

حاسداں گاہے نہ در تحریر لغزش یافتند ناقصاں مانند دائم در پئے نقصانِ علم

علم از ذاتِ معلی یافتہ عزو شرف خلق شد ذاتِ مقدس در جہاں شایانِ علم

زبدۂ کل عالمان و قدوۂ کل فاضلاں مجتہد و پیشوائے مسند آرایانِ علم

ذاتِ والا در جہاں با عظمت و توقیر شاں حجتِ روشن دلیل و قاطع برہانِ علم

مثل رضواں باغ ایماں را نمود آراستہ شد برنگِ گلشنِ خلدِ بریں بستانِ علم

این قدر شد در جہاں رفعت پسند و سر بلند عظمتِ نہ قعرِ گردوں سرنگوں زایوانِ علم

غدر میں تباہی:

جناب نجم العلماء مولانا ہدایت حسین صاحب طاب ثراہ تحریر فرماتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء میں جناب زبدۃ العلماء باغیوں کے خوف سے وطن (جائس، نصیر آباد) تشریف لے گئے تو آپ کا کل اساس البیت اسباب ونوٹ وغیرہ باغیوں نے لوٹ لیا حتیٰ کہ کارندوں کے خطوط سے معلوم ہوا کہ کتب خانہ وفیل خانہ واصطبل وتوشہ خانہ اور دوا خانہ وغیرہ میں کوئی شئے باقی نہیں رہی اور اکثر مکانات منہدم ومسمار کر ڈالے گئے۔ مگر جناب زبدۃ العلماء کا استقلال مزاج اور توکل بخدا ایسا تھا کہ آپ نے کچھ اعتنا بھی نہ فرمائی بلکہ یہی ارشاد کیا کہ جس خدا نے جب دیا تھا پھر وہی دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا کہ انگریزوں کے تسلط کے بعد جب وطن سے تشریف لائے تو کوئی لباس تک بدلنے کو نہ تھا اور وہ جناب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہزار ہا اشخاص سے ملاقات اور معاملات داد وستد

تھے مگر اب جس کی طرف دیکھتا تھا وہ اجنبی معلوم ہوتا تھا سوائے ان کے جو ہزاروں میں چار پانچ شخص وضعدار اور مثل سابق کے دوستدار پائے گئے۔ غرضیکہ وطن سے واپس آئے تو بہت پریشان حال تھے مگر حضرت سلطان عالم نے بتدریج خرچ ارسال فرمانا شروع کیا۔ بعد میں چھ سو روپیہ ماہوار مقرر فرمائے۔ بعد چند ماہ کے سلطان العلماء کے سرفراز نامہ جات صادر ہونے لگے کہ مجھے یہ امید نہ تھی کہ اس ضعیفی میں مجھے تنہا چھوڑ دو گے۔ پس وہ جناب بہ مجبوری کلکتہ سے چلے آئے پس جناب سلطان العلماء ان کو اپنے ہمراہ مہتمم خزانہ کے پاس لے گئے۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ باغی تو نہیں ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں باغی ہوں تو یہ بھی ہوں گے۔ سلطان العلماء کے اس کلمہ نے ایسا اثر کیا کہ پھر بلا وقت آپ کی پنشن ایک سو نوّے روپیہ جاری ہو گئی۔

غرضکہ بہت سے مسائل جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے زبدۃ العلماء کو پیش آئے جن کی وجہ سے محلسرا اور امام باڑہ جو قرض کے بدلے رہن رکھا گیا تھا، نیلام ہو گیا اور آپ قرض سے زیر بار اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

رحلت:

آپ نے ۲؍ رمضان ۱۳۱۱ھ کو چھیتر (۷۶) سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور حسب الوصیت اپنے امام باڑہ میں دفن ہوئے۔ قطعہ تاریخ کو اختصار کے پیش نظر ترک کر کے ہم صرف آخری شعر لکھ رہے ہیں جس کے مصرع ثانی سے مادہ تاریخ حاصل ہوتا ہے۔

گفت کاں بہرِ عامِ فوتِ آں عالی جناب "منکسف شد مہرِ حلم و منہدم رکنِ ہدیٰ"
۱۳۱۱ھ

اولاد:

زبدۃ العلماء کے چار فرزندانِ ارجمند تھے۔

۱۔ اولادِ ذکور میں سب سے بڑے جناب مولوی سید گدا حسین صاحب تھے۔ بڑے مقدس بزرگ تھے۔ عالمانہ انداز میں خاموش زندگی گزاری۔

۲۔ دوسرے فرزند جناب مولوی سید ہدایت حسین صاحب، مصنفِ "شجرۂ طیبہ" تھے آپ اکثر اپنے والدِ علام کے ہمرکاب رہتے تھے۔ اسی وجہ سے کئی مرتبہ کلکتہ (کولکتہ) جانا ہوا۔ ماہِ جمادی الاول ۱۲۹۲ھ میں جانا ہوا تو سلطان عالم واجد علی شاہ نے "نجم العلماء" کا خطاب مہرِ خطابی کے ساتھ عطا فرمایا۔ چونکہ سلطانِ عالم کا تخلص "اختر" تھا لہٰذا اس مناسبت سے اسی وقت فرمایا "نجم العلماء اس اختر کو دعائے خیر سے فراموش نہ کرنا"۔ آپ اپنی ذاتی قابلیت کی بناء پر اپنے والدِ علام کے جانشین ہوئے۔ ورثۃ الانبیاء میں ہے کہ آپ اکابر علمائے عصر سے تھے۔

۳۔ تیسرے صاحبزادے جناب زبدۃ العلماء کے جناب سید احمد علی صاحب تھے۔ مولانا آغا مہدی صاحب کے مطابق پیدائشی طور پر دماغی امراض اور ثقلِ لسان میں مبتلا تھے۔

۴۔ چوتھے فرزند جناب سید حسین صاحب ہمنام سید العلماء تھے۔ اس لئے پکارنے کے واسطے سید علی حسین لقب قرار دیا گیا۔ یہ فرزند تحصیلِ علم میں مصروف اور صلاح و زہد و تقدس سے موصوف تھے۔ ریاست حسن پور ضلع سلطان پور میں پیش نماز تھے۔ مگر فالج کے عارضہ میں مبتلا ہو کر انتقال فرمایا۔

علمائے متوسطین ومتاخرین

یہ کتاب لکھنے کا بنیادی مقصد تو یہی تھا کہ حضرت غفرانمآبؒ، ان کے فرزندانِ ارجمند اور شاگردانِ رشید کا تذکرہ لکھا جائے۔ بحمد اللہ مولائے علمؑ کی عنایت بے پایاں سے مجھ بے علم و ہنر نے برا بھلا جیسا بھی ہو، بہر حال یہ فرض انجام دیا جس کے لئے ربِ کریم اور اس کے بندگانِ خاص مدینۃ العلمؐ اور بابِ مدینۃ العلمؑ کا شکر و شکریہ ادا کرنے کی مجھ جاہلِ محض میں صلاحیت و طاقت کہاں۔ بہر حال جس طرح بھی ممکن ہو، کم از کم اپنی بساط بھر شکر ادا کرنا تو واجب و لازم ہے۔ لہٰذا لاکھ لاکھ شکر ہے اس ربِ رحیم وکریم کا جس نے مولائےؑ علم کے صدقہ میں مجھ بے علم و ہنر کو اس کام کی توفیق عطا فرمائی اور صد ہزار بار شکر ہے جمیع خداوندانِ کائناتِ علم کا جنہوں نے مجھ ایسے جہلِ مجسم کو اس موضوع پر قلم فرسائی کی سعادت بخشی۔ ربِ کریم اور مولایانِ علم قبول فرمائیں۔

آنہا چہ عجب گر بنوازند گدارا۔ (اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ)

اس کتاب کے مقرر کردہ مقصد کے علاوہ یہ خیال بھی تھا کہ آخر میں جناب غفرانمآبؒ طاب ثراہ کی نسل میں بعد میں آنے والے علمائے متوسطین ومتاخرین میں سے کم از کم چند انتہائی اہم اور جلیل القدر علماء کا تذکرہ بھی شامل کر دیا جائے جن میں سے بعض کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ بحر العلوم جناب مولانا سید محمد حسین صاحب عرف مولوی علّن صاحب قبلہ طاب ثراہ۔

۲۔ فقیہِ اہلبیت عماد العلماء جناب سید مصطفٰی عرف میر آغا صاحب طاب ثراہ۔

۳۔ ملاذ العلماء مولانا سید ابوالحسن صاحب قبلہ طاب ثراہ۔

۴۔ ممتاز العلماء مولانا سید ابوالحسن صاحب قبلہ طاب ثراہ۔

۵۔ حضرت علامہ ہندی مولانا سید احمد صاحب قبلہ طاب ثراہ۔

۶۔ اعلم العلماء مولانا سید سبطِ حسین صاحب قبلہ طاب ثراہ۔

۷۔ قدوۃ العلماء مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ طاب ثراہ۔

۸۔ سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ۔

۹۔ عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب عرف مولوی کبّن صاحب قبلہ طاب ثراہ۔

۱۰۔ عماد العلماء علامہ سید محمد رضی صاحب قبلہ طاب ثراہ مجتہدِ اعظم پاکستان اور

۱۱۔ زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ طاب ثراہ

۱۲۔ جناب مولانا سید ابنِ حسن رضوی کربلائی طاب ثراہ وغیرہم

اس کے علاوہ عہدِ موجود کے علماء و مجتہدین کے حالات بھی شامل کرنے کا ارادہ تھا جو حسبِ ذیل ہیں:۔

۱۔ نخبۃ العلماء جناب مولانا سید کاظم صاحب قبلہ مدِ ظلہ العالی (لکھنؤ/علیگڑھ) فقیہہ و مجتہد

۲۔ باقر العلوم صدر العلماء جناب مولانا سید باقر نقوی صاحب قبلہ مدِ ظلہ العالی۔ فقیہہ و مجتہد (دبئی)

۳۔ مفکرِ اسلام جناب مولانا ڈاکٹر سید کلب صادق صاحب قبلہ (لکھنؤ)

۴۔ عماد العلماء مولانا ڈاکٹر سید علی محمد صاحب قبلہ مد ظلہ العالی (علیگڑھ یونیورسٹی)

۵۔ قائدِ ملتِ جعفریہ حضرت علامہ سید کلب جواد صاحب قبلہ مد ظلہ العالی (لکھنؤ)

۶۔ احسن العلماء جناب مولانا سید حسن ظفر نقوی صاحب قبلہ (کراچی) وغیرہ۔

مگر افسوس کہ ہمارے یہ ارادے پورے نہ ہو سکے جس کے وجوہ ہیں۔

پہلی وجہ تو یہ کہ چونکہ اس سال ۱۹ رجب ۱۴۳۵ھ کو حضرت غفرانمآبؒ طاب ثراہ کی رحلت کو پورے دو سو برس ہوئے۔ اس سال کی اس اہمیت کے پیشِ نظر ہی ہم نے اس کتاب کی تالیف کا عزم کیا اور یہ خواہش ہے کہ یہ کتاب انشاء اللہ اسی سال ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ کے زیادہ سے زیادہ دوسرے ہفتہ میں شائع ہو جائے اور جناب غفرانمآبؒ کی ذاتِ اقدس کے بارے میں ایک سیمینار یا مذاکرہ منعقد کیا جائے۔ مگر صورتِ حال یہ ہے کہ انتہائی کوشش کے باوجود آج ۱۸ ذی الحجہ عیدِ غدیر کے دن تک کتاب مکمل نہیں ہو سکی۔ یہ تحریر ابھی جاری ہے۔ ذی الحجہ کے اختتام میں صرف گیارہ یا بارہ دن باقی ہیں۔ کتاب کی کچھ کتابت (کمپوزنگ) ہو گئی ہے، کچھ باقی ہے پھر اتنی بڑی کتاب کی پروف ریڈنگ جو ایک مرتبہ میں کافی نہیں ہوتی اور بار بار کرنا پڑتی ہے۔ پھر اغلاطِ کتابت کی تصحیح۔ اس کے بعد طباعت اور جلد بندی وغیرہ۔ اس کے لئے گیارہ بارہ دن بالکل ناکافی ہیں سوائے اس کے کہ مولاؑ اس مہم کو سر کرنے میں بھی مدد فرمائیں، انشاء اللہ المستعان۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ کتاب کی ضخامت کو اس حد میں رکھنا چاہتے ہیں کہ دیکھنے والے ضخامت دیکھ کے دور ہی سے چوم کے نہ چھوڑ دیں اور ہاتھ میں لینے کی بھی ہمت نہ کریں۔ ایسا ہو تو کتاب لکھنے کا مقصد ہی فوت ہو جائے۔ اس کے باوجود کتاب پانچ سو صفحات سے تجاوز کر رہی ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ عصرِ حاضر کے علمائے کرام جن کے اسمائے گرامی اوپر درج کئے جا چکے ہیں ان کے بارے میں معلومات کے حصول میں کوشش کے باوجود کامیابی نہیں ہوئی۔ انڈیا میں موجود علمائے کرام کے کوائف کے لئے بار بار گزارشات کے باوجود کچھ حاصل نہ ہوا۔ خیال تھا کہ ابھی موجود علماء و فقہائے کرام کے حالات شامل کئے جائیں یا پھر اس خیال کو ترک کر دیا جائے۔

خوش قسمتی سے عہدِ موجود کی ایک جلیل القدر شخصیت حضرت صدر العلماء مولانا سید باقر نقوی صاحب قبلہ دامِ مجدہٗ نے کوئی سال دو برس پہلے میری گزارش پر اپنی ناسازی مزاج کے باوجود چند سطروں میں اپنے کچھ انتہائی مختصر کوائف تحریر فرما دیئے تھے۔ ان کا تذکرہ یہاں شامل کرنا، وہ حد درجہ مختصر ہی سہی، ہمارے لئے باعثِ شرف ہے۔

جناب محترم علامہ ڈاکٹر علی محمد صاحب قبلہ کے بھی کچھ کوائف تلاش کرنے سے حاصل ہو گئے۔ حضرت علامہ حسن ظفر نقوی صاحب نے بھی مجھ حقیر فقیر کی گزارش قبول فرما کے مختصر سے کوائف عنایت فرما دیئے جس کے لئے ہم ان کے ممنون ہیں۔

حضرت نخبۃ العلماء، مولانا سید کاظم صاحب قبلہ مدظلہٗ حضرت علامہ ڈاکٹر سید کلب صادق صاحب قبلہ مدظلہٗ اور حضرت علامہ سید کلب جواد صاحب قبلہ مدظلہٗ کے کوائف دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے اس کتاب کی زینت نہیں بن سکے جس کا ہمیں بے حد قلق ہے مگر اس میں ہمارا کوئی بس نہیں۔

ان معروضات کے ساتھ ہم آپ سے اب رخصت چاہتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے صدقے میں آپ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

گدائے درِ مولائے علم

ساحر لکھنوی

عہدِ موجود کے علماء

ا۔ باقر العلوم صدر العلماء حضرت علامہ سید باقر نقوی صاحب قبلہ مجتہد و فقیہ دام مجدہٗ و مد ظلہ العالی:

نسلِ حضرت غفرانمآبؒ میں باقر العلوم صدر العلماء حضرت علامہ سید باقر نقوی صاحب قبلہ دامِ مجدہٗ مد ظلہ العالی ایسے جلیل القدر عالمِ دین ہیں جن پر صرف ہم جیسے جہلاء ہی نہیں بلکہ خود جناب غفرانمآبؒ اور ان کی نسل کے دوسرے علماء و فقہاء و مجتہدین بھی فخر کرتے ہوں گے۔

آپ کے کوائف حسبِ ذیل ہیں:۔

اسم اقدس : سید باقر نقوی دام مجدہٗ

سلسلہ نسب : جناب سید باقر نقوی ابنِ ممتاز العلماء مولانا سید ابوالحسن صاحب طاب ثراہ ابنِ شمس العلماء سید محمد ابراہیم صاحب طاب ثراہ ابنِ جنت مآب سید محمد تقی صاحب طاب ثراہ ابنِ سید العلماء سید حسین صاحب علیین مکان، ابنِ حضرت غفرانمآب علیہ الرحمۃ۔

تاریخ ولادت : ۱۳۵۳ھ

مقامِ ولادت : لکھنؤ

بچپن کے حالات : آپ کی ولادت کے دو سال بعد آپ کے والدِ بزرگوار حضرت ممتاز العلماء مولانا سید ابوالحسن صاحب قبلہ کا انتقال ہو گیا۔

والدِ گرامی قدر کی رحلت کے چھ ماہ بعد والدۂ گرامی نے بھی رحلت فرمائی۔ والدین کی رحلت کے بعد آپ کے ماموں جناب سید محمد صادق صاحب اور آپ کی خالہ صاحبہ جو آپ سے خصوصیت سے بہت محبت فرماتی تھیں، آپ کو اپنے ساتھ اپنے وطن پرشدیپور، ضلع رائے بریلی لے گئیں اور سات سال کی عمر تک آپ کی پرورش کی۔

آغاز تعلیم:

جب آپ کی عمر تقریباً سات سال کی ہوئی تو آپ کے برادر معظم سرکار سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ نے آپ کے ماموں جناب سید محمد صادق صاحب کو خط لکھا کہ اب باقر سلمہٗ کی عمر تعلیم و تربیت کی خواہاں ہے اور وہ دیہات کے ماحول میں ممکن نہیں۔ اس لئے اب باقر سلمہٗ کو لکھنؤ بھیج دیجئے تا کہ بسم اللہ کی رسم ادا کی جائے۔ اس تحریر کے بعد آپ کے محترم ماموں صادق صاحب نے آپ کو سید العلماء طاب ثراہ کے سپرد کر دیا۔

تعلیم و تربیت کا آغاز آپ کے اخی علام حضرت سید العلماء کے ہاتھوں انجام پایا۔ اُس وقت تعلیم کا آغاز ''بغدادی قاعدہ'' سے ہوتا تھا۔ اس کے بعد قرآن مجید کی تلاوت، پھر آمد نامہ اور گلزار دبستان کا آغاز اور اس کے بعد میزان و منشعب یعنی ادب عربی۔ اس کے بعد سرکار سید العلماء نے مدرسۂ ناظمیہ، لکھنؤ میں داخلہ کرا دیا۔ میزان و منشعب و پنج گنج و نحوِ میر سے لے کر ''رسائل'' و ''شرح کبیر'' تک مدرسہ ناظمیہ لکھنؤ میں فقہ و اصول و منطق و فلسفہ و علم کلام کی اعلیٰ تعلیم مکمل کر کے مدرسہ ناظمیہ سے اعلیٰ سند ''ممتاز الافاضل'' حاصل کی۔

اعلیٰ ترین تعلیم کے حصول کے لئے عراق کو روانگی:۔

۱۹۶۰ء میں فقہ و اصول کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے نجفِ اشرف روانہ ہوئے۔ وہاں اساتذہ معظم سے تعلیم کی تکمیل کے بعد دروس خارج کا آغاز ہوا آیۃ اللہ حکیم طاب ثراہ اور آیۃ اللہ خوئی علیہ الرحمۃ کے دروسِ خارج میں شرکت کی اور پھر ۱۹۷۵ء میں اجازاتِ اجتہاد حاصل کر کے ہندوستان (لکھنؤ) مراجعت فرمائی۔

اجازات اجتہاد عطا کرنے والے عظیم المرتبت علمائے کرام:۔

آپ کو نجفِ اشرف کے جن عظیم المرتبت علمائے کرام نے اجازاتِ اجتہاد عطا فرمائے، ان کے اسمائے اقدس حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ آیۃ اللہ شیخ حسین حلّی طاب ثراہ

۲۔ آیۃ اللہ شیخ مجتبیٰ لنکرانی طاب ثراہ

۳۔ آیۃ اللہ شیخ صدرائے بادکوبی طاب ثراہ

اجازۂ روایت:

آیۃ اللہ سید عبدالعلی سبزواری طاب ثراہ نے اجازۂ روایت عنایت فرمایا۔ ۱۹۷۵ء میں عراق سے مراجعت کے بعد دو سال ہندوستان (لکھنؤ) میں قیام رہا۔

دبئی آمد:

دو سال لکھنؤ میں قیام کے بعد آقائی سید مہدی حکیم طاب ثراہ کے منشاء کے تحت دبئی (Dubai) تشریف لے گئے اور تا حال وہیں قیام ہے۔

مرجعیت:

ہمارے نزدیک جناب علامہ سید باقر نقوی صاحب قبلہ دام مجدہٗ مدّ ظلہٗ العالی مرجعیت کے منصب عالی پر فائز ہیں اگر چہ آپ اس کا دعویٰ نہیں کرتے۔ ہمارے خیال کا سبب یہ ہے کہ چند حضرات آقائی خوئی طاب ثراہ کی حیات میں دبئی سے کچھ دینی مسائل معلوم کرنے کے لئے ان کے پاس گئے تو آقائی خوئیؒ نے فرمایا کہ جب جناب سید باقر صاحب وہاں موجود ہیں تو آپ لوگوں کو اتنا سفر کر کے میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آقائی خوئی کا یہ ارشاد سرکار سید باقر نقوی صاحب قبلہ کی مرجعیت پر دلیل ہے۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں یہ بات طے شدہ ہے کہ تقلید صرف مراجع عظام کی ہو سکتی ہے۔ دوسروں کی نہیں۔ اب جبکہ ایک مرجع معظم آقائی

خوئی خود فرما رہے ہیں کہ جناب باقر نقوی کے ہوتے ہوئے میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں تو گویا وہ خود آپ کی مرجعیت کی توثیق فرما رہے ہیں۔ مگر جب ہم نے آپ سے اس امر کی تصدیق چاہی تو آپ نے یہ جواب عنایت فرمایا "یہ بات (آقائی خوئی کا ارشاد) میرے لئے بھی خبر سماعی ہے۔ اس لئے میں نہ اس کی تصدیق کر سکتا ہوں نہ تکذیب۔

علمی خدمات:

تصنیف و تالیف سے زائد آپ کی نظر میں درس و تدریس کو اہمیت حاصل تھی۔ اس لئے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ دینے کے بجائے درس و تدریس میں مشغول ہوئے جو سلسلہ خدا کے فضل اور مولائے علمؑ کی عنایت سے اب بھی جاری ہے اور انشاء اللہ تا دیر جاری رہے گا۔

تلامذہ:

لکھنؤ سے دبئی تک ۱۹۷۵ء سے آج تک تقریباً چالیس سال کی درس و تدریس میں سینکڑوں تلامذہ اس بحرِ علم سے سیراب ہوئے ہوں گے اور ابھی انشاء اللہ ہوتے رہیں گے۔ مگر ہماری گزارش پر کہ اپنے تلامذہ کے اسمائے گرامی سے مطلع فرمایئے آپ نے ازراہِ کسر نفسی و انکسار نام بتانے سے اعراض فرمایا اور ارشاد کیا کہ بعض تلامذہ اسے پسند کرتے ہیں اور بعض پسند نہیں کرتے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ایسی عظیم المرتبت شخصیت سے حصولِ علم پر فخر کرنا چاہئے اور فخر سے بیان بھی کرنا چاہئے۔

یہ مختصر سے کوائف جناب صدر العلماء کے مکتوب گرامی بنام حقیر فقیر ساحر لکھنوی سے اخذ کر کے ہدیۂ قارئین ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ پروردگارِ عالم مولائے علمؑ کے صدقہ میں حضرت صدر العلماء مولانا سید باقر نقوی صاحب قبلہ دام مجدہٗ و مدظلہ العالی کو صحت و سلامتی کے ساتھ عمر خضر عطا فرمائے اور ان کا دریائے فیض جاری و ساری رہے۔ آمین ثم آمین بحق معصومینؑ۔



حضرت عماد العلماء پروفیسر ڈاکٹر علامہ سید علی محمد صاحب قبلہ دام مجدہٗ
خلف الرشید آیۃ اللہ العظمیٰ حضرت علامہ سید علی نقی النقوی صاحب قبلہ طاب ثراہ



حضرت عماد العلماء پروفیسر ڈاکٹر علامہ سید علی محمد صاحب قبلہ دام مجدہٗ
خلف الرشید آیۃ اللہ العظمیٰ حضرت علامہ سید علی نقی النقوی صاحب قبلہ طاب ثراہ

عماد العلماء علامہ ڈاکٹر سید علی محمد نقوی صاحب قبلہ دام مجدہ و مدظلہ العالی:

یہ تذکرہ ہے اس بے مثال علمی و ادبی شخصیت کا جو نسلِ حضرت غفرانمآب ؒ کے لئے بھی اور خود اپنے پدر بزرگوار حضرت سید العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ کے لئے بھی باعثِ فخر ہے۔

آپ کے کوائف جہاں تک دستیاب ہو سکے حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ اسمِ گرامی : سید علی محمد نقوی

۲۔ سلسلۂ نسب : سید علی محمد ابن سید العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ ابن ممتاز العلماء مولانا سید ابوالحسن صاحب طاب ثراہ ابنِ شمس العلماء مولانا سید محمد ابراہیم صاحب طاب ثراہ ابنِ جنت مآب مولانا سید محمد تقی صاحب طاب ثراہ ابن سید العلماء (اول) سید حسین صاحب علیین مکان ابنِ حضرت غفرانمآب علیہ الرحمۃ۔

۳۔ تاریخ ولادت : یکم جنوری ۱۹۵۳ء (۳۷۷)

تعلیم و تعلیمی اسناد:

جناب عماد العلماء علامہ ڈاکٹر سید علی محمد صاحب قبلہ برصغیر پاک و ہند میں اپنے وقت کے عظیم المرتبت اور جلیل القدر مجتہد و فقیہہ سرکار سید العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ علامہ سید علی نقی النقوی صاحب قبلہ طاب ثراہ کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ نے اپنی تعلیم کی بسم اللہ اپنے نامور پدر بزرگوار ہی کے ہاتھوں کی اور پھر اپنے حصول علم کے ذوق و شوق اور محنت کے ذریعہ مختلف علوم کے اعلیٰ ترین مدارج پر فائز ہو کر ثابت کر دیا کہ ع: بیٹا وہ ہے قدم بہ قدم ہو جو باپ کے (میر انیسؔ)

---

(۳۷۷) محترمہ بنت زہرا النقوی ندتی الہندی۔ شعاع عمل۔ دسمبر ۲۰۰۶ء۔ ص۔ ۴۲۔

آپ کے تعلیمی اسناد ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ بی۔ٹی۔ایچ (دینیات) فرسٹ کلاس فرسٹ (اول پوزیشن) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ ۱۹۷۱ء

۲۔ ایم۔اے (انگریزی)۔علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ۱۹۷۱ء

۳۔ ایم۔ٹی۔ایچ۔اول پوزیشن۔علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ ۱۹۷۳ء

۴۔ پی۔ایچ۔ڈی۔تہران یونیورسٹی۔ایران

''پدر بزرگوار کی وصیت اور عنفوان شباب میں آپ کی علمی کاوشوں کو خراج تحسین''

جناب علامہ علی محمد نقوی صاحب قبلہ کے والد علام حضرت سید العلماءؒ نے اپنے وصیت نامہ میں آپ کے لئے یہ تحریر فرمایا تھا:۔

''میری وصیت خاص نورِ چشم مذکور کے لئے یہ ہے کہ وہ قلمی خدمت میں کمی نہ کریں اور تحریر کا کام ضرور انجام دیں اور اس میں کبھی احساسِ کمتری میں مبتلا نہ ہوں کہ جیسا ہم چاہتے ہیں ویسا نہیں لکھ سکتے تو پھر لکھیں ہی کیوں''۔ ہرگز نہیں، بلکہ جیسا اپنے سے ممکن ہو ویسا ہی لکھنا چاہیے۔ بہت ممکن ہے کہ لکھتے لکھتے قلم سے کوئی ایسی چیز نکل جائے جو آخرت کی فلاح کا سبب ہو۔'' (مرقومہ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۸۵ھ۔ مطابق ۲۱ رجولائی ۱۹۶۵ء) (۳۷۷۔الف)

اس وصیت کے ساتھ ہی سید العلماء تحریر فرماتے ہیں:۔''میری انتہائی طمانیت کا باعث ہے یہ امر کہ انہوں نے اس پر عمل ابھی سے شروع کر دیا ہے۔ وہ اخبارات میں مضامین لکھنے لگے ہیں اور ایسے کہ بڑے بڑے انہیں مورد توجہ قرار دے رہے ہیں'' (۳۷۸)

(۳۷۷۔الف) محترمہ بنت زہرا النقوی ندنی الہندی۔شعاع عمل۔نومبر ۲۰۰۶ء۔ص۔۳۶

(۳۷۸) محترمہ بنت زہرا النقوی ندنی الہندی۔شعاع عمل۔نومبر ۲۰۰۶ء ص۔ ۳۶تا۳۸

یہ بڑے بڑے جن کی طرف سرکار سید العلماء نے اشارہ فرمایا، ان میں سب سے پہلا نام نامی و اسمِ گرامی جناب علامہ سید مجتبیٰ حسین کاموں پوری کا ہے جنہوں نے آپ کے مختلف مضامین وغیرہ کے بارے میں الگ الگ مگر اختصار کے ساتھ اپنی وقیع رائے کا اظہار فرمایا ہے اور آپ کی قدر افزائی فرمائی۔

دوسرا اسمِ اقدس آپ کے عمِ محترم حضرت نخبۃ العلماء آیۃ اللہ سید کاظم صاحب قبلہ کا ہے۔ آپ نے اپنے برادرِ بزرگ سرکار سید العلماء کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:۔

''نورِ نظر علی محمد سلمہٗ نے جس سِن و سال میں مضمون نگاری شروع کی ہے وہ لائق صد ہزار ستائش ہے۔'' اس کے بعد تحریر فرمایا کہ میری رقم میں سے پچاس روپیہ نورِ چشم کو میری طرف سے بطورِ انعام مرحمت فرما دیجئے۔''

اس کے بعد ایک خط خود جناب علی محمد صاحب قبلہ کے نام تحریر فرمایا جس میں ''جیو اور بہت سا جیو'' کی دعا کے بعد آپ کے ایک مضمون بعنوانِ ''فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی مثالی زندگی'' کی بہت تعریف فرمائی۔

دوسرے حضرات، جنہوں نے کم عمری میں آپ کے مضامین کی تعریف و توصیف کی ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

۱۔ الحاج نواب سید محمد عباس صاحب طالبؔ صفوی، شمس آباد، ضلع فرخ آباد۔
۲۔ جناب مولانا رضی الدین حیدر صاحب بانی یادگار حسینی کالج، الٰہ آباد۔
۳۔ مجاہدِ ملت جناب سید ابن حسین نقوی۔ سکریٹری، امامیہ مشن لکھنؤ
۴۔ ضیغمِ ہند جناب حیدر مہدی رضوی بجلوری
۵۔ جناب سردار مہدی، ضبوی زید پوری۔ کراچی

علمی خدمات:

جناب علامہ ڈاکٹر سید علی محمد صاحب قبلہ کی علمی خدمات مختصراً حسبِ ذیل ہیں:۔

۱۔ انگریزی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر۔ تیس (۳۰) جلدوں میں۔ زیرِ تصنیف

۲۔ متعدد کتب جو تہران یونیورسٹی (ایران) کے تعلیمی نصاب میں شامل ہیں۔

۳۔ انگریزی، فارسی، عربی اور دوسری زبانوں میں آپ کے سولہ (۱۶) مطبوعات ہیں۔

۴۔ سو (۱۰۰) سے زائد مقالے اور مضامین جو موقر جرائد و اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔

۵۔ انٹرنیٹ پر بھی آپ کی تحریروں کے متعدد اقتباسات موجود ہیں۔

۶۔ آپ کا ایک اہم اعزاز یہ ہے کہ آپ کی کتابوں کے ترجمے انگریزی کے علاوہ عربی، جرمن، فرانسیسی اور گرد زبانوں میں بھی کیے گئے۔

۷۔ آپ کی متعدد تصانیف کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اور متعدد انگریزی اور فارسی تصانیف اشاعت کی منتظر ہیں۔

۸۔ علامہ نقوی کی انگریزی میں تفسیرِ قرآنِ مجید کی پہلی جلد میں مفکرِ اسلام جناب مولانا ڈاکٹر سید کلب صادق صاحب قبلہ مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

(انگریزی زبان میں تحریر کردہ مضمون کا ترجمہ) مولانا سید علی محمد نقوی ایک روشن فکر اور مشہورِ زمانہ باپ کے بیٹے ہیں۔ وہ مدینۃ العلوم ایجوکیشنل سوسائٹی، علی گڑھ کے سکریٹری جنرل ہیں اور برِ صغیر (ہند) کے بڑے ممتاز عالمِ دین ہیں۔ اسلامی فلسفۂ حیات کا بہت گہرا ادراک رکھنے کے علاوہ، وہ نہ صرف دوسرے مذاہب بلکہ تازہ ترین صوفی تصورات سے بھی پوری طرح واقف ہیں۔ اردو تو اُن کی مادری زبان ہے، اس کے علاوہ وہ عربی کے بڑے فاضل ہیں اور فارسی

زبان میں تو بہت سے ایرانیوں سے شاید وہ بہتر ہیں۔ اس سب کے ساتھ، وہ انگریزی زبان کا ایسا وسیع علم رکھتے ہیں کہ وہ اس زبان میں جو پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے، کئی کتابوں کی تصنیف و تالیف کر چکے ہیں۔ ان (کتابوں) میں ایک انتہائی نمایاں ہے A manual of Islamic Beliefs and Practice (اسلامی عقائد و اعمال کی دستی کتاب)۔

مولانا کی تحریر کردہ کچھ کتابیں تہران یونیورسٹی کے تعلیمی نصاب میں داخل ہیں۔ قومیت کے موضوع پر اصلاً فارسی میں لکھی گئی ان کی ایک کتاب انگریزی زبان میں بھی "Islam and Nationalism" (اسلام اور قومیت) کے عنوان سے شائع کی گئی اور بعد میں یہی دوسری بین الاقوامی زبانوں میں ترجمہ کی گئی۔

قران مجید کا ان کا انگریزی ترجمہ اپنی کلاسک (طرحدار) تفسیر اور دوسری خوبیوں کے سبب، نہ صرف شیعی حلقہ بلکہ پوری اسلامی دنیا میں بے مثل ہے۔ (۳۷۹)

<u>سیمنار اور کانفرنسیں:</u>

سیمنار اور کانفرنسوں کا انعقاد اور بین الاقوامی سطح پر ان میں شرکت اور مباحث وغیرہ میں عملی حصہ:۔

علامہ ڈاکٹر علی محمد نقوی صاحب قبلہ نے خود بھی اہم موضوعات پر سیمنار اور کانفرنسیں منعقد کیں اور امریکہ، برطانیہ، جاپان، کوریا، ہانگ کانگ اور دیگر ممالک میں نہ صرف مذاکروں اور کانفرنسوں میں شرکت کی بلکہ بین الاقوامی شہرت کے دانشوروں اور اہلِ علم کے ساتھ مباحث میں عملی حصہ بھی لیا اور اپنے علم و دانشوری کا سکہ جما دیا۔ چند مذاکروں کی فہرست درج ذیل ہے۔

☆ علی گڑھ میں 'اسلام اور امن' پر دو روزہ سیمنار کا اہتمام کیا۔ ۱۹۹۷ء

---

(۳۷۹) محترمہ بنت زہرا نقوی نمدنی الہندی۔ شعاع عمل۔ شمارہ نومبر ۲۰۰۶ء

☆ علی گڑھ میں، 'اسلام اور حقوق انسانی' پر سیمنار کا اہتمام کیا (شراکت آذری دخت صفوی) ۲۰۰۴ء

☆ مدینۃ العلوم علی گڑھ میں متعدد سیمنار اور ورک شاپ (کارگاہ) کا اہتمام کیا۔

☆ کنکٹی کٹ اور نیو جرسی، امریکہ میں ایک سلسلہ تقاریر بعنوان 'اسلام کے بارے میں عام غلط فہمیاں' ۱۵ سے ۲۰ فروری ۲۰۰۱ء۔

☆ مدرسہ نصاب کی اصلاح پر کانفرنس، حیدر آباد مارچ ۲۰۰۲ء۔

☆ 'مسلم دنیا کو تازہ چیلنج' پر کانفرنس۔ منعقدہ ۲۲ر دسمبر ۲۰۰۳ء بمقام تہران۔ میں شرکت۔

☆ بین الادیان نشست، واشنگٹن، سنٹر آف انٹر فیتھ ڈائیلاگ، ۲۵ر جولائی ۲۰۰۴ء۔

☆ عیسائی مسلم ڈائیلاگ (مکالمہ)، ساؤتھ کیرولینا، امریکہ میں پیش کش۔ ۴ر اگست ۲۰۰۴ء۔

☆ بین الادیان گول میز مباحثہ، تھینکس گوِنگ اسکوائر، ڈلاس۔ ۷ر اگست ۲۰۰۴ء

☆ لوئی وِلے یونیورسٹی، امریکہ میں منعقدہ ''بین الادیان مکالمہ کے اصول'' کے موضوع پر ورک شاپ (کارگاہ) میں پروفیسر سوڈلر اور پروفیسر پال نیٹر کے ہمراہ شرکت۔ ۱۱ر مئی ۲۰۰۵ء۔

☆ نوٹرے ڈم، ساؤتھ بنڈ، انڈیانا میں لیکچر بعنوان 'اسلام میں امن سازی' ۱۳ر مئی ۲۰۰۵۔

☆ اسلامی ثقافتی مرکز (خانۂ فرہنگ اسلامی) لوئی ولے میں 'مسلم صورتِ حال اور ہمارے چیلنج' کی پیش کش ۱۵ر مئی ۲۰۰۵ء۔

☆ اے آف تھیمین، انٹرنیشنل تھامس مرٹن سینٹر میں پیش کش بعنوان 'اسلام اور عیسائیت کے درمیان افہام و تفہیم اور تاریخی بوجھ' ۱۷ر مئی ۲۰۰۵ء۔

☆ اوانس ولے انڈیانا میں وہاں کی مسلم جماعت کے زیرِ اہتمام 'بین الادیان نشست' ۱۸ر مئی ۲۰۰۵ء۔

☆ لوئی ولے پرسبٹرین تھیالوجیکل سیمنری میں بین المذاہبی گول میز بات چیت۔ ۱۹ر مئی ۲۰۰۵ء۔

☆ سینٹر آف اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ میں پیش کش 'کیا کرنا چاہیے' ۲۰ر مئی ۲۰۰۵ء۔

☆ پک ہال، شکاگو یونیورسٹی میں یو۔ایس۔اے (امریکہ) میں اسلامی علم و تعلیم' کے موضوع پر گول میز مباحثہ۔ ۲۱ر مئی ۲۰۰۵ء۔

☆ مسلم کمیونٹی سینٹر، شکاگو میں مسلم جماعت سے ملاقات، 'آج کے مسلمانوں کے مسائل' پر مباحثہ ۲۲ر مئی ۲۰۰۵ء۔

☆ عمر ابن خطاب فاؤنڈیشن، لاس اینجلس میں سیمنار۔ پروفیسر فصیح عثمان کے ہمراہ شرکت۔ ۲۴ر مئی ۲۰۰۵۔

☆ ریگاس سینٹر میں 'بین الادیان ملاقات' ریورڈ ریگاس اور ڈاکٹر نذیر خواجہ کے ساتھ۔ پیساڈینا، کیلیفورنیا، ۲۵ر مئی ۲۰۰۵ء۔

☆ سینٹا اینا کے ٹیمپل بیتھ شالوم میں یہودی وعیسائی مذہبی علماء کے ہمراہ بین الادیان ملاقات، ۲۶ مئی ۲۰۰۵ء۔

☆ انٹر فیتھ کاؤنسل آف لاس ویگاس اور اسلامک کونسل آف نواڈا کے زیر اہتمام بین الادیان ملاقات، ۲۷ مئی ۲۰۰۵ء۔

☆ پیش کش 'اسلام میں امن سازی کی دینیات۔ فلز سیمنر ی، ۲ جون ۲۰۰۵ء۔

☆ مقالہ بعنوان 'معیار پسندی (اسوہ پسندی) مادیت، حقیقت پسندی، جوہر اسلام کا تجزیہ کرتے ہوئے، پیش کیا، العین، متحدہ عرب امارات۔

☆ ہندوستان میں مسلم تعلیم، پر کانفرنس، رائے چک میں شرکت۔

☆ پیش کش بعنوان 'مسلمانوں کے مذہبی تصور کی تجدید کاری کا ایک خاکہ، آئی۔ آر۔ ای۔ ڈی انسٹی ٹیوٹ، لاہور، تین روزہ کانفرنس۔ ۳ تا ۷ جولائی ۲۰۰۶ء۔

دینی وسماجی خدمات:۔

مدینۃ العلوم، علی گڑھ میں تدریس اور انتظام کی دیکھ بھال۔

☆ بانی جنرل سکریٹری، مدینۃ العلوم، سیکنڑ ی، (تا ایں دم)

☆ ڈائریکٹر انٹر فیتھ سنٹر آف ریسرچ اینڈ پبلیکیشن (ناظم، بین الادیان مرکز برائے تحقیق واشاعت)

☆ صدر، امامیہ مشن، ہند

☆ بانی ممبر، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

☆ ممبر انتظامیہ عاملہ، آل انڈیا ملی کونسل۔

☆ پروفیسر مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ (۳۸۰)

---

(۳۸۰) محترمہ بنت زہرا نقوی مدنی الہندی۔ مضمون "شعاع عمل" شمارہ دسمبر ۲۰۰۶ء۔ ص۔ ۳۲ تا ۳۴



خطیبِ انقلاب، احسن العلماء
علامہ سید حسن ظفرؔ نقوی صاحب قبلہ



خطیبِ انقلاب، احسن العلماء

علامہ سید حسن ظفؔر نقوی صاحب قبلہ

خطیب انقلاب احسن العلماء علامہ سید حسن ظفر نقوی صاحب قبلہ:

حضرت علامہ سید حسن ظفر نقوی صاحب قبلہ کے تعارف میں مندرجہ ذیل کوائف ملاحظہ فرمایئے:۔

۔ اسمِ گرامی : سید حسن ظفر نقوی

خطابات :(۱) آثار وافکار اکادمی (پاکستان) کی طرف سے ''احسن العلماء'' کا خطاب دیا گیا۔
(۲) لکھنؤ کے مومنین نے ''خطیب انقلاب'' کا خطاب دیا۔

۲۔ والدِ گرامی :جناب سید اقبال الظفر مرحوم ابن حضرت سید کلب احمد صاحب المتخلص ماّی جائسی اعلیٰ اللہ مقامہ

۳۔ حسب ونسب :حضرت علامہ حسن ظفر نقوی صاحب کے آباء و اجداد اور حضرت غفراں مآبؒ کے آباؤ اجداد کا خاندان ایک ہی تھا۔اس کے علاوہ آپ ذاکرِ شامِ غریباں حضرت عمدۃ العلماء (ثانی) مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ المعروف بہ مولوی کبّن صاحب قبلہ کے نواسے ہیں۔

۴۔ تاریخ ولادت : ۸رمئی ۱۹۵۸ء

۵۔ مقامِ ولادت : کراچی

۶۔ تعلیم وتعلیمی اسناد : آپ کے والدِ گرامی ملازمت کے سلسلہ میں ۱۹۶۲ء میں کراچی سے حیدر آباد (سندھ) منتقل ہو گئے تھے۔اس وقت آپ کی عمر تقریباً چار سال تھی۔اس لئے تعلیم کا آغاز حیدر آباد ہی سے ہوا اور وہیں آپ نے انٹر میجیٹ تک تعلیم حاصل

کی۔ ۱۹۸۰ء میں تلاشِ معاش میں پھر کراچی آگئے۔ نوکری مل گئی مگر۔ اب خود ان کی زبانی سنیے:۔ وہ فرماتے ہیں:۔

"نوکری تو مل گئی مگر طبیعت میں موجود انقلاب اپنی تشنگی مٹانے کے لئے چشمہ کی تلاش میں تھا۔ انقلاب ایران اور خمینیؒ بت شکن کی شخصیت حواسوں پر قبضہ کر چکی تھی۔ (اور یہ قبضہ الحمدللہ اب تک باقی ہے)۔ یہی تڑپ اور بے چینی یا یوں کہیئے کہ بزرگوں کی دعا کا معجزہ سامنے آیا۔ میں اپنی اصل کی طرف پلٹ آیا۔

جب یہ صورتِ حال پیدا ہوئی تو آپ نے دینی تعلیم کے حصول کے لئے ۱۹۸۴ء میں ملازمت ترک کر کے "مدرسۂ جعفریہ" میں داخلہ لیا۔

مدرسۂ جعفریہ کے اساتذہ:

علامہ حسن ظفر صاحب نے مدرسۂ جعفریہ کے دو اساتذۂ کرام کا ذکر نہایت تعظیمی اور توصیفی لفظوں میں کیا ہے۔

ملاحظہ فرمایئے:۔

"مدرسۂ جعفریہ" میں حجۃ الاسلام والمسلمین جناب شیخ نوروز علی نجفی صاحب نے اپنی مشہور سخت گیر طبیعت کے ساتھ مجھے بالآخر اپنی شاگردی میں قبول کیا۔ ان کی ڈانٹیں اور کبھی کبھی ڈنڈے کا استعمال میرے نفس کی تربیت کے لئے بہترین وسیلہ بنا۔ آج تک شیخ صاحب کے لئے دعائیں ہیں۔ وہ میرے مربی ہی نہیں بلکہ محسن ہیں"۔

اپنے دوسرے استادِ محترم کا ذکر کرتے ہوئے حضرت علامہ فرماتے ہیں:۔

"ان (حضرت علامہ شیخ نوروز علی نجفی) کے ساتھ ساتھ شیخ مستان علی نجفی صاحب

جیسا مہربان استاد بھی مدرسۂ جعفریہ میں ہی میسر ہوا۔

قم مقدس (ایران) میں تعلیم:

علامہ حسن ظفر صاحب ۱۹۸۵ء میں اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے روانہ ہوئے قم (ایران) میں حسب ذیل مدرسوں میں تعلیم حاصل کی۔

(۱) مدرسۂ رسالت

(۲) مدرسۂ حجتیہ، اور

(۳) مدرسہ فیضیہ

آپ نے قم میں بارہ سال قیام کیا اور اس دوران پاکستان آنا جانا مستقل رہا۔

قم میں آپ کے اساتذۂ عظام:

قم میں آپ کے اساتذۂ علام کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

(۱) آیۃ اللہ وجدانی مدظلہٗ العالی

(۲) آیۃ اللہ پایانی مدظلہ العالی

(۳) آیۃ اللہ محمدی خراسانی دام مجدہٗ

نصاب تعلیم:

قم کے نصاب میں (۱) شرح لمعہ، (۲) رسائل، (۳) مکاسب، اور (۴) کفایہ شامل تھیں۔

ان کے علاوہ آیۃ اللہ آقائی ناصر مکارم شیرازی اور آیۃ اللہ آقائی جواد آملی مدظلہم کے

تفسیر کے دروس میں شرکت کی۔ ان کے علاوہ آیۃ اللہ آقائی حسین مطاہری کے دروس اخلاق میں پابندی کے ساتھ شریک ہوتے رہے۔

علامہ حسن ظفر نقوی صاحب فرماتے ہیں:۔

"الحمدللہ ان میں سے اکثر اساتذہ نے اس ناچیز کو اسناد بھی عطا کیں۔ انہیں اسناد کی بناء پر "وفاق المدارس پاکستان نے خادم کو "سلطان الافاضل" کی سند عطا کی جو ایم۔اے کے مساوی شمار کی جاتی ہے۔"

دینی وملی خدمات:

حضرت علامہ نے ازراہ انکسار اس بارے میں یہ فرمایا:۔

"مفتی جعفر حسین صاحب کے دور سے ایک جذبہ ہے جو سرگرداں رکھے ہوئے ہے۔ میں کیا کرتا رہا اور کیا کر رہا ہوں یہ خود بیان کرنا زیب نہیں دیتا۔ بس ایک ہی آرزو اور تمنا ہے کہ مولا اپنی بارگاہ میں قبول کر لیں۔"

جناب حسن ظفر صاحب نے "کیا کیا ہے اور کیا کر رہے ہیں" ہمارے معلومات بہت محدود ہیں مگر جو کچھ ہیں یہاں ہم ان پر ایک نظر ڈالیں گے۔

۱۔ وہ جو ایک جذبہ ہے جو انہیں بے چین کیے رہتا ہے، اسی کا کرشمہ تھا کہ جنرل ضیاء الحق کے دور آمریت میں ملتِ جعفریہ کے حکومت مخالف مظاہروں میں ان کی عملی شرکت کی وجہ سے انہیں بقول ان کے متعدد بار گرفتار کیا گیا اور جیل میں کوڑے میں بھی مارے گئے۔

۲۔ ایران سے واپسی کے بعد ملت کے مسائل میں انہوں نے عملی دلچسپی لی اور کراچی میں جو قتل وخون کا بازار گرم تھا، اس میں اسپتالوں میں زخمی مومنین کی عیادت، ہر سانحہ پر پولیس اور

حکومت کے دوسرے افسران سے مذاکرات اور احتجاج کرنا اور جلسوں اور جلوسوں میں نمایاں حصہ لینا وغیرہ شامل ہیں۔

ان اقدامات کی وجہ سے آپ ملت کے نوجوانوں کے مقبول رہنما بن گئے تھے۔

۳۔ اپنی خطابت کی وجہ سے انہوں نے رفتہ رفتہ شہرت حاصل کی اور اب وہ ایک معروف و مقبول ذاکر کی حیثیت سے شہرت اور مقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ پنجاب میں ان کی مقبولیت اور بھی زیادہ ہے۔

خطابت کی ابتداء:

ان کی خطابت کی ابتدا کیسے ہوئی اور کس نے اس کی طرف ان کو راغب کیا، یہ انہیں سے سنیے:۔

"پانچویں (۵) جماعت میں تھے جب انوار احمد زئی صاحب (موجودہ چیرمین۔ انٹر بورڈ) نے پہلی تقریر لکھ کر دی، یاد کرائی اس ناچیز کو پہلا انعام ملا۔ ہمیشہ ہر مقام پر اس بات کا اعتراف اور اعلان کرتا رہا ہوں کہ خاندانی ورثہ اپنی جگہ لیکن اس حقیر کو خطابت کے میدان میں لانے والے اور گفتگو کے آداب سکھانے والے انوار احمد زئی صاحب ہیں۔"

سوشلسٹ نظریہ کی جماعتوں سے تعلق:

نوجوانی میں انہوں نے بائیں بازو کی تنظیموں سے وابستگی اختیار کی جس کی بدولت انہیں وہاں بھی بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔

دینی جماعتوں سے تعلق:

جہاں تک ہمارے علم میں ہے آپ جعفریہ الائنس، مجلسِ وحدتِ مسلمین (MWM) اور انجمنِ وظیفۂ سادات و مومنین وغیرہ میں اعلیٰ انتظامی عہدوں پر فائز ہوئے۔

شاعری:

علامہ حسن ظفرؔ نقوی صاحب کے جدِ امجد حضرت ماؔئی جائسی اپنے وقت میں قصیدہ اور غزل کے نہایت خوش فکر اور خوش گو شاعر تھے۔ ایک زمانے میں لکھنؤ میں قصیدہ کے چار بہت بڑے اور بہت اہم شاعر تھے جن میں:۔

۱۔ حکیم صاحب عالم صاحب

۲۔ لسان الشعراء جناب مولانا سید اولاد حسین صاحب المتخلص بہ شاعرؔ

۳۔ جناب علی یاور صاحب المتخلص بہ صدرؔ اجتہادی، اور

۴۔ جناب سید کلب احمد صاحب المتخلص بہ ماؔئی جائسی تھے۔

حضرت ماؔئی جائسی کے فرزند اور حضرت علامہ حسن ظفر صاحب قبلہ کے والدِ گرامی، جناب سید اقبال الظفر صاحب مرحوم بھی شاعری کا ذوق رکھتے تھے۔ اس طرح یہ فن حضرت علامہ تک ہاتھوں ہاتھ پہونچا ہے۔ آپ محافل میلاد میں اپنا کلام بڑے دلکش لحن میں پڑھتے ہیں اور خوب داد لیتے ہیں۔ امید ہے کہ کچھ عرصہ میں آپ کا کوئی مجموعۂ کلام شائع ہو جائے گا۔

تصانیف و تالیفات:

حضرت علامہ نے صرف منبر ہی نہیں سنبھالا، قلم بھی سنبھالا ہے۔ اب تک آپ کی

بائیس (۲۲) کتابیں شائع ہو چکی ہیں جو اگرچہ بیشتر آپ کی تقاریر کے مجموعوں پر مشتمل ہیں مگر مطبوعہ شکل میں آکر ان کی افادیت بڑھ گئی ہے اور بوجوہ تقاریر سے مستفیذ نہ ہونے والے ان کتابوں کے مطالعہ سے اپنے ذہنوں کو روشن کر سکتے ہیں، علم کو وسعت دے سکتے ہیں اور عقائد پر جلا کر کے ایمان کو مستحکم کر سکتے ہیں۔ چند کتابوں کے نام ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ امیر مختارؒ

۲۔ امامت اور ملوکیت

۳۔ تاریخِ کعبہ

۴۔ نشانِ راہ

۵۔ سیرتِ امام سجادؑ

۶۔ ارتقائے انسانیت

۷۔ حسینیت آزمائش کے میدان میں

۸۔ مکارم الاخلاق

۹۔ عقیدۂ انتظار

۱۰۔ آدابِ خود آگہی وغیرہ

اولاد:

بیٹیوں کے علاوہ صرف ایک فرزند عارف نقوی سلمہٗ ہیں جو ماشاء اللہ کراچی یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم ہیں۔ پروردگار ان کی عمر و اقبال میں ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔

حال ہی میں ایک ملاقات میں انہوں نے ہمیں بتایا کہ الحمدللہ ان کی تعلیم مکمل ہو گئی ہے اور اب وہ زندگی کے عملی میدان میں حصولِ معاش میں مصروف ہیں۔

تکملہ تحریر:

الحمد للہ اور صد ہزار بار شکر کہ پروردگار عالم کے فضل و کرم اور مدینۃ العلمؐ و باب مدینۃ العلمؑ اور جمیع مولایانِ علم علیہم الصلواۃ والسلام کے عنایات بے پایاں سے ۲۳ رذالحجہ ۱۴۳۵ھ کو یہ کتاب تکمیل کی منزل تک پہونچ گئی۔

مجھ بے علم و بے شعور کو یہ مجال کہاں تھی کہ دنیائے شیعیت کی ایسی عظیم المرتبت اور جلیل القدر ہستیوں کے بارے میں قلم فرسائی کروں جن میں بعض نظر کردۂ معصومین علیہم الصلواۃ والسلام اور روحانی عظمتوں کی حامل صاحبِ کرامات شخصیات بھی شامل ہیں۔ مگر مجدد ملت حضرت غفرانمآب علیہ الرحمۃ کی دو صد سالہ یادگار کے موقع پر ملت کے شیخ و شاب سے آپ کی ذاتِ اقدس کا تعارف کرانا اس تحریر کا بنیادی مقصد تھا اور ہے۔ اس سبب سے مجھ ایسے جہلِ مجسم نے اس کتاب کی تالیف کو زندگی کا اہم مقصد بنا لیا۔ مگر ایک تو کام بہت بڑا اور بہت اہم، دوسرے تحقیق و تنقید کے خارزار میں گویا ننگے پاؤں سفر کرتے ہوئے منزل تک پہنچنے کی دشواریاں، بعض اہم مآخذ کی عدم دستیابی، جسمانی تکالیف کی وجہ سے کتب خانوں تک رسائی کی مشکلات وغیرہ جن کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جو اس خارزار میں قدم رکھتے ہیں۔ اس پر وقت کی بے حد کمی کیونکہ ارادہ یہی تھا کہ انشاء اللہ تکمیل کے بعد ذالحجہ ۱۴۳۵ھ میں یہ کتاب شائع ہو جائے۔ اس صورتِ حال میں کتاب پر نظر ثانی کرنا بھی ممکن نہیں حالانکہ یہ بہت ضروری ہے۔ نظرِ ثانی میں کتنے ہی جملے اور پیراگراف تک قلمزد کرنا، کچھ کو دوبارہ لکھنا کہیں ترتیب بدلنا وغیرہ یہ سب باتیں تصنیف و تالیف کی لازمی ضروریات میں شامل ہیں۔ مگر وقت نہیں جو ان پر عمل کیا جا سکے۔ اس لئے کتاب میں

ترتیب و تحریر وغیرہ کے متعدد نقائص ہو سکتے ہیں۔ اپنی نا اہلی اور تحریر کے سلیقہ سے محرومی وغیرہ کا ذکر ہم نہیں کر رہے ہیں کہ اپنی مذمت خود ہی کیوں کریں جبکہ یہ کام کرنے والے اور بہت سے حضرات ہو سکتے ہیں۔

ہمیں سب سے زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ وقت کی کمی اور کتاب کی ضخامت کو محدود رکھنے کی وجہ سے نسلِ غفرانمآبؒ کی بہت سی جلیل القدر علمی شخصیات کا تذکرہ اس کتاب کی زینت نہ بن سکا۔ عہدِ موجود کی بعض اہم شخصیات کے ذکر سے بھی یہ تحریر تہی دامن ہے حالانکہ ان کا ذکر بہت ضروری تھا۔ مثلاً حضرت نخبۃ العلماء علامہ سید کاظم نقوی صاحب قبلہ دام مجدہٗ و مدظلہٗ العالی۔ نیز حضرت مولانا ڈاکٹر سید کلب صادق صاحب قبلہ اور حضرت مولانا سید کلب جواد صاحب قبلہ وغیرہ مگر ان کے کوائف بھی دستیاب نہ ہو سکے ورنہ لازماً شامل کیے جاتے۔

البتہ شکر ہے کہ عہدِ حاضر کے علماء میں سے سرکار صدر العلماء علامہ سید باقر نقوی صاحب قبلہ (دبئی) کے نہایت مختصر کوائف اور جناب عماد العلماء مولانا ڈاکٹر سید علی محمد صاحب قبلہ کا تذکرہ شامل کرنے کی سعادت حاصل ہو گئی۔ الحمد للہ کہ حضرت علامہ حسن ظفر نقوی صاحب قبلہ کے بھی کچھ مختصر حالات سے ہماری درخواست پر خود انہوں نے مطلع فرما دیا۔ سو وہ بھی حاضر ہیں جس کے لئے ہم ان کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں۔

سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ ہر کوشش کے باوجود کتب ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ میں شائع نہ ہو سکی۔ پھر چاہا کہ کم از کم ربیع الاول ۱۴۳۶ھ میں شائع ہو جائے کہ یہ زمانہ ۱۴۳۵ھ سے زیادہ دور نہیں اور اس میں بھی کتاب کی اشاعت کے بعد حضرت

غفرانمآبؒ کے بارے میں ایک مذاکرہ کا انعقاد، برمحل نہ سہی مگر پھر بھی کیا جا سکتا ہے۔ مگر افسوس کہ ع: 'ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال' کے مصداق یہ ارادہ بھی ناکام ہو گیا۔ اب دیکھیے کہ اس کی اشاعت کی نوبت کب آتی ہے۔ ہم نے اب ارادہ کرنا چھوڑ دیا ہے۔ جب پروردگارِ عالم کی رضا اور مولائے علم کی تائید حاصل ہو گی، کتاب شائع ہو جائے گی۔

ان معروضات کے ساتھ کتاب کی متوقع خامیوں کے لئے پر خلوص اور دردمندانہ معذرت کرتے ہوئے آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔ خداوندِ تعالیٰ آپ سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ خدا حافظ۔

گدائے درِ مولائے علم
ساحر لکھنوی

ماخذ و مصادر

(جن سے براہ راست یا بالواسطہ استفادہ کیا گیا)

۱۔ اجتہاد و تقلید	آقائی مرتضی مطہری شہید
۲۔ آئینۂ حق نما	حضرت غفرانمآبؒ
۳۔ انتصار الاسلام	علامہ غلام حسنین کنتوری
۴۔ اردوئے معلی	مرزا غالبؔ۔ مطبع مجتبائی دہلی ۱۸۹۹ء
۵۔ اوراق الذہب	مفتی میر محمد عباس شوستریؒ
۶۔ تاریخ سلطان العلماءؒ	زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہؒ
۷۔ تذکرۂ بے بہائی تاریخ العلماء	مولانا محمد حسین نوگانویؒ
۸۔ تذکرۃ العلماء (مطبوعہ ۱۲۸۵ھ)	مولانا سید مہدی ابن نجف علی الحسینی الرضوی العظیم آبادی
۹۔ تجلیات	مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی
۱۰۔ تاریخ لکھنؤ	مولانا سید محمد باقر شمسؔ
۱۱۔ تاریخ العلماء	مولانا محمد حسن
۱۲۔ تنزیہ الہفوات	میر نوازش حسن نوازشؔ
۱۳۔ تحفہ اثنا عشریہ	شاہ عبدالعزیز دہلوی
۱۴۔ تاریخ اودھ	نجم الغنی
۱۵۔ تکملۂ نجوم السماء	
۱۶۔ تذکرۃ المحققین	شاہ حسین مرزا اصفوی طوسی

۱۷۔	توضیح المجید (تفسیر قرآن)		سید المفسرین مولانا سید علی صاحب قبلہ طاب ثراہ
۱۸۔	تقویم۔ مرتبہ ابوالنصر محمد خالدی۔		
	مطبوعہ ۱۹۵۲ء		شائع کردہ انجمنِ ترقی اردو (پاکستان)
۱۹۔	جناب غفرانمآبؒ		سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ
۲۰۔	حیاتِ دبیرؔ		ثابتؔ لکھنوی
۲۱۔	حیاتِ فردوسؒ مکاں		زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب طاب ثراہ
۲۲۔	خطوطِ غالبؔ		مرتبہ مالک رام
۲۳۔	خطوطِ غالبؔ		مرتبہ منشی مہیش پرشاد
۲۴۔	خاندانِ اجتہاد کی علمی و ادبی خدمات		جناب سید رضا محمد رضاؔ جائسی
۲۵۔	دیوان حیؔ		ظریفؔ لکھنوی
۲۶۔	ریاضی جنتری	۱۹۲۹ء	مولفہ ریاض الحسن موسوی مالک
	ریاضی جنتری	۱۹۳۰ء	کتب خانہ ریاض التجارت۔ لکھنؤ
	ریاضی جنتری	۱۹۳۱ء	
۲۷۔	رودِ کوثر		ڈاکٹر شیخ محمد اکرام
۲۸۔	روحِ ادب		گھانسی رام
۲۹۔	رطب العرب		مفتی میر محمد عباس شوستریؒ
۳۰۔	سید العلماءؒ۔ حیات اور کارنامے		جناب سلامت رضوی
۳۱۔	سوانح حیات حضرت غفرانمآبؒ		زبدۃ العلماء مولانا آغا مہدی صاحب طاب ثراہ

۳۲۔ طرائف وظرائف	تاج العلماء مولانا سید علی محمد صاحب قبلہ طاب ثراہ
۳۳۔ شذور العقیان	مولانا سید اعجاز حسین کنتوری طاب ثراہ
۳۴۔ ظل ممدود	مفتی میر محمد عباس شوستری طاب ثراہ
۳۵۔ عماد السادات (تاریخ)	غلام علی
۳۶۔ علم اور علماء	ساحر لکھنوی
۳۷۔ عود ہندی	مرزا غالب
۳۸۔ فتاوائے شاہ عبدالعزیز دہلوی	
۳۹۔ فنِ تاریخ گوئی کا تنقیدی جائزہ	ساحر لکھنوی
۴۰۔ قدیم لکھنؤ کی آخری بہار	مرزا محمد جعفر مرحوم
۴۱۔ گزشتہ لکھنؤ	عبدالحلیم شرر
۴۲۔ مثنوی افسانۂ لکھنؤ	آغا حجو شرف
۴۳۔ مثنوی نان ونمک	مرزا جعفر علی فصیح
۴۴۔ مثنوی تحفۂ جعفری مطبوعہ دہلی	
۴۵۔ مقاصد الزائرین	پرنس مرزا محمد حسن
۴۶۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز دہلوی	
۴۷۔ مطلع انوار	مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنویؒ
۴۸۔ مواعظ حسینیہ	حضرت غفرانمآبؒ
۴۹۔ مذہب شیعہ ایک نظر میں	سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ

۵۰۔ "مبلّغ" لکھنؤ۔ غفرانمآب" نمبر

۵۱۔ مضامینِ عزیز ڈاکٹر سید مسعود حسن رضوی ردولوی

۵۲۔ مفردات القرآن (بحوالہ اجتہاد و تقلید) راغب اصفہانی

۵۳۔ مرثیہ "علم اور علماء" ساحر لکھنوی

۵۴۔ نجوم السماء مرزا محمد علی

۵۵۔ نزہۃ الخواطر مولوی عبدالحیٔ

۵۶۔ نوراللغات ج۔۱ مولوی نورالحسن نیّر کاکوروی

۵۷۔ نوراللغات ج۔۴ مولوی نورالحسن نیّر کاکوروی

۵۸۔ ورثۃ الانبیاء علامہ ہندی طاب ثراہ

۵۹۔ ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ مولانا سید محمد باقر شمس اعلی اللہ مقامہ

مخطوطات

۱۔ تاریخ ممتاز العلماء زبدۃ العلماء مولانا آغا مہدی صاحب طاب ثراہ

۲۔ تاریخ سید العلماء زبدۃ العلماء مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ طاب ثراہ

۳۔ شجرۂ طیبہ رنجوم تواریخ نجم العلماء مولانا سید ہدایت حسین صاحب طاب ثراہ

(انگریزی زبان میں)

۱۔ ڈاکٹر سید اطہر عباس رضوی کی تحقیقی اور تاریخی تصنیف:

"A Socio-Intellectual History of the Isna'Ashari Shi'is in India" By:

(ج۔۱ اور جلد۔۲) Dr. Saiyid Athar Abbas Rizvi.

مضامین جن سے استفادہ کیا گیا معہ اسمائے مضمون نگاران محترم

۱۔	تذکرۂ فرزندانِ غفرانمآبؒ	مولانا سید محمد جواد صاحب قبلہ
۲۔	غفرانمآبؒ ایک فلسفی کی نظر میں	مولانا شیخ محمد مصطفیٰ صاحب پٹنہ
۳۔	سلطان العلماء کی ختم الرسل قبلۂ ملک آداب	چودھری سبط محمد نقوی مرحوم
۴۔	مجددِ ملتِ جعفریہ، حضرت غفرانمآبؒ	سید العلماء علامہ سید علی نقی النقوی طاب ثراہ
۵۔	حضرت غفرانمآبؒ مولانا سید دلدار علی اور شیعہ سماج کی تشکیل	علامہ سید سعید اختر رضوی
۶۔	جناب رضواں مآب سلطان العلماء طاب ثراہ	سید العلماء علامہ سید علی نقی النقوی طاب ثراہ
۷۔	آقائی حضرت سید محمد سلطان العلماء رضواں مآب مجتہدِ اعظم	عماد العلماء علامہ سید محمد رضی صاحب قبلہ طاب ثراہ
۸۔	سلسلۂ نسلِ غفرانمآبؒ	سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ
۹۔	مجددِ ملت حضرت غفرانمآبؒ	سید العلماء علامہ سید علی نقی النقوی طاب ثراہ
۱۰۔	سلطان العلماء رضواں مآب	سید العلماء علامہ سید علی نقی النقوی طاب ثراہ
۱۱۔	مجدد الشریعہ محیی الملت حضرت غفرانمآبؒ	سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب طاب ثراہ
۱۲۔	علامہ نقوی شخاوہ سال کی عمر میں دانشوروں کی نظر میں	محترمہ ادیبہ بنت زہرا النقوی ندیٔ الہندی صاحبہ
۱۳۔	علامہ نقوی کے کارناموں پر ایک طائرانہ نظر	محترمہ ادیبہ بنت زہرا النقوی ندیٔ الہندی صاحبہ

مکتوبات

۱۔ مکتوب حضرت صدر العلماء علامہ سید باقر نقوی صاحب قبلہ دام مجدہ، بنام ساحر لکھنوی
۲۔ مکتوبات جناب مولانا سید مصطفیٰ حسین اسیف جائسی۔ بنام ساحر لکھنوی

جرائد واخبارات

۱۔ ماہنامہ "الواعظ"۔ شمارہ اکتوبر ۱۹۲۴ء
۲۔ ماہنامہ خیر العمل۔ لاہور
۳۔ ماہنامہ وحدتِ اسلامی۔ اسلام آباد
۴۔ پندرہ روزہ "ذوالفقار"۔ پشاور

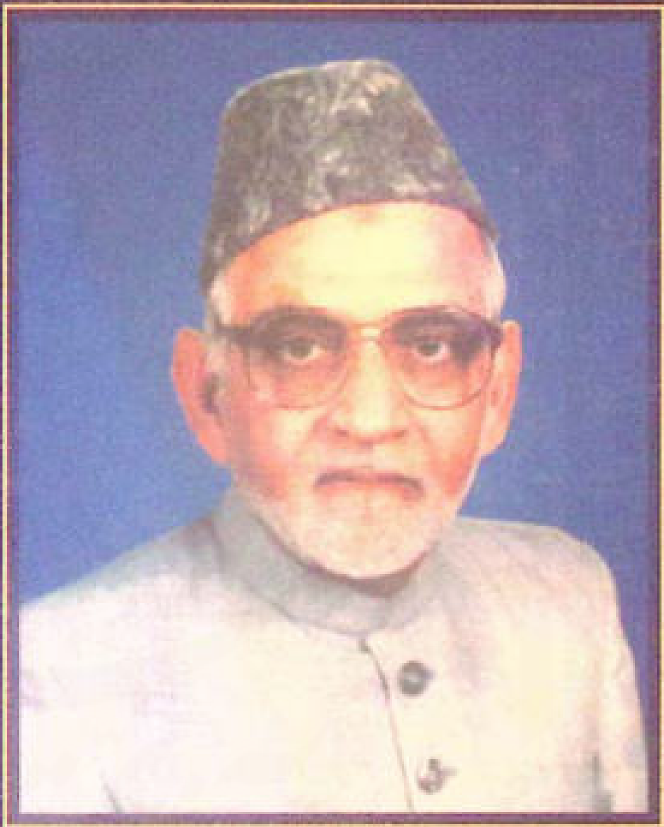
ماہنامہ شعاعِ عمل لکھنؤ کے متعدد شمارے

۱۔ شعاعِ عمل۔ خاندانِ اجتہاد نمبر۔ فروری ۲۰۰۴ء
۲۔ شعاعِ عمل۔ خاندانِ اجتہاد نمبر۔ دسمبر ۲۰۰۴ء
۳۔ شعاعِ عمل۔ خاندانِ اجتہاد نمبر۔ نومبر ۲۰۰۷ء
۴۔ شعاعِ عمل۔ خاندانِ اجتہاد نمبر۔ اکتوبر ۲۰۰۹ء
۵۔ شعاعِ عمل۔ خاندانِ اجتہاد نمبر۔ نومبر ۲۰۱۰ء
۶۔ شعاعِ عمل۔ عام شمارہ۔ نومبر ۲۰۰۶ء
۷۔ شعاعِ عمل۔ عام شمارہ دسمبر ۲۰۰۶ء
۸۔ شعاعِ عمل۔ عام شمارہ مارچ ۲۰۰۹ء
۹۔ شعاعِ عمل۔ عام شمارہ اپریل ۲۰۰۹ء
۱۰۔ شعاعِ عمل۔ عام شمارہ مئی ۲۰۰۹ء
۱۱۔ شعاعِ عمل۔ عام شمارہ ستمبر ۲۰۰۹ء اور متعدد دیگر شمارے۔

اعتذار

اس کتاب میں چند آیاتِ قرآنی بھی شامل ہیں جن کی کتابت میں ہم نے امکان بھر کوشش کی ہے کہ ہر قسم کی غلطیوں سے پاک رہیں اس غرض سے قرآنِ مجید کے مصدقہ نسخہ سے بار بار کتابت کا تقابل کیا گیا ہے لیکن پھر بھی انسان سہو و خطا کا پتلا ہے۔ لہٰذا اگر آیات کی کتابت میں سہواً یا طباعت کے دوران کوئی علامت یا حرف اُڑ جانے سے غلطی کا شبہ ہو تو اسے ہرگز ارادۃً نہ سمجھا جائے۔ پھر بھی ہم بارگاہِ رب العزت میں توبہ و استغفار کے ساتھ قارئین محترم سے بھی معذرت خواہ اور غلطی کی طرف متوجہ کرنے کے لئے شکر گزار رہوں گے۔

مصنف



ساحر لکھنوی

(سید قائم مہدی نقوی اجتہادی)